

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند

جلد اول

عظیم پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ سلسلہ چشتیہ، قادریہ، شطاریہ و سہروردیہ کے تحقیقی حالات

تالیف

محمد اقبال مجدی

پروکسینو پکس

تذکرہ
علماء و مشائخ
پاکستان ہند

جلد اول

بر عظیم پاکستان ہند کے علماء و مشائخ سلسلہ چشتیہ
قادریہ شطاریہ و سہروردیہ کے تحقیقی حالات

تالیف

محمد اقبال مجددی

یوسف ماریٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور 37352795

پروگریسو بکس

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	:	تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند
جلد اول	:	بر عظیم پاکستان ہند کے علماء و مشائخ سلسلہ چشتیہ قادر یہ شطاریہ و ہرود یہ کے تحتی حالات
مولف	:	پروفیسر محمد اقبال مجددی
طابع	:	آر۔ آر۔ پرنٹرز
ناشر	:	چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول۔ میاں شہزاد رسول
سن اشاعت	:	۲۰۱۳ء
قیمت	:	= / روپے

لائبریری کارڈ کیٹلاگ

محمد اقبال مجددی

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند

لاہور، پروگریسو بکس، ۲۰۱۳ء

- | | | | |
|----|----------------------------------------------|----|----------------------|
| ۱۔ | تذکرہ ہائی علماء و مشائخ | ۲۔ | سلاطین و ملی و مغلیہ |
| ۲۔ | تصوف، پاکستان و ہند | ۳۔ | تذکرہ علماء |
| ۵۔ | صوفیہ، سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ | | |
| ۶۔ | صوفیہ سلسلہ نقشبندیہ، احراریہ، علاقائی تذکرے | | |
| ۷۔ | عنوان کتاب | | |

۹۲۲، ۹۷

ملت پبلی کیشنز
ملت پبلی کیشنز اسلام بک ڈپو ایچ بیس روڈ لاہور
فون: 042-37112941
ملت پبلی کیشنز اسلام آباد
فون: 0321-4146464
Ph: 051-2254111
E-mail: milit_publication@yahoo.com

پروگریسو بکس
ایسٹ نائٹ ہائی سٹریٹ
آرڈر بازار لاہور
فون: 042-37124354
042-37357795
پروگریسو بکس

فہرست

افتتاح سخن ۱۴

علماء

۱. شیخ محمد اسماعیل لاہوری، محدث و مفسر ۱۸
۲. شیخ پیر شیرازی لاہوری ۲۰
۳. مولانا شمس سراج عقیف ۲۳
۴. میاں تاج الدین عبدوسی، (ملک احسان دہلوی) ۲۷
۵. مولانا قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی ۳۰
۶. حضرت مولانا شیخ احمد تھانیسری ۳۳
۷. مولانا بہاء الدین عبدالکریم نہروالی ۳۸
۸. مولانا محمد جعفر بن عبدالکریم بوبکانی ۴۲
۹. بخشی نظام الدین احمد ہروی ۴۶
۱۰. ملاشاہ محمد شاہ آبادی ۵۳
۱۱. قاضی احمد بن محمد غفاری ۵۶
۱۲. میر سید جمال الدین بن میر جلال الدین شیرازی ۶۰
۱۳. مولانا شیخ علی متقی ۶۴
۱۴. مولانا شیخ صبغة اللہ حسین بیہڑوچی ۷۳
۱۵. مولانا عبد اللہ عبدی لاہوری ۷۸

۱۶	مولانا عبد اللہ بن علومی عبد الحکیم، سیالکوٹی	۸۱
۱۷	شیخ محمد امین صدیقی علوی حسینی	۸۵
۱۸	شیخ محمد اشرف بن محمد مرید لاہوری	۸۸
۱۹	حکیم تقرب خان داؤد اصفہانی	۹۱
۲۰	ملا سعید خان لاہوری	۹۴
۲۱	مولانا حافظ نعمت اللہ لاہوری	۹۶
۲۲	حضرت حامد قاری لاہوری	۱۰۱
۲۳	مرزا محمد بن معتمد خان بدخشی (مؤلف تاریخ محمدی)	۱۰۶
۲۴	ملا محمود طیار کشمیری	۱۱۲
۲۵	میاں مرتضیٰ حسین الہ یار عثمانی (مؤلف حدیقۃ الاقالیم)	۱۱۴
۲۶	شیخ غلام حسین امداد ہاشمی برہانپوری	۱۱۸
۲۷	میر ابوالحسن، میرکلاں (مرتب رقعات عالمگیر)	۱۲۰
۲۸	میر سید علی جولان سرہندی	۱۲۲
۲۹	میاں منشی شاکر خان (مورخ)	۱۲۴
۳۰	مولوی غلام علی خان (مؤلف شاہ عالم نامہ)	۱۲۸
۳۱	منشی شہاب الدین احمد طالش (مؤلف قتیحہ عبریہ)	۱۳۲
۳۲	منشی غلام حسین سلیم (مؤلف ریاض السلاطین)	۱۳۶
۳۳	منشی سلیم اللہ (مؤلف تاریخ بنگالہ)	۱۴۰
۳۴	مولانا ترک غوری	۱۴۳
۳۵	میاں غلام حسین شورش عظیم آبادی (تذکرہ نویس)	۱۴۵
۳۶	مولانا احمد بن رکن الدین حسینی (مؤلف حلیۃ القاری)	۱۴۹
۳۷	شیخ احمد بن محمد صدیقی الوری	۱۵۲
۳۸	شاہ نواز خان مصصام الدولہ اورنگ آبادی (مؤلف آثار الامراء)	۱۵۴
۳۹	خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی	۱۵۷

۳۰. میر حسین علی خان، تاریخ نگار (مؤلف نشان حیدری) ۱۶۰
۳۱. جواہر رقم تبریزی، میر سید علی ۱۶۳
۳۲. میاں پیر محمد اودھی (مصنف مثنوی مہر و ماہ) ۱۶۶
۳۳. شیخ احمد اکبر آبادی (مؤلف تذکرۃ السادات) ۱۶۹
۳۴. شاہ محمد اجمل الہ آبادی ۱۷۱
۳۵. مولانا غلام محی الدین بگوی ۱۷۳
۳۶. علامہ تاج الدین بہجت ۱۷۵
۳۷. مولانا غلام حسین خان (مؤلف ذکر السیر) ۱۸۰
۳۸. مولانا محمد حسین خان شاہ جہانپوری (مؤلف ریاض الفردوس) ۱۸۳
۳۹. منشی ذوالفقار علی خان (مؤلف تذکرہ ریاض الوفاق) ۱۸۷
۵۰. حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم محمد صادق ۱۹۱
۵۱. مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی ۱۹۵
۵۲. قاضی فقیر محمد (مؤلف جامع التواریخ) ۱۹۷
۵۳. مولانا غلام محمد اسلمی (مؤلف تنبیہ الغافلین) ۲۰۱
۵۴. شیخ برہان الدین خان بہادر (مؤلف محامد حمادیہ) ۲۰۶
۵۵. مولانا محمد کریم اللہ دہلوی ۲۰۹
۵۶. مولانا ابوالفضل محمد اسحاق اسلام آبادی (شارح سبعہ معلقات) ۲۳۷
۵۷. مولانا وکیل احمد سکندر پوری ۲۳۸
۵۸. حکیم اعظم خان رام پوری ۲۵۲
۵۹. مولانا احمد شاہ رضوانی پشاوری ۲۵۸

صوفیہ گرام

۶۰. بابارتق بن کرپال ۲۶۲
۶۱. شیخ احمد زنجانی اور ان کا تذکرہ (تحفۃ الواصلین) ۲۶۷

۲۶۹	حضرت پیر بلخی	۶۲
۲۷۲	حضرت پیر نکی لاہوری	۶۳
۲۷۶	شیخ بدیع الدین شاہ مدار	۶۴
۲۷۹	مولوی امیر حسن مداری	۶۵

سلسلہ چشتیہ

۲۸۴	حضرت خواجہ جمال الدین احمد خطیب ہانسوی	۶۶
۲۸۸	حضرت شیخ بدر الدین غزنوی	۶۷
۲۹۲	مولانا شیخ بدر الدین اسحق اور آپ کی کتاب اسرار الاولیاء	۶۸
۲۹۶	امیر خرد اور سیر الاولیاء	۶۹
۳۰۸	حضرت شیخ انخی سراج	۷۰
۳۱۲	مولانا جمال الدین دہلوی	۷۱
۳۱۴	شیخ برہان الدین غریب ہانسوی	۷۲
۳۱۹	شیخ سید احمد کرمانی	۷۳
۳۲۱	شیخ جنید حصاری	۷۴
۳۲۳	حضرت سید محمد حسینی گیسودراز اور آداب المریدین	۷۵
۳۲۶	سید محمد حسینی گیسودراز اور اسفار الاسراء	۷۶
۳۲۹	سید شیخ اکبر حسینی بن سید محمد گیسودراز	۷۷
۳۳۳	شیخ پیارا	۷۸
۳۳۶	شیخ احمد مجد شیبانی	۷۹
۳۳۸	سید شاہ تاج الدین شیر سوار	۸۰
۳۴۰	حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابری	۸۱
۳۴۴	شیخ سعد اللہ دہلوی	۸۲
۳۴۶	شاہ بہاء الدین باجن	۸۳

۳۵۲	شیخ محمد چشتی گجراتی احمد آبادی	۸۳
۳۵۵	میاں شیخ عبدالوہاب جیلانی پشاور	۸۵
۳۵۷	شاہ محب اللہ الہ آبادی	۸۶
۳۶۳	شیخ احمد بن محمد حسینی کالپوی	۸۷
۳۶۷	شیخ ابوسعید چشتی صابری گنگوہی	۸۸
۳۷۰	حضرت شیخ داؤد گنگوہی، حدائق داودی کے آئینہ میں	۸۹
۳۹۵	حضرت سید میراں بھیکہ	۹۰
۳۹۹	شیخ فتح اللہ جالندھری	۹۱
۴۰۲	شیخ الہدیہ چشتی (مؤلف سیر الاقطاب)	۹۲
۴۰۶	شیخ اسماعیل چشتی اکبر آبادی	۹۳
۴۰۷	شیخ ابو محمد فتحی	۹۳
۴۰۹	شیخ پھوگی افغان عزیز زئی قصوری	۹۵
۴۱۲	شیخ عبداللہ خویشگی قصوری	۹۶
۴۱۸	شیخ محمد اکرم براسوی (مؤلف اقتباس الانوار)	۹۷
۴۲۳	شاہ ابوالعالی چشتی انیسٹھوی	۹۸
۴۲۵	حضرت حافظ محمد جمال ملتانی	۹۹
۴۲۸	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی چشتی فاروقی	۱۰۰
۴۳۵	شیخ امانت علی چشتی	۱۰۱
۴۳۷	شیخ ابوالحسن بن محمد حسن فرید آبادی	۱۰۲
۴۴۱	مولوی غلام احمد بریاں	۱۰۳
۴۴۵	تاج شاہ مجذوب لاہوری	۱۰۴
۴۴۷	شیخ غلام حسن شہید ملتانی	۱۰۵
۴۵۰	حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی	۱۰۶
۴۵۶	حضرت خواجہ الہ بخش تونسوی	۱۰۷

۱۰۸. شیخ تاج محمود بن شیخ احمد علی ۴۶۰
۱۰۹. حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ۴۶۲
۱۱۰. حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی ۴۶۵
۱۱۱. خواجہ سدید الدین تونسوی ۴۶۷

سلسلہ قادریہ

۱۱۲. حضرت شیخ ابوالفتح قادری لاہوری ۴۷۲
۱۱۳. شاہ حسین لاہوری ۴۷۷
۱۱۴. شاہ حسین لاہوری کار سالہ ”تہنیت“ ۴۸۱
۱۱۵. شیخ محمد ملتانی ثم بیدری ۴۹۲
۱۱۶. شیخ شاہ سکندر قادری کیسقلی ۴۹۶
۱۱۷. شاہ ابوالعالی قادری کرمانی لاہوری غربتی ۴۹۹
۱۱۸. بی بی جمال خاتون ۵۰۲
۱۱۹. نثار شاہ بدخشی قادری لاہوری ۵۰۴
۱۲۰. صوفی توکل بیگ ۵۰۸
۱۲۱. شاہ بلاول لاہوری ۵۱۳
۱۲۲. شیخ ابو محمد قادری لاہوری ۵۱۷
۱۲۳. شیخ سید بدر الدین گیلانی ۵۱۹
۱۲۴. شاہ لطیف بری قادری ۵۲۱
۱۲۵. حضرت سید حسن قادری پشاورى ۵۲۴
۱۲۶. حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری ۵۲۳
۱۲۷. شیخ فضل قادری لاہوری اور ان کی کتاب عین التصوف ۵۳۸
۱۲۸. شیخ سید پیر محمد گجراتی ۵۵۱
۱۲۹. شیخ سید جمال الدین اندرابی ۵۵۶

۱۳۰. مولانا ابوالحیات قادری پھلواری ۵۵۸
۱۳۱. مخدوم حامد محمد شمس الدین اوچی گیلانی ۵۶۱
۱۳۲. سلسلہ نوشاہیہ کے مشائخ و چند موفیقین ۵۶۲
۱۳۳. حضرت سید شرافت نوشاہی اور ان کی کتاب شریف التوارخ ۵۷۰

سلسلہ قادریہ شطاریہ

۱۳۴. حضرت سید احمد توختہ ترمذی لاہوری ۵۹۱
۱۳۵. شیخ بہاء الدین شطاری انصاری ۵۹۲
۱۳۶. شیخ عیسیٰ بن قاسم جند اللہ برہانپوری ۵۹۸
۱۳۷. شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری سندیلوی ۶۰۲
۱۳۸. شیخ برہان الدین برہانپوری (راز الہی) ۶۰۶
۱۳۹. شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری ۶۱۰
۱۴۰. شیخ شاہ محمد رضا شطاری لاہوری ۶۲۷
۱۴۱. شاہ عنایت قادری شطاری قصوری ثم لاہوری ۶۳۱

سلسلہ سہروردیہ، فردوسیہ، مغربیہ

۱۴۲. شیخ مخدوم احمد چڑچڑ سہروردی ۶۳۷
۱۴۳. شیخ امیر ماہ، سید افضل الدین ابو جعفر ۶۴۰
۱۴۴. شیخ احمد کبیر الدین بن سید شیر شاہ ۶۴۵
۱۴۵. شیخ احمد معشوق الہی ۶۴۸
۱۴۶. شیخ جمال خنداں رو ۶۵۰
۱۴۷. شیخ سماء الدین سہروردی دہلوی ۶۵۳
۱۴۸. حاجی عبد الوہاب، بخاری ۶۵۷
۱۴۹. حضرت میر سید جمال الدین سہروردی ۶۶۰

۱۵۰. حضرت شاہ عالم بخاری گجراتی ۶۶۳
۱۵۱. شیخ جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی ۶۷۰
۱۵۲. حضرت شاہ جمال قادری سہروردی لاہوری ۶۷۳
۱۵۳. شیخ سید باقر بن عثمان بخاری اویچی ۶۷۵
۱۵۴. مفتی غلام سرور لاہوری ۶۷۸
۱۵۵. شیخ بدر الدین سمرقندی فردوسی ۶۸۹
۱۵۶. شیخ رکن الدین فردوسی ۶۹۲
۱۵۷. حضرت بابا اسحاق مغربی ۶۹۵



نوٹ: ان میں سے بعض بزرگوں کی تحریروں کے عکس تذکرہ حاضر کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

محمد اقبال مجذوی

(مؤلف کتاب حاضر)

پیدائش

۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء بمقام قصور (من مضافات لاہور، پنجاب، پاکستان)

تعلیم

ایم اے تاریخ (درجہ اول) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تالیفات

- ۱۔ احوال و آثار سید شرافت نوشاہی، لاہور
- ۲۔ احوال و آثار عبداللہ خویشگی، قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۳۔ تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، لاہور، ۲۰۱۳ء

مرتبّات

- ۴۔ مقامات مظہری (احوال و افکار میرزا مظہر جان جاناں شہید) (۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء)
- ۵۔ حسان الحرمین (ملفوظات خواجہ محمد معصوم سرہندی) (۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) تالیف خواجہ عبید اللہ مردج الشریعت (تحقیق متن، ترجمہ، حواشی، مفصل مقدمہ) موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۸۱ء
- ۶۔ ملفوظات شریفہ شاہ غلام علی دہلوی، جامع خواجہ غلام محی الدین قصوری، تحقیق و تعلیق و تقدیم، لاہور ۱۹۷۸ء۔

- ۷۔ اثبات المولد والقیام، تحقیق و تقدیم، استنبول، ترکی۔
- ۸۔ رشحات عنبریہ (احوال و مقامات شاہ احمد سعید مجددی) تحقیق و تقدیم، استنبول، ترکی۔
- ۹۔ حدیقت الاولیاء (پنجاب و نواحی آل کے صوفیہ کا تذکرہ) تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، لاہور، ۱۹۷۵ء، دوم، ۲۰۰۰ء۔
- ۱۰۔ لطائف المدینۃ (احوال خواجہ محمد سعید سرہندی ف ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۱ء) تالیف شیخ عبد الاحد وحدت سرہندی، تحقیق و تعلیق و ترجمہ، لاہور، ۲۰۰۴ء۔
- ۱۱۔ مقامات معصومی (احوال و تعلیمات خواجہ محمد معصوم سرہندی) تالیف صفراحم معصومی، تحقیق و تعلیق و ترجمہ (جلد اول) (مقدمہ مجددی تحریک جلد دوم، (اردو ترجمہ) جلد سوم فارسی متن، جلد چہارم (تعلیقات و توضیحات)، لاہور، ۲۰۰۴ء۔
- ۱۲۔ احوال مشائخ کبار (ملفوظات شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری ف ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۳ء) تالیف شیخ سلیمان بن سعد اللہ لاہوری) تحقیق و تقدیم، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء۔
- ۱۳۔ زاد المعاد (تذکرہ خواجہ حسام الدین احمد ف ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) تالیف خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہ جلد اول (نقشبندی مشائخ کی سعی ہای احیائے دین، احوال و آثار حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجہ حسام الدین احمد، خواجہ کلاں) جلد دوم (اردو ترجمہ)، جلد سوم (فارسی متن) جلد چہارم (تعلیقات و توضیحات)، گوجرانوالہ، ۲۰۱۳ء۔
- ۱۴۔ معمولات مظہریہ (احوال و ملفوظات و معمولات حضرت مظہر جانِ جانان شہید) تالیف شیخ نعیم اللہ بہرائچی، ترجمہ و تعلیقات، زیر طبع
- ۱۵۔ بشارات مظہریہ (احوال و مکتوبات حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید) تالیف نعیم اللہ بہرائچی تحقیق و تعلیق و ترجمہ، زیر طبع
- ۱۶۔ کمالات مظہریہ (احوال حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید) تالیف شاہ غلام علی دہلوی، زیر چاپ
- ۱۷۔ تذکرہ علمائے ساہووالہ (سیالکوٹ) تالیف محمد شہنواز الدین، تحقیق و حواشی، لاہور، ۱۹۷۱ء۔

۱۸۔ تذکرہ شرافت نوشاہی (احوال و سخنان) شریک مرتب ڈاکٹر عارف نوشاہی، اسلام آباد،

۲۰۰۸ء

۱۹۔ رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی مولفہ وکیل احمد سکندر پوری، لاہور، ۲۰۱۱ء

۲۰۔ دفاع حضرت مجدد الف ثانی (رسائل کا مجموعہ)، گوجرانوالہ، ۲۰۱۲ء

مقالات

اب تک تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات دنیا کے موقر جرائد میں طبع ہو چکے ہیں یعنی معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ، برہان (ندوة المصنفین، دہلی)، مجلہ علوم اسلامیہ، (علی گڑھ)، اور نیشنل کالج میگزین (لاہور) مجلہ تحقیق (لاہور)، صحیفہ (لاہور)، المعارف (لاہور) بصائر (کراچی)، اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، دانشنامہ جہان اسلام، (تہران ایران)، دانشنامہ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ (تہران، ایران)۔

افتتاح سخن

۱۹۶۵ء کے آغاز کی بات ہے راقم نے میٹرک کا امتحان دیا تھا، نتیجہ آنے میں بھی تاخیر تھی کہ لاہور کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتب پڑھ ڈالیں، ان میں لاہور کے صوفیہ کے ایک تذکرہ تحفۃ الواصلین کے حوالے نظر سے گذرے اس کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو کبھی طبع ہی نہیں ہوا، مخطوطات کی اصطلاح سے واقف تھا، پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں جا کر کئی فہارس مخطوطات دیکھیں، کوئی نشان نہ مل سکا، ناچار لاہور کی کتب تاریخ میں سے اس کے اقتباسات جمع کیے تو ان میں خاصا تضاد نظر آیا، مولف کا نام شیخ احمد زنجانی لکھا ہوا تھا، ان کے حالات کی جستجو ہوئی تو کوئی کامیابی نہ ہو سکی، کئی اصحاب علم و تحقیق کو خطوط لکھے، جواب نفی میں آئے، مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں ایک مختصر سا مضمون لکھا، والد گرامی میاں نور محمد مرحوم کو سنایا، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اسے دارالمصنفین، اعظم گڑھ (بھارت) کے رسالہ معارف میں بھیج دو، یقین فرمائیے کہ میں اس کم سنی میں نہ صرف دارالمصنفین سے واقف تھا بلکہ وہاں کے اہل قلم کے ساتھ مراسلت بھی تھی تحفۃ الواصلین کی جستجو کے دوران ان حضرات سے بھی رابطہ قائم کیا تھا، میں نے لڑکپن کا احساس کیے بغیر ہی اپنا مضمون دارالمصنفین بھیج دیا، جہاں سے یہ اس کے ماہنامہ معارف (نومبر ۱۹۶۷ء) میں شائع ہو گیا، میں بہت خوش ہوا کہ جہاں بڑے بڑے محققین کے مقالات چھپتے ہیں وہاں سے مجھ جیسے میٹرک کے ایک طالب علم کا مضمون طبع ہو گیا، یہ میرا پہلا مقالہ تھا جو لکھا اور شائع ہوا۔

گویا آغاز طالب علمی سے ہی علماء و صوفیہ کے افکار سے مناسبت ہو گئی جو بھگت لکھنؤ آج تک قائم ہے، اس دوران اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں سالِ اوّل میں داخلہ ہو گیا، کالج کا میگزین کریسنٹ نکلتا تھا، میں اس میں مضامین لکھنے کی مشق کرنے لگا۔

اس کے بعد پاکستان و ہند کے کئی رسائل میں مضامین لکھے، اکثر مقالات کا موضوع علماء و صوفیہ کے احوال ہی تھا، نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

تقریباً پندرہ سال پہلے حکومت ایران نے برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی زبان و ادب کی عہدِ بعہد تاریخ اور ترقی کے سلسلہ میں ایک دانشنامہ امرتب کر دانے کا پروگرام بنایا تو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبہ فارسی کو اس کا مرکز قرار دے کر مقالات کے عنوانات کی ایک فہرست بھیجی یہ مقالات یہاں کی ایسی شخصیات کے علمی کارناموں پر تھے جنہوں نے اس زبان میں کتابیں تالیف کی تھیں، ان میں سے علماء و صوفیہ پر مقالات لکھنے کے لیے راقم عاجز کا انتخاب ہوا اور اس کی پہلی جلد (حرف الف) کے لیے ایک سو سے زیادہ مضامین مجھ سے لکھوائے گئے، جن کی تلخیص کر کے جدید فارسی تراجم اس میں شامل کیے گئے، اسی طرح اس کی دوسری جلد کے لیے بھی اس بے بضاعت کی خدمات لی گئیں لیکن افسوس کہ کئی مقالات ایرانی مرکز تہران کی عدم توجہی کے باعث تلخیص کرتے وقت بے کار ہو کر رہ گئے اور بعض دوسروں کے نام پر شائع کر دیئے گئے، اس لیے مناسب یہی سمجھا کہ ان مقالات کے اصل اردو متون کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں، جن کا ایک مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔

مذکورہ دانشنامہ کے علاوہ دانشنامہ جہان اسلام، تہران، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، المعارف، لاہور، صحیفہ، لاہور، بصائر، کراچی، سرحد، کراچی، مجلہ تحقیق، لاہور، تحقیق (حیدر آباد)، معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) اور برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی) وغیرہ میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

اس مجموعہ میں تقریباً ۲۱۰ شخصیات کے مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں اور احوال کے بعد ان کی زندگی کے مآخذ کی فہرست دے دی گئی ہے تاکہ کوئی مزید تحقیق کرنا چاہے تو اسے ان کے نام مل جائیں۔

اس عاجز کو اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے، قارئین کرام سے التماس ہے کہ میری کوتاہیوں کو نظر انداز

کرنے کی بجائے ان کی نشاندہی فرمائیں تاکہ اغلاط راہ نہ پاسکیں، ان مقالات کی تحریر کے دوران جن بزرگوں نے راہنمائی کی ان میں حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مولوی شمس الدین اور خلیل الرحمن داؤدی مرحوم شامل ہیں۔

عزیز دوست جناب محمد عالم مختار حق نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے اس کی دونوں جلدوں کے پروف پڑھ دیئے جس سے میرے لیے آسانی پیدا ہو گئی، اتنا بڑا مجموعہ دھرے کا دھرا رہ جاتا اگر عزیز محمد کاشف رضا اسے متعدد مرتبہ اس کے ناشر پروگریسو بکس کے ہاں نہ لے جاتے، انہوں نے اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا جس کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کے ناشر میرے لڑکپن کے دوست چودھری غلام رسول صاحب نے اسے اپنے اشاعتی پروگرام کا حصہ بنا کر علمی دنیا سے متعارف کروایا ہے، ان کے فرزند ان صاحب جو ادب سول اور شہباز رسول نے اس کی کمپوزنگ کے لیے بھی مسلسل کوشش کی، کمپوزنگ کی صبر آزما کاوش میں محمد مدثر صاحب نے اہم کردار ادا کیا، ان سب احباب کے لیے سادہ الفاظ میں شکریہ ہی نہیں بلکہ قارئین سے دعا کی التماس ہے۔

تذکرہ حاضر پاکستان و ہند کا کوئی باقاعدہ تذکرہ نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً جو مقالات احقر نے لکھے وہ یکجا کر کے یہ مجموعہ مرتب کر دیا گیا ہے۔

دارالمورخین

۱۹۶۱ء، بی، سبزہ زار، لاہور

عاجز

محمد اقبال مجددی

۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

علماء

شیخ محمد اسماعیل لاہوری، محدث و مفسر

شیخ اسماعیل محد - ۰ ی (ف ۳۳۸ھ / ۱۰۵۶ء) کے حالات قدیم تذکروں میں نہیں ملتے مقامی روایات کے مطابق موصوف بخاری سادات میں سے تھے اور لاہور آنے والے مبلغین و محدثین میں قدیم شخصیت تھے، ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ خاص طور پر تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے، اواخر ۳۹۵ھ / ۱۰۰۵ء کو لاہور تشریف لائے، آپ کہاں سے تشریف لائے اس امر کا علم نہیں ہے، کتاب تحفۃ الواصلین تالیف شیخ احمد زنجانی (آٹھویں صدی ہجری) میں ہے کہ ان کی مجلس وعظ میں عوام بکثرت شریک ہوتے اور ہزار ہا افراد نے ان کے مواعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ سب سے پہلے جس بزرگ نے لاہور میں قرآن مجید کا درس دیا وہ بھی شیخ اسماعیل بخاری تھے، (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۳۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۷۹) آپ کا دفن لاہور میں ہے اس وقت ہال روڈ کیتھڈرل سکول کے ساتھ ایک بلند چوترے پر مرجع خلافت ہے۔

ایک اور شیخ مولانا اسماعیل محدث لاہوری بھی تھے، جن کا سال وصال ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء ہے، انہوں نے فقہ اور حدیث کی کتابیں شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی (ف ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء) اور میر جمال الدین عطاء اللہ محدث صاحب روضۃ الاحباب (ف ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) کی خدمت میں پڑھیں اور سلسلہ نقشبندیہ میں امیر عبد اللہ ہروی معروف بہ میر قطبی (خلیفہ شیخ جلال واعظ ہروی بخاری) سے ارادت خاص رکھتے تھے، لاہور تشریف لائے اور یہاں علمی و روحانی خدمات انجام دیں وفات کے بعد لاہور ہی میں دفن ہوئے (گلزار ابرار ۳۵۳)۔

ایک اور شیخ اسماعیل الشاشی جو کہ شاش (چاچ) میں حضرت سید علی ہجویری معروف بہ گنج بخش لاہوری (متوفی بعد ۳۸۰ھ / ۱۰۸۷ء) کے معاصر تھے اور غزنی میں معروف کار تھے (کشف المحجوب ۲۶۳) کے بارے

میں قیاس کیا گیا ہے کہ وہ بھی لاہور آئے ہوں گے (ماثر لاہور ۲ / ۱۰-۱۱) لیکن ان کے لاہور آنے کا کوئی معاصر ثبوت موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان تینوں ہم نام بزرگوں کی کوئی تصنیف دریافت ہوئی ہے۔

مآخذ

- ۱۔ انجم رحمانی: مرقع لاہور، لاہور، ۲۰۱۰ء
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۳۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و حواشی، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء
- ۴۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۵۔ علی ہجویری، سید: کشف المحجوب، تصنیف محمد عابدی، تہران، ۱۳۸۴ ش
- ۶۔ محمد اسلم: خفتگان خاک لاہور، لاہور، ۱۹۹۳ء
- ۷۔ کنھیالال ہندی: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۷۳ء
- ۸۔ Muhammad Latif: Lahore, its History, Lahore 1892
- ۹۔ ہاشمی فرید آبادی، سید: مآثر لاہور، لاہور، ۱۹۵۶ء

۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شیخ قارہ، تہران

شیخ پیر شیرازی لاہوری

پیر شیرازی آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور صوفی تھے۔

پیر شیرازی کا اصل نام سراج الدین تھا، موصوف حدود ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء کو بخارا سے لاہور آئے اور بخارا ہی کے رہنے والے تھے۔ (Lahore, p.226) لیکن ان کے نام کی نسبت سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ اصلاً شیراز کے ہوں گے یا ان کے اجداد شیراز سے بخارا جا کر آباد ہو گئے ہوں گے اور ان کے نام کے ساتھ علاقائی نسبت شیرازی باقی رہنے دی گئی۔

جب آپ بخارا سے لاہور آئے تو یہاں مشہور علم پرور پادشاہ سلطان محمد تغلق (۷۲۰ھ-۷۲۵ھ / ۱۳۲۵-۲۰ء) کی حکومت تھی۔

آپ چونکہ بڑے عالم اور مدرس تھے عوام میں ان کے علمی تبحر کی وجہ سے بڑی مقبولیت تھی اس لیے حکومت کے اہل کاروں کی توجہ کا مرکز بن گئے، ملتان کے عامل نے ایک مرتبہ آپ کو پنجاب کی صوبائی حکومت میں کوئی خدمت تفویض کی، سلطان آپ کی حسن کارکردگی سے بہت متاثر ہوا، بادشاہ ایک مرتبہ مختصر دورے پر لاہور آیا تو پیر شیرازی کو لاہور کا قاضی مقرر کرنے کی خواہش ظاہر کی، جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پیر شیرازی ایک آزاد منش عالم اور صوفی تھے، بادشاہ اس روش پر بہت ناراض ہوا اور انہیں اس حکم عدولی پر موت کی سزا سنائی لیکن دیگر علماء و اہل کاران حکومت نے بعد منت یہ سزا معاف کروادی (تاریخ لاہور ۱۵۲، Lahore, p. 226)

اس افسوسناک واقعہ کے بعد پیر شیرازی گوشہ نشین ہو گئے اور تمام دنیوی تعلقات منقطع کر دیئے (Lahore, p. 226)

پیر شیرازی چونکہ ایک ذی علم بزرگ تھے اور درس و تدریس شغل تھا، اس کے علاوہ دعوت و ارشاد کا سلسلہ الگ جاری کر رکھا تھا، اپنے درود لاہور سے لے کر وفات تک یہ اشغال جاری رہے، مقامی مورخین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ آپ نے گوشہ نشینی کی زندگی کیسے گزاری، سید محمد لطیف نے تو لکھا ہے کہ صرف دنیوی امور (یا امور مملکت) سے دست کش ہو گئے تھے (Lahore p. 226)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گوشہ نشینی و عزلت کے دوران بھی درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا لیکن کنھیالال نے معلوم نہیں یہ کیسے لکھ دیا کہ بادشاہ کی ناراضی اور پھر جاں بخشی کے واقعہ کے بعد آپ نے تعلیم و تلقین کا دروازہ ہی بند کر دیا اور تارک الدنیا ہو گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۵۲)

مقامی تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے پیر شیرازی کے سلسلہ طریقت کا بھی ذکر نہیں کیا کہ ان کا کن مشائخ سے تعلق تھا یہاں تک کہ ان کا سال وفات بھی نہیں لکھا۔

پیر شیرازی جس حجرے میں عزلت گزیر ہوئے تھے وفات کے بعد اسی میں دفن کیے گئے۔ ان کا مزار لاہور میں جوڑے موری بازار (Jory Mori Bazar) جو چوک متی (Chock Matti) سے ذرا آگے ہے اس گلی کا نام ہی کوچہ پیر شیرازی ہے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی ملحق ہے، سید محمد لطیف کے زمانہ (۱۸۹۲ء) تک یہ مزار اپنی اصل حالت میں موجود تھا اور لاہور کی چند قدیم ترین عمارتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ (Lahore p. 226)

مقبرہ کی موجودہ عمارت ۲۰ صفر ۱۳۹۵ھ / ۳ مارچ ۱۹۷۵ء کو تعمیر ہوئی، پیر شیرازی کا کوچہ لاہور کے قدیم ترین محلوں اور آبادیوں میں سے تھا، عہد مغلیہ میں یہ علاقہ گذر بارز خان کہلاتا تھا۔ (ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۷ء)

مآخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، منظر: یقینہ الاولیاء، تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۳۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۴۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۳ء
- ۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۶۔ نقوش لاہور نمبر، شمارہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء
- 7- Muhammad Latif: Lahore, its History. Architectural Remains, Lahore, 1892

۲۲ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا شمس سراج عقیف

شمس سراج عقیف آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کا ایک مورخ تھا، جو اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی کے باعث شہرت رکھتا ہے۔

شمس سراج عقیف کے حالات زندگی مطبوعہ اور متعارف کتب میں نہیں ملتے صرف وہی نکات یک جا کر کے اس کی زندگی کے چند وقائع بیان کیے جا رہے ہیں جو اس نے اپنی مذکورہ کتاب میں خود لکھے ہیں۔ عقیف اس کی جدی نسبت ہے۔ اس کے دادا شمس شہاب عقیف تھے (تاریخ فیروز شاہی ۳۹) اس طرح اس نے اپنے پردادا کا نام ملک سعد الدین۔ شہاب عقیف بتایا ہے (ایضاً ۳) جس دن سلطان فیروز شاہ کی ولادت ہوئی یعنی ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء اسی روز مولف شمس سراج کے دادا یعنی شمس شہاب عقیف تولد ہوئے (ایضاً ۳۹) یعنی مولف کے اجداد قصبہ ابوہر (Abu Har) من مضافات دیپال پور (Depal Pur) میں رہتے تھے جہاں اس کے پردادا ملک سعد الملک شہاب عقیف عہدہ دار تھے یعنی غیاث الدین تغلق کے سلطان بننے سے پہلے، ایللیٹ (Elliot) نے اس عہدہ کا ترجمہ محصل مالیات (Collector of the Revenue) کیا ہے۔ (History of India, Vol III p.269)

شمس سراج کے والد سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے ہاں ملازم تھے، حوادث و اخبار سے سلطان کو آگاہ رکھتے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۳۰) اور پھر وہ حصار فیروزہ کے مقام پر ”شب نویسی خواصان“ کے عہدہ پر بھی متمکن رہے (ایضاً ۱۲-۱۳۵) انہیں مزار حضرت خواجہ نظام الاولیاء کی خدمت پر بھی مامور کیا گیا (ایضاً ۱۹۶) اس کے بعد وہ ”دیوان وزارت“ پر بھی متعین کیے گئے (ایضاً ۱۹۷) اس کے علاوہ وہ جاجنگر (Gajnager) میں بھی خدمات بجالاتے رہے (ایضاً ۱۶۳، ۱۷۲) اسی طرح جگر کوٹ کے محاصرہ کے دوران میں وہ سلطان کے ہمرکاب تھے (ایضاً ۱۸۶)

شمس سراج عقیف کا سال ولادت معلوم نہیں ہے البتہ اس نے لکھا ہے کہ جب فیروز شاہ ٹھٹھہ سے دہلی آیا تو میری عمر بارہ سال کی تھی (ایضاً ۳۱۰) فیروز شاہ ۷۶۳ھ / ۱۳۶۱ء کو واپس آیا اس اعتبار سے عقیف کا سال پیدائش حدود ۷۵۱ھ قیاسی طور پر متعین کیا جاسکتا ہے۔ (ریو: فہرست موزہ بریطانیہ ۱ / ۲۳۲)

نفس سراج کی پرورش شاہی محل میں ہوئی اور ”اصحاب دیوان وزارت“ کے ساتھ چالیس سال تک حوادث کا مشاہدہ کیا اور انہیں تاریخ کے صفحات پر یادگار بنادیا (تاریخ فیروز شاہی ۱۰۵، ۲۸۱)

سلطان فیروز شاہ ہر سال جب شکار کے لیے جاتا تو شمس سراج عقیف بھی اس کے ہمراہ ہوتا تھا (ایضاً ۳۳۰-۳۲۱) گویا اپنے عہد کے بہت سے واقعات کا وہ عینی گواہ ہے۔

شمس سراج کے والد کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (ف ۷۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے خلیفہ خواجہ قطب الدین منور ہانسوی (ف ۷۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، خود شمس سراج کو خواجہ ہانسوی کے جانشین شیخ نور الدین کے ساتھ خاص ارادت تھی۔ (ایضاً ۱۳۱-۱۳۲)

ریونے ٹس سراج کو براہ راست خواجہ قطب الدین منور کا عقیدت مند بتایا ہے جو اس کے اپنے قول کے خلاف ہے اس نے ٹس سراج کا سال ولادت ۷۵۱ھ خود متعین کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ قطب الدین کے وصال کے وقت اس کی عمر صرف چھ سال تھی اس نے تاریخ فیروز شاہی کے جملہ ”شیخ قطب الدین۔۔۔۔۔ خواجہ خواجہ ابن مورخ“ میں ”خواجہ خواجہ“ کی ترکیب پر غور نہیں کیا جس کا مطلب ہے کہ میرے خواجہ نور الدین کے خواجہ یعنی خواجہ قطب الدین منور۔۔۔۔۔

شس سراج عقیف کی اب تک دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک مناقب سلطان محمد تغلق (تاریخ فیروز شاہی ۴۲) ایک اور عنوان خود عقیف نے دہلی پر منگولوں کے حملہ کے واقعات ”ذکر خرابی دہلی“ (ایضاً ۱۸۵) کے نام سے لکھے تھے لیکن یہ سب کسی بڑی کتاب جیسے تاریخ فیروز شاہی کے حصے معلوم ہوتے ہیں جداگانہ رسائل نہیں ہیں۔

شمس سراج عقیف کی جس کتاب نے اس کا نام زندہ رکھا ہے وہ تاریخ فیروز شاہی ہے جس میں سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے عہد کے واقعات درج ہیں، یہ کتاب ہندوستان پر تیمور کے

حملہ ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء کے دوران لکھی گئی (تاریخ فیروز شاہی ۳۱۴) جو پانچ اقسام پر مشتمل ہے ہر قسم کے اٹھارہ مقدمات ہیں، تمام دریافت شدہ نسخے ناقص ہیں، اس کا جوائڈیشن مرتبہ مولوی ولایت حسین ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے ۱۸۹۱ء کو طبع ہوا تھا وہ بھی ناقص ہے، اس کے بعض اہم اقتباسات کا انگریزی ترجمہ ایلٹ کی تاریخ ہندوستان (جلد سوم ص ۲۷۱-۳۷۳) میں شامل ہے۔ اسے اس موضوع کی مشہور کتاب تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ ضیاء الدین برنی کا مکملہ کہنا درست ہے جو ۶۶۲-۷۵۸ھ / ۱۲۹۳-۱۳۵۶ء تک کے وقائع کو محیط ہے۔

عفیف کے والد، دادا اور پردادا سلاطین دہلی کے ہاں معزز عہدوں پر فائز تھے اس لیے اس نے اپنی مرتبہ تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس میں ان کی روایات کو ترجیح دی گئی ہے، خود عفیف عرصہ دراز تک فیروز شاہ کی ملازمت میں رہا اسے مختلف اہم واقعات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، گویا وہ خود چشم دید گواہ بھی ہے۔ اس نے فن تاریخ کا بہتر طور پر استعمال کیا ہے اس کے ہاں تاریخی فوائد قابل اعتنا ہیں وہ تاریخ کو ایک اعلیٰ درجہ کا علم تصور کرتے ہوئے اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ (Hardy, P: Historians of Medieval India, pp.40-55)

ماخذ

- ۱۔ شمس سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء
- ۲۔ شمس اللہ قادری: مورخین ہند، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۳ء
- 3- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, (rep.) Lahore, 1976
- 4- Hardy, P: Historians of Medieval India, London, 1960
- 5- Hodivala, S. H: Studies in Indo-Muslim History, a critical Commentary on Elliot and Dowson's History of India, (Rep) Lahore, 1979.
- 6- Mohibbul Hasan: Historians of Medieval India, Delhi, 1982.
- 7- Nizami, K.A : On Sources and Source Material, Delhi, 1995
- 8- Nizami, K.A. On History and Historian of Medieval India, Delhi, 1983

- 9- Phillips, C.h (ed) : Historians of India, Pakistan and Ceylon, London, 1961
- 10- Rieu, ch: Cat, of Persian Manuscripts in British Museum, London 1897
- 11- Storey , C.A: Persian Literature, London, 1972

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء

برائے دانشنامہ شہید قاری

میاں تاج الدین عبدوسی، (ملک اختسان دہلوی)

تاج عبدوسی آٹھویں صدی ہجری کا ایک انشا پرداز، مؤلف اور مورخ تھا۔

تاج عبدوسی کا پورا نام محمد صدر علا احمد حسن دبیر عبدوسی ملقب بہ تاج معروف بہ اختسان یا ملک اختسان

ہندی دہلوی تھا۔

اس کے حالات مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے اس نے اپنی تصنیف بسا تین الانس کے دیباچہ میں بتایا ہے کہ اس نے ۷۲۶ھ میں یہ کتاب لکھی اس وقت میری عمر صرف ۲۶ سال تھی اس اعتبار سے اس کی ولادت ۷۰۰ھ (۷۲۶-۲۶) کو ہوئی۔ اس وقت ہندوستان پر محمد شاہ بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کی حکومت تھی۔ وہ شاہی دربار سے وابستہ تھا یعنی دیوان الانشاء میں سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا۔

محمد بن تغلق کے پیش رو ابوالمظفر غیاث الدین تغلق (۷۲۰-۷۲۵ھ / ۱۳۲۰-۱۳۲۵ء) کے ہاں بھی تاج دبیر کے معزز عہدے پر متمکن تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء کو ترہٹ (Tirhut) کا محاصرہ درپیش تھا تو تاج عبدوسی بھی سلطان کے ہمراہ تھا اس نے بتایا ہے کہ کس طرح کی تکالیف اٹھا کر وہ سلطان کے ہمراہ دہلی پہنچا، وہ اس تکلیف دہ سفر میں بیمار پڑ گیا تو سلطان کے شاہی طبیب حکیم محمد خجندی کے علاج سے تندرست ہوا۔

تاج عبدوسی نے سلطان محمد بن تغلق کی شان میں ایک پر زور قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو سلطان نے اس کی قدر کرتے ہوئے اسے ساٹھ ہزار دینار اور ساٹھ گھوڑے عنایت کیے۔ (فہرست مخطوطات فارسی، موزہ برطانیہ ۲/ ۷۵۲)۔

تاج عبدوسی سلاطین تغلق کے ہاں ایک مشاق منشی، انشا پرداز اور دبیر کی حیثیت سے معروف تھا، اسے ان سلاطین کے درباروں تک رسائی تھی، وہ فن شعر گوئی میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ محمد بن تغلق جیسے مشکل

پسند شہنشاہ نے اُسے گراں قدر انعامات دیئے۔ اس کا کوئی شعری مجموعہ تو محفوظ نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب بساتین الانس میں عربی و فارسی کے جو اشعار دیئے ہیں ان سے بھی اس کی شعر فہمی اور انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی، موزہ برطانیہ ۲/ ۷۵۲) تاج اصلا دہلی کا باشندہ تھا۔ (ہما نجا ۲/ ۷۵۳)

تاج عبدوسی کی اب تک صرف ایک ہی تصنیف یعنی بساتین الانس یا تاریخ تغلق شاہ دریافت ہوئی ہے۔ جو اس نے ۲۶ سال کی عمر میں لکھی تھی۔ اس کا سال تصنیف ۷۷۲ھ / ۱۳۲۵ء ہے یہ کتاب کلیلہ و دمنہ اور مرزبان نامہ کی طرز پر لکھی گئی ہے، اس کا موضوع مسائل سیاسی اور کشور داری ہے۔ (نشریہ نسخہ ہائے خطی ۵/ ۵۶۰) اس داستان کا سارا خاکہ ہندوستانی ہے۔ اوجین (Ujjain) اور قنوج (Qannuj) کے راجے اس داستان کے مرکزی کردار ہیں (فہرست مخطوطات فارسی موزہ، برطانیہ ۲/ ۷۵۲) یہ کتاب محمد بن تغلق کے پہلے سال حکومت ۷۷۲ھ / ۱۳۲۵ء کو تالیف ہوئی ہے۔ اور اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے محاصرہ ترہٹ کی ایسی روداد پیش کرتی ہے جو ایک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ترہٹ سے دہلی تک کے سفر واپسین میں سلطان کے ہمراہ تھا۔ (Tughluq Dynasty, p. 575)

بساتین الانس فارسی نثر میں ہے اور اس میں مسجع و مقفیع زبان استعمال کی گئی ہے۔ مؤلف دبیرانہ اور انشا پر دازانہ طریق نگارش میں اپنے پیش رو مصنفین سے کم نہیں تھا، دقیق زبان نے اسے تاریخ سے زیادہ زبان و ادب فارسی کا شاہکار بنا دیا ہے اور تاریخی مطالب پس منظر میں چلے گئے ہیں۔

بساتین الانس کے خطی نسخے کیاب ہیں اب تک دو نسخوں کا علم ہوا ہے۔ مکتبہ عارف حکمت، مدینہ منورہ، مکتوبہ ۸۷۴ (نشریہ نسخہ ہائے خطی ۵/ ۵۶۰، فہرستوارہ کتابہائے فارسی ۲/ ۱۱۳۵) دوسرا نسخہ موزہ برطانیہ کے کتابخانہ میں ہے جو ۱۰۷۴ھ کا مکتوبہ ہے۔

(فہرست مخطوطات فارسی ۲/ ۷۵۲، نمبر ۷۷۱ add.)

مآخذ

- ۱۔ منزوی، احمد: فہرستوارہ کتابہائے فارسی۔ تہران، ۱۳۷۵ء
- ۲۔ نشریہ نسخہ ہائے خطی (کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران)، تہران، ۱۳۳۶ ش
- 3- Hardy, P: Historians of Medieval India, London, 1960
- 4- Mehdi Husain: Tughluq Dynasty, Allahabad, 1961
- 5- Riue, C: Cat. Of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1881 (Vol. II)

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی

قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی نویں صدی / سولھویں صدی عیسوی کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے وہ کثیر التصانیف اور ”ملک العلماء“ بھی تھے۔

قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین عمر زاوی غزنوی کا تعلق افغانستان کے زابلستان کے شہر غزنی سے تھا (تاریخ فرشتہ ۲ / ۳۰۶) ان کی ولادت دولت آباد دہلی میں ہوئی (اخبار الاصفیاء برگ ۶۲ ب سبحة المرجان ۹۵ آثار الکرام ۱۸۸) اور دولت آباد دکن میں نشو و نما ہوئی (تاریخ فرشتہ ۲ / ۳۰۶) سال ولادت حدود ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء ہے (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۳۴) آپ نے مولانا عبدالمقتدر شرقی کنڈی تھانیسری (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) اور مولانا خواجگی دہلوی (ف ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء) سے مروجہ علوم کی تحصیل کی ان دونوں حضرات نے قاضی شہاب الدین احمد کی زندگی سنوارنے اور تربیت کرنے کا خاص اہتمام کیا (سبحة المرجان ۹۵، اخبار الاخیار ۳۰۱) تحصیل کے بعد آپ نے دہلی میں درس و تدریس کا آغاز کیا، پھر فتنہ تیموری کے دوران آپ دہلی سے اپنے استاد مولانا خواجگی کے ہمراہ پہلے کالپی (Kalpi) اور پھر جونپور جا کر مقیم ہو گئے۔ (سبحة المرجان ۹۵، تذکرہ علمائے ہند ۲۳۹) کالپی سے دہلی آئے اور پھر دہلی سے جونپور کے لیے روانہ ہوئے (اخبار الاخیار ۳۶۰) تو قاضی صاحب کے ساتھ ان کی صاحبزادی، داماد شیخ نصیر الدین اور ان کے والد شیخ نظام الدین غزنوی بھی تھے۔ (تذکرہ علماء ہند ۲۳۹)

جونپور (Jaunpur) پر ان دنوں سلاطین شرقی کی حکومت تھی جو بہت علم دوست اور علماء نواز تھے سلطان ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۳-۸۴۴ھ / ۱۴۰۰-۱۴۴۰ء) نے استقبال کیا۔ قاضی صاحب کے استاد قاضی عبدالمقتدری ہمراہ تھے سلطان ان کا انتہائی عقیدت مند تھا وہ شہزادگان سمیت ان دونوں کے وعظ کی مجالس میں شریک ہوتا تھا (تذکرہ العلماء جونپور ۶۱۷، سبحة المرجان ۹۶)

سلطان نے قاضی شہاب الدین احمد کو ”ملک العلماء“ کا خطاب دیا۔ (تذکرۃ العلماء ۱۳، تذکرہ علمائے ہند

(۲۳۹)

قاضی شہاب الدین کا علمی تبحر اور تدریس کا شہرہ عروج پر تھا کہ مشہور صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (وفات حدود ۸۳۲ھ) جو پور تشریف لائے۔ تو سلطان نے ملاقات سے پہلے قاضی شہاب الدین احمد کو ان کی خدمت میں بھیجا، دوسرے دن وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود حاضر ہوا، اس کی فوج ان دنوں چنار (Chinar) کا محاصرہ کیے ہوئے تھی، سلطان نے فتح مندی کے لیے دعا کی درخواست کی، شیخ نے فتح کی بشارت دی، قاضی شہاب الدین تو شیخ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ان سے بیعت کر لی اور پھر خلافت یاب ہوئے۔ (لطائف اشرفی ۱ / ۴۱۰) شیخ اشرف جہانگیر نے قاضی صاحب کو ایک مکتوب لکھا جس کا متن اخبار الاخیار میں منقول ہے (۳۵۹-۳۶۰) ان کے علاوہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی (ف ۸۳۷ / ۱۴۳۳ء) کی بھی سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں قاضی صاحب کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور دونوں میں قرابت داری اور ارادت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ (انوار العیون ۱۰۲)۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے قاضی عبدالمقدر جیسے فصیح العصر کی ہم نشینی نے ان کے اس ذوق کو جلا بخشی، بقول شیخ عبدالحق محدث ”سلیقہ شعر نیز دارد“ (اخبار الاخیار ۳۶۰) ان کو فن شاعری میں مہارت تامہ حاصل تھی (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۹۰) لیکن ان کے اشعار زیادہ نہیں ملتے اخبار الاخیار (۳۶۰) میں ان کا ایک قطعہ نقل ہوا ہے، قاضی صاحب کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا ان میں سے شیخ صفی الدین ردولوی چشتی، شیخ رضی الدین ردولوی، شیخ فخر الدین ردولوی، شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری (ف ۸۷۰ / ۱۴۶۵ء) مولانا عبدالمکمل عادل جونپوری (ف ۸۹۷ / ۱۴۹۱ء) مولانا قطب الدین ظفر آبادی (ف ۸۶۹ / ۱۴۶۳ء)، مولانا علماء الدین جونپوری، وغیرہم کے حالات علماء کے تذکروں میں ملتے ہیں۔

قاضی شہاب الدین احمد کثیر التصانیف عالم تھے جن کی شہرت عرب و عجم تک تھی (نسبۃ المرجان ۱ / ۹۶) ان کی اب تک مندرجہ ذیل کتب کے نام کتابوں میں ملتے ہیں ان میں سے بعض کے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

۱۔ الارشاد فی النحو۔ ۲۔ حواشی کافیہ۔ ۳۔ بدیع البیان۔ ۴۔ جامع الصنائع۔ ۵۔ تفسیر بحر الموانج۔ ۶۔ شرح اصول بزدوی۔ ۷۔ رسالہ در تقسیم علوم۔ ۸۔ مناقب السادات۔ ۹۔ المصباح۔ ۱۰۔ فتاویٰ ابراہیم شامی۔ ۱۱۔ عقیدہ شہابیہ۔ ۱۲۔ شرح قصیدہ بابت و سعاد۔ ۱۳۔ شرح قصیدہ بردہ۔ ۱۴۔ رسالہ معارضہ۔ ۱۵۔ ہدایۃ السعداء۔ ۱۶۔ رسالہ در طہارت زباد۔ ۱۷۔ رسالہ در افضلیت عالم بر سید۔ ۱۸۔ تفسیر آیۃ ”فَسُحِقُوا أَصْحَابَ السَّعِيرِ“ (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۹۳-۲۰۹)

ان میں سے تفسیر بحر موانج فارسی میں ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ یہ سلطان شمس الدین ابو المظفر ابراہیم شاہ کے نام معنون کی گئی ہے، پھر دریافت شدہ خطی نسخوں میں کامل ترین نسخہ کتابخانہ فاضلیہ، گڑھی افغانان، پنج کٹھ میں ہے (اختر راحی: فکر و نظر، اسلام آباد اکتوبر ۱۹۷۵ء) قاضی صاحب کی کتاب جامع الصنائع بھی فارسی میں ہے۔ (لطائف اثر فی ۱/ ۳۹۱)

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا وصال ۲۵ رجب ۸۴۸ھ کو ہوا اور جونپور میں ہی سپرد خاک کیے گئے (اخبار الاخبار ۳۶۰) سال وفات میں ایک سال کا اختلاف ہے، مقامی تذکرہ نویس خیر الدین محمد جونپوری نے ۸۴۹ھ لکھا ہے (تذکرۃ العلماء ۱۵) اس طرح اخبار الاصفیاء، سبۃ المرجان، کشف الظنون، تذکرہ علمائے ہند اور نزہۃ الخواطر کے مولفین نے موخر الذکر سنہ وفات ہی درج کیا ہے۔ لیکن ہم نے اخبار الاخبار کو تقدم زمانی کے باعث ترجیح دی ہے۔ جونپور میں جانب جنوب مسجد سلطان کے جوار میں دفن ہوئے (تذکرۃ العلماء ۱۵) ان کی قبر راج کالج کے احاطہ میں تھی۔ ان کی زینہ اولاد نہیں تھی صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا عقد شیخ نصر الدین غزنوی ثم دہلوی سے ہوا جن کے بطن سے تین نواسے شیخ صغی الدین، شیخ رضی الدین اور شیخ فخر الدین تولد ہوئے ان سب نے قاضی صاحب سے تحصیل کی، (دیار پورب میں علماء اور علم ۲۱۰)

ماخذ

- ۱۔ آزاد، میر غلام علی بکرامی: آثار اکرام، لاہور ۱۹۷۱ء
- ۲۔ ایضاً: سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء
- ۳۔ اختر راحی: کتب خانہ فاضلیہ کے مخطوطات، مقالہ مشمولہ فکر و نظر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

- ۴۔ اطہر مبارک پوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء
- ۵۔ اقبال احمد: تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور ۱۹۶۳ء
- ۶۔ حاجی خلیفہ: کشف الطنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، استنبول، ۱۹۵۸ء
- ۷۔ خیر الدین محمد جونپوری: تذکرۃ العلماء مرتبہ محمد ثناء اللہ، کلکتہ، ۱۹۳۴ء
- ۸۔ رحمن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۹۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ء
- ۱۰۔ عبد الصمد اکبر آبادی: اخبار الاصفیاء، خطی: مخزنہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن نمبر ۶۴۱۔ Ethe
- ۱۱۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۲۸۳ھ
- ۱۲۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، کانپور، مطبع نوکسور، ۱۸۷۴ء
- ۱۳۔ نظام غریب یحییٰ: لطائف اشرفی، دہلی، ۱۲۹۸ھ
- ۱۴۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند (جونپور)، لاہور، ۱۹۸۵ء
- 15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۳ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

حضرت مولانا شیخ احمد تھانیسری

شیخ احمد بن محمد تھانیسری نویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ، ادیب، شاعر، مفسر اور شیخ طریقت تھے۔

شیخ احمد کا تعلق قصبہ تھانیسر (Thanesar ضلع کرنال، مشرقی پنجاب) سے تھا۔

آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی چشتی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے خلیفہ تھے (اخبار الاخیار ۱۴۵)

شیخ چراغ دہلی کے زمانے میں ہندوستان کی فکری فضا میں بیجانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، جس کی وجہ علامہ ابن تیمیہ (ف ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء) کے صوفیہ اور تصوف کے خلاف نظریات کی عالم اسلام میں تیزی سے اشاعت اور محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کا ان نظریات سے متاثر ہو کر صوفیہ ہند کے ساتھ بدسلوکی کرنا خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے اس آزمائش میں جس ثابت قدمی سے حالات کا مقابلہ کر کے صوفیہ اور تصوف کے احیاء کے لیے کوشش کی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اقدام کیے ان میں علماء و صوفیہ کے درمیان جو خلا حائل کر دی گئی تھی اُسے پر کرنے کی کمی بھی شامل ہے۔ انہوں نے اپنے حلقے میں اکابر علماء کو شامل کیا۔ مولانا شیخ احمد تھانیسری اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھے۔

مولانا تھانیسری اتنے بڑے عالم تھے کہ انہوں نے فقہ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ (مولفہ مولانا

برہان الدین مرغینانی) کی فروگزاشتوں کو امیر تیمور کی مجلس میں موقف کتاب کے پوتے جو امیر تیمور کے عہد میں

شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے کی موجودگی میں بیان کیا تو شیخ الاسلام کے سوال کرنے پر کہ وہ غلطیاں کون کونسی

ہیں مولانا تھانیسری نے اپنے فرزندوں اور شاگردوں کو اس کا جواب دینے کا اشارہ کیا (ہما نجا ۱۳۵) مولانا تھانیسری

نے دہلی میں نشوونما پائی اور قاضی عبدالقادر شریعی کندی تھانیسری دہلوی (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء) سے تحصیل

علم کیا (نزیہ الخواطر ۳ / ۸) جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ (۹۹-۱۳۹۸ء) کیا تو مولانا احمد تھانیسری گرفتار

ہو کر تیمور کے دربار میں پہنچے لیکن جب تیمور کو ان کے تبحر علم کا پتہ چلا تو اس نے رہا کر دیا تیمور کے دربار میں ہی شیخ الاسلام نبیرہ مولانا مرغینانی سے مباحثہ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے (اخبار ۱۳۵)

شیخ احمد تھانیسری اس واقعہ کے بعد دہلی سے کالپی (Kalpi) قصبہ واقع ضلع جالان یوپی، ہندوستان) جا بے۔ ان کے رفیق کار اور عزیز دوست مولانا خواجگی اس واقعہ سے پہلے ہی کالپی چلے گئے تھے (ہما نجا ۱۳۵)

شیخ احمد کی باقی عمر کالپی میں ہی درس و تدریس اور تربیت مریدین میں گزری وہیں ۸۲۰ھ / ۱۴۱۷ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۷۹) اور کالپی کے قلعہ کے اندر ان کا گنبد دار مزار ہے (اخبار الاخیار ۱۳۵)

مولانا تھانیسری نے اپنے استاد قاضی عبدالمتقندر کنڈی دہلوی کے معرکہ الآراء نعتیہ قصیدہ (لامیۃ العجم) کی طرح عربی میں قصیدہ والیہ لکھا جو نہ صرف عربی ادب بلکہ نعتیہ لٹریچر میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے (ہما نجا ۱۳۵)

رواج کے مطابق تشبیب کے بعد قصیدہ کے اصل موضوع کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے۔ اب لیلیٰ اور اس کے ہم نشینوں کا تذکرہ ختم کر دے اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف بیان کر (CONTRIBUTION OF IND-O-PAKISTAN, P.242)

تذکرہ نویسوں نے اس نعتیہ قصیدہ کے مختلف اشعار نقل کیے ہیں ملاحظہ ہو:

اخبار الاخیار ص ۱۳۵-۱۳۶ کل ۲۵ ابیات، سبۃ المرجان ۱ / ۹۳-۹۴، ابیات ۱۹، نزہۃ الخواطر ۴۱۔

ابیات

شیخ احمد تھانیسری نے عربی میں قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کا نام کاشف الحقائق و قاموس الدقائق ہے اس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ ایشیائک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے کتب خانے میں ہے (نمبر A-E-20 بحوالہ زبید احمد ص ۲۷۳)

یہ ایک صوفیانہ طرز کی تفسیر ہے۔ اس کی زبان و بیان سادہ اور عام فہم ہے۔ مؤلف نے وجہ تالیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اکثر کتب تفسیر صرف ”شریعت و عربیت“ کے مطالب پر مشتمل ہیں کوئی تفسیر بھی ایسی نہیں ہے جو طریقت و حقیقت کی باریکیوں کو بیان کرے۔ لہذا میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی مختصر تفسیر لکھوں جو الہیات کے اسرار و رموز پر مشتمل ہو (ص ۲)

یہ قرآن پاک کی مکمل تفسیر ہے آغاز میں بہت تفصیل سے کام لیا گیا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ انداز بدل کر مختصر ہوتا گیا ہے۔ آیات کی تفسیر کے دوران موقف نے صوفیہ کی بعض روایات بھی نقل کی ہیں جیسے ابن عطاء، حسن بصری، دنیوری، قشیری، رومی، شمس تبریزی اور سعدی وغیرہ کے اقوال بھی دیئے ہیں۔

سورہ یوسف کی تفسیر کے آغاز میں موقف نے قرآن مجید کے خطی، لفظی اور ذہنی وجود کو ثابت کیا ہے (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ۲۴-۲۷) عبدالحی حسنی نے اہل ہند کی کتب تفسیر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس تفسیر کا ذکر کیا ہے (الثقافة الاسلامیہ فی الہند ص ۱۶۴) لیکن اپنی دوسرے مشہور تالیف نزہۃ الخواطر (۸/۳) میں جہاں شیخ احمد تھانیسری کے حالات لکھے ہیں وہاں اس کا سرے سے نام تک نہیں لیا۔ اسی طرح معلوم نہیں کہ محمد سالم قدوائی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں موقف کا نام محمد بن احمد بن محمد شریعی تھانیسری گجراتی کیوں لکھ دیا؟ (ہندوستانی مفسرین ص ۲۴) لیکن موقف کا جو سال وفات (۸۲۰ھ) دیا ہے وہ انہی شیخ احمد تھانیسری کا ہے (ہمانجا ۱۳، ۳۴۰) اسی طرح زبید احمد نے تفسیر محمدی مولفہ محمد بن احمد بن نصیر میاں جیو اور اس تفسیر (کاشف الحقائق) کو کسی غلط فہمی کی بنا پر ایک ہی سمجھ لیا ہے (CONTRIBUTION OF IND-O-PAK

P.273)

ماخذ

- ۱۔ آزاد بلگرامی، غلام علی: سبحة المرجان فی آثار ہندوستان بہ تحقیق محمد فضل الرحمن ندوی۔ علی گڑھ ۱۹۷۶ء
- ۲۔ آزاد بلگرامی: آثار الکرام، آگرہ ۱۹۱۰ء
- ۳۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۳ حیدر آباد، دکن ۱۹۶۸ء
- ۵۔ ایضاً: الثقافة الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء
- ۶۔ ایضاً: یادایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنؤ ۱۹۸۳ء
- ۷۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۸۔ قدوائی، محمد سالم: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ دہلی ۱۹۷۳ء

۹۔ نظامی، تاریخ مشائخ چشت۔ دہلی ج ۱ ۱۹۸۰ء

- 10- NIZAMI, K.A: LIFE AND TIMES OF SH. NASIRUDDIN CHIRAGH-I-DEHLI, DEHLI, 1991.
- 11- ZUBAID AHMAD: CONTRIBUTION OF INDO-PAKISTAN TO ARABIC LITERATURE, LAHORE, 1968.

۲۱ اگست ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا بہاء الدین عبدالکریم نہروالی

شیخ بہاء الدین ابو الفضائل عبدالکریم بن محبت الدین بن ابی عیسیٰ علاء الدین، گیارہویں صدی ہجری کے عالم، مفتی حنفی اور مؤلف تھے۔

شیخ بہاء الدین کا سارا خاندان علماء کرام کا تھا، اس خاندان کا تعلق گجرات (Gujrat) سے تھا حدود ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے پہلے فرد محمد بن اسماعیل عدن سے گجرات آئے اور وہاں کے مشہور شہر نہروالہ (Naharwalah) میں سکونت اختیار کر لی۔ سلاطین گجرات کی علم پروری کے باعث ان کے اجداد میں سے کئی افراد گجرات میں آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ (البرق الیمانی، مقدمہ ۱۵-۱۸)

اس خاندان کی سب سے مشہور شخصیت مفتی قطب الدین محمد نہروالی مکی (۹۱۷-۹۹۰ھ / ۱۵۱۱-۱۵۸۲ء) ہیں جو گجرات کے سیاسی حالات کی اتبری کے باعث وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے وہاں وہ مسلک حنفی کے مفتی کے حیثیت سے مدتوں کار فرما رہے۔ اور حدیث میں بلند مرتبہ سند کے مالک تھے۔ ان سے بہت سے اہل علم نے استفادہ کیا اور سندیں حاصل کیں۔ (فہرست الفہارس ۲ / ۹۳۴-۹۶۱)

مفتی قطب الدین مذکور کے بھائی اور مفتی بہاء الدین کے والد مفتی محبت الدین یمن کے قاضی تھے (نور السافر ۳۸۸) مفتی بہاء الدین عبدالکریم کی ولادت احمد آباد (Ahmadabad) گجرات کا معروف ترین شہر) میں ۱۹ شوال ۹۶۱ھ / ۱۵۵۳ء کو ہوئی، چونکہ ان کا گھرانہ اہل علم کا آستانہ تھا اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت گجرات میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر ۵ / ۲۴۴) پھر وہ اپنے والد کے ہمراہ حرمین الشریفین آ گئے اور مکہ میں اپنے چچا

مفتی قطب الدین محمد نہروالی مکی، عالم عرب کے نامور عالم، مورخ اور ادیب تھے۔ البرق الیمانی کی تصانیف، الامام اعظم بیت اللہ الحرام (مدینہ منورہ) اور مدینہ منورہ کے

مؤلف اور ترکوں کی تاریخ پر تفصیل کا مدد دیتے تھے۔

مفتی قطب الدین محمد سے تکمیل کی، ان کے علاوہ شیخ عبداللہ سندھی اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر دمشقی سے بھی علمی استفادہ کیا۔ صحیح بخاری کو انہیں سے روایت کیا ہے۔ (خلاصۃ الاثر ۳/۷)

شیخ بہاء الدین عبدالکریم نہروالی ۹۸۲ھ / ۱۵۵۳ء کو مکہ کے مفتی مقرر کیے گئے اور مدرسہ سلطانیہ مرادیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم بھی مقرر کیے گئے، حدود ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کو انہیں امام حرم بنایا گیا۔ (ہمانجا ۳/۸) اس طرح امیر مکہ کے کہنے پر ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۳ء کو انہیں ایک اور مسجد کی امامت اور سرکاری خطوط ملاحظہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ (ہمانجا)

مفتی بہاء الدین عبدالکریم عرصہ دراز تک مختلف دینی خدمات اور تصنیف و تالیف میں زندگی بسر کر کے ۱۵ ذی الحج ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۶ء کو فوت ہوئے اور مکہ مکرمہ میں دفن کیے گئے (خلاصۃ الاثر ۳/۹)

مفتی بہاء الدین عبدالکریم علم حدیث، فقہ اور تاریخ کے ماہر استاد تھے۔ ان کا خط بہت پاکیزہ تھا بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر محفوظ کی تھیں، ان سے بہت سے اصحاب نے علمی استفادہ کیا سید عمر بن عبدالرحیم بصری ان کے شاگرد خاص تھے۔ (خلاصۃ الاثر ۳/۸-۹) مفتی عبدالکریم نہروالی کی اولاد میں سے شیخ اکمل الدین (۹۸۸-۱۰۱۹ھ / ۱۵۸۰-۱۶۱۰ء) قابل ذکر ہیں، جو اپنے والد کی جگہ مکہ کے مفتی مقرر ہوئے۔ (خلاصۃ الاثر ۱/۲۲، البرق الیمانی، مقدمہ صف ۵۷) ان کے صاحبزادے عبدالکریم بن اکمل الدین بن مفتی بہاء الدین عبدالکریم بھی رعیان عصر میں سے تھے۔ انہوں نے شرح فصوص الحکم لقونوی کی شرح لکھی تھی مکہ ہی میں ۱۰۵۵ھ / ۱۶۳۵ء کو انتقال ہوا (البرق الیمانی، مقدمہ ۵۸)

(نمبر ماخوذ برق الیمانی، صفۃ النجوم)

عبد الدین بن ابی صبی

قطب الدین محمد نہروالی	بہاء الدین عبدالکریم	حبیب اللہ	ابو محمد
	اکمل الدین	خلیل منہ	

مفتی بہاء الدین نہروالی کی تالیفات میں سے اب تک صرف ان کتابوں کا سراغ ملا ہے:

۱۔ اعلام العلماء الاعلام بمبناء المسجد الحرام:

مؤلف نے اپنے چچا مفتی قطب الدین محمد نہروالی کی تالیف الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام کی تلخیص کی ہے۔ اس میں مکہ مکرمہ کی تاریخ، وہاں کے مشاہیر علماء کے حالات اور زائرین اعیان کے احوال بھی قلم بند کیے ہیں۔ آخری فصل سلاطین آل عثمان کی تاریخ پر مشتمل ہے جو سلطان مراد بن سلیم (۹۸۲-۱۰۰۳ھ / ۱۵۷۴-۱۵۹۵ء) پر ختم ہو جاتی ہے۔

مفتی بہاء الدین نے اس کی صرف تلخیص ہی نہیں کی ہے بلکہ اس میں ایسے اضافات بھی کیے ہیں، جو اشد ضروری تھے۔ اور اس میں وقائع و حوادث کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جو اپنے مندرجات کے اعتبار سے منفرد ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء تک کے واقعات و وفیات اکابر شامل ہیں۔

یہ کتاب عبدالعزیز الرفاعی اور محمد احمد جمال کی تصحیح و تعلیق سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے خطی نسخہ کتابخانہ "متحف العراقی بغداد" (فہرست مخطوطات التاریخ ۱ / ۴۳) اور کتابخانہ خدا بخش، پٹنہ، بہار میں بھی ہیں (زبید احمد ص ۴۴۶)۔

۲۔ النہر الجاری علی صحیح البخاری:

یہ صحیح بخاری کی شرح ہے جو مکمل نہیں ہو سکی تھی (خلاصۃ الاثر ۳ / ۸، البرق الیمانی، مقدمہ ۵۸، ہدیۃ العارفین ۱ / ۶۱۱، ایضاح المکنون ۱ / ۶۹۶) یہ شرح عربی زبان میں ہے۔

اس شرح کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ خدا بخش، بانکپور، پٹنہ میں ہے نمبر ۱۰۸۹ (زبید احمد ص ۴۴۶)۔

ماخذ

- ۱۔ ابو ظفر ندوی: سحرات کی تمدنی تاریخ، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۶۲ء
- ۲۔ بغدادی، اسماعیل پاشا: ہدیۃ العارفین، استنبول، ۱۹۵۱ء
- ۳۔ ایضاً: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، بغداد، مکتبہ المثنیٰ (سن ن)
- ۴۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا۔ بغداد

- ۵۔ حارثی، محمد بن رستم: تاریخ محمدی مرتبہ ثار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۴ء
- ۶۔ صباغ، لیلیٰ: من اعلام الفکر العربی، شام، ۱۹۸۶ء۔
- ۷۔ عاصمی، عبد الملک مکی: سطر النجوم العوالی فی انباء الاولاد کل والتوالی، بیروت، ۱۹۹۸ء
- ۸۔ عبد الحمی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۵۔ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء
- ۹۔ ایضاً: یاد ایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
- ۱۰۔ علی محمد خان: خاتمہ مرآت احمدی مرتبہ نواب علی، بڑودہ، ۱۹۳۰ء
- ۱۱۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (ترجمہ خاتمہ از ابو ظفر ندوی)، احمد آباد، گجرات، ۱۹۹۳ء
- ۱۲۔ عیدروسی، عبد القادر: النور السافر، قاہرہ (سن ن)
- ۱۳۔ غلام محمد: مرآۃ محمدی، بمبئی ۱۳۴۲ھ
- ۱۴۔ قطب الدین محمد نہروالی: البرق الیمانی فی فتح العثماني، ریاض، ۱۹۶۸ء
- ۱۵۔ کتانی، عبد الحمی قاسی: فہرس الفہارس مرتبہ احسان عباس، بیروت، ۱۹۸۶ء
- ۱۶۔ کورکیس عواد: المخطوطات التاریخیہ فی خزائن کتب المتحف العراقی، بغداد، ۱۹۵۷ء
- ۱۷۔ محبی، محمد امین: خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، بیروت ۱۹۵۸ء
- 18- Siddiqi, M.H: Growth of Indo-Persian literature in Gujrat, Baroda, 1985.
- 19- Quraishi, M.A: Muslim Education and learning in Gujrat, Boaroda, 1972.
- 20- Zubaid Ahmad: The contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۵ ستمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ۔ قاہرہ

مولانا محمد جعفر بن عبد الکریم بوبکانی

میراں مخدوم محمد جعفر بوبکانی دسویں صدی ہجری کے ایک معروف عالم اور صوفی تھے۔

مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبد الکریم معروف بہ میراں بن علامہ یعقوب بوبکانی سندھی حضرت عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں سے تھے، سندھ میں اس خاندان کے افراد کا مسکن قصبہ بوبک (Bubak، سیوستان Sewastan سے ۲ فرسخ کے فاصلے پر بجانب غرب واقع ہے) تھا۔

مخدوم محمد جعفر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد علامہ مخدوم عبد الکریم میراں (ف ۹۴۵ھ / ۱۵۳۲ء) کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اور دوسرے ہم عصر علماء سے بھی تحصیل کی علوم شرعیہ کے علاوہ حکمت، نجوم، جفر اور رمل میں بھی کمال حاصل کیا۔ آخری عمر میں تمام علوم کی تدریس سے دست کش ہو کر صرف حدیث اور تصوف کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے، عمر کے اسی حصے میں ان کا میلان علامہ ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء) کی آراء و افکار کی طرف ہو گیا تھا، جو ان کے اپنے رسائل سے ثابت ہے، (المتانہ، مقدمہ ص ۵)

کتب عرفان و تصوف میں سے احیاء العلوم، عوارف المعارف اور فصل الخطاب ان کے مطالعہ میں رہنے لگیں اور منطق کی تمام کتب دریا میں بہادیں (گلزار ابرار، برگ ۲۴۱-الف)

مخدوم نوح ہالائی (Halayi ف ۹۹۸ھ / ۱۷۸۹ء) کے ساتھ مخدوم جعفر کا مباحثہ بھی ہوا تھا۔ (تحفۃ الکرام ۳/ ۱۴۷)

مخدوم جعفر بنیادی طور پر ایک عالم، فقیہ اور مدرس تھے ان کے حلقہ درس سے بہت سے علماء نے فیض پایا سندھ کا حکمران مرزا شاہ حسین بیگ ارغون (۹۳۰-۹۶۱ھ / ۱۵۲۳-۱۵۵۳ء) بھی آپ کا شاگرد تھا (تاریخ معصومی ص ۲۲، مقالات الشعراء ۱۵۱)، مرزا ارغون کی رصد گاہ میں بھی آپ کا عمل دخل تھا۔ (حمانجا ۱۵۲)۔

مخدوم جعفر فارسی میں شعر بھی کہتے تھے قانع ٹھٹھوی نے آپ کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے اور جعفر مختصر لکھا ہے۔ (مقالات الشعراء ۱۵۱-۱۵۲)

مخدوم جعفر کی اولاد بھی صاحب علم و تقویٰ تھی، بارہویں صدی ہجری میں مخدوم جعفر کی اولاد میں سے مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نور الدین جامع علوم و فنون تھے۔ (تحفۃ الکرام ۳ / ۱۴۸)

مخدوم جعفر کا صحیح سال وفات معلوم نہیں ہے، معاصر مورخ محمد معصوم نامی نے ۹۴۹ھ درج کیا ہے (تاریخ معصومی ص ۲۰۲) لیکن حال ہی میں مخدوم جعفر کی ایک تصنیف نہج التعلیم کا علم ہوا ہے۔ جس کی تکمیل ۹۷۶ھ کو ہوئی، اس سے مندرجہ بالا سال وفات غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ (التانیہ، مقدمہ ص ۷) اسی طرح محمد حسن غوثی نے جو مادہ تاریخ دیا ہے وہ بھی کتابوں کے ہاتھوں اتنا غلط در غلط ہو گیا ہے کہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ (گلزار ابرار، برگ ۲۴۱-الف) لہذا قیاس ہے کہ مخدوم جعفر دسویں صدی ہجری کے اواخر میں فوت ہوئے ہوں گے۔ مخدوم جعفر کی اب تک مندرجہ ذیل تصانیف کا سراغ ملا ہے، جن میں سے فارسی کتابوں کا قدرے مفصل اور عربی کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۔ حاصل النہج:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اس کا موضوع تعلیم اور اس کے آداب و فوائد ہے۔ اس کے ابواب و فصول اس طرح سے ہیں:

فصل اول: در بیان علم و نیت و تحصیل آں، فصل دوم در معنی علم فقہ و شرع فصل سوم در تقسیم علم (اول علم شرعی، دوم علم ادب، سوم علم حکمت)

فصل چہارم: در بیان علم محمودہ و مذمومہ، فصل پنجم علوم محمودہ و مذمومہ

فصل ششم در اختیار علم و کتاب و استاد۔۔۔۔۔

یہ کتاب ۱۹ فصول پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔

اس کے آغاز میں مولف نے بتایا ہے کہ اس سے قبل وہ اس موضوع پر ایک مفصل کتاب نہج التعلیم کے

نام سے لکھ چکے ہیں اور حاصل النہج اس کی تلخیص و تقریب ہے۔ (التانیہ، مقدمہ ص ۲۵-۳۵)

۶۔ الصادق المنصف المحق بالدلائل التي هي بالتقديم اخرى واحق:

یہ رسالہ الحاد و زندقہ کے بیان میں ہے اکثر دلائل احادیث اور اقوال سے دیئے ہیں، اس رسالے کے اکثر مطالب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے المتانہ کے مقدمہ میں درج کر دیئے ہیں اور اس کا مفصل تعارف بھی کروایا ہے، رسالہ کا خطی نسخہ جامعہ سندھ، حیدر آباد میں ہے (المتانہ ۲۴)

۷۔ المتانہ فی مرۃ الخزانۃ:

یہ کتاب دراصل فقہ حنفی کی ایک غیر معتبر کتاب خزانۃ الروایات تالیف قاضی جگن گجراتی Jaggan ف حدود ۹۲۰ھ / ۱۵۱۴ء (یادایام ۹۶) پر انتقاد ہے، مخدوم جعفر نے اس میں شامل غیر مستند روایات کو خارج کر کے صرف ایسی روایات و مندرجات کو رہنے دیا ہے جن کی بنیاد پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، مخدوم ہاشم ٹھٹھوی اور مخدوم عبدالواحد سیوستانی جیسے فقہانے مخدوم جعفر کی اس کاوش کی تحسین کی ہے، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے کئی خطی نسخوں کے تقابل و تعلیقات کے ساتھ المتانہ کا ایڈیشن تیار کیا جو سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، سندھ سے ۱۹۶۲ء کو شائع ہوا۔

ماخذ

- ۱۔ بوبکانی، مخدوم جعفر: المتانہ فی مرۃ الخزانۃ مرتبہ غلام مصطفیٰ قاسمی، حیدر آباد سندھ، ۱۹۶۲ء
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۴ء
- ۳۔ ایضاً: یادایام (ہجرات کی علمی تاریخ) لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
- ۴۔ غوثی، محمد حسن: گلزار ابرار، خطی مخزونہ کتابخانہ، جان راسیلنڈ، مانچسٹر (Manchester)
- ۵۔ قانع، علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام، بمبئی، ۱۳۰۴ھ و اردو ترجمہ اختر رضوی، کراچی، ۱۹۵۹ء
- ۶۔ ایضاً: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۵۷ء
- ۷۔ نامی، میر معصوم بھکری: تاریخ سندھ (تاریخ معصومی) مرتبہ داؤد پوٹہ، بمبئی، ۱۹۳۸ء

۱۹ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شب قارہ، تہران

بخشی نظام الدین احمد ہروی

منصب دارِ عہد اکبری و مورخ مشہور و عالم

خواجہ نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی اکبری عہد کا نامور منصب دار، منتظم اور مورخ تھا۔ اس کا والد خواجہ محمد مقیم ہروی بابر بادشاہ کے عہد میں ”دیوانِ بیوتات“ کے عہدہ پر فائز تھا۔

بابر بادشاہ کی وفات (۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء) کے بعد ہمایوں نے جب گجرات فتح کیا تو صوبہ احمد آباد ۱۵۳۵ء میں مرزا عسکری کو اس کا عامل مقرر کیا، مرزا کے ساتھ خواجہ محمد مقیم ہروی کو اس کا وزیر بنا کر بھیجا گیا۔ جب ہمایوں کو ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سوری سے شکست ہوئی تو خواجہ محمد مقیم ہمایوں کے ساتھ آگرہ میں تھا۔ اس کے بعد اکبر کے عہد میں خواجہ مقیم کو ملکی خدمات میں مصروف اور آگرہ میں موجود بتایا گیا ہے۔^۱

خواجہ نظام الدین احمد کی ولادت حدود ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں ہوئی۔^۲

خواجہ نظام الدین احمد کی تعلیم و تربیت درجہ اول کے استادوں کی نگرانی میں ہوئی ان اساتذہ میں ملا علی شیر (والد فیضی سرہندی موفک اکبر نامہ) قابل ذکر ہے۔^۳

والد اور دیگر علماء کی محبت سے اُسے بھی حصولِ علم کا شوق دامن گیر رہا وہ نہ صرف خود صاحبِ علم تھا بلکہ اہل علم اور شعراء کا قدردان اور مربی بھی تھا۔ اپنے سات سالہ (۹۹۰-۹۹۶ھ / ۱۵۸۲-۱۵۸۸ء) قیام

۱ ”دیوانِ بیوتات“ کی عبارت کرتے ہوئے اہل لغت نے لکھا ہے:

ادارہ گاہی کہ کارہائی سر و پایہ تہا داور سلطنتی را عہدہ دار (فرنگ مصنف) جہ راج نے اس اصطلاح کا ترجمہ Barrack-officer کیا ہے۔ (Babur Nama, 2/703)

۲ نظام الدین احمد طبقات اکبری ۱/ ۲۱۱

۳ دیوانی، محمد تقی: منتخب الخوانجہ ۲/ ۳۹۷ (دہلی ۱۰۰۳ھ ۱۶۰۳ء) ۲۵-۲۶ سال یعنی ۱۰۰۳-۱۰۰۴ھ (۱۵۸۸ء ولادت)

گجرات کے دوران اس نے اس عہد کے مشہور شعراء ملا غنی امینی، بقائی، حیاتی اور ساؤجی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔
 علماء، ادبا اور شعراء کی صحبت میں خواجہ نظام الدین احمد کا شعری ذوق پروان چڑھا اس کے کچھ متفرق
 اشعار طبقات اکبری میں مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ اُسے علم تاریخ سے خاص لگاؤ تھا اور تاریخی کتب کے مطالعہ سے
 خاص شغف رکھتا تھا۔ انہی سات سالہ قیام گجرات کے دوران اُسے میر معصومی بھکری کی صحبت بھی میسر تھی جو خود
 ایک ذی علم اور مورخ بھی تھا۔ اس صحبت نے خواجہ نظام الدین احمد کے ذوق تاریخ کو جلا بخشی اور اس نے اپنی
 طبقات لکھنے کا آغاز کر دیا۔

خواجہ نظام الدین کی علم تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ جب ۹۹۰ھ / ۱۸۵۲ء میں اکبر بادشاہ
 نے تاریخ الفی لکھوانے کا پروگرام بنایا تو اس نے خواجہ کو بھی اس کے مرتبین میں شامل کر لیا۔ اُسے مذہب اسلام
 سے بھی لگاؤ تھا، علماء و صوفیہ کی صحبت اُسے مرغوب تھی۔ خواجہ کی وفات (۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۶ء) پر ملا عبد القادر
 بدایونی کو میاں کمال الدین حسین شیرازی نے جو تعزیت نامہ لکھا ہے، اس سے خواجہ نظام الدین احمد کی علماء میں
 مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ اکبر کی مذہبی پالیسی میں آخر تک غیر جانبدار رہا۔ جس کی وجہ اس کی
 اعتدال پسندی اور رواداری سے زیادہ مصلحت پسندی معلوم ہوتی ہے۔

عالم اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھا سپاہی اور اعلیٰ درجے کا منتظم بھی تھا، وہ اپنے والد کے
 ساتھ آگرہ میں مصروف کار رہا (۹۷۴ھ / ۱۵۶۷ء)۔^۱

۱ بدایونی: مہد القادر: منتخب التواریخ ۳ / ۱۸۷، ۱۹۶، ۲۲۱، ۲۶۰

۲ میر معصوم بھکری سندھ کی مشہور فارسی تاریخ، تاریخ معصومی کا مؤلف اور شاعر تھا۔ جی حسام الدین راشدی نے میر معصوم پر ایک مستقل اور ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔

۳ بدایونی: منتخب التواریخ ۴ / ۳۱۸ (اکبر نے اپنے عہد میں اسلام کی ہزار سالہ تاریخ لکھنے کا پروگرام بنایا، اس کام کے لیے اس نے غیب خان، شاد فتح خان، شیرازی، حکیم فہم کیانی، حکیم

کیانی، صافی ابراہیم سرہندی، مرزا نظام الدین احمد مہد القادر بدایونی اور د احمد معصومی کا انتخاب کیا۔ ان حضرات نے تاریخ الفی کے نام سے تاریخ مرتب کی جو ان سے چھپ چکی

ہے۔ اس کے مختلف قلمی نسخوں کے لیے دیکھیے (۱۲۰ / ۱ / Storey)

۴ بدایونی: منتخب التواریخ ۳ / ۱۲۸-۱۲۹

۵ لاغون: آئین اکبری، انگریزی ترجمہ، طبقات ۱ / ۱۳۸

۶ طبقات اکبری ۲ / ۵۱۱

اکبر بادشاہ کے ہاں اس کی پہلی ملازمت بحیثیت ”دیوان حضور“ (Diwan of Presence) کی تھی۔^۱ لیکن اکبر کے ۱۲ سے ۲۷ جلوس (۱۵۶۷-۱۵۸۲ء) تک اس کی کسی ملازمت کا ذکر نہیں ملتا ۱۵۸۲ء کو اکبر نے دریائے سندھ عبور کرتے ہوئے اُسے شہزادہ شاہ مراد کے پاس ایک رقعہ دے کر بھیجا اور وہ اکبر کے اس خط کا جواب لے کر پشاور میں حاضر ہوا۔^۲

خواجہ نظام الدین احمد کو ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں بخشی کا عہدہ دیا گیا۔^۳ اور اسے اعتماد خان کے ساتھ گجرات میں متعین کیا گیا، خواجہ نظام الدین احمد اُسے بیجاپور (Bijapur) میں ملا اور پھر احمد آباد آگیا۔^۴ بخشی نظام الدین احمد نے گجرات کے معاملات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی، اس نے سلطان مظفر گجراتی کا بڑی کامیابی سے محاصرہ کیا۔ دیگر صوبائی امور کی انجام دہی میں اس نے مہارت تامہ سے کام لیا وہ اعظم خان کے گورنر گجرات ہونے تک (یعنی ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء) گجرات میں رہا۔^۵

بخشی نظام الدین احمد اکبر کے ۳۵ جلوس (۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء) کو لاہور پہنچا، اب وہ مختلف اوقات میں کئی صوبوں کا نگران اعلیٰ تھا ان میں اجمیر، گجرات اور مالوہ کا تذکرہ ملتا ہے۔^۶ ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں پرگنہ شمس آباد (Shamasabad) اُسے بطور جاگیر دیا گیا۔ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں اُسے جعفر بیگ ملقب بہ آصف خان کی جگہ ”بخشی کل“ بنایا گیا۔^۷ پھر اکبر نے اُسے کشمیر کا عامل مقرر کر دیا۔^۸

۱ بکری، لکھنؤ، ذخیرۃ الخوانین ۱/۲۰۸

۲ طبقات اکبری ۲/۳۶۰

۳ درمیان نے پٹلی کا ترجمہ Paymaster of the court ہے (آئین اکبری ۱/۵۷۵)

۴ طبقات اکبری ۲/۶۸، منتخب انوار ۶/۳۶۳، اکبر نامہ ۳/۴۴، کاظمی ۱/۱۰

۵ طبقات اکبری ۲/۴۷۰

۶ بیضا ۲/۳۶۸-۳۶۹

۷ اکبر نامہ ترجمہ ج ۳/۳۳۴

۸ منتخب انوار ۲/۳۸۰

۹ طبقات اکبری ۲/۴۶۳

بخشی نظام الدین احمد نے اپنے قیام لاہور کے دوران ایک باغ خریدادہ لاہور ہی میں اکبر کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ سخت بخار میں مبتلا ہو کر ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۵۹۴ء کو فوت ہو گیا اور لاہور میں اپنے باغ میں ہی دفن کر دیا گیا۔

خواجہ نظام الدین احمد ہروی کی ایک ہی یادگار باقی ہے یعنی طبقات اکبری^۱، جو ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فارسی نثر میں ایک عام (General) تاریخ ہے۔ چونکہ اکبر بادشاہ موکف کا معاصر اور ممدوح تھا اس لیے اس نے اس کا نام طبقات اکبری رکھا۔ یہ کتاب سبکدہ کے زمانہ ۳۶۷ھ / ۹۷۷ء سے لے کر اکبر کے ۳۸ سال جلوس (۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے^۲۔

موکف نے آغاز کتاب میں اپنے مآخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے جن کی تعداد ۲۸ ہے ان میں سے حسب ذیل کتب اب کیاب ہیں:

تاریخ محمود شاہی مندوی، تاریخ محمود شاہی خرد مندوی، طبقات محمود شاہی گجراتی، مآثر محمود شاہی گجراتی، تاریخ بہادر شاہی، تاریخ بہمنی، تاریخ ناصری (در تاریخ مالوہ) اور تاریخ ابراہیم شاہی^۳۔
طبقات اکبری کا موکف سات سال تک گجرات کا منتظم رہا اس لیے تاریخ گجرات پر اہم کتب اس کے تصرف میں آئیں جو آج کیاب ہیں۔ عہد حاضر کے بعض گجراتی اور دکن محققین نے ان میں سے بعض کتب کے مخطوطات دریافت کر لیے ہیں^۴۔

طبقات اکبری کا وہ حصہ جو عہد اکبر کی تاریخ پر مشتمل ہے یعنی جلد دوم وہ زیادہ تر موکف کے اپنے مشاہدات پر مبنی ہے اگرچہ اس کی ترتیب میں اس نے ابوالفضل کے اکبر نامہ سے بھی استفادے کا ذکر کیا ہے جو کہ

۱. منتخب آثار تاریخ / ۱۳۹۷ اکبر ۲ / ۳-۶۵۵-۶۵۶

۲. طبقات اکبری کے مختلف نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے جی پی شار کے طبقات اکبری کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ (۳/۲۷۱-۲۷۱۱)

۳. طبقات اکبری / ۱ / ۲۶۶

۴. مینا / ۱-۵

۵. مآثر بہادر شاہی کا مقدمہ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء

۶. طبقات اکبری / ۱

موکف کی وفات تک زیر تالیف تھا، لیکن ابوالفضل نے تاریخ نظام الدین احمد (طبقات اکبری) سے خود بھی نقل و اقتباس کیا ہے۔^۱ گویا دونوں نے ایک دوسرے کے مسودات سے استفادہ کیا تھا۔

طبقات اکبری کا سادہ طرزِ نگارش اور ترتیب کافی پسند کی گئی، چنانچہ مرزا نظام الدین احمد کی وفات (۱۰۰۳ھ) کے فوراً بعد ہندوستان کے مسلمان کی عام تاریخ پر ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس کی ترتیب بالکل اسی طرح ہے خود وضاحت کی ہے کہ ۱۰۰۱ھ تک کے واقعات طبقات اکبری شاہی (طبقات اکبری) سے مختصاً ماخوذ ہیں۔^۲

بدایونی کے بعد جس قدر کتب ہندوستان کی تاریخ پر لکھی گئی ہیں ان میں طبقات اکبری بطور ماخذ شامل ہے۔ ان میں سے روضۃ الطاہرین، تاریخ فرشتہ، تاریخ شاہی اور مآثر رحیمی وغیرہ قابل ذکر ہیں اور متاخرین نے بھی طبقات سے براہِ راست استفادہ کیا ہے۔

طبقات اکبری کی تیسری جلد ہندوستان کی ریاستوں کی تاریخ پر مشتمل ہے اس کی دوسری جلد میں اہل کمال کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں امراء، علماء، مشائخ، اطباء اور شعراء شامل ہیں۔ لیکن یہ حصہ اتنا مختصر اور تشنہ ہے کہ آج ان میں سے کئی شخصیات کو متعین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اصحاب کون تھے۔۔۔۔۔؟

اس حصے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الدین احمد فن ترجمہ نویسی یعنی Biographical Skech سے واقف نہیں تھا۔ حالانکہ اس سے قبل اس فن پر درجہ اول کی کتب تالیف ہو چکی تھیں جن کے مؤلفین نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچایا تھا۔

اکبر کے ملحدانہ رویہ کے پیش نظر بعض مورخین و مؤلفین نے حسب قاعدہ مسلم مؤلفین اپنی کتب میں نعت شامل نہیں کی، مرزا نظام الدین احمد نے بھی اکبر کے دین الہی سے غیر جانبدار رہنے کے باوجود اکبر کے خوف سے نعت نہیں لکھی۔

طبقات اکبری کا فارسی متن منشی نوکسٹور نے لکھنؤ سے ۱۸۷۰ء پھر ۱۸۷۵ء کو شائع کیا۔ پھر بی ڈے (B. De) اور محمد ہدایت حسین کا مرتبہ ایڈیشن ایشیائک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ نے تین جلدوں میں بہ ترتیب ۱۹۱۳ء،

۱۹۲۷ء، ۱۹۳۱ء طبع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی بی ڈے نے ہی تین جلدوں میں کیا جسے اس کے مذکورہ فارسی ناشر نے ۱۹۱۳-۱۹۳۹ء شائع کیا۔ طبقات کا مکمل اردو ترجمہ محمد ایوب قادری مرحوم نے کیا جو لاہور سے ۱۹۹۰ء کو چھپا ہے۔

طبقات کے پاکستان و ہند اور یورپ کے کتب خانوں میں بہت سے نسخے پائے جاتے ہیں۔ (سنوری ۱/۱/۱) اس کا قدیم ترین قلمی نسخہ آزاد لاہیری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے۔

ماخذ:

- ۱۔ ابوالفضل، علامی: آئین اکبری، مطبوعہ نو لکھنؤ، لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ ایضاً: اکبر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۸۷۳-۱۸۷۸ء
- ۳۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری مرتبہ بی ڈے، کلکتہ ۱۹۱۳-۱۹۳۱ء
- ۴۔ احمد اللہ قادری: خواجہ نظام الدین احمد، معارف اعظم گڑھ، ۱۹۳۱ء
- ۵۔ اصغر، آفتاب: تاریخ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۶۔ بابر بادشاہ: بابر نامہ (توزک بابری) فارسی ترجمہ از عبدالرحیم خان خانان، بمبئی، ۱۳۰۸ھ
- ۷۔ شاہ نواز خان، مصمصام الدولہ: آثار الامراء ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۹ء
- ۸۔ عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵-۱۸۶۹ء
- ۹۔ فرید بھکری: ذخیرۃ الخوانین مرتبہ معین الحق، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۱۰۔ محمد شریف بن نظام الدین احمد ہروی: النواریہ (ترجمہ و شرح حکمت الاشراق) مرتبہ حسین ضیائی۔
تہران ۱۳۵۸ش
- ۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی، ۱۹۶۶ء

- 12- Abul-Fazl: Ain-i-Akbari, Trans. Blochmann, Calcutta, 1868.
- 13- Ibid: Akbar Nama, Trans. Beveridge, Calcutta, 1921.
- 14- Nizamul din Ahmed: Tabaqat-i-Akbari, trans, B.De. Calcutta 1913-1936

- 15- Eliot and Dowron: History of India, (rept.) Lahore, 1972.
- 17- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
- 18- Nizami, K.A: Akbar and Religion, Delhi, 1989.
- 19- Ibid: On History and Historian of Medeival India, Delhi, 1992.
- 20- Rizvi, S.A.A Religious and Intellectual History of Muslim in Akbar's Reign. Delhi, 1975.
- 21- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.
- 22- Smith, V.A: Akbar, the Great Mughal, Oxford, 1919.

دانشنامہ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ

ملاشاہ محمد شاہ آبادی

ملاشاہ محمد شاہ آبادی کشمیری دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے ذی علم اصحاب میں سے

تھے۔

ملاشاہ محمد کے حالات مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے بعض اشارات کی بنیاد پر ان کی زندگی

کا خاکہ مرتب کیا جا رہا ہے۔

ملاشاہ محمد کی نسبت شاہ آبادی غالباً کشمیر کے پرگنہ شاہ آباد سے ہے۔ جو چشمہ ورنالگ کے قریب ہے

(راج ترنگنی تعلیقات صابر آفاقی ۴۰۹)

اکبر بادشاہ جب رمضان ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء کو لاہور پہنچا تو اس نے پنجاب کے ائمہ و علماء کے معاملات کی

تحقیق کے لیے جن عہدہ داران حکومت کا تقرر کیا ان میں ملاشاہ محمد شاہ آبادی کا نام بھی شامل ہے، اس سے علمائے

پنجاب میں بے چینی پھیل گئی کیوں کہ ان محاسبوں میں سے ملاشاہ محمد کا شمار ”بد نفس“ لوگوں میں ہوتا تھا (منتخب

التواریخ ۲/ ۲۰۶)

ملاشاہ محمد شاہ آبادی ایک جامع علوم معقول و منقول تھے (ایضاً ۲/ ۲۶۲) پنڈت کلوہن نے خطہ کشمیر

کے حاکموں اور ان سے متعلق قصص و حکایت کو سنسکرت زبان میں راج ترنگنی کے نام سے تالیف کیا، اکبر بادشاہ نے

کشمیر ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء کو فتح کر کے اسے سلطنت مغلیہ کی قلم رو میں شامل کر لیا، اکبر خود ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء کو کشمیر

گیا اور چار ماہ تک وہاں مقیم رہا اس دوران بادشاہ کتاب راج ترنگنی سے واقف ہوا، اسے کتاب پسند آئی اور اس نے اس

کا فارسی میں ترجمہ کی خواہش ظاہر کی، ملاشاہ محمد علوم اسلامیہ کے ماہر ہونے کے علاوہ ریاضی و نجوم میں بھی مہارت

رکھتے تھے کو بلایا (طبقات اکبری ۲/ ۴۶۴)، انہیں مروجہ اسلامی علوم کے علاوہ ہندوؤں کے عقائد و علوم سے بھی

واقفیت کامل تھی (راج ترنگنی مقدمہ ۳۷) اور سری نگر میں رہتے تھے (ایضاً)

اکبر نے انہیں اس کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا انہوں نے یہ ترجمہ ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء کو کیا، مترجم خود لکھتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۱۳۳۳ھ مطابق رمضان ۹۹۷ھ کو آغاز کیا اور اسی سال اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ (راج ترگنی، آغاز کتاب)

اس سے قبل سلطان زین العابدین (۱۳۲۰-۱۳۷۰ء) کے زمانہ میں ملا احمد کشمیری نے بھی راج ترگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا لیکن وہ مقبول نہیں ہو سکا تھا، اس لیے اکبر نے ایک جدید ترجمہ کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اکبر نے ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء کو مشہور فاضل ملا عبدالقادر بدایونی کو ملا شاہ محمد کے مذکورہ ترجمہ پر نظر ثانی کا حکم دیا تو بدایونی نے اس کی تسہیل و تلخیص کر دی جس پر ان کے دو ماہ صرف ہوئے، بادشاہ کو یہ کام پسند آیا اسے شامی کتابخانہ میں داخل کر لیا گیا اور کبھی کبھی بادشاہ اسے پڑھا کر سنتا تھا (منتخب التواریخ ۲ / ۲۶۲) آئین اکبری میں ابوالفضل نے ملا شاہ محمد کا علمائے عصر میں شمار کیا ہے (ترجمہ و تعلیقات بلوچمان ۱ / ۱۱۲، ۲۱۸، ۶۰۹، ۶۱۰)

ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے ذی علم عالم ہونے کے باوجود اس عہد کے طحانہ ماحول میں اکبر بادشاہ کے دین الہی اکبر شاہی میں ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۶ء کو اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور باقاعدہ داڑھی منڈوا کر ”جامہ سرخ“ زیب تن کیا (منتخب التواریخ ۲ / ۲۸۳) گویا ملا شاہ محمد شاہ آبادی مذکورہ سنہ تک بقیہ حیات اور اکبر کے دین الہی کے سرگرم رکن تھے، ان کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

ملا شاہ محمد شاہ آبادی کا یہ فارسی ترجمہ راج ترگنی ڈاکٹر صابر آفاقی نے ایڈٹ کیا اور اس پر انہیں تہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل ہوئی یہ ترجمہ ۱۹۷۳ء کو مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ جس پر انہوں نے ایک مفید مقدمہ اور تعلیقات کا اضافہ کیا ہے، انہوں نے اس کے تمام خطی نسخوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ مترجم ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے غالباً اکبر بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اس ترجمہ کا آغاز بسم اللہ کے مبارک کلمہ سے نہیں کیا۔

ماخذ

۱۔ شاہ محمد شاہ آبادی: راج ترگنی تحقیق و تعلیق صابر آفاقی، اسلام آباد، ۱۹۷۳ء

۲۔ صباح الدین عبدالرحمن: بزم تیموریہ، اعظم گڑھ، ۱۹۷۳ء

- ۳۔ عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ مرتبہ احمد علی / توفیق سبحانی، تہران ۱۳۸۰ ش
- ۴۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں ترجمہ علی حماد عباسی، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء
- ۵۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری، کلکتہ، ۱۹۳۶ء
- 6- Abu'l-Fazl: Ain-i-Akbari, trans, H. Blochmann, Lahore, 1979.
- 7- Mohibul Hasan: Kashmir under the sultans of Dehli, Dehli, 2005
- 8- Sufi, G.M.D: Kashir, Lahore, 1948.

۱۶ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

قاضی احمد بن محمد غفاری

قاضی احمد معروف شافع فقیہ امام نجم الدین عبدالغفار قزوینی شافعی (ف ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء صاحب الحاوی الصغیر)۔ (طبقات الشافیۃ الکبریٰ ۸ / ۲۷۷-۲۷۸) کی اولاد میں سے تھے۔ (منتخب التواریخ ۳ / ۱۸۵) قاضی احمد کے والد قاضی محمد اپنے عہد کے نامور عالم و شاعر تھے فارسی میں وصالی تخلص کرتے تھے۔ مدتوں قاضی کے عہدے پر فائز رہے ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں انتقال ہوا۔ سام میرزا نے ان کا ایک قطعہ بھی نقل کیا ہے (تحفہ سامی ۷۳-۷۴)

قاضی احمد غفاری خود ایک عالم، مورخ اور شاعر تھے عراق میں وزارت کے عہدہ پر تھے۔ ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء میں استعفادے دیا اور حرمین الشریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے (تحفہ سامی ۷۴، منتخب التواریخ ۳ / ۱۸۵)۔

قاضی احمد اسی سیاحت کے دوران ہندوستان بھی پہنچے سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل آکر ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء میں انتقال کیا (منتخب التواریخ ۳ / ۱۸۵، ہفت اقلیم ۳ / ۱۷۸، مقالات الشعراء ۱۷) قاضی احمد غفاری کے فارسی اشعار تحفہ سامی، منتخب التواریخ، ہفت اقلیم اور تاریخ نگارستان کے آغاز و انجام میں درج ہیں۔

قاضی احمد کی صرف دو تالیفات نگارستان اور تاریخ جہاں آراء کا سراغ مل سکا ہے۔ یہ کتابیں علم تاریخ پر ہیں۔

قاضی احمد غفاری نے امیر تقی الدین محمد بن امیر جمال الدین صدر کی معیت میں قزوین سے کاشان تک سفر کیا۔ اس سفر میں معروف شاعر ثاری تبریزی بھی ہمراہ تھے۔ اسی سفر کے دوران قاضی احمد مشہور شاعر محتشم کاشی سے بھی ملے تھے۔ (Ency. Of Islam, "Ghaffari")

نگارستان:

قاضی احمد غفاری کی یہ سب سے مشہور تصنیف ہے جو عمومی تاریخ اور قصص و حکایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۹۵۹ھ / ۱۵۵۲ء میں مرتب ہوئی۔ مؤلف نے اسے شاہ طہماسپ صفوی کے نام معنون کیا ہے۔ اس میں ۶۰۲ وقائع و حکایات درج ہیں ترتیب حکومتوں کے نام و زمانہ سلطنت کے مطابق ہے۔

آخری حکایت کا تعلق سلاطین آق قویونلو سے متعلق ہے۔

نگارستان کے بہت سے خطی نسخے دنیا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں (ادبیات فارسی از سنوری ۲ / ۹۳ ۵-۵۸) کتابخانہ بوڈلین کا نسخہ مؤلف کا خود نوشتہ ہے۔ (ہمانجا ۵۸۳)

نگارستان کا فارسی متن بمبئی سے ۱۸۲۹ء، ۱۸۵۹ء میں دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ ۱۲۰۲ھ میں تہران سے مرتضیٰ مدرس گیلانی کی تصحیح کے ساتھ طبع ہوا جس کے آخر میں اس کا ذیل ۱۳۴۴ھ تک متن کے مصحح کا نوشتہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب کا ترکی ترجمہ بھی موزہ برطانیہ، لندن (نمبر ۷۸۵۲ B.M.mss.Add) میں محفوظ ہے۔ (سنوری ۱ / ۱ / ۱۱۵)

مقدمہ کے آخر میں مؤلف نے اپنے مآخذ کا ذکر کیا ہے جس میں تاریخ طبری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک تالیف ہونے والی اکثر اہم کتب تاریخ کا ذکر ہے۔

نگارستان میں درج تاریخی مواد زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ عمومی طرز محض نقل و اقتباس کا ہے۔ اس میں بھی بہت سے اشتباہات پائے جاتے ہیں۔ مدرس گیلانی نے کتاب کے مقدمے میں مؤلف کے بعض، تسامحات و اشتباہات کا ذکر کیا ہے (ص ۱۲-۱۶)

نسخ جہاں آرا:

یہ قاضی احمد غفاری کی دوسری تالیف ہے۔ جو دنیا کی عمومی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز خلقت انسان سے ہو کر ۹۷۲ھ / ۱۵۴۶ء تک ختم ہو جاتا ہے۔ مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں ابوالمظفر شاہ طہماسپ

بہادر خان کی تعریف کی ہے۔ اس کے نام ”نخ جہاں آرا“ سے اس کا سال تالیف ۹۷۱ھ برآمد ہوتا ہے لیکن مؤلف نے اس میں مزید یک سال کے وقائع درج کیے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مقامی اور غیر معروف حکومتوں کی تاریخ بھی درج ہے جن سے دیگر عمومی کتب تاریخ خالی ہیں۔

یہ کتاب ایک عنوان اور تین نسخ (حصوں) پر مشتمل ہے۔

۱۔ انبیائے کرام اور بارہ ائمہ

۲۔ اسلام سے قبل اور بعد کے سلاطین

۳۔ سلاطین مغویہ

اس کتاب کے بعض حصے سر ولیم اوسلی (Sir William Ousalay) نے لندن سے ۱۷۹۹ء کو شائع کیے تھے (سٹوری ۱/۱/۱۱۶)

ماخذ

- ۱۔ احمد غفاری: تاریخ نگارستان مرتبہ مرتضیٰ مدرس گیلانی۔ تہران ۱۴۰۴ھ
- ۲۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، تہران ۳ جلد
- ۳۔ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۸-۱۸۶۹ء
- ۴۔ بیدگل: ادبیات، فارسی برجنای تالیف استوری، ترجمہ یحییٰ آریں پور و دیگران۔ تہران ۱۳۶۲ش
- ۵۔ بسکی، عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مرتبہ عبدالفتاح طو، قاہرہ ۱۳۶۰ھ
- ۶۔ صفا، ذبیح اللہ: تاریخ ادبیات در ایران ج ۵، تہران ۱۳۷۰ش
- ۷۔ قانع مصنوی: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی ۱۹۵۷ء
- ۸۔ گلچین معانی، احمد کاروان ہند۔ مشہد ۱۳۶۹ش

۹۔ نفیسی، سعید: تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی، تہران ۱۳۴۴ ش

10- Naficy, S: "Ghaffari" Encyclopedia of Islam, (New ed.)

11- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۳۱ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میر سید جمال الدین بن میر جلال الدین شیرازی

میر سید محمد جمال الدین، معروف مورخ اور حاکمانِ سندھ ارغون و ترخان کے عہد کی تاریخ ترخان نامہ کے مؤلف کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

میر جمال الدین شیراز کے سادات انجو سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان اپنے حسب و نسب کے اعتبار سے ہر دور میں مقتدر رہا ہے، ایران کے علاوہ ہندوستان میں مدتوں یہ خاندان اہم سیاسی عہدوں پر فائز رہا۔ میر جمال الدین کے اجداد میں سے سید محمد معروف بہ میراں محمد نامعلوم اسباب کی بنا پر آٹھویں صدی ہجری میں شیراز سے سندھ آگئے اور قصبہ سید پور میں مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند سید احمد (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء) سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ (Thatha) میں آکر آباد ہو گئے، ان کے بیٹے سید مراد شیرازی (۸۳۱-۸۹۳ھ / ۱۴۲۷-۱۴۸۷ء) اپنے زمانے کے معروف صوفی تھے، ان کے بھائی سید علی ان کے جانشین ہوئے انہی سید علی کے فرزند سید جلال کے بیٹے سید علی ثانی (ف ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) تھے جو سندھ کے نامور مشائخ میں سے تھے، سندھ پر انہی کے زمانے میں ارغونوں کی حکومت قائم ہوئی، انہیں عربی، فارسی اور سندھی زبانوں پر عبور تھا (تاریخ سندھ ۲۱۶، حدیقۃ الاولیاء ۴۸)

سید علی ثانی کے فرزند سید جلال الدین ثانی تھے اور انہیں سندھ میں ”شیخ الاسلام“ کا منصب حاصل تھا، جن کی شخصیت مذہبی و سیاسی اعتبار سے جاذب توجہ رہی، جب اکبر بادشاہ نے سندھ پر حملے (۹۹۸ھ / ۱۵۹۰ء) کا ارادہ کیا تو میرزا باقی ترخان نے سید جلال الدین مذکور کو لپٹا سفیر بنا کر دربار اکبری میں بھیجا تھا۔

انہی سید جلال الدین ثانی کے خلف رشید میر محمد جمال الدین تھے، ان کی والدہ محترمہ میرزا محمد صالح اول (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۳ء) کی بیٹی تھیں (معیار سالکان طریقت ۴۳۱) یہی میر جمال الدین تاریخ سندھ کی مشہور کتاب ترخان نامہ کے مؤلف ہیں۔

افسوس کہ میر سید جمال الدین کے مفصل حالات کتب تاریخ سندھ میں نہیں ملتے میر سید جمال الدین اپنے والد کے صحیح جانشین و صاحب علم بزرگ تھے اور اسی وجہ سے ان کی شہرت تھی (تحفۃ الکرام ۳ / ۱۸۸)

میر سید جمال الدین کے دو فرزند تھے سید میر بزرگ اور سید عبداللہ، میر بزرگ کے صاحبزادے میر زین العابدین معروف بہ سید لطف اللہ فارسی زبان کے شاعر اور کتاب حرز البشر کے مولف تھے، ان کا تخلص قانع تھا، رنگین اشعار فارسی پر مشتمل ان کا ایک دیوان بھی تھا، ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء کو انتقال ہوا (مقالات الشعراء ۵۲۸ تحفۃ الکرام ۳ / ۱۸۸) قانع کے دو بیٹے غلام علی اور عبدالولی تھے، سید عبداللہ کے فرزند میر حسن علی کے بھی ایک بیٹے میر سید لعل تھے (تحفۃ الکرام ۳ / ۱۸۸)

کوہ مکلی (Koh-i-Makly) پر اس خانوادہ کا جداگانہ قبرستان ہے جہاں اس خاندان کے اکابر آسودہ خاک ہیں، (مکلی نامہ، ترخان نامہ، مقدمہ ۴۳)

ترخان نامہ

میر سید جمال الدین کی صرف ایک ہی کتاب ترخان نامہ دستیاب ہوئی ہے۔ جو سندھ پر خاندان ارغون اور ترخان کی حکومت کے احوال پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب میرزا عیسیٰ ترخان ثانی (ف ۱۰۶۱ھ) کے بیٹے میرزا محمد صالح کی فرمائش پر مولف نے ۱۰۶۵-۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵-۱۶۵۶ء کو لکھی، یہی میرزا محمد صالح خانوادہ ترخان کا آخری فرد تھا جو سندھ میں اپنے آبا و اجداد کے حالات لکھوانا چاہتا تھا۔ ان دونوں خاندانوں کی سندھ پر تقریباً نصف صدی تک حکمرانی رہی۔ (تحفۃ الکرام ۱ / ۱۱۱-۱۳۰)

ترخان نامہ۔ میر جمال الدین سے پہلے بھی اس موضوع پر ترخان نامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی تھی جو مولف کو اس کتاب کی تالیف کے دوران دستیاب نہ ہو سکی (ترخان نامہ ۳) مولف نے روضۃ الصفا، ظفر نامہ تیموری، تاریخ ہمایونی، اکبر نامہ، نگارستان، تاریخ طاہری، منتخب یوسفی، تاریخ گزیدہ، مجمع الاسباب اور تاریخ طبری سے اپنا مواد جمع کیا ہے (ترخان نامہ ۴)

ترخان نامہ دراصل میر محمد معصوم نامی کی تاریخ سندھ کا خلاصہ ہے، جس میں وہ کچھ اضافہ نہیں کر سکے اور نہ ہی تاریخ طاہری کے مطالب پر کوئی قابل ذکر اضافہ ہے بلکہ محض لفظی نقل پر اکتفا کی ہے، یہاں تک کے

مؤلف نے اپنے معاصر حاکم مرزا عیسیٰ ثانی کے عہد کی تاریخ میر پر بھی کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا حالانکہ حاکم مذکور کے فرزند مرزا محمد صالح کے امر پر انہوں نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔

اس کے علاوہ ترخان نامہ بہت سے تاریخی اشتباہات سے بھرپڑا ہے۔ دیگر کتب تاریخ سندھ کے ساتھ تقابل سے یہ شبہات رفع کیے جاسکتے ہیں۔

سید حسام الدین راشدی نے تین خطی نسخوں سے تقابل کے بعد اس کا ایک عمدہ متن تیار کیا تھا جو سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد سندھ سے ۱۹۶۵ء کو طبع ہوا۔ اس کے ساتھ مصحح کے مرتبہ بہت سے مفید شجرات بھی منسلک ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ راشدی، سید حسام الدین: میرزاغازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب، کراچی، ۱۹۷۰ء
- ۲۔ ایضاً: تذکرہ امیر قانی، حیدر آباد سندھ، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۱ء
- ۳۔ عبدالقادر ٹھٹھوی: حدیقۃ الاولیاء مرتبہ حسام الدین راشدی، ۱۹۶۷ء
- ۴۔ قانع، میر علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام، جلد اول مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد سندھ، ۱۹۷۱ء
- ۵۔ ایضاً: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۷۵ء، جلد اول تا سوم۔ بمبئی ۱۳۰۴ھ
- ۶۔ ایضاً: مکی نامہ مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۷ء
- ۷۔ ایضاً: معیار سالکان طریقت مرتبہ خضر نوشاہی، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء
- ۸۔ جمال الدین، میر سید: ترخان نامہ مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۵ء
- ۹۔ نامی، میر معصوم بھکری: تاریخ سند مرتبہ داؤد پوٹہ، بمبئی ۱۹۳۸ء
- ۱۰۔ نسیانی، محمد طاہر ٹھٹھوی، تاریخ طاہری مرتبہ نبی بخش بلوچ، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۳ء
- ۱۱۔ یوسف میرک بھکری: تاریخ مظہر شاہ جہانی مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۲ء

- 12- Elliot: History of India as told by its own Historians, Lahore, 1976.
- 13- Muhammad Saleem Akhtar, Sind under the Mughals, Islamabad, 1990.

- 14- Siddiqi, M.H: History of Arghuns and Tarkhans of Sind, Hyderabad, Sind, 1972.

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

۱۲۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء

مولانا شیخ علی متقیؒ

شیخ علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی المدنی الجشتی رحمۃ اللہ علیہ،
 ۸۸۵ھ کو برہان پور میں پیدا ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔
 کان ولادتہ رحمۃ اللہ منہ خمس و ثمانین و ثمانیۃ و ہوتسین سنہ“
 آپ کے آبائے کرام جو پور سے تعلق رکھتے تھے، کم عمری میں ہی برہان پور میں شاہ باجن چشتیؒ سے
 بیعت ہو گئے تھے، شیخ عبد الحقؒ لکھتے ہیں۔

آبائے کرام دی از جو پور اند و تولد شریف دی در برہان پور بودہ و ہم در اداکل صفر ہفت و
 ہشت ساگی والد بزرگوار دی و برادر خدمت شاہ باجن چشتی کہ در برہان پور بودند بردہ و مرید
 ساختہ بود“

سن بلوغت کو پہنچے تو شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن چشتی سے خرقہ پہنا۔
 ”در خدمت شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن رسیدہ خرقہ خلافت مشائخ چشتیہ قدس اللہ اسرار ہم
 پوشیدہ“

پھر ملتان کے لیے رخت سفر باندھا وہاں شیخ حسام الدین متقی کی صحبت میں دو سال تک رہے، شیخ
 عبد الحقؒ زاد المتقین میں لکھتے ہیں:

۱ زاد المتقین، قلمی ورق ۳۰

۲ برائے شریعہ حال شیخ بہاء الدین مکرانی السردف پ شاہ باجن متقی ۹۱۲ھ رجوع کنید پ مدارج الاولایہ قلمی ورق ۱۰۰ اب، مکرز خاں، نذرت الخاں طر ۳۰ ۶۲

۳ زاد المتقین، قلمی ورق سب

۴ نوحۃ الخواطر ۱۶ / ۱۶۹

۵ زاد المتقین، قلمی ورق سب

”در انجا بزرگی بود اورا شیخ محمد بن محمد بن محمد السخاوی می گفتند از وی خرقہای خلافت سلسلہ علیہ قادریہ و طریقہ شاذلیہ کہ بقطب الوقت شیخ نور الدین بن ابوالحسن علی الحسنی الشاذلی منشی می شود“

وفات کے وقت شیخ علی متقیؒ نے اپنے مختصر حالات تحریر کروائے تھے یہ آخری تحریر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حاصل کر کے اپنی تصنیف زاد المتقین میں محفوظ کر دی ہے ملاحظہ ہو۔

”ایشان در روز رحلت مجلی از احوال صحبت خود بمشائخ نوشتہ اند نسخہ آں کہ از خط شریف ایشان نقل کردہ شد این است“

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ہذا ما اوصی بہ الفقیر الی اللہ علی بن حسام الدین الشہیر بالمستی فی یوم خروجه من الدنیا و حولہ فی الاخرۃ ان ہذا الفقیر لما کان صغیرا جعلنی والذی رضی اللہ عنہ مرید الشیخ الاجل باجن قدس سرہ و کان طریقہ السماع والصفاء والوجد والیمان (کذا) فلما وصلت الی سن التمزین بین الحق والباطل اخترتہ در منیت بہ شیخی عملا بما قالوا ان المرید الصبی اذا جعل مرید الشیخ فہو بالخیار بعد البلوغ ان شار جلد شیخا وان شا اتخذ فضہ شیخا آخر فانخذتہ شیخا موافقہ لوالدی فیما اختار لی فلما مات والدی و شیخی رضی اللہ عنہما بست خرقہ مشائخ چشت من الشیخ عبد الحکیم بن الشیخ باجن قدس سرہ ثم اردت صحبتہ شیخ بر شدی و بد لنی علی ما احسنی من طریق الحق فقصدت بلاد مولتان و صحبت الشیخ العارف باللہ حسام الدین المستمل علیہ الرحمۃ والعفوان مدہ ثم سافرت الی الحرمین الشریفین و صحبت الشیخ العارف باللہ ابی الحسن البکری قدس سرہ و اخذت الخرقۃ القادریہ والشاذلیہ والمدنیہ و بست ہذہ الخرقۃ الثالثہ من الشیخ محمد بن محمد السخاوی قدس سرہ انتہی۔

حضرت شیخ علی متقیؒ نے بعمر نوے سال ۹۷۵ء میں رحلت فرمائی، بقول شیخ عبدالحق:

۱۔ تبیین الطرق۔

بقول شیخ محدث اول مصنفات ایشان است۔۔۔ و گاہ گامی در اوقات خالی بجانب صحرا میرفتند در گوشہ بکنارہ آب مشغول می شدند، ممد رین اشای آن، روز بہ تصنیف رسالہ تبیین الطرق لمہم گشتند و این رسالہ اول تصانیف شیخ است“

۲۔ سلوک الطريق اذا فقد الرفیق۔

یہ مکمل رسالہ غلام معین الدین عبداللہ خوینگی قصوری نے معارج الولايت میں من و عن محفوظ کر

۴۔

اور رسالہ ایست مسمی بہ سلوک الطريق فقد الرفیق“

ابتداً

بسم اللہ۔۔۔۔۔ اعلم ایہا الاخ الطالب بقرب مولا ک۔۔۔۔۔ الخ اختتام۔

العمران و حان ذلك فضل من الله والله ذو الفضل والامتنان“

۳۔ حکم کبیر۔

شیخ محدث نے اس رسالے کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ فارسی دو فصل ”التنوير في اسقاط التدبير مولفہ تاج الدین احمد خطی ذخیرہ شیرانی کتب

خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۵ / ۸۷۱ / ۳۹۲۳

۱۔ مہدائے فوجی قصوری کے مسلسل حالات کے لیے ملاحظہ ہو احوال و آثار مہدائے فوجی قصوری سوانح محمد اقبال مہر دی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

۲۔ معارج الولايت، خطی ذخیرہ آکد کتب خانہ دلائل گاہ پنجاب لاہور ورق ۳۳۶-۳۳۹

۳۔ دارالصحیحین ورق ۸

۴۔ خطی: المسح الاول۔ خطی ذخیرہ فیروز خانہ ورق ۶ / ۸۷۱ / ۳۹۲۳ کتب خانہ دلائل گاہ پنجاب ورق اول

۴۔ تنصح الوافی للقلب الشافی۔

یہ رسالہ بھی شیخ علی متقی کی تالیفات میں سے ہے۔ یہ دراصل ملک زادہ مسعود بک کی کتاب منہج العارفین کے چند مخصوص حصوں کا فارسی ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

اما بعد میگوید احقر العباد اللہ علی بن حسام الدین چوں بر کتاب منہاج العارفین تالیف ملک زادہ مسعود بک رحمۃ اللہ کہ مشتمل بر نصائح۔۔۔ وضاحت و بلاغت بود واقف شد خاطر آمد کہ بعض الفاظ کہ از جملہ اسالیب بود آرا شرح کردہ شود ترجمہ بہ شرحی کردہ شود۔۔۔ و این شرح را تنصح الوافی للقلب الشافی نام نہادہ شد و این ترجمہ ہر بیت حروف ہجا کردہ شدہ“

اس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور نمبر ۶ / ۸۷۱ / ۳۹۲۳ موجود ہے۔

مولانا عبدالحی نے نزہۃ الخواطر میں حضرت شیخ علی متقیؒ کی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ لنہج الاتم فی ترتیب الحکم

۶۔ الوسیلۃ الفاخرۃ فی سلطنتہ الدنیا والآخرہ

۷۔ تلقین الطریق فی السلوک لما لہمہ اللہ سبحانہ

۸۔ البرہان الجلی فی معرفۃ الولی بالفارسی

۹۔ رسالہ فی ابطال دعوی السید محمد بن یوسف الجونپوری

۱۰۔ مختصر النہایت فی اللغہ

۱۔ حمدانی حلی: ذمۃ الخواطر ۲ / ۲۳۳

۲۔ مینا

۳۔ مینا

۴۔ مینا

۵۔ مینا

۶۔ مینا ۲ / ۲۳۳ بحوالہ طبقات اکبر بن عسکری

۷۔ ترجمہ حسین اکبر: ترجمت العلماء صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷

۱۱۔ رسالہ کفایت اہل الیقین فی طریق التوکلین۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے کتب خانہ میں موجود ہے۔^۱ نمبر ۳۵۵ / ۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے آپ کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے

۱۲۔ شون المنزلات (قلمی انڈیا آفس، لندن ۱۱۵۲)

۱۳۔ کنز العمال (کتب خانہ بانکی پور ۵۲۷ و آصفیہ نمبر ۶۶۰)، مطبوعہ

۱۴۔ منہج العمال (بانکی پور، آصفیہ)

۱۵۔ الاکمال المنہج العمال (قلمی نسخہ ترکی)

۱۶۔ منتخب کنز العمال (مطبوعہ مصر، حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل)

۱۷۔ الفصول شرح جامع الاصول (بانکی پور)

۱۸۔ شمائل النبی (علی گڑھ)

۱۹۔ البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان، آصفیہ نمبر ۱۰۱۹۔ و نسخہ دہلی^۲

۲۰۔ العنوان فی سلوک النساء (قلمی نسخہ مصر)

۲۱۔ المواہب العلیہ فی الجمع بین احکام القرآن و الحدیث (قلمی مصر)

۲۲۔ جوامع الکلم فی مواہب و احکام^۳ (راپور، علی گڑھ۔ آصفیہ کے کتب خانوں میں اس کے خطی نسخے موجود ہیں)

۲۳۔ تنویر شرح احکام العطائہ المسماۃ بالتنبیہ (کتب خانہ انڈیا آفس، بنگال)

۱۔ خلیق احمد نظامی احیاء معراج مہدی علیہ السلام، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۳۱۰

۲۔ البرہان کا ایک قلمی نسخہ دہلی کتب خانہ دارالکتاب میں ہے۔ ایک اور نسخہ خانہ مسلم ہجرت دہلی علی گڑھ انجمن اہل حق میں ہے، جس کی نقل پروفیسر محمد اسلم حبیب نے کیا ہے۔

۳۔ حضرت معراج مہدی علیہ السلام کی تفسیر فی حوالہ ۱۱۳۲ھ نے معراج علی علی کی جوامع الکلم کی تفسیر کی تھی (محمد اعظم: لیل مراد علی ورق ۲۹) برائے تصدیق۔ کہ جہت معراج مہدی علیہ السلام

۴۔ اس کا نسخہ دہلی مولانا سید نوشی کی دستخط سے عالم کو دستخط ہے۔

- ۲۴۔ زاد الطالبین (باکی پور)
- ۲۵۔ اسرار العارفین (باکی پور)
- ۲۶۔ فتح الجواد (آصفیہ)
- ۲۷۔ نظم الدرر (آصفیہ۔ بنگال)
- ۲۸۔ لغم العیار و المقیاس فی معرفۃ مراتب الناس قلمی مملوکہ جناب محمد شریف ولد محمد عالم نوشاہی بمقام ڈھل رانیاں متصل سرائے عالمگیر اس مجموعہ رسائل میں دو مہریں (۱۰۸۷ھ دوسری ۱۱۳۳ھ) ثبت ہیں
- ۲۹۔ غایت الکمال فی بیان افضل الاعمال
- اس رسالہ کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے ڈاکٹر امین دثیر صاحب نے راقم سے بیان کیا کہ ترکی کے کتب خانوں میں حضرت شیخ علی متقیؒ کی اکثر تصانیف کے خطی نسخے موجود ہیں۔

ماخذ

حضرت شیخ علی متقیؒ کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔

مخطوطات

- ۱۔ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المستفی مولفہ شیخ عبد الوہاب متقی متوفی ۱۰۰۱ھ
- ۲۔ القول التقی فی مناقب المستفی مولفہ علامہ عبد القادر بن احمد الفاکھیؒ۔

۱

۲

۳

حضرت شیخ عبد الوہاب سلمیٰؒ رحمہ اللہ جملہ احوال اربعین (علی متقی) رسالہ نوشتہ ہر نسخہ پہ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقیؒ کی عبارت آن رسالہ میں آدرہ شدہ ہے

یہ کتاب صرف جامعہ مدرسہ محمدیہ (زاد الحقین ص ۷۷) پہ رسالہ موجود ہے

۴

۳۔ الطبقات البکری مولفہ شعرانی

۴۔ زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین سال تالیف ۱۰۰۳ھ مولفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی خطی مملوکہ

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانی لاہور مکتوبہ ۱۱۱۶ھ

۵۔ معارج الولاہیت ۱۰۹۶ھ مولفہ عبد اللہ خوینگی قصوری۔ خطی ذخیرہ شیرانی کتب خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر

۲۵H

۶۔ ثمرات القدس (قبل ۱۰۱۷ھ) مولفہ لعل بیگ علی خطی مملوکہ جناب نصرت نوشاہی

۷۔ مفتاح العارفین ۱۰۹۶ھ مؤلفہ عبد الفتاح بن محمد نعمان بدخشی خطی، ذخیرہ شیرانی

مطبوعات

۸۔ اخبار الاخیار مولفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۹۔ اشعۃ الملتعات۔ جلد دوم

۱۰۔ اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار مولفہ محمد غوثی منڈوی۔ آگرہ ۱۳۲۶ھ

۱۱۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان مولفہ آزاد بلگرامی بمبئی ۱۳۱۰ھ

۱۲۔ آثار الکرام، آزاد بلگرامی۔ دفتر اول ۱۹۱۰ء

۱۳۔ سفینۃ الاولیاء اراشکو، ایران۔

۱۴۔ ابجد العلوم، نواب محمد صدیق حسن خان بھوپال

۱۵۔ اتحاد النبلاء، نواب محمد صدیق حسن خان بھوپال

۱۶۔ خزینۃ الاصفیاء مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری شرمندہ پریس لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۱۷۔ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی ترجمہ اردو۔ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء

ایں رسالہ مفتاح القادری قادیان کے مولفہ اور اکابر و اہل علم و کمال کے ہفت جلدی کتابت فصیح و فہم است دہلی (علی علی) شریف و شایف و مکرر در علم و طوم یز

دار

(زاد المتقین، جلد ۲۵)

اگرچہ مفتاح الحق محدث دہلی نے مفتاح القادری قادیان کے مولفہ کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا ۱۷ جلدوں کے مولفہ کے ساتھ ساتھ

- ۱۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مولفہ خلیق احمد نظامی۔ دہلی ۱۹۵۳ء
- ۱۹۔ حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔ لکھنؤ ۱۹۰۶ء
- ۲۰۔ تجلی نور (حصہ دوم) نور الدین جوہر ۱۸۸۹ء

(ماہنامہ) سرحد، کراچی

ش۔ ۲، ج۔ ۱ (۱۹۷۴ء)

شیخ صبغۃ اللہ ایک سال تک احمد نگر میں مقیم رہے جہاں کے حاکم برہان شاہ نے بھی ان کی بہت توقیر کی یہ بیجاپور قیام سے پہلے کا واقعہ ہے وہاں سے آپ پھر حرمین الشریفین کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء میں مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے وہاں دس سال تک درس و تدریس کے ساتھ سلسلہ شطاریہ کی ترویج میں سعی بلیغ کی۔ اسی مقدس شہر میں خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کی شہرت سن کر سلطان روم نے آپ کو بلا بھیجا اور مدد معاش کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔^۱ شیخ صبغۃ اللہ کا مدینہ منورہ میں ہی ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء کو انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔^۲ پاکستان و ہند میں ان کے بے شمار تلامذہ اور مریدین تھے۔^۳ صاحب گلزار ابرار محمد غوثی مانڈوی نے بھی ان سے فیض پایا تھا اور حرمین الشریفین میں بھی لاتعداد اصحاب ان کے حلقے میں شامل تھے ان میں میرزا (ف ۱۰۳۷ھ) سید اسعد بلخی، شیخ احمد شادوی، شیخ ابراہیم ہندی (وفات درہند) شیخ محی الدین مصری، ملا شیخ الیاس کردی مدنی اور ملا نظام الدین سندھی (نزیل دمشق) وغیرہ کے اسماء کروں میں محفوظ ہیں۔^۴

شیخ صبغۃ اللہ بہرہ دہی کئی کتابوں کے مولف تھے جن میں سے بعض کا ذکر ملتا ہے:

۱۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی، یہ حاشیہ بلا دروم میں بہت مشہور اور متداول تھا۔

۲۔ تعریب جواہر الحسنہ تالیف شاہ محمد غوث گوالیاری۔^۵

لیکن مطبوعہ متن میں بہرہ دہی کا نام بحیثیت مترجم نہیں آیا۔

۳۔ کتاب باب الوحده۔^۶

۱۔ گلزار ابرار، ص ۳۶۴

۲۔ مینا، pp 223-24 Copy.

۳۔ غلام الاثر، ۲/۳۳۳، گلزار ابرار، ص ۳۶۴

۴۔ تاریخہ علمی ہند، دور ۵۱-۶۰ (اس خاکوے کے اقران فی کے شاگرد مرید تھے)

۵۔ گلزار، ص ۳۶۴

۶۔ غلام الاثر، ۲/۳۳۳، کتابی: سلسلہ الجید، ۲۷، انسبل اردو، ۱۶، سلاسل ادبیہ، ۱۰۰، طبعی، ۱۹/۱

۷۔ غلام الاثر، ۲/۳۳۳، دور، ۵/۱۶۱

۸۔ علی گڑھ کے لیے دیکھیے:

تذکرہ، ص ۳۵۲

۹۔ غلام، ۲/۳۳۳

- ۴۔ رسالہ ارادة الدقائق في شرح مرآة الحقائق۔
 ۵۔ رسالہ فی الجفر۔
 ۶۔ (رسالہ) مالا یسع المرید ترکہ کل یوم من سنن القوم۔

ماخذ

- ۱۔ محمد غوثی مائتوی: گلزار ابرار، خطی نسخہ، کتابخانہ جان رای لینڈ، مانچسٹر، انگلینڈ نمبر ۱۸۵ فارسی
- ۲۔ ایضاً: اذکار ابرار ترجمہ اردو گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ
- ۳۔ محبی، محمد: خلاصۃ الاثر، بیروت، دار صادر (سنن)
- ۴۔ لیلی الصباغ: من اعلام الفكر العربی، دمشق، الشركة المتحدة ۱۹۸۶ء
- ۵۔ ایوسف کوکن عمری: خانوادۃ قاضی بدر الدولہ، مدراس ۱۹۶۰ء
- ۶۔ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، لاکل پور (سنن)
- ۷۔ محمد بن علی سنوسی: المنہل الروی الراق۔ قاہرہ ۱۹۵۴ء
- ۸۔ کمالہ، عمر رضا: معجم الملونین، بیروت (سنن)
- ۹۔ عبدالحی حسنی: نوبۃ الخواطر ج ۵، حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء
- ۱۰۔ عبدالحی کتابی: فہرس الفہارس طبع احسان عباسی، بیروت ۱۹۸۲ء
- ۱۱۔ غلام محمد: مرآت محمدی بمبئی ۱۹۳۰ء
- ۱۲۔ ابو ظفر ندوی: تاریخ گجرات، اعظم گڑھ
- ۱۳۔ قشاشی، صفی الدین احمد: السط الجید، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۷ھ
- ۱۴۔ محمد غوث گوہاری: الجواہر المنہ مرتبہ عاصم ابراہیم الکیالی، بیروت، ۲۰۱۰ء

- 15- Zubaid Ahmed: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, Lahore, 1968

-
- 16- Eaton, R.M: Sufis of Bijapur, Princeton, 1978
 - 17- Quraishi, M. A. Muslim Education and Learning in Gujrat, Baroda, 1972.
 - 18- Janaki, V.A: Gujrat as the Arabs knew it, Baroda 1969
 - 19- Copt, A: The Naqshbandiyya and its off shoot in Haramayn, die welt des Islam, Vol. 43, No.3, (2003), Leiden

دانشنامہ جہان اسلام، تہران

مولانا عبد اللہ عبدی لاہوری

عبدی: پنجابی شاعر عبد اللہ لاہوری کا تخلص، پنجاب میں عبدی تخلص کے کئی شاعر ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: (۱) عبدی بن محمد کودھن ساکن باتو، مصنف رسالہ 'مہدی' ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء (۲) عبدی، عبد اللہ لاہوری، صاحب باراں انواع، ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء (۳) عبدی، عبد اللہ خوینگی قصوری، مصنف معارج الولايت (۴) عبدی، صاحب فقہ ہندی اور (۵) عبدی، عبد اللہ قیصر شاہی بن شیخ محمد یار بن شیخ گل محمد، ساکن رسول نگر ضلع گوجرانوالہ وغیرہ۔ ان میں جو شہرت صاحب باراں انواع کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔ سب سے پہلے میاں محمد بخشؒ نے ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء میں سیف الملوک میں ان کے بارے میں چند صفحات لکھے۔ ان کے بعد تمام اہل قلم انہیں کی فراہم کردہ معلومات کا تتبع کرتے رہے۔

ان کے والد کا نام میاں جان محمد تھا (کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۵۹) وہ موضع حانس، تحصیل پاک پٹن، ضلع ساہیوال کے رہنے والے تھے۔ جوانی کا زمانہ یہیں گزرا، پھر لاہور آگئے اور اندرون لوہاری دروازہ چوک جھنڈا میں حضرت شیخ خسو تیلی (م ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) کی ہمسائیگی اختیار کی (میاں محمد بخش: سیف الملوک، ص ۴۴۴)۔ ان کا ایک بیٹا میاں نور محمد تھا۔ نور محمد کے دو بیٹے، تقی محمد اور تقی محمد، تھے۔ تقی محمد لاہور فوت ہوئے۔ تقی محمد کے ایک فرزند محمد عاشق تھے، حوالہ مذکور، ص ۴۴۶) انہوں نے اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں اپنے نام سے ایک محلہ، کوچہ عاشق آباد، آباد کیا۔

میاں محمد بخشؒ نے میاں نور محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے بہت سی مروجہ کتب پر حواشی لکھے تھے اور والد نے انہیں "مدقن" کا لقب بھی دیا تھا (سیف الملوک، ص ۴۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ یہاں میاں محمد بخشؒ کو ہم نامی کی وجہ سے التباس ہو گیا ہے۔ مشہور محشی و شارح نور محمد مدقن لاہوری (بعہد عالمگیر) نے التصریف کی شرح میں اپنا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے: "نور محمد بن محمد فیروز بن

فتح اللہ لاہوری۔ اس سے واضح ہے کہ نور محمد بن عبد اللہ عبدی اور نور محمد مد قن بن محمد فیروز دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

عبدی نے تقریباً چالیس سال تک علم فقہ کی خدمت کی اور پنجابی نظم میں فقہی مسائل عام فہم زبان میں بیان کیے اور اس موضوع پر مختلف رسائل تصنیف کیے، جن کے نام یہ ہیں:

- (۱) تحفہ (۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) (۲) نص الفرائض (۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء) (۳) خلاصہ معاملات
- (۱۰۳۳ھ / ۱۶۳۳ء) (۴) انواع العلوم (۱۰۳۴ھ / ۱۶۳۴ء) (۵) معرفت الہی (۱۰۳۵ھ / ۱۶۳۵ء) (۶)
- خیر العاشقین کلان (۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء) (۷) شرح سراجی (۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) (۸) خیر العاشقین خرد
- (۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء) (۹) حصار الایمان (۱۰) میقل اول (۱۱) میقل دوم (۱۲) حمد و ثناء۔

کتاب کا نام بارہاں انواع ہے، لیکن عبدی کے موجود رسائل گیارہ ہیں۔ چونکہ اب تک عبدی کی انواع کا اصل نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لیے مجبوراً اس مجموعے میں ایک رسالہ محمد شفیع لاہوری کا شامل کر کے بارہ کا عدد پورا کیا گیا ہے (کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۶۰)۔

بارہاں انواع کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی متعدد شعراء نے اس کی تقلید میں کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ محمد نے متعدد خطی نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح و تطبیق کی اور حواشی کا اضافہ کیا، جن میں حافظ محمد نے بزبان فارسی انواع کے مشکل مقامات کا حل، ضعیف روایات کی نشان دہی اور مصنف یعنی عبدی کے تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ شرح متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔

عبدی کا گھرانہ لاہور کے قدیم علمی مراکز میں سے تھا۔ اکثر بزرگان دین اور علماء و فضلا ان کے ہاں آکر ٹھہرتے تھے۔ میاں محمد بخش، مصنف سیف الملوک، لاہور آکر انہیں کے ہاں قیام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب سیف الملوک کی ۱۸۵۵ء میں یہیں تصحیح و تکمیل کی اور اس علمی گھرانے کا مختصر تذکرہ اور علمی خدمات و علماء نوازی کا ذکر بھی اس کے آخر میں کیا ہے (سیف الملوک، ص ۴۴۶)۔

عبدی کے زمانے میں پنجابی زبان کو ہندی بھی کہا جاتا تھا، خود لکھتے ہیں:

کہتے مسئلے دین کے عبدی کہے آمین

فقہ ہندی زبان پر بوجھو کر یقین

عبدی کا میدان تحریر شریعت تھا، اس لیے قدرتی طور پر ان کے کلام میں عربی و فارسی کے اکثر الفاظ آتے ہیں اور بقول کشتہ (ص ۶۰) بارہا انواع میں پوٹھوہاری اور ہندی کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔

عبدی کی ولادت و وفات کے صحیح سال اب تک معلوم نہیں ہو سکے، البتہ ان کا زمانہ حیات از روئے تصنیف و تالیف ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء تا ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۳ء ہے۔

مآخذ:

- ۱۔ عبدی، عبداللہ لاہوری: بارہا انواع، لاہور ۱۳۱۶ھ
- ۲۔ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، مرتبہ وحید قریشی، لاہور ۱۹۶۳ء
- ۳۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی: پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، مطبوعہ لاہور
- ۴۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، لاہور ۱۹۷۲ء
- ۵۔ احمد حسین قریشی: پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، لاہور ۱۹۷۲ء
- ۶۔ میاں محمد بخش: سیف الملوک، جہلم ۱۹۱۳ء
- ۷۔ عبدالحی: نزہۃ الخواطر (عربی) جلد ششم، حیدر آباد، دکن
- ۸۔ میاں مولا بخش کشتہ امرتسری: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور ۱۹۶۰ء

- 9- Sprenger: Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of the Kings of Oudh, کلکتہ ۱۸۵۳ء

اردو دائرۃ معارف اسلامیہ

دانشگاہ پنجاب، لاہور

مولانا عبد اللہ بن علّامی عبد الحکیم، سیالکوٹی

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی کے اکابر علماء میں سے تھے۔

مولانا عبد اللہ بن علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی بن مولانا شمس الدین کے والد علّامی ملک العلماء عبد الحکیم سیالکوٹی (۹۸۸-۱۰۶۷ھ / ۱۵۸۰-۱۶۵۷ء) کے تین فرزند تھے ملا رحمت اللہ، مولانا عبد اللہ اور ملا رحمت علی (شریف التواریخ ۲ / ۳۱۵-۳۱۷) ان میں سے مولانا عبد اللہ سب سے زیادہ ذی علم اور مشہور ہوئے۔

مولانا عبد اللہ کا سال ولادت معلوم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے ابتدائی حالات زندگی کا خاکہ تذکروں میں ملتا ہے، انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والد کے زیر سایہ مروجہ علوم پر کامل عبور حاصل کر لیا۔ (فرحہ الناظرین ۱۰۵) اور حدیث کی تعلیم مولانا نور الحق دہلوی (ف ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء) بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے حاصل کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے (نزہۃ الخواطر ۵ / ۲۵۳) اور اپنے والد کے عین حیات ہی ”جامع جمع“ علوم بن کر افادہ طلبہ کے قابل ہو گئے تھے (عمل صالح ۳ / ۲۹۵)

اور نگزیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) ان کے علم و تقویٰ سے بہت ہی متاثر تھا۔ اس نے کئی بار انہیں سرکاری ملازمت حتیٰ کہ صدارت کی پیش کش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا (مرآۃ العالم ۲ / ۴۵۵) ان کی طبیعت سلاطین سے اختلاط کے منافی تھی چنانچہ وہ ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء تک اور نگزیب عالمگیر جیسے متقی بادشاہ سے بھی نہیں ملے تھے، بادشاہ کا اشتیاق ان سے ملاقات کا تھا۔ چنانچہ اس نے حسن ابدال سے پیغام بھیجا کہ لاہور تشریف لائیں چنانچہ مذکورہ سنہ میں وہ لاہور پہنچے شہنشاہ سے ملاقات ہوئے، اس دوران ان کی چند مرتبہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی اس نے بہت ہی قدر و احترام کیا اور ”خلعت و دو مہر و مادہ فیل“ دے کر ان کو ان کے مستقر سیالکوٹ رخصت کیا (کاثر عالمگیری ۱۳۸-۱۳۹)

جب اور نگزیب عالمگیر اجیر میں تھا اس نے مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کو وہاں بلایا اور اپنے ایک خاص مقرب بختاور خان (مؤلف مرآۃ العالم) کو کہا کہ مولانا کو اس امر پر قائل کرو کہ وہ "صدارت" کا عہدہ قبول کر لیں جس پر مولانا نے جواب دیا کہ اب میری عمر ساٹھ سال ہو چکی ہے اب نوکری لینے کا وقت نہیں بلکہ ترک ملازمت کا زمانہ ہے۔ گویا صاف انکار کر دیا (مرآۃ العالم ۲ / ۳۵۵) بلکہ بادشاہ نے اپنے دست خاص سے فرمان اس مقصد کے لیے لکھا وہ مولانا کے عذر پر ناراض نہ ہوا، مولانا نے اجیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک کی زیارت کی پھر اور نگزیب سے ملے اور اس دوران کئی مرتبہ ملاقات کی اور پھر باقاعدہ اجازت رخصت لے کر اپنے وطن مالوہ سیالکوٹ چلے گئے۔ (ماثر عالمگیری ۲۲۹)

مولانا عبد اللہ اپنی وفات سے ایک سال چند ماہ پہلے بیمار رہے اور بازار نقوہ شب جمعہ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۳ء انتقال کیا، خبر مرگ پر اورنگ زیب کو تاسف ہوا اس نے ان کے والد کو مدد و معاش کے طور پر جو مواضع دیئے وہ ان کے پس ماندگان کے لیے بحال کر دیئے (مرآۃ العالم ۲ / ۳۵۵) مولانا عبد اللہ کے چار فرزندوں اور اہلیہ کے لیے "وٹائف" بھی دیئے (ماثر عالمگیری ۲۲۹)

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کے چار فرزندوں میں سے کسی فرزند کا نام تک ہمیں معلوم نہیں ہے۔ محمد الدین فوق نے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے پوتوں پڑپوتوں کا ذکر کیا ہے لیکن کسی کے نام کے ساتھ وہ یہ وضاحت نہیں کر سکے کہ وہ مولانا کے تین فرزندوں میں سے کس کی اولاد تھے تاہم ان افراد کے ذی علم اور صاحب تصانیف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے (ملک العلماء عبد الحکیم ص ۴۰-۴۳)

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کئی اہم کتب کے مؤلف تھے ان میں سے عربی میں تفسیر سورۃ فاتحہ کا خطی نسخہ رضا لا بھریری رام پور میں ہے (عرشی: فہرست مخطوطات عربیہ ۱ / ۲۸۸) عربی نثر میں ایک اور کتاب زاد اللیب فی سفر الحبیب بھی آپ کی تالیف ہے جس میں مسائل اموات پر بحث کی گئی ہے اس کا ایک نسخہ کتابخانہ اسلامیہ کالج پشاور میں ہے (فہرست دارالعلوم اسلامیہ لباب المعارف ص ۱۰۵)

الترغیع بغوامض التکوین یہ اصول فقہ میں ہے یہ آغاز سے مقدمات اربعہ تک شرح ہے (نہجۃ الخواطر

۲۵۳ / ۵) اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں ہے (زبید احمد: Contribution of India, p

(324) ان کی ایک اور کتاب حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی کا ایک نسخہ کتابخانہ برٹش میوزیم لندن میں ہے (ایضاً ۳۶۱-۳۶۲) محمد اسلم پسروری نے ہدایہ پر بھی ان کے حواشی کا تذکرہ کیا ہے (فرحہ الناظرین ۱۰۵) مولانا عبداللہ سیالکوٹی سے اور نگزیب نے پوچھا کہ آپ کے والد نے آپ پر مسئلہ وحدت الوجود کس طرح واضح کیا تھا؟ مولانا نے اس کے جواب میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر پیش کر دیا (امام الدین ریاضی: تذکرہ باغستان بحوالہ معارف اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۲۱۵) مولانا کا یہ مختصر سا رسالہ فارسی نثر میں ہے اور بہت دقیق ہے، اس کے آغاز میں انہوں نے واضح فرمادیا کہ اور نگزیب عالمگیر نے مجھ سے اس موضوع پر میرے والد کے خیالات پوچھے تو میں نے اس کے جواب کے طور پر یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ اس رسالہ کا ایک خطی نسخہ ہمارے ایک عزیز کے کتب خانہ میں تھا جس سے چند یادداشتیں مرتب کی تھیں اب ہم نے یہ رسالہ مرتب کر لیا ہے جلد شائع کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

مولانا عبداللہ کے والد گرامی علامہ عبدالکیم سیالکوٹی اپنے اس ہونہار فرزند کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں انہی کے لیے تالیف کی تھیں، میر تقی کا حاشیہ انہوں نے انہی کے لیے لکھا جس میں ان کے دوسرے القاب کے ساتھ ”لبیب“ بھی بطور لقب درج کیا ہے (حاشیہ میر تقی خطی مملوکہ آقائی خلیل الرحمن داؤدی مرحوم، لاہور، برگ ۱-۲) گویا مولانا عبداللہ ”لبیب“ کے لقب سے ملقب تھے (عکس برگ مشمولہ المصداق، حیدر آباد سندھ، ش ۹-۱۰ ص ۲۲۸) ڈاکٹر زبید احمد نے ابو اللیب لکھا ہے (۳۶۱) جو مندرجہ بالا بیان کے مقابلہ میں غلط محض ہے۔

ماخذ

۱۔ انجم بخاری، شاہ: ”کیا ملا عبدالکیم سیالکوٹی حضرت شیخ محدث کے شاگرد ہیں؟“، مقالہ مشمولہ المصداق

(ش ۹-۱۰، ۲۰۰۵-۲۰۰۶) حیدر آباد، سندھ

۲۔ بخٹاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۳۔ شرافت، شریف احمد: شریف التواریخ، ساہن پال گجرات، پاکستان، ۱۹۷۹-۱۹۸۳ء

- ۴۔ شبیر احمد خان غوری: ”اسلامی ہند کی علمی خودداری“ الدرۃ الثمینہ“ مقالہ مشمولہ معارف، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ستمبر ۱۹۶۷ء و بعد
- ۵۔ شاہ نواز خان، مصمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۶۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء
- ۷۔ عبدالرحیم: لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ (پشاور)، آگرہ، ۱۹۱۸ء
- ۸۔ عبد اللہ سیالکوٹی: رسالہ فی بیان وحدت الوجود، مرتبہ محمد اقبال مجددی (زیر چاپ)
- ۹۔ فوق، محمد الدین: سوانحات عمر ملک العلماء علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی، لاہور ۱۹۲۳ء
- ۱۰۔ محمد صالح کنبولاہوری: عمل صالح مرتبہ غلام یزدانی و وحید قریشی، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۱۔ مستعد خان، محمد ساقی: مآثر عالمگیری، کلکتہ، ۱۸۷۱ء
- ۱۲۔ محمد اسلم پسروری: فرحۃ الناظرین، اردو ترجمہ و تعلیقات محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء
- ۱۳۔ و شیر، امین اللہ: علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی اینڈ الدرۃ الثمینہ، مقالہ برای حصول درجہ پی۔ ایچ۔ ڈی (عربی) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

- 14- Arshi, I.A: Cat. of Arabic Manuscripts in Raza Library, Rampur, Rampur, 1963.
- 15- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
- 16- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, Lahore, 1968.
- 17- Muhammad Ishaq, India's contribution to the study of Hadith literature, Dacca, 1955.

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ محمد امین صدیقی علوی حسینی

میر محمد امین صدیقی گیارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور مفسر تھے۔

میر محمد امین کے حالات متعارف کتب تاریخ و تذکروں میں نہیں ملتے، انہوں نے اپنی دو نسبتیں یعنی صدیقی اور علوی حسینی خود بیان کی ہیں (تفسیر امینی، خطی برگ ۲۔ الف) گویا یہ پدری و مادری نسب سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔

میر محمد امین صدیقی علوی حسینی اور نگ زیب عالم گیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) سے وابستہ تھے، ان کا منصب کیا تھا یہ معلوم نہیں ہے۔ ڈاکٹر اطہر علی کی مرتبہ فہارس امراء میں ان کا سرے سے نام ہی نہیں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی منصب دار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب سے وابستہ علماء و مشائخ کی جو جماعت دینی علوم پر تحقیقات میں مصروف رہتی تھی (حنات الحرمین ۱۳۷) موصوف کا تعلق اسی گروہ سے تھا، کیوں کہ انہوں نے یہ تفسیر اور نگ زیب کے ”تعمیل ارشاد“ کے لیے لکھنا شروع کی اور تکمیل کے بعد اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ (تفسیر امینی، ۲۔ الف)

میر محمد امین کا نام کتابخانہ آصفیہ کے فہرست ساز نے امین الدین لکھا ہے۔ (فہرست آصفیہ ۱/۴۰۴) جو صحیح نہیں ہے ہمارے پیش نظر تفسیر امینی کا جو خطی نسخہ ہے اس کے آغاز میں انہوں نے اپنا نام میر محمد امین ہی درج کیا ہے۔

میر محمد امین صدیقی کی صرف یہی ایک تالیف تفسیر امینی کا ہمیں تا حال علم ہے جو فارسی زبان میں ہے۔

تفسیر امینی:

میر محمد امین صدیقی نے یہ تفسیر اورنگ زیب عالمگیر کی فرمائش پر لکھنا شروع کی اور تکمیل کے بعد اسے اس کی خدمت میں پیش کیا۔

تالیف کے دوران مولف کا صرف یہ مقصد تھا کہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ یہ عام فہم کتاب ہر خاص و عام کے لیے مفید ہو۔ انہوں نے وضاحت کی ہے کہ اس کی تالیف سے قبل فارسی میں لکھی جانے والی کتب تفسیر ان کے پیش نظر ہیں خصوصاً تفسیر مواہب علیہ تالیف ملا حسین واعظ کاشنی کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے اور دیگر فارسی تفاسیر سے بھی اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔

مولف نے پہلے قرآن پاک کا متن نقل کر کے ہر آیت کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ہر آیت کے آغاز میں اس کا شان نزول بھی درج کر دیا ہے۔ یہ اس تفسیر کے متن کی بجائے تمام تر حواشی میں آیا ہے۔ اس تفسیر کے بعض مطالب و خصوصیات یہ ہیں:

اس کا انداز سادہ اور دل نشین ہے۔ مثلاً شیطان کا ترجمہ ”دیو فریبندہ سرکش“ کیا ہے۔ من الثمرات کا ترجمہ ”از انواع میوہا و نباتات“ دیا ہے یعنی صرف میوہ نہیں بلکہ نباتات بھی اس میں شامل ہے۔ ”یعلہ الکتاب الحکمہ“ میں حکمت کا ترجمہ ”علم حلال و حرام“ کیا ہے۔

تفسیر آیات کے ضمن میں مولف نے حواشی میں بعض اہم قصص بھی بیان کیے ہیں (ورق ۲۲ ب) مال غنیمت کی بحث کے ضمن میں لکھا ہے۔ در زمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فس بر پنج سہم مقوم می شد۔۔۔ سہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ذوی القربی ساقطت (برگ ۱۱۰ ب)

سورہ یوسف کی تفسیر و ترجمہ کرتے ہوئے مولف نے بعض فارسی اشعار بھی درج کیے ہیں۔ باطل کا ترجمہ کئی مقامات پر ”شرک“ کیا ہے۔ تفسیر میں مختلف امور کی توضیحات کے دوران مولف نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سے کئی اہم واقعات کی طرف بھی اشارے کیے ہیں لیکن اکثر آیات، صرف ترجمہ ہی کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

مولف نے مقدمے میں لکھا ہے کہ اس تفسیر کی تالیف کے وقت اس کے پیش نظر قرآن پاک کی لہری تفاسیر بھی موجود ہیں یقیناً انہوں نے ان سے استفادہ کیا ہو گا لیکن ان میں کسی تفسیر کا متن میں حوالہ نہیں دیا۔ مولف نے اختلافی امور یا مسائل کے بیان میں اختلافات جمع کر کے بحث کرنے کی بجائے صرف مرجع اور واضح ترین امور بیان کر دیے ہیں۔ آیات کا ترجمہ سادہ، سلیس اور عام فہم ہے، عام قاری کو کہیں بھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ آیات کے شان نزول میں تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارات کیے ہیں۔

تفسیر امینی کے صرف دو خطی نسخوں کا سراغ مل سکا ہے، ایک کتاب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست آصفیہ ۱/۴۰۴) دوسرا نسخہ مخطوطات کے معروف تاجر جناب خلیل الرحمن دادوی (لاہور، پاکستان) کے کتب خانے میں تھا، یہ نسخہ خوش خط اور موٹے کاغذ پر کتابت کیا گیا ہے۔ سال کتابت درج نہیں ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے اواخر کا معلوم ہوتا ہے۔ کل اوراق ۳۱۱ ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ برگل، یو، اے: ادبیات فارسی (برجناہی تالیف استوری) ترجمہ فارسی یحییٰ آریں پور، تہران ۱۳۶۲ ش
- ۲۔ تصدق حسین موسوی کنتوری: فہرست شروع بعضی کتب نفیسہ قلمیہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن،

۱۳۵۷ھ

- ۳۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، تہران، ۱۳۳۸ ش
- ۴۔ نور الحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، دہلی، ۱۹۶۹ء
- ۵۔ محمد امین صدیقی علوی حسینی: تفسیر امینی، خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمن دادوی، لاہور
- ۶۔ محمد عبید اللہ مروج الشریعت: حسنات الحرمین مرتبہ، محمد اقبال مجددی۔ موسیٰ زکی، ۱۹۸۱ء
- 7- Storey, C.A: Persian Literature, London 1970

۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شہ قارہ، تہران

شیخ محمد اشرف بن محمد مرید لاہوری

شیخ محمد اشرف لاہوری گیارہویں صدی ہجری کے پنجاب کے علماء و فقہاء میں سے تھے۔

شیخ محمد اشرف بن محمد مرید شاہدری لاہوری کا قیام لاہور کے ایک معروف مضافاتی قصبہ شاہدرہ (Shahdrah) میں تھا۔ وہ مسلک حنفی اور قادری سلسلہ کے صوفی تھے۔

حافظ برخوردار قادری نوشاہی (ف ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء تذکرہ نوشہ گنج بخش ۱۵۵) کے مرید تھے (فہرست مشترک ۲ / ۲۲۶۳) اس اعتبار سے شیخ محمد اشرف قادری نوشاہی سلسلہ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ محمد اشرف نے وضاحت کی ہے کہ وہ اپنے مستقر (شاہدرہ) سے اورنگزیب کے لشکر میں جا کر ملازم ہو گئے (تحفۃ الحسینی ص ۱)

اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸-۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) کے ساتھ خصوصی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اُسے ایسے القاب سے یاد کیا ہے جس سے اس کی مذہبی سیادت و مذہبیت سے گہرے لگاؤ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (ہما نجا برگ ۱-۲)

شیخ محمد اشرف لاہوری کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء تک بقید حیات اور تصنیف و تالیف میں مصروف تھے۔

شیخ محمد اشرف کی صرف ایک ہی تالیف تحفۃ الحسینی سے ہم آگاہ ہیں:

تحفۃ الحسینی:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور تجمیز و تکفین کے مسائل پر مشتمل ہے۔

مؤلف کے میزبان میر حسین کی درخواست پر تالیف کی گئی ہے۔ (تحفۃ الحسینی۔ برگ اب)

مؤلف نے کتاب کے آغاز میں وضاحت کی ہے کہ تحفۃ الحسنیٰ اس کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سال تالیف ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) برآمد ہوتا ہے (ہما نجا برگ اب)

یہ کتاب سولہ فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل المرض ہے۔ اسی طرح مختلف فصلیں وقتِ رحلت، کفن، نماز جنازہ، تدفین۔۔۔۔۔

یہ کتاب اور نگریب عالمگیر کے نام معنون کی گئی ہے۔ اس کے لیے ایک ورق کے بقدر طویل القاب بھی لکھے ہیں۔ (ہما نجا۔ برگ ۲۔ ۱، ب)

مؤلف نے ہر فصل میں فقہی مباحث کے دوران دلائل و سند کے طور پر فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اس میں تقریباً تین سو کتبِ فقہ کے اسماء بطور سند مختلف فصول میں ملتے ہیں جن میں سے چند نام حسب ذیل ہیں:

نافع المسلمین، شرح سفر السعادت، صلوٰۃ مسعودی، عین المعانی، شرح سراجیہ، فتاویٰ جامع المتفرقات، معالم التنزیل، کامل التواریخ (الکامل فی التاریخ)، زین القصص، کشاف، تفسیر کبیر، ترغیب و ترہیب، فتاویٰ برہنہ، شرح طحاوی، فتاویٰ قاضی خان، انواع العلوم، (فتاویٰ) ظہیری، خزانۃ الفتاویٰ، کنز العباد (فی شرح الادراد) اوزان کے سلسلہ میں میر شاہ جہانی کا بھی ذکر آیا ہے (برگ ۳۶)

تحفۃ الحسنیٰ کے تیرہ ایسے خطی نسخوں کی تفصیل فہرست مشترک (۲/ ۲۲۶۳) میں درج ہے جو پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا ایک خطی نسخہ مملوک جناب خلیل الرحمن داودی (لاہور) ہمارے پیش نظر ہے۔

ماخذ

- ۱۔ اشرف لاہوری: تحفۃ الحسنی، خطی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمن داؤدی، لاہور
- ۲۔ شرافت نوشانی، شریف احمد: تذکرہ نوشہ گنج بخش، لاہور، الکتاب، ۱۹۸۳ء
- ۳۔ ایضاً: شریف التواریخ (احوال اولیاء سلسلہ نوشاویہ) لاہور، ساہنپال، گجرات
- ۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان۔ ج ۴۔ اسلام آباد ۱۹۸۵ء

یکم جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شہ قارہ

حکیم تقرب خان داؤد اصفہانی

حکیم محمد داؤد مخاطب بہ تقرب خان گیارہویں صدی ہجری کا ایک نامور طبیب اور منصب دار تھا۔ تقرب خان کا نام حکیم محمد داؤد تھا اس کے والد حکیم عنایت اللہ بھی نامی گرامی اطباء میں سے تھے اور مسیح الزمان حکیم صدر الدین متخلص بہ اہلی شیرازی (ف ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء) کے فرزند حکیم فخر الدین محمد شیرازی کے شاگرد تھے (کاروان ہند ۱۱-۱۲، ۸۹-۹۳) حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی کے اطباء خاص میں شامل تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند حکیم داؤد کو شاہی اطباء میں شامل کر لیا گیا۔ خود بڑا نباض اور حاذق طبیب بن چکا تھا اور اُس نے بادشاہ کا خاص قرب بھی حاصل کر لیا تھا۔ حاسدین نے اس کے متعلق بادشاہ کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ بادشاہ کے جانشینوں نے بھی ویسا ہی سلوک کیا تو حکیم داؤد دل برداشتہ ہو کر حج و زیارت کے ارادے سے ایران سے لکھا عراق اور دیگر ممالک سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا (مآثر الامراء ۱/ ۳۸۵)

حکیم داؤد کے دربار شاہ جہانی میں پہنچنے سے صرف بیس یوم قبل شہزادی جہاں آرا (رک بآں) کے کپڑوں میں آگ لگ کر جھلنے کا حادثہ پیش آیا تھا (یعنی ۲۵ اپریل ۱۶۳۳ء کو)، حکیم داؤد زخموں کو مندمل کرنے اور فن جراحی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ اس کے کامیاب علاج سے بادشاہ شاہجہان نہایت خوش ہوا اُسے ایک ہزار پانصد کا منصب اور بیس ہزار روپے نقد انعام دیا۔ (شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۱۰، عمل صالح ۲/ ۳۳۳)

۲۱ محرم ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء کے جشن نوروز کے موقع پر بادشاہ نے بہت سے عطیات حکیم داؤد کو دیئے اور ایک سال تک جمعہ کے روز اس کو پیش کش ملتی رہی (عمل صالح ۲/ ۳۵۳، شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۲۳، مآثر الامراء ۱/ ۳۸۷) ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء میں حکیم داؤد کو شاہ جہان نے تقرب خان کا خطاب دیا (عمل صالح ۲/ ۳۲۸، شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۷۱، مآثر الامراء ۱/ ۳۸۷)

۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو تقریب خان کو تین ہزار ذات اور آٹھ سو سوار کا منصب ملا۔ ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء میں اُسے شاہ جہان کی بیگم اکبر آبادی محل (عز النساء) کے علاج کے لیے طلب کیا گیا جس پر اس کے منصب میں پانصد کا اضافہ ہوا اور تیس ہزار روپے انعام ملا۔ ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں تقریب خان کو چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار کا منصب دیا گیا۔ (ماثر الامراء، ۱/ ۳۸۷)

اسی دوران ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین ہوا اور شاہ جہان کو آگرہ کے قلعہ میں پابند کر دیا گیا چونکہ تقریب خان شاہ جہان کا مزاج شناس طبیب تھا اس لیے اس کے علاج کی غرض سے اُسے بھی قلعہ مذکور میں رکھا گیا جہاں اُسے کامیاب علاج کے انعام کے طور پر شاہ جہان نے تیس ہزار اشرفیاں دیں۔ (ماثر الامراء، ۱/ ۳۸۸-۸۷)

اس دوران اورنگ زیب عالمگیر کسی بات پر تقریب خان سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اس پر عالمگیر کا عتاب نازل ہوا تو وہ گوشہ نشین ہو گیا ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۲ء کو عالمگیر شدید علیل ہوا، اطباء حاضر ہوئے، تقریب خان بھی آیا، دوبارہ شاہی عنایات سے سرفراز ہوا، اگرچہ عالمگیر نے اس سے علاج نہیں کروایا تاہم اُسے کورنش کی اجازت مل گئی۔ چند ماہ بعد ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء کو تقریب خان کا انتقال ہو گیا۔ (محانجا، ۱/ ۳۸۸، تذکرہ الامراء، ۱/ ۱۲۰)

تقریب خان کا فرزند محمد علی خان بھی ایک معزز عہدے دار تھا، باپ کی معزولی کے باعث وہ بھی زیر عتاب رہا پھر شاہی نوازشات کا طویل سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ باپ کے انتقال کے بعد اُسے پھر منصب ملا مسلسل ترقی ہوتی رہی ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء کو وفات پائی (ماثر الامراء، ۳/ ۵۱۹)

(Mughal Nobility Under Aurangzeb, pp. 195, 233)

مآخذ

- ۱۔ شاہ نواز خان، مصباح الدولہ: مآثر الامراء اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء
- ۲۔ کیول رام: تذکرۃ الامراء مرتبہ معین الحق و انصار زاہد خان، کراچی ۱۹۸۶ء
- ۳۔ گلچین معانی: کاروان ہند، مشہد، ۱۳۶۹ش
- ۴۔ محمد صالح کنبولاہوری: عمل صالح (شاہ جہان نامہ) مرتبہ غلام یزدانی، وحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء

۵۔ محمود نجم آبادی: تاریخ طب در ایران۔ تہران، ۱۳۵۳ ش

- 6- Athar Ali: Mughal Nobility under Aurangzeb, Bombay, 1970.
- 7- Ibid: Apparatus of Empire, Delhi, 1985.
- 8- Inayat Khan: Shah Jahan Nama, Trans, Fufler, ed. M.E. Begley and Z.A. Desai, Delhi, 1990.

۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شہید قارہ

ملا سعید خان لاہوری

میرا ہویں صدی ہجری میں ملا سعید خان لاہور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ بعض درسی کتب پر ان کے حواشی کے حوالے ملتے ہیں، نیز حضرت میاں میر لاہوریؒ سے بڑی قریبی روابط تھے۔

دارالہکومہ نے کئی اہم واقعات کے سلسلہ میں ملا سعید خان کے اقوال بطور سند پیش کیے ہیں نیز لکھا ہے کہ ملا سعید پچاس برس سے زیادہ حضرت میاں میر لاہوریؒ سے آشنائی اور آمد و رفت رکھتے تھے:

ملا سعید خان کہ پنجاب و چند سال بخدمت حضرت میاں جیو آشنائی و آمد و رفت داشت می گفت
روزی..... الخ

ایک مرتبہ ملا سعید خان اکبر آباد گئے وہاں بیماری صعب میں مبتلا ہو گئے تو لاہور میں مشہور ہو گیا کہ ملا سعید انتقال کر گئے ہیں۔ حضرت میاں میر نے کسی سے ان کی خیریت معلوم کی تو لوگوں نے افواہ کے مطابق ان کی وفات کی خبر دی لیکن حضرت میاں میرؒ نے عالم کشف میں یہ دیکھ کر کہ ملا سعید بقید حیات ہیں ان کے زندہ ہونے کی لوگوں کی خوشخبری سنائی۔

ملا سعید خان کے ہاں زینہ اولاد نہیں ہوتی تھی، ایک روز حضرت میاں میرؒ سے زینہ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ کی دعا سے ان کے ہاں دو لڑکے توأم پیدا ہوئے۔ جو سکینتہ الاولیاء کی تالیف ۱۰۵۲-۱۰۵۹ھ کے دوران بقید حیات تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارالہکومہ سے بھی ان کے اچھے تعلقات تھے دارالہکومہ نے حضرت میاں میر کے

۱ دارالہکومہ سکینتہ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۳۳ ق ۱۱۸

۲ ایضاً ۱۲۱

۳ بیہار جغرافیہ ص ۸۳۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۵۸

بارے میں کئی اہم روایات انہیں کی زبانی نقل کی ہیں۔

حضرت خواجہ مولانا محمد امین بدخشی اعلیٰ حضرت شیخ آدم بنوڑیؒ جب ہندوستان آئے تو اپنے قیام لاہور کے دوران (۱۰۴۷ھ) جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں ملا سعید خان کا نام بھی لیا ہے۔^۱

ملا سعید خان کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ دارالاشکوہ کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکینہ الاولیاء کی تالیف ۱۰۵۲-۱۰۵۹ھ کے دوران بعید حیات تھے۔

حضرت شاہ عنایت قادری قصوریؒ (متوفی حدود ۱۱۵۰ھ) نے غایۃ الحواشی میں حاشیہ ملا سعید خان کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں۔ نیز انہوں نے اپنی دوسری تالیف عرفانی شرح مجموعہ سلطانی میں بھی متعدد مسائل کی توضیح کے لیے حواشی ملا سعید خان کے حوالے دیئے ہیں۔^۲

یہ حواشی تا حال مؤلف کو دستیاب نہیں ہو سکے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء

۱۔ مولانا محمد امین بدخشی، حضرت شیخ آدم بنوڑیؒ کے ہر عزیز نے اپنے شیخ کے حالات پر ایک لہجہ اہم کتاب شاخ الحرمین کے ہم سے لکھی ہے جو نمن عظیم ہندوستان پر مشتمل ہے۔

۲۔ محمد امین بدخشی: شاخ الحرمین، ص ۲۲۷، پ ۱۰۱

۳۔ شاخ الحرمین: عرفانی شرح مجموعہ سلطانی، قس ۱، قزوین کتب خانہ، قزوین، ص ۱۰۱

مولانا حافظ نعمت اللہ لاہوری

ہمارے محدود علم میں حافظ نعمت اللہ لاہوری کے حالات سے مطبوعہ اور متعارف کتب تاریخ اور تذکرے خالی ہیں۔ شیخ نعمت اللہ شاہ جہان کے آخری دور اور عہد عالمگیر اور نگزیب کے علماء میں سے تھے۔ حافظ صاحب لاہور کے مدرس، مصنف، قاری اور جید عالم تھے۔ اب تک آپ کی صرف ایک تصنیف ”مفید القراء“ دریافت ہوئی ہے۔ اور یہی اُن کے حالات کا واحد ماخذ ہے۔

نام اور آب و اجداد

آپ کا نام نعمت اللہ اور والد کا نام رحمت اللہ تھا۔ دادا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اُن کا نام ”مرزا“ تھا۔ ”مفید القراء“ میں اپنے والد اور دادا کے نام کی اس طرح صراحت کرتے ہیں: احقر العباد الضعیف النحیف المغتفر الی اللہ الصمد الغنی نعمت اللہ بن رحمت اللہ بن مرزا۔

مفید القراء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پنجاب کے کسی موضع سے لاہور میں آکر ”زمین کلاں“ میں آباد ہوئے تھے۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں:

”ہندۃ حقیر اضعف العباد نعمت اللہ بن رحمت اللہ لاہوری ساکن نو زمین کلاں“۔

اساتذہ

مفید القراء کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ شیخ نعمت اللہ نے پنجاب ہی میں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ کتاب کے خاتمہ میں اپنے جن اساتذہ کرام کا ذکر کیا ہے، وہ تمام پنجاب کے مدرسین میں سے تھے۔ یہ تمام حضرات

۱ حافظ نعمت اللہ لاہوری: مفید القراء، قلمی خانہ کتب۔

۲ بیضاوردہ کتب۔

غیر معروف ہیں۔ ان کے حالات کلیتاً پردہ اخفا میں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ پنجاب کے چند جید علماء کے نام محققین کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات تو درکنار آج ہم ان کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوتے۔ شیخ نعمت اللہ اپنے علم قرأت کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”احقر العباد الضعیف النحیف المغتفر الی اللہ الصمد الغنی نعمت اللہ بن رحمت اللہ بن مرزا کہ بخد مت مغفوری مرحومی اجود القراء میاں محمد حسین قاری و حافظ سعد اللہ قاری و میاں فتح محمد نواسہ میاں نور الدین محمد قاری مدب مدید قرآن مجید خواندہ و شنیدہ و اجازۃ تدریس از ایشان گرفته و مولویون مذکورون بخد مت حضرت میاں نور الدین محمد مذکور خواندہ و میاں مذکور بخد مت میاں حاجی ابراہیم خواندہ و ایشان بخد مت حاجی احمد خواندہ و ایشان بخد مت حاجی محمود خواندہ و ایشان بخد مت شیخ جعفر السنہوری خواندہ غفر اللہ علیہم اجمعین“۔

لاہور میں درس و تدریس

شیخ نعمت اللہ کا لاہور میں دس سال (۱۰۵۶ھ تا ۱۰۶۳ھ) بہ حیثیت معلم، طلبہ کی تربیت میں مشغول رہنے کا تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔ عبد اللہ خویسگی قصوری جب تقریباً ۱۳ سال کی عمر میں قصور سے لاہور میں تحصیل علم کے لیے آئے تو یہاں جن اساتذہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہوا، ان میں سے انہوں نے شیخ نعمت اللہ کا ذکر بھی کیا ہے لکھتے ہیں:

”چوں حوادث و علائق ازیں انیست مانع شدند از والد رخصت گرفته بلاہور رفتیم و بملازمت علماء وقت و اساتذہ عصر کہ میاں محمد صادق بود و محمد سعید (و) شیخ نعمت اللہ کتب تحصیل را تلمذ نمودم“

خاترہ منید القراء علی

عبد اللہ خویسگی قصوری: اخبار الاولیاء من لدن الامامینہ ورق ۷۷ ب ۷۷ قلمی نسخہ اشیا تک سوساکی بکمال اردو و گراف کلاؤن کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔ عبد اللہ خویسگی قصوری کثیر التصانیف مصنف ہے۔ ان کی یہاں تصانیف کا قائم احقر کو ملے ہے۔ اکثر انکس ایچ اکر ام نے ردہ کوثر (ص ۳۱۰) جلد ۲۱۰ میں اخبار الاولیاء مذکور کہ سید عبد القادر خویسگی کی تصنیف لکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ عبد اللہ خویسگی تو عبد اللہ خویسگی کے والد کا ہم ہے۔ خود عبد اللہ خویسگی نے اپنی دوسری معروف کتاب معارج الولاہیت میں کئی مقامات پر اخبار الاولیاء کو اپنی تصنیف بتایا ہے۔

عبد اللہ خویشگی ۱۰۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں یعنی ۱۰۵۶ھ میں تحصیل علم کے لیے لاہور آئے اور تیس سال کی عمر میں یعنی ۱۰۶۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس دس سال کے عرصہ میں وہ شیخ نعمت اللہ لاہوری سے بھی اکتساب علم کرتے رہے۔ عبد اللہ خویشگی قصوری کے درود لاہور اور تحصیل علم وغیرہ کی تمام تر معلومات راقم الحقر کی زیر طبع کتاب ”احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری“ سے ملنا محض خدشہ ہے۔

شیخ نعمت اللہ لاہوری کا حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف فتویٰ

یہ تعجب خیز امر تو ہے کہ شیخ نعمت اللہ لاہوری جیسے زیرک اور جید عالم نے حضرت سیدنا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی تکفیر میں فتویٰ دے دیا۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مفتی فتوے کی نوعیت اور سیاق و سباق سے بے پروا ہو کر استفتاء کی عبارت کے مد نظر دیگر مفتیوں کی تقلید میں فتوے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نعمت اللہ لاہوری کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اور یہ ممکن ہے کہ عبد اللہ خویشگی قصوری مذکور کے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مخالفین میں سے تھے اور شیخ نعمت اللہ کے شاگرد رہ چکے تھے انہوں نے اس فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہو۔ کیونکہ یہ فتویٰ ہم تک صرف عبد اللہ خویشگی کے ذریعہ ہی پہنچا ہے۔

بہر حال شیخ نعمت اللہ لاہوری کی زندگی کا یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ اس فتویٰ پر انہوں نے جو مہر ثبت کی ہے اس میں اپنے نام کے ساتھ ”حافظ“ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ فتویٰ قبل ۱۰۹۰ھ کا ہے۔ شیخ نعمت اللہ نے اپنی مہر لگانے سے قبل یہ الفاظ لکھے ہیں:

”من اعتمد بما ذکر فقد کفر“ کتبہ حافظ نعمت اللہ لاہوری۔

صاحب ترجمہ شیخ نعمت اللہ لاہوری اور اس فتوے میں مشمولہ حافظ نعمت اللہ لاہوری کے ایک ہی شخصیت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فتویٰ ۱۰۹۰ھ سے قبل لکھا گیا اور یہ انہیں کا زمانہ حیات ہے۔

مفید القراء

اب تک راقم الحروف کو حافظ نعمت اللہ لاہوری کی فقط ایک ہی تصنیف ”مفید القراء“ کا علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے علم قرأت سے متعلق ہے اور اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۷-۱۱۱۸ھ) کے عہد میں

تصنیف ہوئی ہے۔ طرزِ نگارش اور اسلوبِ بیان مصنف کے پنجابی نژاد ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ کتاب کی زبان سلیس فارسی ہے۔ قراء یعنی قاریوں کی سہولت کے پیش نظر قواعد کو فارسی اشعار میں نظم کیا گیا ہے تاکہ ایک قرأت کا طالب علم آسانی ان قواعد کو حفظ کر سکے۔ کتاب میں جا بجا فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ مصنف نے وضاحت نہیں کی کہ یہ اشعار ان کی اپنی تصنیف ہیں، تاہم مصنف کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھار شعر بھی کہتے ہوں گے۔ کتاب کا آغاز ان اشعار ہوتا ہے۔

من بغیر تو نہ بینم در جہاں قادرا پروردگارا جادواں
من ترا دامنم ترا دامنم ترا خود ترا کی غیر باشد ای خدا
چوں بجز تو نیست در بہر دو جہاں لاجرم غیری نباشد در جہاں
حمد و ثناء بدو در حضرت رب العالمین کہ انعام او عالم ست۔۔۔ الخ

خاتمہ کتاب

اما تصنیف کہ باعتبار حروف است آن اول قرآن مجید تا ولایت لطف تا در نصف اول است و لام در نصف آخر است در سورۃ کہف۔

اپنے نام اور کتاب کے نام اور موضوع کتاب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

میگوید بندہ حقیر اضعف العباد نعمت اللہ بن رحمت اللہ لاہوری ساکن نوزمین کلالاں محتاج الی اللہ القوی
المتمین تالیف رسالہ در بیان مخارج حروف و قواعد قرآن کہ ہر قاری را باید دانست و یاد باید داشت بنا بر این بقدر وسع
امکان اور اق چند در بیان علم تجوید نوشتہ شد۔۔۔۔۔ نامیدم ایں رسالہ را ”مفید القراء۔۔۔ الخ

عہد تصنیف۔ در دور معظم و مکرم ابوالظفر شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی و محی الدین اورنگزیب

بہادر عالی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطنتہ، و افاض علی العالمین برہ و احسانہ۔

محتویات رسالہ (ایں رسالہ) منقسم گردانیدم بر چہارہ باب واللہ الموفق المعین

باب اول در بیان اسامی قراء و راویان مع شہر ہا و موزن ہا۔

باب دوم۔ در بیان استعاذہ۔ باب سوم در بیان بسملہ۔ باب چہارم در بیان مخارج حروف۔ باب پنجم در بیان صفات حروف۔ باب ششم۔ در بیان نون ساکن و تنوین۔ باب ہفتم۔ در بیان اخفاء و ادغام۔ باب ہشتم۔ در بیان تنہیم و ترفیق را۔ باب نہم۔ در بیان مد و قصر۔ باب دہم۔ در بیان ہاء۔ کنایہ۔ باب یازدہم۔ در بیان وقف۔ باب دوازدہم۔ در بیان معانقہ۔ باب سیزدہم۔ در بیان وقف غفران و غیرہ۔ باب چہار دہم۔ در بیان رسم الخط۔

مفید القراء کے خطی نسخے پر اب تک اس کتاب کے صرف دو قلمی نسخوں کا راقم الحروف کو علم ہے۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لنڈن نمبر ۲۷۰۵ ہے۔ دوسرا قلمی نسخہ قاری عبدالرشید قاسمی کے کتب خانہ میں موجود ہے جو ۱۱۸۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ اوراق ۲۴ سطر ۲۷۔ تقطیع ۹۰ x ۶ بجظ نستعلیق و نسخ۔

سال وفات

حافظ نعمت اللہ لاہوری کا سال وفات ہنوز معلوم نہیں ہو سکا۔ شاہ جہان کے عہد میں ۱۰۵۶ھ تا ۱۰۶۶ھ۔ دس سال ان کا لاہور میں مدرس کی حیثیت سے رہنے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر ۱۰۹۰ھ کے قریب وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف فتویٰ میں شریک نظر آتے ہیں۔ گویا ان کا زمانہ حیات مذکورہ سنیں کی موجودگی میں قبل ۱۰۵۶ھ تا بعد ۱۰۹۰ھ متحقق ہے۔

ماخذ مقالہ ہذا

- ۱۔ عبد اللہ خویبلی قصوری: اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء ۱۰۷۷ھ رد ٹو گراف مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔
- ۲۔ عبد اللہ خویبلی قصوری: معارج الولايت ۱۰۹۶ھ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ قلمی نسخہ ذخیرہ آذر کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔
- ۳۔ حافظ نعمت اللہ لاہوری: مفید القراء مکتوبہ ۱۱۸۸ھ قلمی نسخہ مملوکہ مولانا عبدالرشید قاسمی، لاہور۔
- ۴۔ محمد اقبال مجددی (راقم الحق) "احوال و آثار عبد اللہ خویبلی قصوری" زیر طبع۔

حضرت حامد قاری لاہوری

شیخ مفتی حامد قاری (۱۰۷۱-۱۷ جمادی الثانی ۱۱۶۶ھ / ۱۶۶۰-۱۷۵۳ء) پنجاب کے نامور علماء، صوفیہ، مؤلفین اور مفتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے والد کا نام حسن تھا (لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، ۲ / ۱۱۳، چشتی ۳۵۶) سید محمد لطیف کو چشتی کی عبارت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے ان کے والد کا نام حسین عالم لکھ دیا ہے (لطیف ۱۰۳)

شیخ حامد قاری، لاہور کے مشہور عالم مولانا تیمور لاہوری کے شاگردِ خاص تھے جو لاہور کے نامور مدرس حافظ محمد اسماعیل لاہوری معروف بہ میاں وڈا (کلان) (Mian Waddah ف ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۳ء) کے حوزہ علمیہ کے اہم رکن تھے۔ مولانا تیمور لاہوری سے بیعت ارادت رکھتے تھے۔ (محمد عاقل لاہوری: ۴۰ ب)، شیخ حامد قاری کا سلسلہ سہروردیہ بھی مولانا کے توسط سے موسس سلسلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (ہما نجا برگ ۴۰ ب-۴۱) حاجی یار بیگ، میراں سید احمد، میاں جان محمد پرویز آبادی لاہوری، اخوند فتح محمد قصوری اور مولانا محمد عاقل لاہوری (مؤلف شرح ترمذی) کے ساتھ علمی مباحث اور مراسلت رہتی تھی (محمد عاقل لاہوری، برگ ۱۸، ۲۰، ۲۸، ۲۹ ب، ۳۱ ب، ۳۳-۳۴، ۳۶ ب، ۳۸-۱)

شیخ حامد قاری، درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے، پنجاب بلکہ ہندوستان اور افغانستان کے بہت سے تلامذہ ان کے حلقہ درس میں حاضر رہتے تھے، حدیث اور فقہ کی تدریس معمول تھا، آپ کی قرأت بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی اس لیے عوام و خاص میں ”قاری“ کے لقب سے ملقب ہوئے (چشتی ۳۵۶، لاہوری ۲ / ۱۱۳، لطیف ۱۵۳، نامی ۱۵۵، کنھیالال، ۲۵۶، حسنی ۶ / ۵۹)

شیخ حامد قاری کے بہت سے شاگرد تھے، جن کی کوئی مکمل فہرست تذکروں میں نہیں ملتی، آپ کے ملفوظات آپ کے شاگرد خاص مولانا میاں محمد عاقل لاہوری نے جمع کیے تھے جن میں بعض نام مختلف واقعات کے دوران تحریر ہیں، شیخ حامد پنجاب کی مشہور قوم راجپوت سے تعلق رکھتے تھے اور لاہور کے محلہ ذر میں قیام تھا (چشتی ۳۶۰، نامی ۱۵۵) شیخ حامد قاری بہت سی کتابوں کے مؤلف تھے، جن میں سے زیادہ تر علم فقہ سے متعلق ہیں، بعض اس عہد کے اہم اختلافی مسائل کو محیط ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل کتب کا ہمیں تا حال علم ہو سکا ہے:

تالیفات

۱۔ رسالہ خواندن چہار گانی جمعہ

نماز جمعہ کے بعد احتیاط ظہر کے طور پر چار رکعت ادا کرنے کے مسائل پر مدلل بحث ہے مؤلف نے کتب فقہ اہل سنت کے مختلف فقہی اقوال جمع کر کے خوب بحث کی ہے، اور احتیاط ظہر کی ادائیگی کو ہی ترجیح دی ہے۔ علم فقہ کی تمام مروجہ کتب اور مجموعہ ہائی فتاویٰ کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں اور اس بارے میں اشکال رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتابخانہ میں ہے۔ دوسرا خطی نسخہ مدرسہ علوم الرضی، بھلوال، سرگودھا میں ہے (منزوی ۲ / ۱۰۸۳) تیسرا نسخہ کتابخانہ مجددی، کراچی (ہانجا ۱۴ / ۴۷۹)۔

۲۔ رسالہ در جواز نماز جنازہ کناس

مؤلف نے اس رسالہ کی تالیف کی خود وضاحت کی ہے کہ ”اگر کوئی کناس کہ در عرف عام حلال خور گویند کار طیب میگویند و باوجود ایں مرداری خورد از حکم نماز جنازہ آنہا جواز است یا عدم جواز“ مؤلف نے اس کے جواز اور عدم جواز دونوں اطراف کے فقہاء کے دلائل جمع کیے ہیں، مؤلف اپنے جمع کردہ دلائل سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حلال خور کی نماز جنازہ جائز ہے۔ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔

۳۔ رسالہ در تحقیق مسائل مہمہ

یہ رسالہ مندرجہ ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔ اول گل انداختن بر جنازہ منہی است، دوم کلاہ تنہا پوشیدہ نماز گزار دن مکروہ است، سوم در نصب انداختن بر قبر، چہارم مسئلہ بلند خواندن بسم اللہ در تراویح، پنجم مسئلہ

غیا۔۔۔ وغیرہ یہ نادر رسالہ بھی محمد اقبال مجددی کے ذاتی کتابخانہ میں ہے، دوسرا خطی نسخہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی، بندہ ضلع جہلم میں ہے اور تیسرا نسخہ کتابخانہ خواجہ غلام محی الدین قصوری کے کتب خانہ محلہ چمرنگان، قصور میں ہے (منزوی ۲ / ۱۰۶۱) چوتھا نسخہ کتابخانہ محمد اجمل چشتی، چشتیاں، بہاول نگر، اور پانچواں نسخہ کتابخانہ مجاہد الاسلام، فیصل آباد میں ہے (منزوی، نوشاہی ۱۳ / ۴۴۹)

۴۔ رسالہ در مسائل مہم

یہ رسالہ موکف نے صرف تین اہم معاصر مسائل کے بیان میں تالیف کیا ہے۔
اول در طہارت ظروف، دوم گل اندافتن بر جنازہ، سوم ترک بدعت، اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔ دوسرا نسخہ مملوکہ بشیر احمد لدھیانوی، لاہور، اور تیسرا کتابخانہ احمدیہ قادیانیہ ربوہ، سرگودھا میں ہے (منزوی ۲ / ۱۱۸۲)

۵۔ رسالہ در مسائل مہمہ

یہ رسالہ مردہ لوگوں کے کفن و دفن کے بارے میں ہے اس رسالہ کی آٹھ فصلیں ہیں۔ ۱۔ در مسائل بیمار ان (۲) تلقین، تکفین (۳) حمل جنازہ (۴) نماز جنازہ، (۵) نماز جنازہ (۶) بہ خاک سپردن (۷) مسائل شہید (۸) مسائل متفرقہ یہ رسالہ فقہاء میں خاصا متداول رہا ہے۔ اس کے ۲ خطی نسخے پائے جاتے ہیں (منزوی ۳ / ۲۳۵۰-۲۳۵۱) مزید تین نسخوں کے لیے دیکھیے نوشاہی ۱۳ / ۷۴۲

۶۔ اعفاء السبلۃ وخلق اللحمیۃ

موکف نے یہ کتاب ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء کو تالیف کی داڑھی منڈوانے کے موضوع پر رسالہ ہے۔ موکف نے اپنے مکتوبات میں سے اس موضوع پر موجود مواد یکجا کر دیا ہے، اس کا قلمی نسخہ کتابخانہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی، بندہ ضلع جہلم میں محفوظ ہے۔ (نوشاہی ۱۳ / ۴۰۱)

۷۔ مکتوبات حامد یہ

اس مجموعہ میں شیخ حامد قاری کے بیس مکاتیب شامل ہیں، اس کے جامع یا مرتب کا کوئی ابتداء یہ اس میں نہیں ہے اور نہ ہی سال ترتیب درج ہے، قیاس ہے کہ موکف کی وفات ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء سے قبل مرتب ہو چکا تھا۔

اس کے حوالے موکف کے شاگرد رشید مولانا محمد عاقل لاہوری نے تحفۃ المسلمین میں دیئے ہیں، یہ تمام مکاتیب اس عہد کے فقہی مسائل پر مشتمل ہیں، ہر مکتوب بجا طور پر ایک رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے، مکتوب الیہم کے اسماء بھی درج نہیں ہیں۔ کشف کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے اپنے استاذ مولوی تیمور لاہوری کو مخدومی لکھا ہے (برگ ۷۴ ب) یہ بھی لکھا ہے کہ میں میاں جان محمد ساکن قصاب پورہ، لاہور کے مرض وصال میں ان کی عیادت کے لیے گیا تھا وہ اپنے مخدوم حافظ محمد اسماعیل لاہوری ساکن تیل پورہ کا کشف پر اعتماد نہ کرنے کے سلسلہ میں قول بیان کر رہے تھے (ہما نجا ۷۴ ب)

مکتوبات حامد یہ کا ایک عمدہ خطی نسخہ ہمارے کتابخانہ کی زینت ہے، ایک اور خطی نسخہ کتابخانہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی ضلع جہلم میں ہے (منزوی ۲ / ۱۱۸۷)

۸۔ رسالہ در تنبا کوکوشی

اس رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے اس کے کسی خطی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے، (لاہوری: حدیقہ ۲۶۶، چشتی ۳۵۶، نامی ۲۱۲، نے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے)

۹۔ تحفۃ المسلمین

یہ کتاب شیخ حامد قاری کے شاگرد خاص مولانا محمد عاقل لاہوری نے تالیف کی ہے اور اس میں شیخ حامد قاری کے فرمودات جمع کیے ہیں، چونکہ اس کے موکف اور شیخ حامد دونوں مدرس، فقیہ اور مفتی تھے اس لیے ان کی مجالس میں فقہی امور پر ہی بحث ہوتی تھی۔ اس میں بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے مسائل ہی زیر بحث آئے ہیں اس کا آغاز پنجاب کی علمی و مذہبی تاریخ کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ جس میں موکف نے لکھا ہے کہ اس میں وہ تمام مسائل آگئے ہیں جو میاں تیمور لاہوری نے لکھے تھے اور مجھے میاں شیخ حامد قاری کی زبان سے سننے کا اتفاق ہوا تھا، میاں تیمور نے اس تحریر پر مفتیان لاہور میاں جان محمد پرویز آبادی، میاں محمد ہاشم، حامد قاری، میاں جان محمد، اخوند عثمان اور میاں امانت خان ساکنان قصور کی مواہیر ثبت کروا کر مشتہر کیا۔ ایک موقع پر قصور کے کوٹ خام میں قصور کے علماء کے اجتماع کا ذکر کیا ہے (برگ ۱۸ ب) ہمارے نزدیک لاہوری ۲۶۶، چشتی ۳۵۶ اور لطیف ۱۵۳ نے شیخ حامد قاری کے جس مجموعہ ملفوظات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی تحفۃ المسلمین ہے، اس میں

جامع نے کہیں سال تالیف کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم یہ میاں حامد قاری کے استاذ مولوی تیمور لاہوری کی وفات کے بعد مرتب ہوا ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔ شہر لاہور سے باہر شیخ حامد قاری کا مدرسہ تھا۔ (لاہوری: حدیقہ ۲۶۶)، ۱۸۸۸ء تک اس مدرسہ کی چار دیواری خشتی پختہ تھی، جس میں شیخ کی تعمیر کردہ ایک مسجد بھی تھی جس پر قطعہ تاریخ تعمیر ۱۱۳۱ھ درج تھا (کنھیالال ۲۵۵، چشتی ۳۵۸، نامی ۲۱۲) شیخ حامد قاری کی زندگی میں مدرسہ کے اخراجات کے لیے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس ہیکڑ زمین مزرعہ دی تھی جس کا فرمان سکھوں کے عہد حکومت تک مجادروں کے پاس تھا (چشتی ۳۵۸-۳۵۹) شیخ حامد قاری اس مقام پر دفن کیے گئے جہاں ان کا مزار اب تک مرجع خلایق ہے (فوق ۱۲۸) یہ مزار اب لاہور میں شاہراہ ویٹ نزد مقبرہ نواب علی مردان خان موجود ہے۔ (کلیم ۳۸۱)

ماخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، ۱۸۶۶ء
- ۲۔ حسنی، عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۷ء
- ۳۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء و المشائخ معروف بہ تذکرہ علمائے لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء
- ۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۵۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، ۱۸۸۳ء
- ۶۔ لاہوری، غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۷۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء
- ۸۔ محمد عاقل لاہوری: تحفۃ المسلمین، خطی، مملوکہ محمد اقبال مجددی، لاہور۔
- ۹۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء و بعد
- ۱۰۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ، لاہور، ۱۹۶۰ء
- ۱۱۔ ایضاً: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۱۲۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی ج ۱۳۔ اسلام آباد، ۱۹۹۷ء

۲۳ فروری ۲۰۱۳ء

برای دانشنامہ قارہ

مرزا محمد بن معتمد خان بدخشی (مؤلف تاریخ محمدی)

مرزا محمد بدخشی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور مورخ تھے۔

مرزا محمد بن رستم بن قباد بن عبد الجلیل بن عبد الکریم بن طوغان حارثی بدخشی کے اجداد عرب سے افغانستان کے مشہور علاقہ بدخشان جا بے اس خانوادے کے تمام تر افراد ذی علم بزرگ گذرے ہیں جو سیف اور قلم دونوں میدانوں کے مرد تھے۔

اس خاندان کے پہلے فرد جو ہندوستان میں وارد ہوئے: عہدِ بجلیل تھے یہ حنفی فقیہ تھے۔ ان کا کشمیر میں

۱۴۰۲ھ / ۱۶۱۱ء کو انتقال ہوا (تاریخ محمدی، وقائع ۱۴۰۲ھ / ۵ / ۱۱۰)

مرزا بدخشی کے والد رستم مخاطب بہ معتمد خان (۱۰۳۸- ۱۱۱۷ھ / ۱۶۳۸- ۱۷۰۵ء) راندھیر (Randehear بلوہ من بلاد وکن) میں منصب دار تھے، علم معقول و منقول کے بڑے عالم اور کتابوں کے یونانی زبان سے عربی و فارسی میں ترجمے کرتے تھے۔ (ہمانجا، وقائع ۱۱۱۷ھ / ۲ / ۵ / ۱۸)

بدخشی کے دادا قباد بیگ مخاطب بہ دیانت خان (ف ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء) بھی بڑے معقولی اور علم ریاضی کے ماہر تھے۔ (ہانجا۔۔۔۔۔ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۵۹ / ۲)

بدنِ خش کے ایک بھائی عبدالرحمن متخلص بہ غیرت فارسی کے شاعر تھے ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء کو انتقال کیا
ایضاً۔ ۲/۶/۴۸۔

اس خاندان کے ایک اور اہم فرد جمیل بیگ بدخشی (رک بآں) کئی کتب عقائد کے مولف اور اکبر و جہانگیر کے عہد کے امراء میں سے تھے۔ (ہانچا۔۔۔ وقائع ۱۰۲۵ھ ۱۳۶/۲/۵)

مرزا محمد بدخشی کی ولادت ۲۱ جمادی الاول ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء کو جلال آباد (مضافاتِ کابل) میں ہوئی۔

(تاریخ محمدی، وقائع..... ۱۰۸۹ھ بحوالہ مقالات عرشی ۳۲۲)

بدخشی کی تعلیم و تربیت اپنے خاندان کے افراد کی نگرانی میں ہوئی، علم حدیث انہوں نے معروف محدث شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ مقرب اللہ (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء) سے پڑھا (بہانجام) (۴) پاکستان و ہند کے مختلف کتابخانوں میں موجود مرزا بدخشی کے ذخیرہ کتب کے خطی نسخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تمام حروجہ علوم کی تحصیل کی تھی۔ (مقالات عرشی ۴۳۱)

مشہور مورخ اور فارسی شاعر محمد بخش آشوب (مؤلف تاریخ شہادت فرخ سیر و جلوس محمد شاہ) مرزا بدخشی کا بہانجام تھا۔ (فہرست مخطوطات بانک پور ۷ / ۱۶۸)

مرزا بدخشی ساری عمر تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ ان کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ ان کی مشہور کتاب تاریخ محمدی ۱۱۶۱ھ تک کی وفیات پر ختم ہو جاتی ہے۔ کتابخانہ رضارام پور کے ایک مخطوطہ پر مرزا بدخشی نے ۱۱۶۳ھ درج کیا ہے جس سے یہ قیاس کرنا مناسب ہے کہ وہ مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھے۔ (مقالات عرشی ۴۴۷)

مرزا بدخشی کی اس وقت تک ہمیں صرف مندرجہ ذیل تالیفات کا علم ہے۔

۱۔ رد البدعۃ

رد البدعۃ فی معتقد اہل السنۃ، فارسی نثر میں ہے موضوع کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ مؤلف نے بیس سال کی عمر میں ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء کو تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ رضارام پور میں محفوظ ہے (نمبر ۱۴۰۸ فہرست مخطوطات فارسی رضالا بیرری رام پور ص ۴۹، مقالات عرشی ۴۴۰)

۲۔ مفتاح النجا

”مفتاح النجانی مناقب “آل عبا“ یہ کتاب عربی نثر میں ہے اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے مناقب پر ہے ۱۱۲۵ھ سے قبل تالیف ہوئی، مؤلف نے حنفیہ المجتہدین میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ جو مذکورہ سنہ میں لکھی گئی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا بدخشی مفتاح النجا اس سنہ سے پہلے یہ کتاب لکھ چکے تھے (مقالات عرشی ۴۴۰) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ بوہار میں محفوظ ہے (Persian literature p. 141)

۳۔ تحفۃ المحبین

تحفۃ المحبین بمناقب الخلفاء الراشدین، عربی نثر میں ہے اور خلفائے راشدین کے فضائل پر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۱۲۵ھ کو مکمل ہوئی، کتابخانہ رضارام پور میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (مقالات عرشی ۴۴۰) ایک اور نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے (فہرست نسخہ ہائے خطی عربی، ندوۃ العلماء ۵۸۱)

۴۔ نزل الابرار

”نزل الابرار فی مناقب فضائل الائمة الاطہار“ یہ کتاب بھی عربی نثر میں ہے۔ اس کا آغاز ۷ ار مضان ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۳ء کو ہوا اور دہلی کے کسی امیر کے نام معنون کی گئی ہے۔ آغاز کتاب میں مولف نے بتایا ہے کہ چونکہ میں نے مفتاح النجا میں مناقب کی ہر طرح کی حدیثیں جمع کر دی تھیں اس لیے بعض احباب نے صرف صحیح احادیث پر مشتمل ایک کتاب تالیف کرنے کی فرمائش کی یہ کتاب اس کا محرک ہے۔ کتابخانہ رضارام پور میں اس کتاب کا ایک خطی نسخہ محفوظ ہے (مقالات عرشی ۴۴۱) نزل الابرار، اصفہان، تصحیح محمد ہادی امینی ۱۳۶۲ش میں طبع ہو چکی ہے۔ دیگر نسخے کتابخانہ دانشگاہ پنجاب (فہرست کوکب ۲۸۴)، ندوۃ العلماء (فہرست ص ۶۰۶) میں محفوظ ہیں۔

۵۔ تراجم الحفاظ

یہ حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ۔ بوہار میں ہے یہ کتاب عربی میں لکھی گئی ہے۔ (فہرست مخطوطات عربیہ۔ بوہار نمبر ۲۰۸)

۶۔ عبرت نامہ

مرزا بدخش کی تالیفات میں عبرت نامہ نہایت اہم کتاب ہے۔ یہ فارسی نثر میں ہے اور مولف کے معاصر واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، اس کا آغاز ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء سے ہوتا ہے اور فرخ سیر کی وفات ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء پر ختم ہو جاتی ہے۔

مولف چونکہ خود اور نگزیب کی ملازمت میں تھے انہوں نے اپنی ملازمت کا آغاز ۲۵ جمادی الآخر ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء کو کیا جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی وہ ان واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ کتاب کے آغاز

میں انہوں نے اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں۔ اس کے بعد اور نگزیب کی حکومت کے آخری تین سالوں (۱۱۱۵ھ۔ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۳-۱۷۰۷ء) کے مجمل حالات اور پھر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تک مفصل واقعات قلم بند کیے ہیں۔

نواب روح اللہ خان نے موکف کو ۱۱۱۵ھ میں اور نگزیب سے متعارف کروایا اور انہیں منصب یک ہزار و پانصد ملا تھا۔

مرزا بدخشی نے یہ واقعات بہت سادہ فارسی نثر میں لکھے ہیں، ترتیب میں سنین کا خاص خیال رکھا ہے۔ موکف خود بہت سے حوادث میں شریک تھے۔ (Reign of Muhammad Shah, p. 442)

عبرت نامہ کے عنوانات کا مفصل تجزیہ فہرست مخطوطات فارسی کتابخانہ خدابخش بانکی پور پٹنہ میں دیا گیا ہے (۱۷۹-۱۷۵)۔

کتابخانہ خدابخش کے علاوہ عبرت نامہ کے خطی نسخے انڈیا آفس لائبریری، لندن اور کتابخانہ ایشیائک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ کے ذخیرہ کرزن میں موجود ہیں۔

(Persian literature, Vol.I, part.I. p.606)

۷۔ تاریخ محمدی

یہ ایک عام تاریخ ہے۔ جس کا آغاز سنہ ہجری کے اجراء سے ہوتا ہے اور اس میں ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء تک کے اعیان و اکابر کی وفيات درج ہیں۔ پاکستان و ہند میں ایسی کتب تاریخ بہت ہی کم لکھی گئی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں اپنے مآخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ ان تمام مراجع کا بار بار حوالہ طوالت کا باعث تھا اس لیے موکف نے ان کتب کے لیے مختصات بھی درج کر دیے ہیں۔ بہت سی وفيات کے تحت ”عصری“ لکھ کر اپنی شہادت پیش کی ہے۔

موکف نے کتاب کے شروع میں بتایا ہے کہ میں نے اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء کو کیا، گویا موکف جن کی ولادت ۱۰۸۵ھ میں ہوئی تھی اس وقت صرف ۲۶ سال کے جوان تھے۔ یہ کتاب ایک دائرۃ المعارف سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔ رضالا بھریری رام پور کا خطی نسخہ موکف کا خود نوشت ہے جس میں ان کے قلم کی تحریر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۷ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ گویا موکف کو اس کی ترتیب و تالیف میں ۳۷ سال صرف کرنا پڑے۔

ریو (Rieu) نے اپنی مرتبہ فہرستِ مخطوطات فارسی موزۃ بریطانیہ (۸۹۵/۳) میں تاریخ محمدی کے ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء تک زیر تالیف رہنے کا ذکر کیا ہے، جو غلط فہمی ہے۔ بلکہ رام پور کا نسخہ جو بخطِ موکف ہے ۱۱۶۱ھ پر ختم ہو جاتا ہے اور اس سنہ کے بعد اس میں اضافات مارہرے (Marahray) کے مشہور خاندان برکاتیہ خصوصاً شاہ آل احمد مارہروی کے تحریر کردہ ہیں۔ چونکہ لندن کا نسخہ بھی نسخہ رضا لاہوری رام پور سے منقول ہے اس لیے دونوں میں یہ اضافات اسی طرح موجود ہیں۔ (مقالاتِ عرشی ۴۴۲-۴۴۶)

تاریخ محمدی کا مکمل فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا ہے اس کا صرف آخری حصہ دوم جو موکف کی ہم عصر وفیات پر مشتمل ہے امتیاز علی خان عرشی کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا جلد دوم کے اس حصہ میں سنہ ۱۱۰۱-۱۱۶۱ھ تک کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد جلد دوم کا حصہ ۵، ۴ (وفیات ۹۰۰-۱۱۰۰ھ) اور پھر ایک ذیل (۱۱۶۲-۱۲۰۸ھ) ڈاکٹر ثار احمد فاروقی نے مرتب کیے اور رضا لاہوری، رام پور سے ۱۹۹۶ء، ۲۰۰۳ء کو طبع ہوئے۔

تاریخ محمدی کے خطی نسخے کتابخانہ انڈیا آفس لندن، کتابخانہ موزۃ بریطانیہ، لندن میں ہیں (Persian literature p. 141) موکف کا خود نوشت خطی نسخہ کتابخانہ رضا، رام پور، ہندوستان میں ہے (مقالاتِ عرشی ۴۴۶) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ نیشنل میوزیم، کراچی پاکستان میں ہے جس میں سنہ ۱ سے ۶۷۷ھ تک وفیات درج ہیں (فہرستِ مخطوطات فارسی موزۃ ملی پاکستان ۷۱۵)۔

مآخذ

- ۱۔ بدخشی، مرزا محمد حارثی: تاریخ محمدی بہ تصحیح و تحشیہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء، ثار احمد فاروقی، رام پور، ۱۹۹۶ء-۲۰۰۳ء
- ۲۔ بدخشی، محمد جمیل حارثی کشمیری: منتخب العقائد، خطی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمن داودی، لاہور
- ۳۔ شائستہ خان: فہرستِ مخطوطات فارسی، رام پور رضا لاہوری، پٹنہ ۱۹۹۵ء
- ۴۔ محمد ہارون: فہرستِ نسخہ ہائی خطی عربی کتابخانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، دہلی، ۱۳۶۵ش

- ۵۔ عرشی، امتیاز علی خان: مقالات عرشی، لاہور، ۱۹۷۰ء
- ۶۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی موزہ ملی پاکستان، کراچی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء
- ۷۔ ایضاً: بدخشی، محمد بن رستم، مقالہ مشمولہ دانشنامہ جهان اسلام، تہران، ۱۳۷۵ ش
- 8- Abdul Muqtadir: Cat. Of Arabic and Persian Manuscripts in the oriental Public library at Bankipur, Patna, 1972.
- 9- Rieu, Ch: Cat. Of Persian Manuscripts in the British library, London, 1883
- 10- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.
- 11- Zahir Uddin Malik: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977.

۹ مارچ ۱۹۹۷ء

نظر ثانی ۱۳ اپریل ۲۰۱۲ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

ملا محمود طیار کشمیری

ملا محمود طیار کشمیری کے حالات زندگی مروجہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، اس سلسلہ میں خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے واقعات کشمیر (تاریخ کشمیر اعظمی) اور ابو محمد محی الدین مسکین کی کتاب تحائف الابرار جنہوں نے خطہ کشمیر کے اکثر علماء و عرفا کے حالات لکھنے میں اہتمام کیا ہے ملا محمود طیار کشمیری کے احوال سے خالی ہیں۔

تاہم قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ تذکرہ خود مؤلف کے ہاتھ کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے سال کتابت ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء ہے۔ اس کتابخانہ کا خطی نسخہ کتابخانہ عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہے، مخطوطہ خاصا ضخیم ہے اسے دو جلدوں میں جلد کروایا گیا ہے کچھ اوراق غیر مترتب شکل میں بھی ہیں، ایک مقام پر لکھا ہے:

”حالات و اسرار اولیاء اللہ ہر چند کہ در کتب متقدمین مرقوم است۔ بتسویدرسانیدم“

بر عظیم پاکستان و ہند کے اولیاء کرام کے احوال و مناقب بھی نظر سے گزرے ہیں ان میں سے شطاری سلسلہ کے صوفیہ شاہ محمد غوث گوالیازی (ف ۹۷۰ھ) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) اور بایزید ثانی ملتے، حال ہی میں ایک تذکرہ احوال مشائخ کبار کے نام سے شائع ہوا ہے جس کے صاحب سوانح شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری (۱۱۰۸ھ / ۱۶۹۶ء) کے شیخ طریقت ہی بایزید ثانی سرہندی تھے بس اسی کتاب میں ان کے بعض مناقب درج ہیں لیکن احوال سے ہم بے خبر ہیں یہ صرف شجرۃ الامثار ہی ہے جس کے ذریعہ ان کا کچھ حال محققین کو معلوم ہوا ہے۔

مؤلف ملا محمود طیار کشمیری نے اس تذکرہ میں احوال صوفیہ میں کسی قسم کی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی نہ ہجائی اور نہ ہی زمانی، تاہم اس کے انتقادی جائزہ سے کئی اہم امور خصوصاً پاکستان و ہند کی بعض شخصیات کے بارے میں معلومات ملنے کی توقع ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء
- ۲۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد سوم، لاہور، ۱۹۷۷ء
- ۳۔ سلیمان بن سعد اللہ: احوال مشائخ کبار مرتبہ محمد اقبال مجددی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء
- ۴۔ محمد اعظم دیدہ مری: واقعات کشمیر مرتبہ مفتی سعادت، سری نگر، ۱۳۵۵ھ
- ۵۔ مسکین، ابو محمد محی الدین، تحائف الابرار، امرتسر، ۱۳۳۳ھ

۱۶ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دال شامہ شہ قارہ

میاں مرتضیٰ حسین الہ یار عثمانی (مولف حدیقتہ الاقالیم)

مرتضیٰ حسین عثمانی بلگرامی بارہویں صدی ہجری کا ایک مورخ، جغرافیہ دان، انشاء پرداز اور منصب دار تھا۔

مرتضیٰ حسین مخاطب بہ الہ یار بن الہ یار بن شیخ سبحان عثمانی بلگرامی کے والد شیخ الہ یار بادشاہ فرخ سیر (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) کے منصب داروں میں سے تھے عظیم آباد کے راجہ دھیمبر (Raja Dhimber) کو شکست دی جس کے صلے میں فرخ سیر نے ان کو خطاب رستم زمان خان بہادر اور شش ہزاری منصب دیا۔ محمد شاہ (۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) نے ان کے منصب میں سہ ہزار پانصد کا اضافہ کیا اور خطاب مبارز الدولہ بے مثل جنگ عطا کیا۔ نواب بہادر سر بلند خان سے وابستہ ہو کر ان کے رفیق و ندیم بن گئے تھے اور ان سے خصوصی تعلق کی وجہ سے شاہان مغلیہ کی طرف سے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تا کہ نواب کی رفاقت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کا بیٹا مرتضیٰ حسین بھی نواب سر بلند خان کی سرکار سے منسلک ہو گیا تھا۔ الہ یار خان اول اپنے عہد کے نامور امیر اور علم و علماء پرور تھے شعراء نے ان کی شان میں کئی قصیدے کہے تھے، ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء کو انتقال کیا (تاریخ خطہ پاک بلگرام ۷۷-۷۸)۔

الہ یار اول کے بیٹے مرتضیٰ حسین مخاطب الہ یار عثمانی بھی معزز عہدوں پر فائز رہے۔ عہد محمد شاہ سے لے کر شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳-۱۲۲۱ / ۱۷۵۹-۱۸۰۶ء) کے زمانے تک مندرجہ ذیل اکابر امراء سے منسلک رہے:

- | | |
|------------------------------|--------------------------------|
| ۱۔ سید سر بلند خان تونی | ۲۔ سید سعادت خان نیشاپوری |
| ۳۔ سید محمد قاسم خان (بنگال) | ۴۔ علی قلی خان عباسی شش انگشتی |
| ۵۔ احمد خان | ۶۔ محمد خان نگس فرخ آبادی |
| ۷۔ صفدر جنگ (اودھ) | ۸۔ شجاع الدولہ (اودھ) |

اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء میں ہی اُن کو الہ یار خان کا خطاب مل گیا۔ جب ان کی عمر ۳۷ سال کی تھی تو ان کے ایک دوست رجب علی نے انہیں کمیشن جو نانا تھن سکاٹ (Captain Jonathan Scott) سے متعارف کروایا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر دارن، میسنگرز (Warren Hastings ۱۸۱۸-۱۷۳۲ء) کا فارسی زبان کا ترجمان (Persian Secretary) تھا، جس نے الہ یار خاں ثانی کو اپنا منشی رکھ لیا۔

(حدیقۃ الاقالیم، دیباچہ کتاب ۴-۶)

ساٹھ سال کی عمر میں الہ یار خان نے اپنی مشہور کتاب حدیقۃ الاقالیم کا ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء کو آغاز کیا۔ اس اعتبار سے اُس کی ولادت حدود ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء کو ہوئی۔ اور ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء میں انتقال۔ (Dictionary of Indian Biography p. 309)

محمد شاہ بادشاہ نے انہیں دو ہزار پانصد کا منصب دیا تھا (تاریخ خطہ پاک بلگرام ۲۷۸)

حدیقۃ الاقالیم

یہ کتاب جغرافیائی، تاریخی اور سوانحی معلومات کی ایک دائرۃ المعارف ہے۔ کتاب فارسی نثر میں لکھی گئی ہے۔ اس کا آغاز مؤلف نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۱۹۶ھ / ۱۷۷۸ء کو کیا اور ۱۱۹۲ھ / ۱۷۸۲ء میں مکمل کر لی۔ اس نے قبل اس قسم کی ایک کتاب ہفت اقلیم کے نام سے لکھ چکے تھے۔ جو اپنے موضوع پر بہت اہم کتاب تصور کی جاتی ہے، حدیقۃ الاقالیم بنیادی طور پر اسی کتاب کا ملخص ہے۔ لیکن الہ یار خان نے اس میں قابل قدر اضافات بھی کیے ہیں۔

اس کتاب میں دنیا کے عجائبات، معروف شخصیات، آب و ہوا، موسموں وغیرہ سے علاقائی اور اقلیم کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا زیادہ حصہ ہندوستان سے متعلق ہے۔ الہ یار خان نے یہ کتاب کمیشن سکاٹ کی فرمائش پر تالیف کی اور اس کا مسودہ کرنل پولیر (Colonel Polier) ۱۷۴۱-۱۷۹۵ء اور مولوی درویش علی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مؤلف مختلف اوقات میں کئی امراء اور اہم سیاسی مذکورہ شخصیات سے وابستہ رہے تھے اس لیے اپنی عصری تاریخ کے واقعات کے عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں اس کتاب کا وہ حصہ بہت ہی قیمتی معلومات کا حامل ہے۔

جس میں مؤلف نے بنگال، اودھ اور بہار کی سیاسیات اور ان علاقوں کے بدلتے ہوئے سیاسی رجحانات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

مؤلف نے ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء میں اس کتاب پر ایک تتمہ (خاتمہ) کا اضافہ کیا جس میں یورپ اور امریکہ کے طرز حکومت سے بحث کی ہے۔ بے شک یہ پہلی فارسی تاریخ ہے جس میں ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کی توسیع اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔

سکاٹ نے اپنی مرتبہ تاریخ ہندوستان و بنگال تا ۱۷۸۰ء میں الہ یار خان کے اس مسودہ سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح اس کے معاصر فرینکلن (W. Franklin) نے تاریخ عہد شاہ عالم ثانی (History of the Reign of Shah Aulum) میں بھی اس کتاب سے براہ راست معلومات نقل کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ اس کتاب میں یہ واقعات و حوادث کو سنہ وار بہت کم لکھا گیا ہے بلکہ پوری کتاب میں سنین کا فقہ ان ہے۔ (عہد محمد شاہ ص ۴۳۵)

باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا خطی نسخہ بخط مؤلف موجود ہے۔ دیگر قلمی نسخوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (سنوری: ادبیات فارسی ۱ / ۱ / ۱۳۲-۱۳۳)

مطبع نوکشور لکھنؤ سے حدیقۃ الاقالیم کے دواپڈیشن ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئے۔

الہ یار خان کے فارسی رقعات بھی جمع کیے گئے تھے۔ بنیادی طور پر وہ ایک انشاء پرداز تھا اس کے رقعات فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس مجموعہ میں ایسے خطوط بھی پائے جاتے ہیں جو سیاسی شخصیات کو لکھے گئے تھے اور ان میں قابل توجہ ایسے سیاسی، سماجی اور ادبی نکات بھی آگئے ہیں۔ جن سے اس عہد کی سیاسی اور ادبی تاریخ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ عرصہ ہوا ان رقعات کا ایک خطی نسخہ جناب خلیل الرحمن داودی (لاہور) کے ذخیرہ کتب میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ماخذ

- ۱- الہیارخان، مرتضیٰ حسین عثمانی: حدیقۃ الاقالم، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۸۸۱ء
- ۲- شریف الحسن بلگرامی، قاضی، تنقیح الکلام فی تاریخ خطہ پاک بلگرام، علی گڑھ ۱۹۵۸ء
- 3- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1906.
- 4- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, Vol. VIII (rep.) Lahore. 1984
- 5- Francklin, W: Hisotry of the Reign of Shah Aulum, (rep), Delhi; 1974.
- 6- Malik, Zahir uddin: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977.
- 7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۸ فروری ۱۹۹۷ء

۲۹ رمضان ۱۴۱۷ھ

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

شیخ غلام حسین امداد ہاشمی برہانپوری

امداد برہانپوری بارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی، معلم اور شاعر تھے۔

شیخ غلام حسین متخلص بہ امداد نسباً ہاشمی تھے ان کا مولد و منشاء برہانپور (Burhanpur) دکن کا ایک معروف مرکزی علاقہ تھا (سرو آزاد ۲۴۳، محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲)۔

ابتدائی کتب درسیہ اپنے شہر میں اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر پڑھیں۔ (ہمانجا) قادری سلسلہ کے صوفی حافظ گھانسی (Ghansi) کے ہمیشہ زادے تھے۔ (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) امداد برہانپوری بھی قادری سلسلہ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ درویش مزاج اور فانی مشرب تھے (ہمانجا ۱/ ۲۱۲-۲۱۳)

شعر گوئی کی طرف رجحان تھا اور کسی قابل استاد کی تلاش میں رہتے تھے اتفاقات زمانہ سے ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء) دکن چلے آئے اور تقریباً سات سال تک اورنگ آباد (Aurangabad) میں قیام رہا، امداد نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اورنگ آباد کا رخ کیا۔ اور آزاد بلگرامی سے سلسلہ تلمذ استوار کر لیا۔ ان کے حلقے میں داخل ہو کر باقاعدہ مشق سخن کا آغاز کیا۔ آزاد کا اپنی وفات تک دکن ہی میں قیام، امداد کے لیے بہت مفید ثابت ہوا اور وہ مسلسل ان کے دامن تربیت سے وابستہ رہے۔ (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) خود آزاد نے ان کا ذکر عمدہ الفاظ میں کیا ہے (سرو آزاد ۲۴۳) گویا حوزہ آزاد بلگرامی کے شعراء کی صف میں امداد ایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔ ان کے اشعار بہت خوب، خیالات رنگین اور مضامین دل نشین ہوتے تھے (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) وہ ذہن خوب رسا اور صفات حمیدہ سے متصف تھے (صحف ابراہیم ۱۴)

آزاد بلگرامی نے امداد کے دو شعر اور ایک رباعی بطور نمونہ درج کی ہے۔ (سرو آزاد ۲۴۳) خلیل کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ امداد نے اپنے اشعار مدون کر لیے تھے (صحف ابراہیم ۱۴) لیکن ان کے دیوان کا تاحال ہمیں سراغ نہیں مل سکا۔

قدرت اللہ نے صرف چار اشعار نقل کیے ہیں (نتائج الافکار ۸۳) لیکن عبد الجبار ملکا پوری نے سب سے زیادہ اشعار بطور نمونہ درج کیے ہیں۔ ۲۷ اشعار اور آخر میں امداد کے مستزاد بھی نقل کیے ہیں (محبوب الزمن ۲۱۳/۱-۲۱۴)

۱۱۵۸ھ / ۱۷۴۵ء میں آصف جاہ نظام الملک نے اپنے بیٹے نظام الدولہ ناصر جنگ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مامور کیا اور ۱۱۴۳ھ / ۱۷۵۰ء کو وہ اورنگ آباد ہی میں شہید ہوئے انہیں علماء اور شعراء کی صحبت بہت مرغوب تھی آزاد بلگرامی کے ساتھ خصوصی ”اخوت و محبت“ تھی۔ امداد نے باقاعدہ نظام الدولہ کی ملازمت اختیار کر لی اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ (محبوب الزمن ۱ / ۲۱۲)

امداد امراء کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی مامور رہے۔ یہی امراء تاحیات امداد کے کفیل بھی رہے۔ امداد کا سال وفات کسی معاصر نے نہیں لکھا۔ ان کے معاصر علی ابراہیم خان خلیل نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۰ھ وہ دکن میں بقید حیات ہیں۔ (صحف ابراہیم ۱۲) لیکن مقامی روایت کے مطابق امداد کا انتقال حدود ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء کو ہوا (محبوب الزمن ۱ / ۲۱۲) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ قدرت اللہ گوپا موی کا درج کردہ سال وفات ۱۱۸۷ھ (نتائج الافکار ۸۳) غلط فہمی پر مبنی ہے۔

مآخذ

- ۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی: سرو آزاد مرتبہ عبد اللہ خان، حیدر آباد، دکن ۱۹۱۳ء
- ۲۔ ایضاً: مآثر الکرام مرتبہ محمد عبدہ، لاہور ۱۹۷۱ء
- ۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: صحف ابراہیم مرتبہ عابد رضا بیدار۔ پٹنہ ۱۹۷۸ء
- ۴۔ قدرت اللہ گوپا موی: تذکرہ نتائج الافکار، بمبئی ۱۳۳۶ش
- ۵۔ ملکا پوری، عبد الجبار خان: محبوب الزمن تذکرہ شعرائی دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۹ھ

۲۵ فروری ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ مشیہ قارہ

میر ابوالحسن، میر کلاں (مرتب رقعات عالمگیر)

ابوالحسن بارہویں صدی ہجری کے مورخین میں سے تھا۔

ابوالحسن ملقب بہ میر کلاں کے حالات کتب تاریخ میں نہیں ملتے۔ اس نے ۱۱۸۵ھ / ۱۷۰۱ء میں رقعات اور نگزیب مرتب کیے اگرچہ یہ کام اور نگزیب کی وفات (۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) کے ۶۷ برس بعد ہوا ہے لیکن مرتب نے مزوجہ کتب تاریخ کی مدد سے اس مجموعہ میں دو اہم امور ایسے شامل کیے ہیں جو رقعات کے مروجہ مجموعوں میں نہیں ملتے:

اول اس میں میر کلاں نے تقریباً تمام مکاتیب پر اہم اور قیمتی نوٹس بصورت سیاسی اور تاریخی پس منظر کے لکھے ہیں۔

دوم ان تفصیلات کے دوران اور آخر کتاب اور تھوڑا سا آغاز مخطوطہ میں بھی عہد شاہ جہان کے انتظامی امور سے بھی بحث کی ہے۔ گویا اور نگزیب عالمگیر کے خطوط پر تاریخی یادداشتوں کے علاوہ اس کتاب میں بھرپور انداز سے شاہ جہان کے امور مملکت، انتظامی معاملات اور شاہ جہان کی اصلاحات کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے۔

پروفیسر سری رام شرما (Sri Ram Sharma) نے اپنے ایک مقالہ میں اس کے اس مخطوطہ کا مختصر متعارف کروایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن (نمبر I.O. Persian. 370) سے منقول اور سر جادونا تھ سرکار (J.N. Sarkar) کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ یہ نقل اب ذخیرہ جادونا تھ سرکار میں کلکتہ میں محفوظ ہے۔

مآخذ

- ۱- نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعات عالمگیر، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۲۸ء
- 2- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
- 3- Sarkar, J.N: Studies in Aurangzab's Reign, Delhi, 1989.
- 4- Sharma, S.R: An Unexplored source of Mughal History, Indian Historical Quarterly September 1934.
- 5- Nizami, A.U: Catalogue of Persian Manuscripts and Records in S. Raghubir library Sitamau, Delhi, 1993.

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

میر سید علی جولان سرہندی

جولان سرہندی بارہویں صدی ہجری کے فارسی گو شعراء میں سے تھے۔

میر سید علی جولان کا تعلق سرہند (Sirhind) کے ایک مضافاتی قصبہ سننام (Sunnam) سے تھا، ”سننام“ بضم سین مہملہ و تشدید نون قصبہ ایست از توابع سرہند“ (سلسلہ الاولیاء برگ ۸۳)، ہندوستان کے برطانوی دور میں سننام پٹیالہ (Patialah) کی ایک تحصیل تھی (اپیریل گزٹ میئر آف انڈیا ۲۳/۱۳۹) میر سید علی جولان اپنے علاقہ سننام کے خانوادہ قاضی زادگان سے تعلق رکھتے تھے۔ (سفینہ خوش گو ۳/۲۸۰)

جولان کے مفصل حالات شعراء کے تذکروں میں نہیں ملتے وہ سفینہ خوشگو کی تکمیل ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۳ء سے اٹھارہ سال قبل سننام سے دہلی چلے گئے تھے (ایضاً ۳/۲۸۰) گویا حدود ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۷ء کو جولان دہلی پہنچ چکے تھے۔

بندرا بن داس خوشگو جو شعراء سے ملتے رہتے تھے، کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جولان سے اور میدان سخن وری میں جولان کے دعویٰ ”انادلاغیری“ اور اس صنف میں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کے دعویٰ سے آگاہ تھے۔ (ایضاً)

جولان کا ایک دیوان اشعار بھی تھا بزرگ طہرانی نے ان کے دیوان کا تذکرہ کیا ہے (الذریعہ ۹/۱/۲۱۱۰) لیکن یہ نہیں بتایا کہ دیوان جولان کا نسخہ کہاں ہے۔

جولان کے سال ولادت و وفات سے شعراء کے تذکرے خالی ہیں۔

علی ابراہیم خان خلیل نے صرف اتنا بتایا ہے کہ جولان کا تعلق بادشاہ ہند محمد شاہ (حکو ۱۱۳۲-۱۱۶۲ھ / ۱۷۱۹-۱۷۳۸ء) کے عہد سے تھا۔ تذکرہ نویسوں نے جولان کے کلام کا طویل انتخاب نہیں دیا۔ خوش گو نے ان کی ایک غزل کے صرف تین اشعار نقل کیے ہیں۔ (سفینہ خوش گو ۳/۲۸۰، سرہند میں فارسی ادب ۱۵۵)

مآخذ

- ۱۔ ادریس احمد: سرہند میں فارسی ادب، دہلی، شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء
- ۲۔ بزرگ طہرانی: الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ، تہران، ۱۹۵۵ء
- ۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: صحف ابراہیم مرتبہ عابد رضا بیدار، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۷۸ء
- ۴۔ خوش گو، بندر ابن داس: سفینہ خوشگو (جلد سوم) مرتبہ عطاء کا کوی، پٹنہ ۱۹۵۹ء
- ۵۔ محمد صالح سنجابی، سلسلہ الاولیاء، خطی مملوکہ ڈاکٹر احمد حسین احمد، گجرات، پاکستان۔
- 6- Imperial gazetteer of India, Oxford, 1909.

۱۴ نومبر ۲۰۰۴ء

(بروز عید القطر)

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میاں منشی شاکر خان (مورخ)

شاکر خان بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے مورخین میں ایک مقام رکھتا ہے اس کی کتابیں معاصرانہ مشاہدات کی وجہ سے شہرت رکھتی ہیں۔

شاکر خان کے اجداد کا تعلق ہرات سے تھا جب اس پر چنگیز خان کا تسلط ہوا تو قاضی خواجہ ملک علی سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۳-۶۸۳ھ / ۱۲۶۶-۱۲۸۵ء) کے عہد میں ہندوستان آئے اور شاہ بو علی قلندر پانی پتی کے حسب ارشاد پانی پت میں سکونت اختیار کر لی، شاکر خان کے دادا خواجہ عبدالرزاق معروف بہ خواجہ بزرگ بن حضرت ایساں خواجہ عبدالسلام صوفی بن عبداللہ کی شادی نصرت خان جہانگیری سے ہوئی، شاکر خان کے والد اسی کے بطن سے متولد ہوئے تھے (رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان ص ۵ مقدمہ) شاکر خان نے خود لکھا ہے کہ میرے والد نواب شمس الدولہ لطف اللہ خان صادق بہادر تہور جنگ کی ولادت ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء کو ہوئی اور وہ ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء کو ۸۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (گلشن صادق، خطی نسخہ خدا بخش لاہوری پٹنہ بحوالہ فہرست مخطوطات فارسی کتابخانہ خدا بخش ۱۵/۳۲) اس نے بہادر شاہ اول کے عہد میں مغلوں کے ہاں ملازمت کی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں اسے چھ ہزاری منصب اور شمس الدولہ بہادر تہور جنگ کا خطاب ملا، (تآثر الامراء ۱۵۳/۳ حاشیہ) وہ شاعر بھی تھا، رسالہ نگار رام پور اگست ۱۹۶۳ء میں اس کی ایک فارسی رباعی شائع ہوئی ہے۔ (ایضاً ۳/۱۵۳ حاشیہ) اس خانوادہ کے تمام افراد سلاطین مغلیہ کے ہاں معزز عہدوں پر فائز رہے، ان میں بعض مؤلف کتب متعدد کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں۔ شاکر خان کا بھائی عنایت خان راسخ کنی اہم کتابوں کا مؤلف اور فارسی کا اچھا انشا پرداز اور شاعر تھا، اس کی موسیقاروں کے حالات پر ایک بنیادی کتاب رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان طبع ہو

۱۔ شاہی تذکرہ نویس منہ علی صدر نے سال ۱۱۶۶ھ لکھا ہے (رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان، مقدمہ) اسی طرح راج نے بھی لکھا ہے (تہذیب و تمدن ہندوستان)

بریلانیہ ۱/۲۸۰) لیکن ہم نے شاکر خان کے ہاں کو ترجیح دی ہے۔

چکی ہے۔ شاکر خان کا برادر زادہ محمد علی انصاری بن ہدایت اللہ خان بن لطف اللہ تاریخ کی مشہور کتاب تاریخ مظفری کا مؤلف ہے۔

شاکر خان نے خود اپنا سال ولادت ۲۷ صفر ۱۱۲۸ھ ۱۷۱۶ء بمقام پانی پت بتایا ہے۔ (گلشن صادق بحوالہ فہرست بانگی پور ۱۵/۳۲) اسے صرف پانچ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے لیے حافظ رستم کی خدمت میں بھیجا گیا، وہ پندرہ سال کی عمر میں اپنے بھائی فاخر خان کے ساتھ محمد شاہ بادشاہ کی ملازمت میں شامل ہوا، ۱۷۳۰ء میں متاثر ہوا اسے بادشاہ کی اپنے والد جیسی چاہت نصیب ہوئی۔ اسے اپنے والد کا خطاب صادق دیا گیا۔ (ایضاً) تاریخ شاہی

اگرچہ اس کا والد جب دہلی کا گورنر تھا تو اس نے دہلی پر نادر شاہ کے حملہ (۱۷۳۹ء) کے دوران مزارعت کرنے کی بجائے بغیر جنگ کے دہلی اس کے حوالہ کر دی تھی (Later Mughals, ii/362) جس کے باعث وہ محمد شاہ کے ہاں معسوب ہوا (تأثر الامر ۱۵۳/۳۱) لیکن اس کے فرزند شاکر خان کے زمانہ میں حالات اس سے مختلف تھے، اس لیے اس کے وقار میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

شاکر خان نے خود لکھا ہے کہ وہ ”رسالہ سلطانی“ میں بخشی تھا۔ (تاریخ شاکر خانی برگ ۲۸ ب) جب دہلی پر احمد شاہ درانی کا ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء میں قبضہ ہو گیا تو شاکر خان بنارس کی طرف چلا گیا۔ جب اسے وہاں کے حاکم میر قاسم (۱۷۶۰-۱۷۶۳ء) کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تو اس نے بنگال میں موجود اس وقت کے انگریز افسر کا سہارا تلاش کرنے کی کوشش کی، (تاریخ شاکر خانی برگ ۹۸ بحوالہ فہرست ریو ۱/۲۸۰) معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پر احمد شاہ درانی کے حملوں کے باعث اور اس سے قبل نادر شاہ کے حملہ کے بعد اس نے دکن کے حاکم نواب آصف جاہ اول (۱۱۳۷-۱۱۶۱ھ / ۱۷۲۵-۱۷۳۸ء) سے تعلق پیدا کر لیا تھا محولہ کتاب کے آغاز میں اس نے خود کو نواب کا نمک خوار لکھا ہے (تاریخ شاکر خانی خطی نسخہ موزہ ملی پاکستان برگ ۲- عربی) ساتھ ہی اس نے اپنے عہدہ بخشی گیری کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ایضاً)

ہمارے پیش نظر تاریخ شاکر خانی کا جو نسخہ موزہ ملی پاکستان ہے اس میں اس نے مختلف وقائع کے دوران اپنے خاندان کے افراد کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً اس کے والد کے لیے جاگیر کا فرمان (برگ ۲۳- الف) اس نے اپنے برادر زادے عنایت خان راسخ کے عہدہ بخشی گیری کا بھی تذکرہ کیا ہے (برگ ۲ ب) اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ راسخ

اور میرے خانہ زادوں کے لیے عظیم آباد میں جاگیریں ملی ہیں اس نے اپنے خاندان کی دستاویزات بھی نقل کی ہیں۔
برگ ۵۵ الف ب و ما قبل وہ بعد

ہمیں تاحال شاکر خان کے سال وفات کا علم نہیں ہے۔ اس کی اب تک صرف دو فارسی نثری کتب کا علم ہو سکا ہے۔

ایک گلشن صادق ہے جو علوم مشرقیہ کا ایک دائرۃ المعارف ہے، جو چودہ خیابانوں (ابواب) پر مشتمل ہے ہر خیابان کئی چمنوں اور باریکیوں کو محیط ہے، اس کا ساتویں خیابان تاریخی معلومات کا حامل ہے جس میں ابتدائی بادشاہوں سلاطین تیموریہ کے انساب شاہ عالم ثانی کے عہد اور پھر نادر شاہ کے احوال تک ہے، اس کے دو خطی نسخے معلوم ہیں اول کتابخانہ خدابخش پٹنہ میں ہے۔ (شمارہ ۲۰۲۲ فہرست نسخہ ہا خطی فارسی ۳۲/۱۳-۲۰) دوسرا خطی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں شمارہ ۲۲۲۸ (فہرست نسخہ ہا خطی فارسی مرتبہ ایبٹے ص ۱۲۱۸) اس کتاب کا سال تکمیل ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء ہے (فہرست نسخہ ہا خطی بانگی پور ۳۲/۱۹) حسن اتفاق سے دو خطی نسخے پہلے چھ خیابانوں پر مشتمل ہیں یا تو یہ ایک دوسرے کی نقل ہیں یا مؤلف کتاب کے صرف اتنے ہی ابواب لکھ سکے ہیں اگرچہ نسخہ خدابخش میں ابتدا میں سارا خیابانوں کی مفصل فہرست درج ہے۔ گو یا مؤلف مذکورہ سن تک بقید حیات تھے۔

شاکر خان کی دوسری اہم کتاب تاریخ شاکر خانی ہے، محمد شاہ بادشاہ (۱۱۶۲-۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹-۱۷۴۸ء) اور شاہ عالم ثانی کے آغاز حکومت (۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اس میں دوسری کتب تاریخ کی طرح وقائع مسلسل اور تاریخ وار نہیں ہیں بلکہ کئی مقامات سے تو واقعات آپس میں مل گئے ہیں، وقائع نامکمل اور غیر صحیح بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں مذکور بہت سے سنیں بھی مشکوک ہیں، تاہم عصری شواہد ہونے کے باعث درجہ اول کی اہمیت رکھتے ہیں ان کے علاوہ اس میں مذکورہ عہد کے منصب داروں، افسروں، علماء، مشائخ، مفتیان، رقا صان منجمان، ہندو پیش کاروں اور زمینداروں کے حالات بیان کیے ہیں آخر میں ایک عمدہ انتظامی ڈھانچہ بھی دیا ہے۔ مختلف صوبوں کے حساب کے گوشوارے اور عرضیاں بھی نقل کر دی ہیں۔

Zahir uddin Malik: (Reign of Muhammad Shah p 446-447)

تاریخ شاکر خانی کے کئی خطی نسخے موجود ہیں نسخہ موزہ بریطانیہ، لندن (فہرست نسخہ ہا فارسی

۱/۲۸۰-۲۷۹) دوسرا نسخہ انڈیا آفس، لندن کا ہے شمارہ ۳۹۷۳.0.1 جو ناقص بھی ہے۔ (Storey Vol. 1,

Part I P.266 تیسرا نسخہ کتابخانہ خدابخش پٹنہ میں ہے (شمارہ ۲۶۰۳) ایک نسخہ کتابخانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں ہے۔

تاریخ شاکر خانی کا پانچواں نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے (شمارہ ۱۹۰/۱۹۷۱-NM) ہمارے نزدیک ان میں سے بہترین خطی نسخہ موخر الذکر ہے جس کا خط صاف اور سالی کتابت نہ ہونے کے باوجود قدیم ہے، یہ اہم کتاب تاحال شائع نہیں ہوئی ہے ضرورت ہے کہ تمام نسخوں کی بنیاد پر اس کا تحقیقی متن مرتب کیا جائے۔

ماخذ

- ۱- جنیدی، محمد محبوب: حیات آصف، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۵ھ
- ۲- راسخ، عنایت خان: رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان مرتبہ سید علی حیدر، پٹنہ، ۱۹۶۱ء
- ۳- شاکر خان: تاریخ شاکر خانی، خطی مخزنہ کتابخانہ موزہ ملی پاکستان، کراچی (شمارہ ۱۹۰/۱۹۷۱-N.M)
- ۴- شاد، سید محمد علی عظیم آبادی: تذکرۃ الاسلاف، عظیم آباد، بہار، ۱۹۴۱ء
- ۵- شاہ نواز خان، مصصام الدولہ: آثار الامراء، ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۰ء
- ۶- عبدالمقتدر: مرآة العلوم (فہرست مخطوطات فارسیہ کتابخانہ خدابخش) پٹنہ، ۱۹۴۲ء
- 7- Abdul Muqtadir: Supplement to the Cat. Of Persian Manuscripts in Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1980
- 8- Ethe, H: Cat. Persian Mss. In India Office Library, London 1880.
- 9- Malik, Z. U The Reign of Muhammad Shah Bombay 1977
- 10- Sarkar, J.N: Fall of the Mughal Empire, Calcutta, 1932-50
- 11- Irvin, W: Later Mughals, Calcutta, 1922.
- 12- Storey, C.A. Persian Literature, London 1972.

مخطوطات و نسخہ نگاری، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳، ۲۰۸۴، ۲۰۸۵، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷، ۲۰۸۸، ۲۰۸۹، ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، ۲۰۹۲، ۲۰۹۳، ۲۰۹۴، ۲۰۹۵، ۲۰۹۶، ۲۰۹۷، ۲۰۹۸، ۲۰۹۹، ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، ۲۱۰۳، ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، ۲۱۰۹، ۲۱۱۰، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷، ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، ۲۱۲۲، ۲۱۲۳، ۲۱۲۴، ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۲۱۲۸، ۲۱۲۹، ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۲۱۳۲، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴، ۲۱۳۵، ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۲۱۴۷، ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۱۵

مولوی غلام علی خان (مؤلف شاہ عالم نامہ)

مولوی غلام علی شاہ عالم نامہ کے مؤلف تھے جو متاخر سلاطین مغلیہ کی ایک اہم تاریخی کتاب ہے جس میں شاہ عالم ثانی کے زمانہ تک کے سیاسی حالات درج ہوئے ہیں۔

مؤلف کے اجداد وسطی ایشیاء کے نقشبندی خواجگان کی اولاد میں سے تھے، ان کے خاندان میں سے خواجہ محمد ناصر شاہ جہان بادشاہ (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شہزادہ شجاع کے ہاں ملازم ہو گئے، خطاب محمد نضر الدین تھا (تأثر الامراء ۲ / ۳۳۶) ان کے فرزند خواجہ عبدالقادر تھے، روشن الدولہ بہادر ظفر خان رستم جنگ باوقا خواجہ مظفر اکبر امراء میں سے تھے ۱۱۳۸ھ / ۱۷۳۵ء کو انتقال ہوا (تاریخ محمدی ۲ / ۶ / ۹۲) اور پھر فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) کے زمانہ میں خطاب روشن الدولہ اور ہفت ہزاری منصب بھی ملا۔۔۔۔۔ (تأثر الامراء ۲ / ۳۳۷)

انہی روشن الدولہ ظفر خان کا لڑکا نواب بھگھاری خان روشن الدولہ رستم جنگ (ف ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۵ء) متاخر سلاطین مغلیہ کی تاریخ میں اور خصوصاً تاریخ پنجاب میں اہم کردار کا مالک تھا، وہ پنجاب کے ناظم معین الملک عرف میر منو (ف ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء) کے زمانہ میں ”مدار المہام“ تھا، اس نے درانی کو مزید حملوں اور جنگ سے روکنے کی کوشش کی، میر منو اور درانی کے مابین معاہدہ امن میں بھی وہ شریک تھا، وہ کئی معزز عہدوں اور مہمات میں بھی شریک رہا تھا:

(Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, pp. 110-116, 120, 144)

بھگھاری خان کا زیادہ زمانہ لاہور اور پنجاب کے مختلف مقامات پر گزرا وہ لاہور اور ملتان کے گورنر نواب معین الملک میر منو کو ر کے زمانہ میں وزیر بھی رہا، اس کے فرزندوں میں سے غلام علی خان اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک

تھا، اس کی ابتدائی زندگی کے حالات نہیں ملتے وہ زیادہ لاہور میں رہا، پھر وہ شہزادہ جواں بخت معروف بہ جہاندار شاہ (ف ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء) جب ۱۷۸۴ء کو لکھنؤ گیا تو غلام علی خان اس کا فشی تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب شہزادہ وارن، میسنگز (Warren Hastings) کے ساتھ بنارس (Benaraas) چلا گیا تو غلام علی خان شہزادہ کے والد شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ / ۱۷۵۹-۱۸۰۶ء) سے وابستہ ہو گیا، جہاں اس نے دیگر خدمات کے علاوہ تاریخ کی دو کتابیں شاہ عالم نامہ اور مقدمہ شاہ عالم شاہ نامہ لکھیں، پہلے موخر الذکر کتاب کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

مقدمہ شاہ عالم نامہ میں اس نے اورنگزیب عالمگیر کی وفات ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء سے لے کر عالمگیر ثانی کی تخت نشینی (۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) تک کے حوادث و واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے، بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا خود نوشت نسخہ مؤلف موجود ہے، دوسرا خطی نسخہ کتابخانہ موزہ برطانیہ، لندن میں ہے:

(Storey, C.A: Persian literature, Vol.I, part.I, p 641.)

یہ کتاب غلام علی خان نے شاہ عالم نامہ کی تکمیل کے بعد متاخر سلاطین مغلیہ کے عمومی تعارف کے لیے تالیف کی (ریو: فہرست مخطوطات فارسیہ ۱ / ۲۷۸) چونکہ مؤلف غلام علی خان کے والد اور دادا مغل سلاطین کے ہاں معزز عہدوں پر فائز رہے تھے اس لیے وہ بہت سے واقعات کے عینی شاہد اور روایات کے امین تھے جن سے مؤلف نے تاریخی وقائع نقل کیے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کی اہمیت بھی روشن ہے۔

مؤلف کی پہلی کتاب شاہ عالم نامہ درجہ اول کی روایات کی حامل ہے۔ جس میں عالمگیر ثانی مذکور اور شاہ عالم ثانی مذکور کے غلام قادر روہیلہ کے ہاتھوں اندھے ہونے (۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء) تک کے واقعات درج ہیں، مرہٹہ سردار سندھیا (Sindhiah) نے غلام قادر کو تعاقب کر کے ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء کو قتل کر دیا۔ (نادرات شامی، مقدمہ ۲۷-۳۰)

شاہ عالم نامہ میں شاہ عالمگیر ثانی سے واقعات کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد عالی گوہر کے ریواڑی (Revari) اور ہانسی (Hansi) کی طرف روانگی۔۔۔۔۔ عالمگیر ثانی کی وفات، شاہ عالم ثانی کی تخت نشینی سے اس کے آٹھویں سال جلوس تک کے واقعات ہیں۔

شاہ عالم نامہ کا دوسرا حصہ، پہلے حصہ کے مکمل ہونے کے عرصہ دراز کے بعد شروع ہوا جو ضابطہ خان کی بغاوت سے شروع ہوتا ہے اس کی دہلی کی طرف پیش قدمی اور نواب نجف خان سے شکست (۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء)، شہزادہ جواں بخت جہاندار شاہ کی وفات (۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء) اور اس سے ایک سال پہلے شاہ عالم ثانی کا غلام قادر مذکور کے ہاتھوں اندھا کیا جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ (ریو: فہرست مذکور / ۲۸۲)

شاہ عالم نامہ میں مؤلف نے جہاندار شاہ کا وہ خط بھی نقل کیا ہے جو اس نے انگلستان کے جارج سوم (George III) کو لکھا تھا، (ایضاً / ۲۸۲)

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف شاہ عالم نامہ غلام علی خان اس وقت کے انتہائی خراب حالات سے متاثر ہو کر لکھنؤ چلا گیا تھا اور جب ۱۷۹۸ء کو فریٹنگلن (W. Francklin) نے شاہ عالم ثانی کے عہد کی تاریخ پر انگریزی میں ایک کتاب: (The history of the Reign of Shah Aulum) لندن سے شائع کی تو وہ لکھنؤ میں بقید حیات تھا (کتاب مذکور ص ۲۴۹) فریٹنگلن نے یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے صحن حیات شائع کی تھی اور اس میں اس نے شاہ عالم نامہ کا ملخص ترجمہ شامل کیا ہے گویا اس کا سب سے بنیادی ماخذ یہی شاہ عالم نامہ ہے۔

گویا غلام علی خان مذکورہ سنہ تک لکھنؤ میں بقید تھا اس نے اپنی کتاب شاہ عالم ثانی کا سال وفات (۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء) بھی درج کیا ہے، مؤلف مذکورہ سنہ تک مصروف کار تھا۔

شاہ عالم نامہ فارسی نثر میں ہے اس کی زبان مسجع و مقفیٰ قسم کی ہے زبان کے دقیق اور مشکل ہونے کی وجہ سے کئی واقعات غیر واضح ہو گئے ہیں مؤلف نے زبان دانی پر زیادہ توجہ دی ہے سنین و وقائع کی صحت کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا۔ یہ کتاب خاصی ضخیم ہے اس کے تین حصے ہیں اس کا پہلا حصہ جو ۱۷۶۱ء تک کے واقعات کو محیط ہے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ سے ۱۹۱۴ء کو طبع ہوا، اسے المامون سہروردی اور محمد کاظم شیرازی نے ایڈٹ کیا تھا۔

اس کے باقی دو حصے تاحال شائع نہیں ہوئے، ہاڈلین لائبریری، اوکسفورڈ میں اس کا خود نوشت نسخہ موجود ہے۔ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری، لندن وغیرہ میں بھی اس کے نسخے پائے جاتے ہیں۔ (سنوری: ادبیات فارسی / ۱ / ۶۴۱)

مآخذ

- ۱- آفتاب، شاہ عالم ثانی: نادرات شاہی (فارسی، اردو و ہندی کلام شاہ عالم ثانی) مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، رام پور، ۱۹۴۴ء
- ۲- شاہ نواز خان، مصمصام الدولہ: آثار الامراء اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۹ء
- ۳- غلام علی خان: شاہ عالم نامہ، کلکتہ، ۱۹۱۳ء
- ۴- فراقی، کنور پریم کشور: وقائع عالم شاہی، مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، رام پور، ۱۹۴۹ء
- ۵- محمد رستم حارثی: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، (ج ۲- ج ۶)، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- 6- Datta, K.K: Shah Alam II and the East India Company, Calcutta, 1965
- 7- Edwards, M: King of the world (Life and Times of Shah Alam), London, 1970.
- 8- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians. Lahore, 1981.
- 9- Francklin, W: History of the Reign of Shah, Aulum, (rep.) Lahore, 1988.
- 10- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, Bombay, 1959.
- 11- Rieu Ch: Cat. Of Persian MSS. In British Museum, London, 1879.
- 12- Sarkar, Jagadish Narayan: Romance of Historiography rapey from Shah Alam I to Shah Alam II, Calcutta, 1982.
- 13- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۲ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

منشی شہاب الدین احمد طالش (مؤلف قتیحہ عبریہ)

شہاب الدین احمد گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی کا ایک منصب دار اور مؤرخ تھا، جو اپنی تاریخی کتاب قتیحہ عبریہ کے باعث معروف ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد ولی احمد کے اجداد کا تعلق گیلان کے ایک مضافاتی قصبہ طالش سے تھا، اس کے حالات متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس کے پوتے اعتصام الدین احمد نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ وہ تاج پور ضلع ندھیا (Nadiyah) بنگال کا باشندہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اجداد اسی مذکورہ موضوع میں رہتے تھے۔ (فہرست مخطوطات فارسی موزہ برطانیہ ۱ / ۳۸۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین مغلیہ حکومت کی طرف سے وقائع نویس تھا جو مختلف حوادث اور جنگوں کی تفصیلی رپورٹیں حکومت کو مرتب کر کے پیش کرتا تھا۔

بنگال کے گورنر میر محمد سعید آر دستانی مخاطب بہ خان خانان معروف بہ میر جملہ بنگال ہی میں مختلف خدمات انجام دے رہا تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۵۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) نے اُسے اپنے چوتھے اور پانچویں سال جلوس ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء، ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء کو کوچ بہار اور آسام کی فتح پر مامور کیا وہ نہایت مستعدی سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے ان تمام علاقوں پر کنٹرول حاصل کر لیا:

(Life of Mir Jumla, The General of Aurangzeb. pp. 285.307)

ان میں میر جملہ کے ساتھ جو اصحاب تھے ان میں شہاب الدین احمد طالش بھی شامل ہے، جس نے ان دو سال کی شدید جنگی مہمات اور اس میں پیش آنے والے حوادث کا ہجشم خود مشاہدہ کیا تھا، اس میں صرف جنگی واقعات ہی نہیں وہاں کے باشندوں کے بارے میں بھی مفید معلومات ملتی ہیں، طالش کی یہ معاصرانہ یادداشتیں

ہیں جن کو اس نے قتیہ عبریہ "کا نام دیا، جو میر جملہ کی خضرپور میں وفات ۲ رمضان ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء کے واقعہ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

طالش کی یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ اور دو واقعات پر مشتمل ہے:

مقدمہ در بیان آشام و سبب توجہ اعلام ظفر فرجام بہ تسخیر کوچ بہار، مقالہ اول الذکر در ذکر توجہ نواب (میر جملہ) باستیصال نیم نرائن (Bim Narayan) مقالہ دوم در ذکر نہضت موکب ظفر انجام بجانب آشام و فتح آں ملک۔۔۔۔

خاتمہ میں نواب میر جملہ کی خضرپور سے دو کوہ (کوش) کے فاصلہ پر ایک کشتی میں وفات سنہ مذکور کا تذکرہ ہے کہ جس کا مادہ تاریخ "مسند آرای بہشت" بنایا گیا ہے۔

قتیہ عبریہ کے تمام دریافت شدہ خطی نسخ ۱۰۷۳ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتے ہیں لیکن بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا ایک ایسا نسخہ ہے جس کے آخر میں اس کے تسلسل یا ضمیمہ کے طور پر ۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۶ء تک کے حوادث لکھے گئے ہیں، اس ضمیمہ کا آغاز بھی جداگانہ ہے۔ (Cat. Persian MSS. Bodleian library, Vol.I, p.125)

مشہور مورخ جادو ناتھ سرکار (Jadunath Sarkar) نے اس اہم ضمیمہ کا مفید حواشی کے ساتھ انگریزی ترجمہ کیا تھا جو ان کے مجموعہ مقالات میں شامل ہے (Studies in Arugzab's Reign, pp.114-148) قتیہ عبریہ کے خطی نسخے نیشنل لائبریری پیرس، باڈلین لائبریری، آکسفورڈ، ہانکی پور پبلک لائبریری پٹنہ، انڈیا آفس لائبریری لندن، برٹش لائبریری لندن اور کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ میں موجود ہیں۔ (Storey, Persian literature Voll, PartI, p.583)

قتیہ عبریہ کا فارسی متن کلکتہ سے تاریخ آشام کے نام سے ۱۸۴۷ء کو طبع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ تاریخ آشام کے نام سے میر بہادر حسینی نے کیا جو فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے اہتمام سے ۱۸۰۵ء میں طبع ہوا:

(Early, Urdu Historiography p.102-104) اس اردو ترجمہ سے فرانسیسی زبان میں

اس کا ترجمہ کیا گیا جو پیرس سے ۱۸۴۵ء کو طبع ہوا۔

شہاب الدین طالش کی اولاد کی تفصیلات نہیں ملتیں اس کے صرف ایک بیٹے شیخ تاج الدین کا نام معلوم ہے جس کا فرزند اعتصام الدین بنگال کے ضلع نادھیہ (Nadiyah) کا رہنے والا تھا وہ پہلے تو بنگال کے ناظم میر جعفر خان (۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۷ء تا ۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء اور پھر ۱۱۷۷ھ - ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۳ء - ۱۷۶۵ء) کا فشی ہوا اور پھر میر قاسم کی جانشینی (۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء) پر وہ میجر یارک (Major Yorke) کی ملازمت میں آیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں میر قاسم مذکور کے خلاف لڑا (۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء) کو جب کمپنی آرچبولڈ (Archibold) سوئیٹن (Swinton) شاہ عالم ثانی کا ایک خط لے کر شاہِ رنگستان جارج سوم (George) کے پاس برطانیہ گیا تو یہی اعتصام الدین اس کے ہمراہ تھا۔ اس نے اپنے سفر کے مشاہدات فارسی نثر میں شگرف نامہ ولایت کے نام سے ۱۱۹۹ھ / ۱۷۵۸ء کو تحریر کیے جو ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء کے سنہ پر ختم ہو جاتے ہیں، اس کا ملخص انگریزی ترجمہ مع اردو ترجمہ لندن سے ۱۸۲۷ء کو طبع ہوا۔ فشی اعتصام الدین پہلا جدید تعلیم یافتہ ہندوستانی فرد تھا۔ جس نے انگلستان کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات قلم بند کیے (Dictionary of Indian Biography p.218) قتیوہ عبریہ کا فارسی خطی نسخہ مخزنہ کتابخانہ خدابخش پٹنہ (شمارہ ۵۷۳) اسی اعتصام الدین کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر جاہجاواشی بھی ہیں: (فہرست مخطوطات فارسی بانکی پور ۷ / ۸۴)

مآخذ

۱۔ شمس اللہ قادری، حکیم: مورخین ہند، حیدر آباد، دکن، ۱۹۳۳ء

۲۔ طالش، شہاب الدین احمد: تاریخ آشام، کلکتہ ۱۸۲۷ء

- 3- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.
- 4- Javed Ali Khan: Early Urud Historiography, Patna, 2005.
- 5- Abdul Muqtadir: Cat. Arabic and Persian Manuscripts in Oriental Public Library of Bankipur, Patna, 1977.
- 6- Reiu, Ch: Cat. of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1879.
- 7- Sachau and Ethe: Cat. Persian Manuscripts in Bodleian library Oxford, Oxford, 1889.
- 8- Sarkar, Jandunath: Studies in Aurangzab's Reign, Delhi, 1989.
- 9- Ibid: Studies in Mughal India, Calcutta, 1919.
- 10- Ibid: History of Aurangzeb. Calcutta, 1916

- 11- Sarkar, Jagadish Narayan: Life of Mir Jumla, Delhi.
- 12- Ibid: Histography, Then and Now: Medieval Bihar, Patna, 1989.
- 13- Sharma, S.R: Bibliography of Mughal India, Calcutta, (N.d.)
- 14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۱۳ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شہید قارہ

منشی غلام حسین سلیم (مؤلف ریاض السلاطین)

منشی غلام حسین اپنی نوشتہ تاریخ ریاض السلاطین کے باعث معروف ہے جو بنگال کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے جو بنگال میں مسلم حکومت کے قیام سے لے کر زمانہ تالیف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

ریاض السلاطین منشی غلام حسین سلیم کی تالیف ہے، وہ اودھ کے ایک قصبہ زید پور کارہنے والا تھا، وہاں سے وہ بنگال کے ایک علاقہ مالده (Maldah) میں آ بسا جو ان دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کی تحویل میں تھا اور اسی مناسبت سے انگریز آباد کہلاتا تھا، وہاں کی کمپنی کی فیکٹری کے کمرشل ریذیڈنٹ (Commercial Resident) جارج اوڈنی (George Udny) کے ہاں ”ڈاک منشی“ (Post Master) کی ملازمت اختیار کر لی، جارج اوڈنی کو کتب تاریخ اور علوم و فنون سے بہت دلچسپی تھی اس نے مجھے حکم دیا کہ میں بنگال کے حکمرانوں کی ایک تاریخ لکھوں تو میں نے یہ کام سرانجام دیا (ریاض السلاطین ص ۴)

منشی غلام حسین سلیم کے ایک شاگرد الہی بخش بن علی بخش حسینی انگریز آبادی نے ایک عمومی کتاب تاریخ خورشید جہاں نما کے نام سے لکھی تو اس میں غلام حسین سلیم کا مختصر تذکرہ بھی کیا ہے جس میں اس نے اپنے استاد منشی عبدالکریم کا کہا ہوا ایک قطعہ تاریخ بروقات منشی غلام حسین سلیم بھی نقل کیا ہے ”منشی زعالم رفتہ“ جس کے اعداد ۱۲۳۳ ہوتے ہیں گویا مؤلف ریاض السلاطین منشی غلام حسین کا مذکورہ سنہ میں انتقال ہوا، اور وہ اسی انگریز آباد میں دفن ہوا جہاں اس کا مقبرہ بھی ہے، بیورج (Beveridge) نے کتاب خورشید جہاں نما کا تجزیاتی مطالعہ

کیا تھا۔ Journal of Asiatic Society of Bongal. Vol. ixiv (1895) “The Khurshid Jahan Numa of S. Ilahi Bakhsh”

Society of Bongal. Vol. ixiv (1895)

جس سے یہ تمام تر معلومات طے مانا خود ہیں۔

منشی غلام حسین فارسی کا انشاء پرداز ہونے کے علاوہ فارسی شاعر بھی تھا وہ سلیم تخلص کرتا تھا ریاض السلاطین میں کئی مقامات پر اس نے اپنے اشعار نقل کیے ہیں کتاب کے آغاز میں حمد اور پھر کتاب کی تالیف کے محرک جارج اوڈنی کی مدح میں چار اشعار بھی ہیں (ریاض السلاطین ص ۳۰)

منشی غلام حسین سلیم فارغ اوقات میں تدریس کا کام کرتا تھا اس کے کئی شاگرد تھے چنانچہ منشی عبدالکریم اس کے شاگرد کا قطعہ تاریخ وفات سلیم کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس عبدالکریم کا ایک قابل شاگرد سید الہی بخش حسینی تاریخ کی ایک اہم کتاب خورشید جہاں نما کا مؤلف تھا جو مالہ کے ضلعی سکول میں فارسی کا معلم تھا (سنوری: ادبیات فارسی ۱/۱/۱۵۲)

منشی غلام حسین سلیم کا جس بول کے مرض میں ۳۰ صفر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو انتقال ہوا اور موضع چک قربان علی متصل انگریز آباد میں مدفون ہوا (محبوب الالباب ۳۳۳)

غلام حسین سلیم کی صرف ایک ہی کتاب ریاض السلاطین ملتی ہے، جو بنگال کی عمومی تاریخ ہے مؤلف نے انگریز مذکور کی فرمائش پر ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء کو اس کی تالیف کا آغاز کیا اور دو سال کی محنت کے بعد ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء کو مکمل کیا ”ریاض السلاطین“ سے اس کا سال تکمیل برآمد ہوتا ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار روضوں پر مشتمل ہے:

مقدمہ کے چار چمن (فصول) ہیں چمن اول در بیان کیفیت آبادی ممالک بنگالہ۔۔۔۔۔ چمن دوم، در بیان بعض خصوصیات آن ملک چمن سوم، ذکر بلاد آن ممالک، چمن چہارم در ذکر حکومت رایان ہند۔۔۔۔۔

روضہ اول در ذکر حکومت حاکمان اسلام کہ از طرف دہلی بنیابت دریں ملک فرمانروائی کردہ اند

روضہ دوم ”ذکر سلاطین کہ در بنگالہ بر سر سلطنت جلوس فرمودہ

روضہ سوم در بیان احوال ناظمین

روضہ چہارم مشتمل بر دو خیابان، خیابان اول در ذکر آمدن نصاریٰ فرقہ پر نگلیس و فرانسیس وغیرہ در

دکن و بنگالہ

خیابان دوم در ذکر مسلط شدن نصاریٰ انگریز بر ممالک بنگالہ و دکن

مؤلف نے اگرچہ آغاز کتاب میں اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمام بنیادی کتب تاریخ سے مدد لی ہے اس میں ایسی کتابوں کی معلومات بھی درج ہیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں، اس نے بہت سی عمارتوں کے کتبات بھی استعمال کیے ہیں اس سے پہلے اور بعد بنگال کی جو تاریخیں لکھی گئیں وہ صرف جزوی تھیں یا محض ایک علاقہ سے متعلق تھیں، لیکن ریاض السلاطین پہلی تاریخ ہے جس میں آغاز سے لے کر اپنے زمانہ تالیف تک تمام حالات و حوادث ترتیب زمانی سے تحریر کیے گئے ہیں، ابتدائی تاریخ سے متعلق اس کے اکثر بیانات عرب مؤلفین کی کتب سے ماخوذ ہیں، البتہ اس کی درج کردہ تاریخوں اور سنین کو جدید دریافت شدہ سکوں اور کتبات کی مدد سے تقابل کی ضرورت ہے، دور آخر کے مورخین نے اس کے بیانات پر اعتماد کیا ہے ان میں سے بلو خمان، بیورج، جادونا تھ سرکار اور سٹیوارٹ نے اپنی تاریخ بنگال میں تو اس کے بڑے حصے کا انگریزی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

ریاض السلاطین کا فارسی متن عبدالحق عابد نے ایڈٹ کیا جو ایٹانک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ سے ۱۸۹۰ء کو طبع ہوا۔ پھر عبدالسلام نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ان کے مفید حواشی کے ساتھ اسی ادارہ سے ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا تھا۔ یہی ترجمہ دہلی سے ۱۹۷۵ء کو عکسی صورت میں دوبارہ چھپ گیا، اس کے فارسی متن کا عکس حال ہی میں جرمنی کے ایک ناشر نے شائع کیا ہے۔

مآخذ

- ۱۔ خدا بخش خان: محبوب الالباب فی تعریف الکتاب والکتب، پٹنہ، ۱۹۹۱ء
- ۲۔ سلیم، غلام حسین، منشی: ریاض السلاطین مرتبہ عبدالحق عابد، کلکتہ، ۱۸۹۰ء
- ۳۔ سلیم اللہ منشی: تاریخ بنگالہ مرتبہ سید محمد امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۷۹ء
- ۴۔ شمس اللہ قادری، حکیم: مورخین ہند، حیدر آباد، دکن، ۱۹۳۳ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۹ء

6- Beveridge, H: The Khurshid Jahan Numa of S. Ilahi Bakhsh, Journal of Asiatic Society of Bengal, vol. ixiv (1895)

- 7- Blochmann, H: contributions to Geography and History of Bangal, Calcutta, 1968.
- 8- Muhammad Mohar Ali: History of Muslims of Bengal, Riyadh, 1985.
- 9- Salim, Ghulam Hussain: Riyanu-s-Salatin, trans. by Abdus Salam, Delhi, 1975.
- 10- Sarkar, J.N: Bengal Nawabs, Calcutta, 1952.
- 11- Stewart, C: History of Bengal from The Muhammadan invasion until the virtual conquest of Bengal by English, London 1813.
- 12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
- 13- Encyclopaedia of Islam (New ed.) Leiden, 1965.

۱۱ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

منشی سلیم اللہ (مولف تاریخ بنگالہ)

منشی سلیم اللہ بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی میں بنگال کا ایک فارسی انشاء پرداز اور مورخ تھا، وہ اپنی کتاب تاریخ بنگالہ کی تالیف کے باعث معروف ہے۔

منشی سلیم اللہ کے حالات متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس کے ایک خاص شاگرد اعظام الدین پنج نوری (Panchnuri) نے شگرف نامہ میں لکھا ہے کہ بنگال کے ناظم میر محمد جعفر خان (۱۱۷۰-۱۱۷۴ھ / ۱۷۵۷-۱۷۶۰ء اور دوبارہ ناظم ۱۱۷۷-۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۳-۱۷۶۵ء) کے زمانہ میں اس نے کلکتہ میں آٹھ منشیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے سیکرٹریٹ (Secretariat) میں کام کرتے دیکھا جن میں منشی سلیم اللہ بھی شامل تھا، جو بنگال کے گورنر ہنری وینسی ٹارٹ (Henry Vansittart) کی ملازمت میں تھا (شگرف نامہ بحوالہ تاریخ بنگالہ مقدمہ ڈاکٹر امام الدین ص ۱۱)

وینسی ٹارٹ (۱۷۳۲-۱۷۷۰ء) بنگال کے گورنر (۱۷۶۰-۱۷۶۳ء) کو علوم مشرقیہ سے بڑی دلچسپی تھی اس نے بہت جلد مقامی منشیوں کی مدد سے فارسی زبان سیکھ لی:

(Narrative of Transactions in Bengal, Apd. B.P.549-551)

اس قسم کے اصحاب کو مقامی اہل علم کی ضرورت ہوتی ہے اسی مقصد سے اس نے مختصر مدت کے لیے سلیم اللہ کو اپنا منشی بنالیا، ایک منشی کی ماہانہ تنخواہ ایک سو روپے ہوتی تھی، (تاریخ بنگالہ، مقدمہ، حاشیہ ص ۱۱)

منشی سلیم اللہ نے تاریخ بنگالہ اسی ہینری وینسی ٹارٹ کے لیے اس کے حکم پر فارسی نثر میں تالیف کی، کتاب کے آغاز میں اس نے وینسی ٹارٹ کو "نواب نصیر الملک شمس الدولہ بہادر تہور جنگ" جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ (تاریخ بنگالہ ص ۳) اسی لقب کی مناسبت سے اس نے اس کتاب کو "تہور نامہ" کا نام بھی دیا ہے (ایضاً مقدمہ

ص ۱۱) وینسی ٹاٹ نے ہانتی کی لیلیٰ مجنوں اور محمد صادق کی تاریخ عالمگیر کا انگریزی ترجمہ کیا اور اپنے عہد کے وقائع پر ایک اہم رپورٹ بھی مرتب کی جو اس وقت کے حالات کا اہم ترین ماخذ ہے۔

سلیم اللہ کی تالیف تاریخ بنگالہ بنگال کے ناظموں کی تاریخ ہے، اس کا آغاز ایک ہندو زمیندار سو بھاسنگہ (Subha Singh) کی بغاوت سے ہوا ہے جو ابراہیم خان کی نظامت کے دوران ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۶ء کو ہوئی، دوسرے تاریخی ماخذ اس کی تفصیلات سے خالی ہیں۔ اس میں بنگال کی ساٹھ سال کی تاریخ (۱۶۹۶ تا ۱۷۵۶ء) بیان کی گئی ہے، اس میں ابراہیم خان (۱۶۸۹-۱۶۹۷ء) سے لے کر نواب علی وردی خان کی وفات (۱۷۵۶ء) تک کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے، دیگر ناظمین میں سے شہزادہ محمد اعظم، جعفر خان، سرفراز خان، شجاع الدولہ اور علی وردی خان کے زمانہ کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔

منشی سلیم اللہ نے واقعات اپنی یادداشت کی بنیاد پر اور مقامی کتب تاریخ کی مدد سے لکھے ہیں اور بمشکل کہیں کہیں تو قیت (Chronology) کا خیال رکھا ہے۔ عہد اور نگزیب عالمگیر کے سلسلہ میں اس نے بعض یورپین دستاویزات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

سلیم اللہ نے مرشد قلی خان (ف ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) کی تعریف کی ہے کہ اس زمانہ میں انصاف تھا، اس نے محاصل جمع کیے۔ اس کے دیئے گئے مالیات کے مندرجات کو خلاصہ التواریخ اور چہار گلشن سے تقابل کے بعد قبول کیا جاسکتا ہے، بنگال کی مشہور تاریخ ریاض السلاطین مولفہ غلام حسین سلیم (سال ۱۷۸۷ء) جو تاریخ بنگالہ سے صرف ۲۴ سال بعد تالیف ہوتی ہے کا بنیادی ماخذ یہی سلیم اللہ کی تاریخ ہے۔

بنگال میں انگریزوں کی سرگرمیوں کا وہ خود عینی گواہ تھا، ایسا بھی معلوم ہوتا ہے اس نے بغیر حوالہ کے وہ دستاویزات بھی استعمال کی ہیں جو انگریزوں کے دفاتر میں موجود تھیں، سیاسی، سماجی اور معاشی تفصیلات بھی اس کتاب میں قابل توجہ ہیں۔

سلیم اللہ کی اس کتاب کی اس اہمیت کے پیش نظر یہ انگریزوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے، اس کا ملخص انگریزی ترجمہ فرانسس گلڈون نے ۱۷۸۸ء کو کیا جو اسی سال کلکتہ سے شائع ہوا، یہ ترجمہ نہایت ناقص، غلط اور

ناقابل اعتماد ہے (جادو ناتھ سرکار: Bengal Nawabs, preface p.1)

تاریخ بنگالہ کے بکثرت خطی نسخے پائے جاتے ہیں جو اس کتاب کے مقبول ہونے کی دلیل ہے (سنوری:

ادبیات فارسی ۱/۱/۷۱۶)

تاریخ بنگالہ کا فارسی متن ڈاکٹر سید محمد امام الدین نے ایڈٹ کیا جس پر ایک مفید مقدمہ (انگریزی) لکھا اور حواشی میں اختلافات نسخ بھی بیان کیے۔ ایڈیشن ایشیائک سوسائٹی آف بنگلہ دیش، ڈھاکہ سے ۱۹۷۹ء کو طبع ہوا لیکن تاحال اس کا کامل انگریزی ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے۔

مآخذ

۱۔ سلیم اللہ، فنشی: تاریخ بنگالہ مرتبہ محمد امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۷۹ء

- 2- Datta, k: Alivardi and his Times, Calcutta, 1939.
- 3- Kolff, D.H.A: Nukar, Rajput and sepoy, Cambridge, 1990.
- 4- Das, S.K: Sahibs and Munshis, Calcutta, 1978.
- 5- Mukhopadhyay, S.C: British Residents at the Darbar of Bengal Nawabs, at Murshidabad, Delhi, (N.D)
- 6- Sarkar, J.N: Bengal Nawabs, Calcutta, 1985.
- 7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
- 8- Vasittart, H: Narrative of the Transactions in Bengal (1760-64) ed. A.C. Banarjee, Calcutta, 1976.

۳ نومبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیر قادری

مولانا ترک غوری

ترک غوری بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم، ریاضی دان اور ستارہ شناس تھے۔

ترک غوری نے اپنا پورا نام کریم بن مخدوم محمد شفیع محمد سلیم عرف ترک غوری بتایا ہے۔ (محفوظ، دیباچہ

۲۔ الف)

ترک غوری کے حالات اور علمی کارناموں کے بارے میں تفصیلات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتیں، صرف وہی کچھ معلوم ہے جو انہوں نے خود اپنی کتاب ”سیر آفتاب و مہتاب معروف بہ محفوظ“ کے ابتدائیہ میں لکھا ہے۔

ترک غوری کے ایک معاصر ریاضی دان مولانا اسد اللہ تھے جن کی فرمائش پر انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب تالیف کی، ترک غوری نسلاً افغان اور افغانستان کے معروف علاقہ غور سے ہندوستان آگئے تھے، ان کے والد بھی ایک ذی علم آدمی تھے اور سندھ میں آئے تھے اہل سندھ علماء و فضلاء کو ”مخدوم“ کہہ کر مخاطب کرتے تھے چنانچہ ان کے والد کو بھی مخدوم محمد شفیع کہا گیا۔

ترک غوری نے پاکستان کے معروف خطہ سندھ کا متعدد بار تذکرہ کیا ہے وہ وہاں کے علماء اور اہل فن سے بہت متاثر تھے، انہوں نے اپنے ایک معاصر عالم اور ہیئت دان مخدوم نجم الدین بوبکانی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ”درجہ شمس“ کی دریافت پر ایک رسالہ لکھا جو اپنی نوعیت کا عجیب رسالہ ہے۔ اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترک غوری کا مستقر خطہ سندھ تھا۔ (محفوظ، فصل سوم برگ ۳۲۔ وہ بعد)

محفوظ

ترک غوری کی تالیفات میں سے صرف یہی ایک رسالہ ہم تک پہنچا ہے، یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور اس میں بعض اشعار بھی درج ہوئے ہیں، اس رسالے کا موضوع ستارہ شناسی اور علم ہیئت ہے۔

مؤلف فارسی میں شعر بھی کہتے تھے رسالے کے آغاز میں انہوں نے اس کے سالِ تالیف کے لیے ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے جس سے ۱۱۶۳ھ برآمد ہوتا ہے اور اسی سال یعنی ۱۱۶۳ء/۴۹-۱۷۵۰ء کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔

یہ رسالہ گیارہ فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول در بیان سالِ قمری و ماہِ ہمد و روزِ ہای آن

دوم در سالِ شمسی، سوم قاعدۂ یافتن آفتاب کہ در کدام برج است

چہارم، در یافتن سالِ شمسی بغیر حساب، پنجم در یافتن ماہِ ہای شمسی از ماہِ ہائی قمری بغیر حساب، ششم۔

یافتن وقتِ ظہر، ہفتم در نوروز، ہشتم ساعاتِ روز و شب۔ نہم طلوع و غروب بعضی کو اکب

دہم موقعِ تخم ریزی زرع یا زودہم اختلافِ ہوا (اعنی چہار فصل سال)۔

اس رسالے کو مؤلف نے میر آفتاب و مہتاب بھی کہا ہے اس رسالے کے اب تک صرف تین خطی

نسخوں کا علم ہو سکا ہے۔ ایک کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد اور دوسرے دونوں نسخے پیر حسام الدین راشدی کے ذاتی

کتب خانے میں تھے۔ جو اب کتابخانہ مرکزی دانشگاه قائد اعظم اسلام آباد اور سندھالوجی، سندھ یونیورسٹی، جام

شورو، حیدر آباد سندھ میں محفوظ ہیں۔ (فہرست مشترک ۱/۲۹۷)

ماخذ

۱۔ ترک غوری: محفوظ، خطی نسخہ مخزنہ کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد

نمبر ۷۴۵

۲۔ فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء

۳۔ طاہرہ صدیقی: داستانِ سرای فارسی در شبہ قارہ، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء

۴۔ منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میاں غلام حسین شورش عظیم آبادی (تذکرہ نویس)

غلام حسین شورش بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک شاعر اور تذکرہ نویس کی حیثیت سے معروف ہیں۔

غلام حسین بن میر محسن عظیم آبادی چشتی سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کی اولاد میں سے تھے، (تذکرہ مسرت افزا ۷۱۱) ڈاکٹر محمود الہی نے تذکرہ شورش کے مختلف بیانات کی روشنی میں میر غلام حسین شورش کا سال پیدائش حدود ۱۱۳۰ھ / ۱۷۲۷ء متعین کیا ہے (تذکرہ شورش، مقدمہ ۴۱)

شورش میر بہمنیا کے عرف سے معروف تھے، ان کی پرورش ان کے ماموں میر محمد وحید نے کی اور ان کے فرزند میر محمد رضا جرأت (ف ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) نے شورش کے ذوقِ ادبی کو پروان چڑھایا پھر انہوں نے مشورہ سخن کے لیے شورش کو اس عہد کے نامور شاعر میر باقر حزین (وفات حدود ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) کے سپرد کر دیا جن سے انہوں نے خوب استفادہ کیا، اتفاق سے جرأت اور حزین ایک ہی سال میں انتقال کر گئے تو شورش کی ادبی زندگی ”بے حلاوت“ ہو گئی اور وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ (تذکرہ شورش ۵۴)

میر کاظم علی خان احترام الدولہ (۱۱۷۹-۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۵-۱۷۶۳ء) کے مختصر دورِ نیابت بنگالہ کے دوران عظیم آباد میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہونے لگیں ان مشاعروں میں اردو کے معروف شاعر شیخ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا (Ghasita) ابو العلاء نقشبندی (۱۱۳۷-۱۲۰۳ھ / ۱۷۲۴-۱۷۸۸ء) بھی شریک ہوتے تھے۔ شورش کی انہی مواقع پر ان سے راہِ رسم پیدا ہو گئی پھر اتنے تعلقات بڑھے کہ شورش نے ان کے ملفوظات بھی جمع کیے (تذکرہ شورش ۵۵)

شیخ عشق مذکور کی صحبت میں شورش کا تمام میلان طبع تصوف کی طرف ہو گیا، شیخ رکن الدین عشق، شاہ فرہاد (ف ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء) کے نواسے تھے، جو ایک واسطہ سے سلسلہ ابو العلاء کے بانی میر سید ابو العلاء اکبر آبادی (ف ۱۰۶۱ھ) کے خلیفہ تھے، گویا شورش ایک نقشبندی صوفی بھی تھے (کیفیت العارفین ۸۲، ۱۷۱، ۱۷۸)۔ شورش کے استاد و مرشد شیخ رکن الدین عشق کا صوفیانہ عرف مرزا کھیٹا تھا تو شورش کا عرف بھی اسی نوعیت کا میر بہینیا (Baheenia) تھا (تذکرہ مسرت افزا ۷۱، تذکرہ عشقی ۳) اسی طرح شاہ عشق کی صحبت میں شورش نے مشہور صوفی ابو الفیاض غلام رشید (۱۰۹۶-۱۱۶۷ھ / ۱۶۸۳-۱۷۵۳ء) کے ملفوظات گنج فیاضی (جامع غلام شرف الدین) کا انتخاب بھی کیا، اور تصوف کے کسی مسئلہ پر ایک مستقل کتاب ارشاد العارفین بھی لکھی۔ (تذکرہ شورش ۵۶)

اسی طرح شورش نے شاہ نعمت اللہ کرمانی (۸۳۳ھ / ۱۴۳۱ء) کے ایک شعر کی شرح بھی ایک رسالہ کی صورت میں لکھی (ایضاً ۵۶) شاہ رکن الدین عشق ہی کی خدمت میں شورش نے اپنا دیوان اردو مرتب کر کے بغرض اصلاح پیش کیا۔ (ایضاً ۵۶، تذکرہ مسرت افزا ۷۱، گلزار ابراہیم ص ۳۰۳ گلشن سخن ۱۶۰) شورش کے اردو دیوان میں چار ہزار اشعار تھے (گلشن سخن ۱۶۰) تمام اصناف سخن پر کامل عبور تھا لیکن غزل چشم زدن میں کہتے تھے۔ (تذکرہ شورش ۲ / ۲) شورش پورینہ (Purina) بھی گئے تھے (تذکرہ شورش ۲۷۸) غالباً اپنے ماموں محمد وحید کے ہمراہ اختر الدولہ کے قافلہ میں جہاں انہوں نے اپنی دو مثنویاں درد و الم اور مثنوی باغ و بہار لکھیں (تذکرہ شورش، مقدمہ ڈاکٹر محمود الہی ۳۱-۳۲) اب شورش کی تالیفات ایک نظر میں یوں ہیں:

۱۔ مثنوی درد و الم

۲۔ مثنوی باغ و بہار

۳۔ مثنوی در تعریف علی باغ (در مدح محمد وحید و زائر حسین خان)

۴۔ ارشاد العارفین

۵۔ احوال بادشاہان ہندوستان (از معز الدین تاجلوس شاہ عالم)

۶۔ صحیفۃ النجات

۷۔ منتخب گنج فیاضی

۸۔ شرح بیت شاہ نعمت اللہ کرمانی (تذکرہ شورش ۵۳-۵۶-۳۵)

۹۔ دیوان اشعار اردو

۱۰۔ تذکرہ شورش

مؤخر الذکر کتاب یعنی تذکرہ کے سوا باقی تمام کتب اب ناپید ہیں۔ تذکرہ شورش فارسی نثر میں ہے اور اردو شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس کا مقصد تصنیف عظیم آباد (مستقر مؤلف) کے شعراء کو شائقین شعر و ادب سے روشناس کروانا تھا، مروجہ تذکروں کی روش کے خلاف شعراء کے احوال و کمالات و کلام کی پیش کش میں غیر متعصبانہ طریقہ اپنانا بھی تھا۔ یہ تذکرہ شورش نے اپنے استاد و مرشد مرزا عشق کی فرمائش پر لکھا اور میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعراء کے جواب میں تالیف کیا، خود مؤلف اور محرک دونوں میر کے مذکورہ تذکرہ سے ناخوش تھے۔ (تذکرہ شورش ۳۸۹) شورش نے یہ تذکرہ جس کا نام رموز الشعراء بھی ہے ۱۱۹۱ھ کو تالیف کیا۔ (تذکرہ ۸۲)، جہاں تک عام شعراء کے تعارف کے سلسلہ میں نکات الشعراء اور تذکرہ گردیزی کے نقائص کی تلافی کا تعلق ہے شورش اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔ انہوں نے میر اور گردیزی کی معلومات پر کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ اکثر بیانات بجنسیہ انہی الفاظ میں یا معمولی رد و بدل کے ساتھ اپنے ہاں نقل کر لیے ہیں (شعراء اردو کے تذکرے ۳۵۳)

اس تذکرے کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ باڈلین لاہور آکسفورڈ اور دوسرا نسخہ کتابخانہ خانقاہ رشیدیہ جوہنور میں ہے، اول الذکر نسخہ کی بنیاد پر اس کا فارسی متن کلیم الدین احمد کی کوشش سے تذکرہ عشقی کے ساتھ دو تذکرے کے عنوان سے دو جلدوں میں پٹنہ سے شائع ہوا، پھر ڈاکٹر محمود الہی نے خانقاہ رشیدیہ جوہنور میں اس کا دوسرا نسخہ دریافت کر کے اسے جداگانہ طور پر لکھنؤ سے شائع کیا۔

شورش کا عظیم آباد میں شعبان ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء کو انتقال ہوا۔ (تذکرہ مسرت افزا ۷۱، گلزار، ابراہیم

(۳۰۳/۲)

مآخذ

- ۱۔ ابوالحسن امیر الدین احمد، امر اللہ الہ آبادی: تذکرہ مسرت افزا مرتبہ سید شاہ محمد اسماعیل، پٹنہ، ۱۹۹۸ء
- ۲۔ انصار اللہ: جامع التذکرہ، دہلی، ۲۰۰۶ء
- ۳۔ حنیف نقوی: شعرائے اردو کے تذکرے، لکھنؤ، ۱۹۹۸ء
- ۴۔ خلیل، علی ابراہیم خان: گلزارِ خلیل مرتبہ کلیم الدین احمد، مشمولہ معاصر پٹنہ، شمارہ ۲۲، ۲۸-۲۹ (۱۹۷۳ء)
- ۵۔ شورش، غلام حسین: تذکرہ شورش مرتبہ محمود الہی، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
- ۶۔ ایضاً: تذکرہ شورش مرتبہ کلیم الدین احمد، مشمولہ دو تذکرے، پٹنہ ۱۹۵۹-۱۹۶۳ء
- ۷۔ عبد الودود، قاضی: شعراء کے تذکرے، پٹنہ، ۱۹۹۵ء
- ۸۔ عبد المجید کاتب: سمات الاخیار، کراچی، ۱۹۸۱ء
- ۹۔ غلام یحییٰ عظیم آبادی: کنز توارخ، پٹنہ، ۱۹۸۲ء
- ۱۰۔ فانی، عطاء حسین: کیفیت العارفین و نسبت العاشقین، گیا، بہار، ۱۳۵۱ھ
- ۱۱۔ فرمان فتح پوری اردو شعراء کے تذکرے، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۲۔ قاسم، قدرت اللہ: مجموعہ نغز مرتبہ حافظ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۳۳ء
- ۱۳۔ مبتلا، مردان علی: گلشن سخن مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، علی گڑھ، ۱۹۶۵ء

۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے ذالشماسہ شبہ قارہ

مولانا احمد بن رکن الدین حسینی (مؤلف حلیۃ القاری)

احمد حسینی گیارہویں صدی ہجری کے علما میں سے تھے۔

ان کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنا پورا نام احمد بن رکن الدین

حسینی کوہ گیلوئی (Kuhgilui) لکھا ہے۔ (حلیۃ القاری برگ ۲ ب)

مزید وضاحت کرتے ہیں کہ جب وہ دکن میں سفر کر رہے تھے کہ ۱۰۸۳ھ / ۷۳-۷۴ / ۱۶۷۲ء کو حیدر آباد

پہنچے۔ تو قرآن مجید کے فن قرأت پر ایک کتاب مرتب کرنے کا خیال آیا۔ (ہمانجا برگ ۳ ب) لیکن وہ اس کی تالیف

کا فوری آغاز نہ کر سکے۔ اور ذی الحج ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ھ کو اس پر کام شرع کر دیا اور شعبان ۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء میں

پایہ تکمیل کو پہنچی۔ (الذریعہ ۷ / ۸۲، فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ذخیرہ کرزن ص ۲۴۹)

مؤلف نے یہ کتاب ابوالحسن قطب شاہ (۱۰۸۳-۱۰۹۸ھ / ۷۲-۷۳ / ۱۶۸۷ء) کے نام معنون کی ہے،

(ہمانجا) مؤلف امام زادہ علی کی اولاد میں سے تھے (الذریعہ ۷ / ۸۲)

فن تجوید اور اس کے متعلقات پر یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور ایک مقدمہ، ۱۴ ابواب اور ایک خاتمہ پر

مشتمل ہے۔

کتاب کے خاتمے پر سبع قرأت کی فہرست بھی دی ہے اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کی سورتوں کا انڈکس

بھی دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے صوتی اعتبار سے اعراب بھی بتائے گئے ہیں۔ (فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ذخیرہ کرزن

(۲۵۰

حلیۃ القاری کے بعض مندرجات کی تفصیل یہ ہے۔

مقدمہ و فضائل تلاوت کلام معجز۔۔۔۔۔

باب اول در بیان حروف ہجا و مخارج آن

باب دوم در صفات حروف

باب سوم در بیان رعایت کردن در حالت تلفظ نمودن

باب چهارم در بیان مدات و فقرات

باب پنجم در بیان احکام نون ساکن و تنوین

باب ششم در بیان ادغام و معانی ادغام۔۔۔

باب ہفتم در بیان تفخیم و ترقیق

باب ہشتم در بیان ہائی کنایہ۔۔۔

باب نهم در بیان انواع تلاوت قرآن۔۔۔

باب دہم در بیان استفادہ بسم اللہ و کیفیت آن

باب یازدہم در بیان وقف و انواع و احکام آن

باب دوازدہم در رسم الخط و طریق اصلاح آن

(Concse Descriptive Catalogue of Persien Manuscripts in Curzon collection of Asiatic Society of Bangal, pp.249-50)

حلیۃ القاری کے دو خطی نسخے کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد، دکن میں ایک نسخہ ذخیرہ کرزن مخزنہ ایشیائک

سوسائٹی آف بنگال نمبر ۳۴۳ میں بھی ہے۔

(برگل: ادبیات فارسی بر مبنائی اتالیف استوری ۱ / ۳۳۲ / ۳۳۳) ایک اور نسخہ ذخیرہ طہرانی، کربلا میں

بھی ہے (الذریعہ ۷ / ۳۳۳)

مآخذ

- ۱۔ برگل: ادبیات فارسی برجنای تالیف استوری ترجمہ فارسی از۔ مکی آریں پور۔۔۔ تہران ۱۳۶۲ ش
- ۲۔ بزرگ طہرانی، محمد محسن، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۷، تہران
- ۳۔ تصدق حسین موسوی: فہرست شروح بعضی کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن

۱۹۴۷ء

- 4- Ivanow, w: Concise Descriptive Catalogue of Persian Manuscripts in the Curzon collection Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1926
- 5- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian Literature, Dehli, 1995.
- 6- Sherwani, H. K: History of the Qutb Shahi Dynesty, Dehli, 1974
- 7- Storey , C. A: Persian Literature, London, 1970

۱۶ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبیر قارہ، تہران

شیخ احمد بن محمد صدیقی الوری

شیخ احمد صدیقی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فقیہ تھے۔

انہوں نے اپنا پورا نام امین الدین احمد بن سیف الدین محمد صدیقی الوری لکھا ہے۔

(شرح مثنوی در مسائل میراث، فہرست مخطوطات فارسی ایشیائیک سوسائٹی آف بنگال ص ۵۱۱)

شیخ احمد صدیقی کا تعلق راجپوتانہ (Rajpatana) کے صدر مقام الور (Alwar) سے تھا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کی دو معروف سیاسی شخصیتوں نواب نصیر الدولہ نصرت جنگ

(۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء) اور سراج الدولہ انور الدین خان منصور جنگ کے ساتھ شیخ احمد صدیقی کے مراسم تھے وہ انہی

نوابوں سے متوسل بھی رہے اپنی کتابوں کے آغاز میں انہوں نے ان دونوں شخصیتوں کا احترام کے ساتھ ذکر کیا

ہے۔ (جلال البصائر، سراج العقائد)

شیخ احمد صدیقی کے والد سیف الدین محمد الوری بھی اپنے عہد کے ایک فقیہ تھے۔ حضرت امیر المومنین

ابو بکر صدیق کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ احمد کی صرف تین تالیفات کا تاحال سراغ ملا ہے جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

۱۔ جلال البصائر فی معرفۃ الکبار

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور گناہ کبیرہ کے موضوع پر اہم کتب فقہ کے حوالوں سے بحث کی گئی ہے۔

مولف نے اپنی یہ کتاب نواب نصرت جنگ مذکور کے نام معنون کی ہے۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ایشیائیک

سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے مرکزی کتابخانے میں ہے۔

(Ivanow: cat. A. S.B. p.527, MS No 1093)

۲۔ شرح مثنوی در مسائل میراث

علم میراث کے موضوع پر ایک فارسی مثنوی کی شرح شیخ احمد صدیقی نے فارسی نثر میں لکھی ہے۔ اس کا دریافت شدہ خطی نسخہ چونکہ ناقص ہے اس لیے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصل مثنوی کے مصنف کون ہیں؟ شارح نے دوران شرح اہم کتب فقہ، فتاویٰ اور علم میراث سے متعلق عربی و فارسی کتب کے حوالے بھی دیے ہیں۔

اس کتاب کا ایک ناقص قلمی نسخہ ایشیائک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں ہے۔

(Ivanow: Cat. A.S.B. p.511 MS. No 1053)

۳۔ سراج العقائد

یہ کتاب اہل تشیع کے رد میں ہے۔ اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ مولف نے اس میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے بلکہ اس موضوع پر اہم اور مروجہ کتب کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔

مولف نے اس کتاب کو سراج الدولہ انور الدین خان منصور جنگ کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتاب کا خطی نسخہ بخط مولف مکتوب ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء ایشیائک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے مرکزی کتابخانہ میں محفوظ ہے۔

(Ivanow: Cat. A.S.B p. 546, MS. No 1139, Mughals in India, p.47 No 149)

ماخذ

- 1- Ivanow: Concise Descriptive Catalogue of Persian Manuscripts in the collection of the Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1924
- 2- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967
- 3- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian Literature, Dehli, 1995

۴ مارچ ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبیر۔ تہران

شاہ نواز خان صمصام الدولہ اورنگ آبادی (مولف مآثر الامراء)

شاہ نواز خان بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک نامور مؤرخ اور فارسی کے انشاء پرداز تھے۔

شاہ نواز خان کا اصل نام عبدالرزاق بن میر حسن علی بن محمد کاظم خان تھا ان کی ولادت لاہور میں ۲۹ رمضان ۱۱۱۱ھ / ۹ مارچ ۱۷۰۰ء کو ہوئی، ان کے اجداد میں سے میر کمال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں خواف سے ہندوستان وارد ہوئے اور اورنگ آباد (دکن) میں مقیم ہو گئے، نواب شاہ نواز خان آغاز جوانی میں اپنے جدی مستقر اورنگ آباد پہنچے اور نواب آصف جاہ اول (ف ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کے ہاں ملازمت کر لی۔

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹-۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کی طلبی پر جب نواب آصف جاہ دہلی گئے تو ان کے فرزند نظام الدولہ ناصر جنگ (ف ۱۱۶۳ھ / ۱۷۷۰ء) کی خدمت میں شاہ نواز حاضر ہوئے اور بہت جلد اعتماد پیدا کر لیا، لیکن ناصر جنگ نے جب اپنے والد کے خلاف بغاوت کی تو شاہ نواز خان بھی معتبوب ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس عزلت نشینی (۱۱۵۵-۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۳-۱۷۴۷ء) کے دوران انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان تاریخی کارنامہ مآثر الامراء کے نام سے انجام دیا۔ اس دوران نواب آصف جاہ نے شاہ نواز خان کو معاف کر کے اس کا مرتبہ و منصب بحال کر دیا۔

نواب آصف جاہ کے بعد نواب نظام الدولہ اور ان کے بعد صلابت جنگ (ف ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء) تخت نشین ہوئے تو شاہ نواز خان اعلیٰ مراتب و مناصب پر فائز رہے، ۱۴ صفر ۱۱۶۷ھ / ۱۱ دسمبر ۱۷۵۳ء کو نواب صلابت جنگ نے شاہ نواز خان کو وکیل مطلق مقرر کیا، انہوں نے حالات کو بڑی حد تک درست کر کے فرانسیسیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکا۔ فوج کی بغاوت سے شاہ نواز کو معطل کر دیا گیا لیکن مشہور شاعر میر غلام آزاد بکراچی (ف ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) کی کوششوں سے اس کا منصب بحال ہو گیا۔ لیکن پھر صلابت جنگ کی بدظنی سے

۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء کو شاہ نواز خان کو مع فرزندوں کے قید کر لیا گیا۔ ان کا گھر لوٹ لیا گیا، مفسدوں نے شاہ نواز خان کو ان کے ایک فرزند عبدالغنی سمیت ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء کو قتل کر دیا۔ ان کو ان کے آبائی قبرستان اورنگ آباد میں درگاہ شاہ نور میں دفن کیا گیا۔ (مقدمہ نوشتہ میر غلام علی آزاد بلگرامی بر جلد اول مآثر الامراء ص ۳۲-۵۷ ملخصاً)

شاہ نواز خان کو نوابانِ دکن کی طرف سے صمصام الدولہ کا خطاب ملا تھا۔ وہ ملکی سیاست کے معاملات میں کامل دستگاہ رکھتے کے ساتھ فارسی زبان و ادب اور انشاء پردازی میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے تھے، میر آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ انہیں مصطلحات اور شعر فہمی میں بڑی قدرت حاصل تھی (ایضاً مقدمہ آزاد بر مآثر الامراء ۱ / ۵۱)

شاہ نواز خان کی اب تک ہمیں تین تالیفات کا علم ہے۔

۱۔ بہارستان سخن

یہ شعر و ادب کے فن پر ہے اور فارسی نثر میں ہے، اس میں فارسی شعراء کے مختصر احوال بھی لکھے ہیں، مؤلف کے فرزند میر عبدالحی نے وضاحت کی ہے کہ ۱۱۶۰ء کو مؤلف اپنی کتاب فوائد الفواد کی ترتیب کے دوران بہارستان سخن بھی مرتب کر رہے تھے، لیکن یہ کام مکمل نہ ہو سکا مؤلف کی وفات کے بعد میں نے ۱۱۹۲ھ کو اسے پایہ تکمیل پر پہنچایا۔ یہ کتاب مدراس سے ۱۹۵۸ء کو طبع ہوئی۔ پھر تہران سے ۱۳۷۷ش کو چھپی جسے عبدالحمد آیتی و حکیمہ دست نے ایڈٹ کیا۔

۲۔ فوائد الفواد

یہ کتاب دینی مسائل پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ اس میں آداب و اخلاق بھی مختصر طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ (ہفت مقالہ ص ۳۴۰) یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے۔

۳۔ مآثر الامراء

فارسی نثر میں مؤلف کی مشہور ترین تالیف ہے جس میں شاہ نواز خان نے عہد اکبری سے محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ تک کے امراء کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ جسے انہوں نے اپنی گوشہ نشینی ۱۱۵۵-۱۱۶۰ھ کے دوران مرتب کرنا شروع کیا پھر جب ملازمت پر بحال ہوئے تو اس کام کی تکمیل کی طرف توجہ نہ کر سکے، اس میں تقریباً ۳۰ امراء کے احوال درج ہیں، اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں یہ سب سے زیادہ مشہور اور وسیع ہے۔

۱۱۷۱ / ۱۷۵۸ء کو جب آپ قتل کر دیئے گئے تو ان کا سارا گھر لوٹ لیا گیا کتابخانہ بھی برباد ہو گیا، مؤلف کے دوست میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اس اہم کتاب کا مسودہ تلاش کیا، اس کے اوراق غائب ہو چکے تھے اور گم شدہ اوراق دیگر کتب تاریخ کی مدد سے دوبارہ لکھے ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء کو مؤلف کے فرزند میر عبدالحی نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور بارہ سال کی محنت کے بعد ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۰ء کو اسے مکمل کیا، آزاد بلگرامی نے بھی اس میں پورا تعاون کیا۔

تأثر الامراء کا فارسی متن تین ضخیم جلدوں میں ایشیائک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ سے ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۱ء طبع ہوا، ہنری بیورج (H. Beveridge) نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو اسی ادارہ سے ۱۹۳۱ء تا ۱۹۵۲ء شائع ہوا اس میں مفید حواشی بھی شامل ہیں، اس میں شامل صرف ہندو امراء کا تذکرہ ہندی ترجمہ کر کے بتارس سے چھپا تھا۔

تأثر الامراء کا اردو ترجمہ مع مفید حواشی محمد ایوب قادری نے کیا جو اردو سائنس بورڈ لاہور سے دو مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

مآخذ

- ۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی، سرو آزاد، حیدر آباد دکن، ۱۹۱۳ء
- ۲۔ ایضاً: خزائن عامرہ، لکھنؤ نو لکچور، ۱۸۷۱ء
- ۳۔ حسن عباس: احوال و آثار میر غلام علی آزاد بلگرامی، تہران، ۱۳۸۳ ش
- ۴۔ شاہ نواز خان مصمم الدولہ: بہارستان سخن، مدراس، ۱۹۵۸ء
- ۵۔ ایضاً: تأثر الامراء اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء
- ۶۔ محوی، محمد حسین: مصمم الدولہ شاہ نواز خان، مقالہ مشمول ہفت مقالہ مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۹۶۷ء
- ۷۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تہران، ۱۳۳۳ ش

- 8- Beveridge, H: Maathir-al-Umara, Calcutta, 1911-1941 (English translation)
- 9- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

یکم اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی

امین عظیم آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی اور فارسی و اردو کے شاعر تھے۔ امین کا تعلق خطہ کشمیر سے تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کب اور کن اسباب کی بنا پر کشمیر سے نقل مکانی کر کے عظیم چلے گئے۔ ابتداً ان کا قیام عظیم آباد (Azimabad) میں تھا وہیں نشو و نما ہوئی (مسرت افزا ص ۲۱) خواجہ امین ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۰ء سے قبل بنگال کے نواب سید محمد رضا، رضا مظفر جنگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ (گلزار ابراہیم ۲۵) اور مرشد آباد (Murshidabad) میں قیام تھا کچھ عرصہ نواب کے مصاحب بھی رہے (خمنانہ جاوید ۱)

نواب محمد رضا مظفر جنگ کو مرشد آباد کی نیابت ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۵ء میں ملی (Transition in Bengal, p. 69) نواب علی ابراہیم خان جن کے ساتھ خواجہ امین کی دوستی قرابتِ قریبہ کے درجے کی تھی نے لکھا ہے کہ امین ۱۱۹۳ھ سے چند سال قبل ہی نواب مظفر جنگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ (گلزار ابراہیم ۲۵) اور زندگی نواب کی رفاقت میں کٹی (گلشن ہند ۲۸)

نواب مظفر خان کے زمانے میں سیاسی ابتری کا آغاز ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء کو ہوا اور پھر چار سال بعد ۱۷۷۲ء میں نواب کی معزولی ہوئی (Transition in Bengal, p. 264)

نواب کے دورِ زوال میں بھی خواجہ امین ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۰ء تک نواب سے منسلک تھے (گلزار ابراہیم ۲۵) خواجہ امین نے اپنا فارسی دیوان ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء میں مدون کیا (قطعہ تاریخ دیوان امین از حافظ محمد یعقوب دیوان امین، ص ۷ مقدمہ) گویا نواب مظفر جنگ کی نیابت مرشد آباد کے دوران مرشد آباد ہی میں یہ دیوان مرتب ہوا۔

تذکرہ نویسوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ آخری عمر میں امین نے قناعت اور خانہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی (گلشن ہند ۲۹، تاریخ شعراء بہار ۱/ ۸۰)

تذکرہ نویسوں نے خواجہ امین کے سال وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے لیکن امین کے ایک ہم وطن خواجہ محمد علی تمنا (ف ۱۲۳۲ھ) نے اپنی بیاض میں خواجہ امین کا سال وفات ۱۱۹۹ھ / ۸۵-۱۸۸۳ء درج کیا ہے۔ (بیاض تمنا، خطی مملوکہ قاضی عبدالودود، پٹنہ بحوالہ دیوان امین، مقدمہ ج)

خواجہ امین عظیم آبادی نے فارسی اور اردو دونوں دواوین خود مرتب کیے تھے (سرت افزا ۲۱۱، گلزار ابراہیم ۲۵، سراپا سخن ۴۸)

غلام حسین شورش عظیم آبادی نے خواجہ امین کے اشعار کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ (یادگار دوستان بحوالہ مقدمہ دیوان امین ۵)

خواجہ امین عظیم آبادی کا فارسی دیوان عطاء الرحمن کا کوی نے مرتب کیا اور اسے ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ نے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔

یہ فارسی دیوان ردیف دار ہے جس میں غزلیات، مخمس، قصیدہ، قطعات، رباعیات شامل ہیں۔ بیاض تمنا عظیم آبادی میں امین کے جس قدر اشعار درج تھے مرتب نے وہ بھی دیوان کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیئے ہیں۔

خواجہ امین کا اردو دیوان ناپید ہے فارسی دیوان کے مرتب عطا کا کوی نے ایک ضمیمہ میں اردو شعراء کے تذکروں سے وہ تمام اشعار نقل کر کے یکجا کر دیئے ہیں۔

خواجہ امین کوئی بلند پایہ شاعر نہیں تھے۔ لیکن شعراء کے تذکروں میں ان کے کلام کو خوب سراہا گیا ہے۔ امین زبان دانی میں ممتاز اور ادابندی میں یکتا تھے (سرت افزا ۲۱۱) وہ شعر فہمی اور سخن رسی میں نادر روزگار تھے بہت کم شعراء ان کی فکر کو پہنچ سکے (گلزار ابراہیم ۲۵) خواجہ امین پر زور فارسی شاعر تھے، معنی یابی، نازک خیالی، فصاحت و بلاغت اور سلاست میں ان کا کلام معجز بیان ہے۔ (یادگار دوستان برگ ۲۳) وہ صاحب طرز فارسی گو شاعر تھے۔ (تذکرہ عشق ۱/ ۴۸)

ماخذ

- ۱۔ امیر اللہ الہ آبادی: مسرت افزا مرتبہ قاضی عبدالودود مشمولہ معاصر، پٹنہ (شمارہ ۶)
- ۲۔ امین عظیم آبادی، خواجہ امین الدین: دیوان مرتبہ عطاء الرحمن کاکوی
- ۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: گلزار ابراہیم مرتبہ کلیم الدین۔ احمد مشمولہ معاصر، پٹنہ (حصہ ۲۲، ۲۸، ۲۹)
- ۴۔ سری رام، لالہ: خیمخانہ جاوید / ج۔ اول دہلی ۱۹۲۱ء
- ۵۔ لطف، علی: گلشن ہند، لاہور ۱۹۲۸ء
- ۶۔ عشقی عظیم آبادی: تذکرہ عشقی (مشمولہ دو تذکرے، پٹنہ ۱۹۶۳ء)
- 7۔ Abdul Majed Khan: The Transition in Bengal, A Study of S.M. Reza Khan, Camdridge, 1969.

۷ ادا ستمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میر حسین علی خان، تاریخ نگار (مؤلف نشانِ حیدری)

میر حسین علی کرمانی تیرہویں صدی / انیسویں صدی کا ایک مؤرخ اور شاعر تھا اس نے میسور کے حکمرانوں پر درجہ اول کی کتب تاریخ یادگار چھوڑی ہیں۔

میر حسین علی بن سید عبدالقادر کرمانی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجداد کرمان سے ہندوستان آئے تھے اور ویلور (Welor) میں آکر آباد ہو گئے ان میں سے ایک صاحب حیدر آباد دکن کی فوج میں ملازم تھے۔ (تذکرۃ البلاد و الحکام مولفہ میر حسین علی کرمانی، مقدمہ ۱۲)

میر کرمانی نے ابتدائی کتاب عربی و فارسی مقامی اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پڑھیں اور پھر میسور (Mysore) آکر وہاں کے حاکم حیدر علی (ف ۱۷۸۲ء) اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان (Tipu Sultan) ۱۷۸۲-۱۷۹۹ء کے ہاں میر غشی کے عہدہ پر متعین ہوا، وہ اس خدمت پر پندرہ سال یعنی ۱۷۷۲ء تا ۱۷۸۷ء تک کام کرتا رہا، اس کی بعد وہ کہاں کہاں رہا اس کے تفصیلات نہیں ملتیں، ٹیپو سلطان کے منتخب خطوط کے مترجم ولیم کرک پیٹرک (W. Kuppaktrick) نے لکھا ہے کہ میر حسین کرمانی کرنل کولن میکنزی (Col. Colin Mackenzie) ۱۸۰۶-۱۸۸۱ء کے ہاں ملازم تھا، ٹیپو کے خطوط لندن سے ۱۸۱۱ء کو شائع ہوئے عین ممکن ہے کہ اس نے مترجم کی مدد بھی کی ہو، اسی مجموعہ خطوط میں کرمانی کی کتاب تذکرۃ البلاد کے دو ابواب ۱۲ اور ۶ کے تراجم شامل ہیں۔ (منتخبہ خطوط ٹیپو سلطان ۲ / ۳۶۷ و ب بعد)

ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد اس کے مقبرہ میں جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ اسی میر حسن علی کرمانی کا نوشتہ ہے۔ جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ مذکورہ سنہ کے بعد تک سرنگاپٹم (Seringapatam) میں موجود تھا۔

میر حسین علی چٹوڑ (Chator) میں بھی مقیم رہا جہاں سید احمد حسین قمنانے اس سے ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۷ء کو فارسی پڑھی تھی۔ (محمد باقر آگاہ مولفہ محمد یوسف کوکن عمری ص ۱۳)

میر حسین علی کرمانی مدراس (Madras) میں بھی مقیم رہا جہاں اس نے جنمس فریزر (Capt. James Frazer) کو اپنی کتاب نشانِ حیدری ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں پیش کی تھی۔ گویا کرمانی مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھا، اس کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔

میر حسین علی کرمانی فارسی و اردو میں شعر بھی کہتا تھا اس کا تخلص حاکم تھا۔ اس نے پچاس اشعار کا ایک مرثیہ ٹیپو سلطان کی شہادت پر اردو میں لکھا تھا۔ (تذکرۃ البلاد، مقدمہ ص ۱۱)

میر کرمانی کی اب تک حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ بدیع المعانی

یہ کتاب کرمانی نے بابا فخر الدین حسینی کے احوال و کرامات پر لکھی ہے جو پنکنڈہ ضلع انتاپور (Penukonda, Anatapur District) میں مدفون ہیں جہاں وہ حدود ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء کو تشریف لائے تھے، مؤلف نے اس کتاب کا ذکر خود تذکرۃ البلاد (۵۳، ۵۷-۵۸) میں کیا ہے، لیکن اس کے کسی خطی نسخہ کا تاحال علم نہیں ہے۔

۲۔ تذکرۃ البلاد و الحکام

یہ فارسی نثر میں ہے جس میں علاقہ بالاگھاٹ (Balaghat) کے مختلف حصوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اس میں چودہ خطوں کے حالات ہیں جن سے دوسری کتب تاریخ خالی ہیں، ابتداء میں یہ کتاب ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء کو مؤلف نے مکمل کر لی تھی لیکن پھر ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں اس میں دو آخری ابواب کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کے خطی نسخے سٹیٹ آرکائوز حیدرآباد، دکن میں دو نسخے، ایک خطی نسخہ برٹش میوزیم لندن ہی ہے، ایک نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن میں ہے (تذکرۃ البلاد، مقدمہ ص ۷-۹) اس کتاب کا فارسی متن شفیع احمد شریف شفیع نے مرتب کیا اور پھر اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جس پر میسور یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی، انہوں نے اس کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ کیا جو دہلی سے ۲۰۰۱ء کو طبع ہوا۔ دہلی سے ہی اس کا مذکورہ انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے۔

۳۔ نشان حیدری

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور نواب حیدر علی خان اور ان کے فرزند و جانشین ٹیپو سلطان کے عہد کی تاریخ پر مشتمل ہے جو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے صرف اڑھائی سال بعد ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء کو لکھی گئی، یہ ان دونوں حکمرانوں کے حالات پر درجہ اول کی معلومات کی حامل کتاب ہے جو بظاہر انگریزوں کے زیر اثر لکھی گئی لیکن اس میں سچے واقعات درج ہیں، نشان حیدری کا فارسی متن مطبع فتح الکریم بمبئی سے ۱۸۹۰ء کو طبع ہوا، کرنل مائیلز (Col. W. Miles) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو لندن سے ۱۸۴۲ء۔ ۱۸۶۳ء کو طبع ہوا۔

(سال تالیف کے بعض مباحث کے لیے دیکھیے میسور میں اردو ۵۲-۱۶) نزہۃ الاعیان کے نام سے اس کا ایک نامکمل ترجمہ قاضی حسین خلیل نے کیا، پھر لاہور سے بھی اس کا اردو ترجمہ احمد فاروقی نے کیا جو کئی بار طبع ہوا۔

۴۔ بحر فطرت

یہ فارسی زبان سیکھنے والوں کے لیے ایک قاعدہ ہے، اس میں فارسی الفاظ کا ہندی (اردو) میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء کو مکمل ہوئی، اس کا ایک خطی نسخہ سلیم تمنائی، بمقام میسور کے پاس ہے۔ (تذکرۃ البلاد ص ۱۴)

۵۔ تجنیس اللغات

یہ کتاب اردو زبان میں ایک منظوم لغت ہے۔ جو ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء کو مکمل ہوئی (ایضاً ۱۵) میر کرمانی آخری ایام عمر میں بے شکندہ چلا گیا تھا جہاں کی مقامی مسجد میں وہ پیش امام کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا رہا اور وہیں فوت ہو کر مسجد کے احاطہ میں دفن ہوا (ایضاً ۱۴) میر کرمانی، ٹیپو سلطان کے فرزندوں (شہزادوں) کے ساتھ ویلور میں رہتا تھا گمان ہے اس نے اپنی دونوں کتب تاریخ انہی کے کہنے پر تالیف کی ہوں گی۔

مآخذ

- ۱- آمنہ خاتون: ریاست میسور میں اردو، میسور، ۱۹۶۰ء
- ۲- حاکم، میر سید حسین علی کرمانی: نشانِ حیدری، بمبئی، ۱۸۹۰ء
- ۳- ایضاً: تذکرۃ البلاد و الحکام اردو ترجمہ شفیع احمد شریف شفیع، دہلی، ۲۰۰۱ء
- ۴- عبدالقادر، خواجہ: وقائع منازل روم مرتبہ و ترجمہ انگریزی از محب الحسن، دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۵- محمود منگلوری: تاریخ سلطنت خداداد، لاہور، ۱۹۶۱ء
- ۶- زین العابدین شومتری: فتح الجاہدین، کراچی، ۱۹۵۰ء
- 7- Irfan Habib: (ed.) Sate and Diplomacy under Tipu Sultan, Delhi, 2001.
- 8- Irfan Habib: (ed.) Resistan and Modernization under Haider Ali and Tupu Sultan, Delhi, 2004.
- 9- Mohibul Hasan: History of Tipu Sultan, Calcutta, 1971.
- 10- Storey, C.A: Persian literature, London, 1971
- 11- Yousaf , Kokan: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1974

۱۳ مارچ ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ کشیدہ قارہ

جواہر رقم تبریزی، میر سید علی

میر سید علی خان ملقب بہ جواہر رقم گیارہویں صدی ہجری کے مشہور خطاطین میں سے تھا۔

جواہر رقم کے والد میر محمد مقیم بھی ماہر خطاط تھے اور میر عماد حسینی قزوینی (۹۶۱-۱۰۲۴ھ / ۱۵۵۴-۱۶۱۵ء)

کے شاگرد تھے، جواہر رقم نے اپنے والد سے فن سیکھا اور اپنے وطن مولوف تبریز سے ہندوستان چلا آیا،

اس وقت یہاں شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ء، ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کی حکومت تھی، اور نگزیب کو فن خطاطی سکھانے پر

مامور ہوا، انہیں ایام میں جواہر رقم کا خطاب ملا۔ (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کے بعد اُسے منصب ہزاری اور خان کا

خطاب بھی ملا (ایضاً) اس کے بعد شاہی کتابخانہ کی ”داروعلی“ پر متعین ہوا، اور نگزیب کے عہد میں اور نگزیب

کے فرزندوں کی تعلیم خوش نویسی کے لیے مقرر کر دیا گیا، وہ ساری عمر اور نگزیب کے ساتھ کشمیر اور دکن کی مہمات

کے دوران حاضر رہا، (تذکرہ خوش نویسوں ۵۷)

جواہر رقم عمر بھر میر عماد اور آقائی عبدالرشید دہلی کی طرز و فن کا اتباع کرتا رہا، اس کی ان حضرات کے

ساتھ برابر مرسلت بھی رہتی۔ (ایضاً ۵۷-۵۸) آخری عمر میں دماغی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا اور دکن میں ہی اس

عارضہ میں ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء کو انتقال کیا (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کی نعش دہلی لا کر دفن کی گئی (تذکرہ خوش

نویسان ۵۸)

میر سید علی خان کے ایک فرزند شمس الدین علی خان کا ذکر ملتا ہے اسے بھی جواہر رقم کا خطاب ملا تھا (ایضاً

۵۸) وہ ۱۹ رمضان ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۲ء کو فوت ہوا (تاریخ محمدی ۷۹-۸۰)۔

میر سید علی خان جواہر رقم کا ایک اور فرزند میر محمد حسن مخاطب بہ سیادت علی خان بھی اپنے وقت کے

اعیان میں سے تھا۔ رمضان ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۰ء کو دہلی میں فوت ہوا (تاریخ محمدی ۱۱۸)

میر سید علی خان جواہر ر قم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا اس کے پانچ اشعار کا بختاورد خان نے انتخاب کیا ہے
(مرآة العالم ۲ / ۴۹۱)

میر سید علی خان نے خط نستعلیق کو معراج کمال تک پہنچایا اور اس خط کے نامور اساتذہ میں اس کا شمار ہوتا
تھا (مرآة العالم ۲ / ۴۹۱، تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

مرزا سنگلاخ نے جواہر ر قم کے منفصل حالات، مناقب اور قطعات نقل کیے ہیں (تذکرۃ الخطاطین ۲ / ۳۳۷-۳۶۲)

ماخذ

- ۱۔ بختاورد خان: مرآة العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۲۔ حارثی، محمد رستم: تاریخ محمدی، تحقیق و تعلیق امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- ۳۔ سنگلاخ، مرزا: تذکرۃ الخطاطین مسیٰ بہ امتحان الفضلاء، تبریز، ۱۲۹۵ھ
- ۴۔ شاغل، احترام الدین عثمانی: صحیفہ خوش نویساں، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء
- ۵۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرہ خوش نویساں، مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ، ۱۹۱۰ء
- ۶۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین حواشی و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء
- ۷۔ مہدی بیانی: احوال و آثار خوش نویساں، تہران، ۱۳۴۵-۱۳۵۸ش

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

۱۲ نومبر ۲۰۰۳ء

میاں پیر محمد اودھی (مصنف مثنوی مہر و ماہ)

پیر محمد اودھی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فارسی شاعر تھے۔ پیر محمد کا تعلق لکھنؤ (Lucknow) کے مردم خیز خطہ اودھ (Awadh) سے تھا۔ وہ ہندی نژاد تھے اور ہندوستان سے کبھی باہر نہیں گئے تھے۔ (مہر و ماہ، خاتمہ)

پیر محمد کے حالات زندگی، متعارف اور مطبوعہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ ان کی تصنیف مہر و ماہ کے مطالعہ سے ان کے حسب ذیل کوائف معلوم ہو سکے ہیں:

پیر محمد مختلف اوقات میں سورت (Surat) کے نواب مہابت خان اور پھر نواب بسم اللہ خان اور نواب احمد خان سے بھی منسلک رہے۔ (مہر و ماہ ۱۲)

میاں نور محمد کلہوڑا (Kalhora) (۱۱۳۱-۱۱۶۷ھ / ۱۷۱۸-۱۷۵۳ء) کے عہد حکومت میں پیر محمد ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو دار و سندھ ہوئے اور انہوں نے پیر محمد سے کسی وہنوں کی عشقیہ داستان فارسی میں نظم کرنے کی فرمائش کی۔ جسے وہ عدیم الفرستی کے باعث اس وقت نظم نہ کر سکے (مہر و ماہ ۱۳، تحفۃ الکرام تعلیقات حسام الدین راشدی ۳۸۳)

پیر محمد، فرخ آباد کے نواب احمد خان غالب جنگ (۱۱۶۳-۱۱۸۵ھ / ۱۷۵۰-۱۷۷۱ء) سے بھی وابستہ رہے اس انسلاک سے قبل ہی وہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ گئے تھے۔

گجرات کے شمال مغرب میں ایک خود مختار ریاست رادھن پور (Radhanpur) تھی پیر محمد وہاں بھی عرصہ تک رہے۔ اور وہیں کے حاکم بسم اللہ خان سے متوسل تھے۔ ریاست میں ان کا عہدہ کیا تھا معلوم نہیں ہے۔ پیر محمد کا سال وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکا وہ اپنی مثنوی مہر و ماہ کی تصنیف ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء تک بقید حیات تھے۔

مثنوی مہر و ماہ:

پیر محمد اودھی کی صرف ایک ہی کتاب مثنوی مہر و ماہ ہمیں ماحال معلوم ہے۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے اور سندھ کی مشہور عشقیہ داستان سسی و ہنوں کی حکایات کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف پیر محمد اودھی۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ آئے تو وہاں کے حاکم نواب نور محمد کلہوڑا نے انہیں یہ داستان نظم کرنے کے لیے کہا (تحفۃ الکرام، تعلیقات ۲۸۳) لیکن انہیں وہاں یہ کام کرنے کی فرصت نہ مل سکی (مہر و ماہ ۱۳) بعد میں جب کہ وہ رادھن پور میں مقیم تھے تو انہوں نے سندھ، سورت، کچھ اور مکران کے لوگوں سے اس قصے کی تفصیلات معلوم کیں، اور ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء کو وہاں کے حاکم (نواب بسم اللہ خان) کی فرمائش پر اسے نظم کر ڈالا۔ انہوں نے اس کے آغاز میں اس سے قبل اس داستان کو نظم کا جامہ پہنانے والوں کے اسماء بھی لکھے ہیں۔

پیر محمد نے سسی کے حسن کی تصویر کشی جس انداز سے کی ہے وہ داد کی مستحق ہے۔ (مہر و ماہ ۴۱) سسی کے جہیز کا ذکر بھی بڑے دل نشین انداز سے کرتے ہوئے بتایا کہ سمرقند و بخارا تک سے اس کا سامان لایا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر اس کے گھر کو جس طرح سجایا گیا اس کے عجائبات بھی بطریق احسن بیان کیے ہیں۔ (حاجانجا ۴۸) دہن کو کس طرح آراستہ کیا جاتا تھا اس کی جزئیات تک بیان کر دی ہیں جس سے بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی معاشرت کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

پیر محمد نے دعوتِ ولیمہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ہمارے ملک کے رسمی کھانوں کا ذکر ہے ہزاروں دیگوں، زردہ، نان اور دیگر لوازماتِ دعوت کو بے تکلف طور پر جس طرح فارسی میں استعمال کیا ہے وہ ان کے کمالِ فن اور نظم پر دسترس کی شہادت دیتا ہے۔ (مہر و ماہ ۶۱)

آخر میں مؤلف نے بتایا کہ میں ہندی نژاد ہوں اور کبھی ہندوستان سے باہر نہیں گیا۔ میری یہ کتاب دراصل ”ایرانی بوستان“ ہے۔ جو میں نے دوستوں کے لیے ارمغان کے طور پر تیار کی ہے۔

یہ مثنوی کی حیثیت سے بلند پایہ نہیں ہے البتہ اس لحاظ سے کہ اس میں معروف قصے کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس کی ندرت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

مثنوی مہر و ماہ میں ۳۹۹۵ شعر ہیں یہ مثنوی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کو مطبع بحر العلوم لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جس کا یہ مطبوعہ نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، ٹنڈو سائین داد سندھ (Tando Saindad Sind) کے ذاتی کتب خانے میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

مآخذ

- ۱۔ پیر محمد اودھی: مثنوی مہر و ماہ، لکھنؤ، مطبع بحر العلوم، ۱۲۹۵ھ
- ۲۔ عابدی، امیر حسن: مثنوی مہر و ماہ، مقالہ مشمولہ مجلہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ج ۲۔ ش ۱۔ جون ۱۹۶۱ء (ص ۱۷۰-۱۷۳)
- ۳۔ قانع، میر علی شیر ستوی: تحفۃ الکرام باہتمام و حواشی حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۷۱ء
- ۴۔ مہر، غلام رسول: تاریخ سندھ (عہد کلہوڑا)، لاہور، ۱۹۵۸ء
- ۵۔ نور محمد کلہوڑا: منشور الوصیت و دستور الحکومت مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۳ء

۲۷ دسمبر ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد اکبر آبادی (مؤلف تذکرۃ السادات)

احمد اکبر آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک ماہر علم انساب اور منصب دار تھے۔

شیخ احمد بن محمود محمدی اکبر آبادی کے حالات زندگی معروف اور مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنی کتاب تذکرۃ السادات کے آغاز میں بھی اپنے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۸-۱۱۲۳ھ / ۱۷۰۷-۱۷۱۲ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنے منصب کی وضاحت بھی نہیں کی ہے۔ البتہ یہ بتایا ہے کہ شاہ عالم نے مجھے سادات کرام کے انساب پر ایک کتاب مرتب کرنے کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۲ء میں مکمل کر کے پیش کیا۔

تذکرۃ السادات

شیخ احمد اکبر آبادی نے اس تذکرے میں سادات کے اسماء، کنی اور القاب کے اعتبار سے ان کی صلیبی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اکثر مقامات پر اسماء کے ساتھ ان سادات کے سالہا ولادت و وفات بھی قلم بند کیے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمہ الزہراء اور ائمہ اثنا عشر کے انساب میں بڑی جستجو کی ہے۔ ان کی اولاد و اولاد کے شجرات فراہم کیے ہیں۔

اس کتاب کا اہم ترین حصہ ان سید خانوادوں کا ہے جو عرب اور ایران وغیرہ سے آکر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے کے انساب اور اولاد کا تذکرہ بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پاس ہندوستان کے سادات کے انساب بکثرت موجود تھے اور ان کے ان خاندانوں کے ساتھ ان کے علمی مراسم تھے۔

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب میں ہندوستان میں آباد ہونے والے سادات کے انساب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی کتب کے حوالے دیئے ہیں جو آج ان خانوادوں کے پاس موجود نہیں بلکہ اکثر دست برد زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے اس وقت کے اکابر سادات کے ایسے افراد سے روابط تھے جو کئی مُسن ہو چکے تھے اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے مؤلف نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان کی ثقاہت پر بحث نہیں کی اور نہ ہی ان کا علمی مرتبہ بتایا ہے۔

اس کے باوجود یہ کتاب نہایت درجہ اہم ہے۔ تذکرۃ السادات بڑے سائز کے ۶۸ اوراق پر مشتمل ہے اور الہ آباد (ہندوستان) سے ۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد اکبر آبادی: تذکرۃ السادات، الہ آباد، مطبع سیدی ۱۸۸۰ء۔

۲۔ عبدالرزاق، عطاء حسین: کنز الانساب، بمبئی، مطبع صفذری

3- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970. .

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ محمد اجمل الہ آبادی

اجمل الہ آبادی تیرہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور شاعر تھے۔

شیخ محمد اجمل بن محمد ناصر بن یحییٰ عباسی الہ آبادی کی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو الہ آباد (Ilahabad) میں ولادت ہوئی۔ (روزِ روشن ۳۰، حدیقۃ الشعراء ۱ / ۸۰، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۲۳) ابتدائی تعلیم اور علم منطق تک مولانا فصیح جونپوری کی خدمت میں پڑھے، سلم العلوم مولانا محمد اسلم بندوی (Bandavi) سے پڑھی اور بعض دیگر کتب شیخ یسین سورتی (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء) اور قاضی مستعد خان جونپوری سے علم حدیث مفتی محمد ناصح (مفتی عساکرِ سلطانیہ) سے تحصیل کی۔ آخر میں اپنے چچا فاخر بن یحییٰ عباسی کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ (نزہۃ الخواطر ۴۲۴ / ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی نے اپنے چچا کے صاحبزادے شیخ قطب الدین بن فاخر بن یحییٰ سے بیعتِ طریقت کی۔ یہ شیخ ایک بلند پایہ عالم و صوفی تھے۔ فارسی و اردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا تخلص مصیب تھا۔ اپنے والد محمد فاخر الہ آبادی کے سفر حج کے بعد جانشین ہوئے پھر خود زیارتِ حرمین الشریفین کے اشتیاق سے روانہ ہوئے اور فریضہ حج کی ادائیگی سے قبل ہی ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۲ء مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے۔ (نزہۃ الخواطر ۶ / ۲۳۴)

شیخ قطب الدین مصیب کے وصال کے بعد ان کے جانشین بھی اجمل الہ آبادی ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک مرجعِ انام بنے رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۲۴) (نگارستانِ سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کا ذی الحج ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں وصال ہوا (حدیقۃ الشعراء ۱ / ۸۰ روزِ روشن ۳۰، نزہۃ

الخواطر ۷ / ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی معروف فارسی شاعر و صوفی افضل الہ آبادی (رک بان) کی اولاد میں سے تھے۔ اجمل صاحب دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ ڈھا کہ یونیورسٹی کے مرکزی کتابخانہ میں ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی ۱ / ۱۳۱)

مشہور شاعر فاخر کمین کے ساتھ اجمل الہ آبادی کا ادبی معرکہ بھی یادگار ہے اس کے اشعار نور الحسن نے نقل کیے ہیں (نگارستان سخن ۵)۔

اجمل الہ آبادی کے اشعار تذکرہ نگاروں نے بطور نمونہ نقل کیے ہیں (حدیقۃ الشعراء ۱ / ۸۰، روز روشن ۳۰، نگارستان سخن ۵) اجمل کے بعد ان کے فرزند ابو العالی سجادہ نشین ہوئے جن کی اولاد دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں اب تک معروف کار ہے (کیفیت العارفین ۶۶-۶۸)۔

مآخذ

- ۱۔ احمد دیوان بنگی شیرازی: حدیقۃ الشعراء، مرتبہ عبدالحسین نوائی، تہران ۱۳۶۵ ش
- ۲۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، بھوپال، ۱۲۹۷ھ
- ۳۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۷-۶ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء
- ۴۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ نثار احمد فاروقی، ٹونک ۱۹۸۴ء
- ۵۔ قانی، عطا حسین، کیفیت العارفین، گیا ۱۳۵۱ھ
- ۶۔ قدرت اللہ گوپاموی: نتائج الافکار، بمبئی، ۱۳۳۶ ش
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۸۔ نور الحسن: نگارستان سخن (مکملہ صبح گلشن)، بھوپال، ۱۲۸۴ھ

(۱) Habibullah, A. B.M: Descriptive Cat. of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Dacca University library, Dacca, 1968

مولانا غلام محی الدین بگوی

پنجاب کے مشہور عالم اور مبلغ اسلام مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) بن حافظ محمد شفاء (ف حدود ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) بن حافظ نور محمد (ف حدود ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے، بروز پیر محرم ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو بگہ (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے (ظہور احمد بگوی، تذکرہ مشائخ بگویہ)، کم سنی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور (۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) کو تحصیل علم کے لیے اپنے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگوی (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) کے ہمراہ دہلی گئے جہاں بارہ برس تک مختلف مدرسوں میں علم حاصل کرتے رہے، حدیث کی تکمیل مولانا شاہ اسحق دہلوی (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) سے کی، مولانا انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے پاس لے گئے، شاہ صاحب ان کی علییت سے بہت متاثر ہوئے اور حدیث کی سند دیتے ہوئے کہا کہ ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض حاصل ہو گا۔ (ایضاً ص ۹)

قیام دہلی کے دوران مولانا غلام محی الدین بگوی نے شاہ غلام دہلوی مجددی (ف ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) سے سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ میں بیعت کی۔ (تذکار بگویہ ۷۵)

(۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء) کو اپنے گاؤں بگہ واپس آ گئے اور دین کی خدمت میں مصروف ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں سکھوں کی مسلم دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی بری طرح متاثر ہوئی تھی لیکن ایسے دور میں بھی مولانا جادو مستقیم پر قائم اور تبلیغ دین میں مصروف رہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی کوشش سے پنجاب کے مسلمانوں کے لیے امن کی فضا کے آثار نظر آنے لگے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء - ۱۸۳۹ء) بھی ان کا معتقد ہو گیا۔ (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۹)

مہاراجہ کے وزیر فقیر سید عزیز الدین نوشاہی (ف ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) بگہ گئے اور مولانا کو لاہور لے آئے، یہاں انہوں نے مسجد بازار حکیمیاں میں شمع علم روشن کیے رکھی (تاریخی مساجد لاہور ص ۳۵) ہزار ہا غیر مسلم

ان کے حسن سلوک اور تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، انہیں علم حدیث سے خاص شغف تھا، تقریباً دو ہزار طلبہ نے ان سے علم حدیث کی سند حاصل کی، ان میں مولانا نور الدین چکوڑی والے، مولانا شاہ محمد فیروز شاہ پوری، مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ اور حافظ ولی اللہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لاہور میں ان کا درس تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔ (حداائق الحنفیہ ۳۹۵)

آخر بیمار ہو کر بگہ چلے گئے، جہاں عرصہ تک مریض رہ کر شب دوشنبہ ۳۰ شوال ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء کو انتقال ہوا (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۱۰، حداائق الحنفیہ ۳۹۶)

مولانا غلام محی الدین کے دو فرزند تھے اول مولانا مفتی غلام محمد بگوی (۱۲۵۵ء / ۱۳۱۸ھ - ۱۸۳۹ء - ۱۹۰۰ء) اور دوم مولانا عبدالعزیز بگوی (ف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) یہ دونوں بھائی نامور عالم تھے، انہیں کی بدولت بادشاہی مسجد لاہور و اگزار ہوئی، سکھوں نے اس مسجد کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔ مولانا غلام محمد نے یہاں ایک دارالافتاء بھی قائم کیا تھا، گویا برطانوی دور میں یہ دونوں علماء اسلام کے بہترین مبلغ تھے۔

ماخذ

- ۱۔ انوار احمد بگوی: تذکار بگویہ، جلد اول، بمبیرہ، ۲۰۰۴ء
- ۲۔ فقیر محمد جہلمی: حداائق الحنفیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء
- ۳۔ ظہور احمد بگوی: تذکرہ مشائخ بگویہ، بمبیرہ، ۱۹۳۴ء
- ۴۔ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند لکھنؤ، ۱۹۴۱ء، و اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء و المشائخ لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء
- ۶۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم، ادارہ معارف نوشاہیہ، مرید کے، ۱۹۸۳ء
- ۷۔ اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، لاہور، ۱۹۷۵ء
- ۸۔ فقیر عزیز الدین: روزنامہ، جلد دوم، قلمی مخزنہ کتابخانہ عجائب گھر، لاہور
- ۹۔ شرف، عبدالکیم: تذکرہ علمائے اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۷ فروری ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبیہ قارہ تہران

علامہ تاج الدین بہجت

محمد تاج الدین متخلص بہ بہجت تیرہویں صدی ہجری کے فارسی و اردو کے شاعر، عالم اور فقیہ تھے۔
 محمد تاج الدین بہجت معروف خطاط غیاث الدین خان کے فرزند تھے، ان کا تعلق علاقہ گوپامو (Gopamo) سے تھا لیکن مدراس (Madras) میں آکر مقیم ہو گئے تھے مدراس ہی میں تاج الدین کی ولادت ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء کو ہوئی (صبح وطن ۴۴، گلزارِ اعظم ۱۳۰، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴ کوکن: Arabic and Persian in Caramatic p.422) تاج الدین بہجت نے اس عہد کے نامور علماء و مدرسین کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی ان میں مولانا محمد جعفری بن شاہ محی الدین صاحب قابل ذکر ہیں، بہجت مزید تحصیل کے لیے اس وقت کے معروف علمی مرکز کہنی مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے اساتذہ میں سے مولوی تراب علی نامی اور مولوی محمد حسن علی ماہلی (Mahali) کی نگرانی میں دو یا تین سال تک پڑھا۔ (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴، دیارِ پورب میں علم اور علماء ۴۷۹) ان کے علاوہ مولوی سید خیر الدین کے بھی شاگرد تھے (حدیقۃ المرام ۳۰)
 علامہ تاج الدین فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے ان کا تخلص بہجت ہے۔ فارسی میں مولوی تراب علی نامی سے مشورہ سخن جاری رکھا اور اردو میں سید ابوالحسن حیرت امای بن سید ابونعیم امای کے شاگرد تھے۔ حیرت معروف اردو شاعر میر حقیقت کے تلمیذ اور مرید تھے۔ جو مشہور شاعر قلندر بخش جرات کے شاگرد تھے۔ (کوکن ۴۲۲)

ان دنوں کرناٹک (Carnatic) پر نواب غلام غوث خان بہادر (۱۸۴۲-۱۸۵۵ء) کی حکومت تھی یہ نواب ایک ذی علم اور شاعر تھا، اس نے کرناٹک کے شعراء کے حالات پر دو تذکرے صبح وطن اور گلزارِ اعظم لکھے جو تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تاج الدین بہجت کو نواب غلام غوث سے خصوصی تعلق تھا، اس نے اپنے دونوں تذکروں میں بہجت کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔

نواب غلام غوث خان بہادر کے والد نواب عظیم جاہ کے عہد میں بھی بہجت کی شخصیت معزز اور قابل توجہ تھی انہیں ۱۲۳۸ء / ۱۸۳۲ء کو ضلع چنگل پٹ (Chinglepat) کا مفتی مقرر کیا گیا۔ اسی طرح انہیں ایک عرصہ تک دو سو روپے ماہوار تنخواہ پر علاقہ سنکا کول (Sinkakol) میں بھی مفتی کی خدمات سونپی گئیں (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴)

اسی طرح وہ کچھ عرصہ پالم کوٹلہ (Palayamcottal) میں بھی معروف کار بتائے گئے ہیں، کرناٹک پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصرف ہو گیا تو بہجت پھر بھی کمپنی کی طرف سے ضلع ترناولی (Taranowali) میں ”صدر امین“ کے عہدے پر فائز رہے۔ (کوکن ۴۲۳)

شاعر کی حیثیت سے بہجت کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ انہیں کئی اصنافِ سخن میں مہارت تھی ان میں فنِ تاریخ گوئی پر انہیں ایسا ملکہ حاصل تھا جس کا ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ ۱۲۴۲ء کو جب بہجت کے ممدوح نواب غلام غوث خان تخت نشین ہوئے تو بہجت نے ایک قطعہ تاریخ لکھا جو ان کے مہارتِ فن کا شاہکار تسلیم کیا گیا۔ ان کے دیوان میں کئی ایک قطعاتِ تاریخ بھی موجود ہیں۔ (ہمانجا ۴۲۳)

بہجت کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا موصوف صبح و ظن کی تالیف (سال ۱۲۵۷ھ) اور گلزارِ اعظم (تالیف ۱۲۶۳ھ) کے دوران جواں سالی تھے اسی طرح جب نصرت الملک نے ۱۲۷۱ھ کو جواہر الہند مرتب کی تو وہ ترناولی میں صدر امین کے عہدہ پر متمکن تھے (ہمانجا ۴۲۳، ۳۵۳) یقیناً بہجت ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء کے بعد فوت ہوئے۔ بہجت کے شاگردوں میں سے انتظام الدولہ نصرت الملک صلابت جنگ (مؤلف جواہر الہند) اپنے عہد میں سخن پروری اور مؤلف کی حیثیت سے قابل ذکر ہیں۔ (کوکن ۴۲۳، ۵۸۳ و مقامات دیگر) بہجت کی حسب ذیل تالیفات اب تک معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح شلم:

یہ قاضی مبارک گوپاموی کی عربی شرح شلم العلوم پر حاشیہ ہے۔ (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴)

۲۔ چمنستان

یہ شیخ سعدی کی گلستان کی فارسی میں شرح ہے۔ اس کا آغاز یکم ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ کو کیا اور اسی سال ۸ جمادی الآخر کو مکمل کر لی گئی، شارح کے پیش نظر کلکتہ کا چھپا ہوا گلستان کا وہ نسخہ تھا جس میں اس کی عربی و فارسی شرح کے علاوہ لاطینی زبان میں بھی شرح کی گئی تھی۔ اس کے باوجود بہجت نے ایران سے گلستان بخط شیخ سعدی کی نقل بھی حاصل کر لی تھی۔ بہجت نے یہ شرح اپنے استاد شیخ محمد جعفر مذکور کے ایما پر لکھی۔

یہ ضخیم شرح ۱۲۶۹ھ کو مظہر العجاوب پریس مدراس سے شائع ہوئی اس کے ۳۲۲ صفحات ہیں۔

۳۔ منہج البحرین

یہ مختصر فارسی رسالہ دو بحروں پر مشتمل ہے:

بحر اول در علم عروض

بحر دوم در علم قافیہ

رسالہ منہج البحرین ۶ محرم ۱۲۴۷ھ کو مکمل ہوا۔ اس کا ایک خطی نسخہ بخط مؤلف مکتوبہ ۸ ربیع الاول

۱۲۴۷ھ کرناٹک میں ہے۔ جس کے ۱۶۸ صفحات ہیں (کوکن ۴۲۲)

۴۔ رسالہ در حرف

علم حرف پر یہ مختصر رسالہ ہے غالباً کمپنی مدرسہ کے طلبہ کے لیے لکھا گیا (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر

۱۰۴/۷)

۵۔ تاج القواعد

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور فارسی زبان کے قواعد پر مشتمل ہے۔ مطالب کے عنوانات کو ”قائدہ“ کا

نام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ کو تالیف ہوئی اور اسی سنہ کا مکتوبہ نسخہ بخط مؤلف ذخیرۃ انجمن ترقی

اردو کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہے۔ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۸۰-۸۱) لیکن یہ

کتاب پہلے بنگلور سے ۱۲۸۹ھ کو اور پھر ۱۲۹۸ھ میں بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔ (مشار، مؤلفین ۲/۱۳۰، مشار: چابی

۲/۲۱۳۱) جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ خطی نسخہ بخط مؤلف نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے کتابت کیا ہے۔

۶۔ دیوان بہجت

یہ بہجت کے فارسی و اردو کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں طویل اور مختصر نظمیں سبھی جمع کر دی گئی ہیں۔

اس میں قصائد اور قطعات تاریخ بھی موجود ہیں۔

ایک قصیدہ کرناتک کے راس العلماء بہادر (ف ۱۲۳۶ھ) کی مدح میں ہے، جو سلطان النساء بیگم (ف

۱۲۳۹ھ) کے فرزند تھے۔ یہ نواب والہ جاہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ (کوکن ۴۲۳)

جب ۱۲۳۷ھ کو بہجت کے استاد ابوالحسن حیرت کا انتقال ہوا تو بہجت نے ان کی وفات پر ایک طویل

قطعہ تاریخ لکھا۔ اسی طرح جب ۱۲۴۲ھ کو نواب غلام غوث خان بہادر کرناتک کے والی بنے تو بہجت نے فارسی میں

قطعہ تخت نشینی لکھا۔ یہ قطعہ اپنی فنی خوبیوں کے باعث عرصہ تک معاصرین میں مقبول رہا۔ (ص ۴۲۲-۴۲۳)

بہجت کا دیوان ۲۲۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کرناتک میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ نواب غلام غوث

خان بہادر نے اپنے تذکروں صبح و وطن اور گلزار اعظم میں بہجت کے بہت سے اشعار نقل کر کے ان کے فنی محاسن

بتائے ہیں۔

۷۔ قصائد پُر فوائد

بہجت کے قصائد کا ایک مجموعہ الگ بھی شائع ہوا تھا، ۱۷۰ صفحات کا یہ رسالہ لکھنؤ سے ۱۲۹۱ھ میں طبع

ہوا۔ (مشار، مؤلفین ۱۳/۲)

ماخذ

۱۔ اطہر مبارک پوری: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۲۔ سری رام، لالہ: خیمانہ جاوید، لاہور، ۱۹۰۸ء

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۷، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۴۔ غلام غوث خان بہادر، نواب: صبح و وطن، مدراس ۱۲۵۸ھ

۵۔ ایضاً: گلزار اعظم، مدراس، ۱۲۷۲ھ

۶۔ مشار، خان بابا: مؤلفین کتب چابی، تہران ۱۳۴۰ش

۷۔ ناظر، عبدالقادر: بہار اعظم جانی (روداد سفر نواب اعظم جاہ) بہ تصحیح و تحشیہ محمد یوسف کوکن عمری،

مدراس، ۱۹۶۱ء

۸۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی انجمن ترقی اُردو، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۹۔ واصف، محمد مہدی مدراسی: حدیقتہ المرام (تذکرہ علمای مدراس) اُردو ترجمہ سخاوت مرزا، کراچی، ۱۹۸۳ء

10- Kokan, M. Yousuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras 1974

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام حسین خان (مؤلف ذکر السیر)

مولانا فشی غلام حسین ایک مورخ و ادیب تھے، ان کی کتاب ذکر السیر تیموریان ہند کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ہے جو تیرھویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی، اس کے مؤلف غلام حسین خان بنارس سے تعلق رکھتے تھے۔

ذکر السیر کے مؤلف غلام حسین خان بن محمد ہمت خان شاہ جہان آبادی کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر ملازم رہے، خود ان کے والد محمد ہمت خان بادشاہ فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) سے لے کر عالمگیر ثانی (۱۱۶۷-۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۴-۱۷۶۰ء) کے عہد تک ملازمت کرتے رہے محمد ہمت خان کا انتقال ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء کو ہوا (ایتھے: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی دیوان ہند / ۱۶۲)

غلام حسین خان بنارس کے زمیندار حاکم راجہ بلوند سنگھ (Rajah Balwand Singh) کی ملازمت میں تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند و جانشین راجہ چیت سنگھ (Rajah Chait Singh) سے وابستہ ہو کر خدمات بجالاتے رہے، جہاں انہیں کامل اعتماد کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک کیا گیا، غلام حسین خان اپنی کتاب زمینداران بنارس کے خاتمہ میں خود لکھتے ہیں جب راجہ چیت سنگھ کی حکومت انگریزوں (East India Company) نے ختم کر دی تو وہ راجہ کی طرف سے بحالی کی درخواست لے کر لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis) کے پاس لکھنؤ گئے لیکن مایوس ہو کر واپس آئے۔ (عبدالمقتدر: فہرست نسخہ ہای خطی عربی و فارسی پبلک لائبریری پٹنہ، جلد ہفتم ص ۱۴۲)

غلام حسین خان کی اب تک صرف دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک تاریخ زمینداران بنارس اور دوسری

ذکر السیر۔

تاریخ زمینداران بنارس فارسی نثر میں ہے جو بنارس کے زمیندار حاکموں کے حالات پر مشتمل ہے، جس کا آغاز راجہ منسارام (Rajah Mansa Ram) کے احوال سے ہوتا ہے اور راجہ چیت سنگھ کی معزولی ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) پر ختم ہو جاتی ہے، اس مخطوطہ پر مؤلف کے پوتے سبحان علی بن حسن علی خان نے ایک دیباچہ لکھا تھا جس کے آغاز میں اس نے بتایا ہے کہ یہ تاریخ تمام تر اس کے دادا کے مشاہدات اور جو کچھ راجہ بلوند سنگھ نے اسے مہیا کیا، پر مبنی ہے، سبحان علی نے اس کتاب کو راجہ ایسری پرشاد نرائن (Rajah Isari Pershad Narayan) کے نام ۱۸۳۵ء میں معنون کی ہے (ایضاً ۱۴۱/۷) اس کتاب کا ایک مخطوطہ خدا بخش لاہوری پٹنہ میں ہے۔ (ایضاً)

ذکر السیر، یہ غلام حسین خان کی دوسری کتاب ہے، یہ فارسی نثر میں ہے اور اس کے نام سے اس کا سال تالیف ۱۲۲۱ھ برآمد ہوتا ہے، یہ متاخر سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے جو دہلی پر نادر شاہ افشار کے قبضہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء سے شروع ہو کر شاہ عالم ثانی کے عہد کے خاتمہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء پر تمام ہوتی ہے۔

مؤلف کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے، خود ان کے والد فرخ سیر سے لے کر عالمگیر ثانی تک کے واقعات کے راوی ہیں، جس کا اظہار مؤلف نے مخطوطہ کے آغاز میں ہی کر دیا ہے، ان کے علاوہ اس کے دادا کی روایات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پیش نظر بعض دستاویزات بھی تھیں جن کے اقتباسات اور بعض کی تلخیص اس میں شامل ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لاہوری، لندن (شمارہ ۴۲۹) میں موجود ہے (فہرست مذکور ۱۶۲/۱) دوسرا نسخہ شمارہ I.O.3971 بھی ہے۔ تیسرا نسخہ نیشنل لاہوری پریس میں ہے Storey: Persian Literature Vol. I Part. I p.642 چوتھا خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور میں ہے (شمارہ ۱۴۷، Pe-ii-102/1388)

غلام حسین خان کا اسلوب تحریر سادہ اور عام فہم ہے، ان کی یہ دونوں کتابیں تاحال طبع نہیں ہوئیں۔

مآخذ

۱- احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲- ایضاً: فہرستوارہ کتابہای فارسی، تہران ۱۳۷۵ ش

- 3- Abdullah S.M: Descriptive Cat. Of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Punjab University Library, Lahore, Lahore 1942.
- 4- Abdul Muqtadir: Cat of Arabic and Persian MSS. In Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1977.
- 5- Ethe, H: Cat, of Persian Mss. In India Office Library London, 1980
- 6- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
- 7- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1972.
- 8- Rieu, Ch: Cat. Persian MSS. In British Museum, London, 1889

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ کشمیر قارہ

مولانا محمد حسین خان شاہ جہانپوری (مؤلف ریاض الفردوس)

مولوی محمد حسین بن غلام قادر خان شاہ جہانپوری کے احوال مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے البتہ کتاب ریاض الفردوس کے خاتمہ میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہاں دیا جا رہا ہے:

محمد حسین کے اجداد ہرات کے رہنے والے تھے اور قوم افغان ترین درانی ابدالی حسن زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۷ء) سے قبل ہرات کے حالات کی کشیدگی کے سبب وہاں سے ترک وطن کر کے برعظیم پاکستان و ہند آکر ہزارہ (صوبہ سرحد پاکستان) آکر آباد ہو گئے، ان کے جد اعلیٰ محمود خان اپنے خاندان کے ساتھ اپنے عم بزرگ دیوان قاسم خان کے ہمراہ نواب بہادر خان منصب دار شاہ جہان کی ہمرکابی میں یہاں آئے، یہی نواب ابدال خان مخاطب بہ نواب بہادر چغتاء (ف ۱۰۵۹ھ / ۱۶۳۹ء) شاہ جہانپور کا بانی تھا کی تحریک پر شاہ جہان پور میں محمود خان نے اقامت اختیار کی، مؤلف کے والد غلام قادر خان بن عبدالغفار بن عبدالرؤف بن نصرت خان بن آدم خان بن محمود خان مذکور سب نے خوش حالی کی زندگی بسر کی لیکن گردش ایام سے میرے والد روزگار کی تلاش میں حیدر آباد دکن گئے وہاں فوج کی ملازمت سے آغاز کیا اور نظامت کے عہدہ پر چودہ برس تک رہے پھر ملازمت ترک کر کے اپنے مستقر شاہ جہانپور جا کر نکاح کیا۔ یہاں مال گزاری اور تجارت کا شغل اختیار کر لیا، ان کے ہاں یہیں اولاد ہوئی اور انہوں نے اسی علاقہ میں ۱۳ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بمر ۶۸ سال انتقال کیا (ریاض الفردوس ۱۶۳-۱۶۵)

مؤلف محمد حسین خان کی ولادت شاہ جہانپور میں ہی ۲۷ ذی قعد ۱۲۳۵ھ / ۱۸۳۰ء کو ہوئی، یہیں ابتدائی کتب درسیہ مقامی علماء کی خدمت میں پڑھیں، پھر رام پور جا کر دو سال تک تحصیل کی، وہاں سے تکمیل کی غرض سے دہلی پہنچے اور کامل ایک سال وہاں کے علماء سے تحصیل کے بعد پھر لکھنؤ گئے وہاں بھی ایک سال علماء کی

خدمت میں گزارا، پھر علم حدیث اور مطولات حکمیہ و کلامیہ کی تکمیل کے لیے دوبارہ دہلی گئے اور ایک سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی اور واپس اپنے مستقر پہنچے۔ (ایضاً ۱۶۶ / ۳)

اس دوران والد کی جائیداد کی تقسیم کے باعث پھر تلاش روزگار میں علاقہ محمدی (من مضافات لکھنؤ) میں گئے اور وہاں انگریزوں کے ہاں سررشتہ دار کو لیکٹر مقرر ہوئے، وہاں سے آگرہ (Agra) گئے تھے کہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا اس پر آشوب زمانہ میں واپس شاہ جہانپور چلے گئے اور بڑی عسرت میں وقت گزارا، اس عالم میں کتاب حاضر یعنی ریاض الفردوس کی تالیف کا آغاز کیا جو تین سال میں جا کر مکمل ہوئی، اس دوران میرا تمام مال و اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا، وہاں سے ضلع باندہ (Bandah) گئے اور حاکم علاقہ کی پیشی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران ان کی والدہ شدید علیل ہوئیں تو وہ ملازمت ترک کر کے واپس اپنے مستقر چلے گئے جہاں ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء کو ان کی والدہ نے انتقال کیا۔ (ایضاً ۱۷۶)

ان مصائب کے بعد تلاش معاش میں حیدر آباد دکن گئے لیکن وہاں کام نہ بنا تو بھوپال چلے گئے جن انہوں نے معلیٰ کا پیشہ اختیار کر لیا اور ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء تک وہیں مقیم رہے۔ (ایضاً ۱۶۷-۱۶۸ء)

یہ مؤلف کی ۳۵ سال کی روداد حیات ہے اس کے بعد ان کے احوال کا کچھ علم نہیں ہے یہاں تک کہ ان کا سال وفات بھی ہمیں نامعلوم نہیں ہو سکا۔

مؤلف نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے لیکن ان کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مولانا مفتی صدر الدین آزرہ دہلوی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) اور مولانا سلاست اللہ کشنی بدایونی (ف ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۳ء) سے تعلق خاطر تھا۔ (ریاض الفردوس ۱۳۳، ۱۱۹ و بہ بعد) مؤلف مولانا غلام امام خان ہجر و ملک تخلص (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) سے بیعت ارادت بھی رکھتے تھے (ایضاً ۱ / ۵) قیاس ہے کہ انہی کے حوزہ ادبی سے بھی منسلک رہے ہوں گے، مولانا ہجر حیدر آباد دکن کے نوابوں سے وابستہ تھے، جب وہ تلاش معاش میں حیدر آباد گئے تو ان سے فیض یاب ہوئے ہوں گے، مولانا ہجر کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ خورشید جاہی قابل توجہ ہیں۔

کتاب ریاض الفردوس ایک علمی و ادبی مرقع و دائرۃ المعارف ہے، اس کے کئی خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تینوں دفتروں میں شعرائے نامدار کے مختصر احوال و نمونہ کلام درج کیا گیا ہے اس کا

حصہ اول جو عربی زبان میں ہے، اس کی فصل خامس متقدمین و متاخرین عربی شعراء و علماء پر ہے۔ جو تاریخ ابن خلکان، سبہ المرجان فی آثار ہندوستان (مولفہ آزاد بکراچی) اور نفحۃ الیسین سے ماخوذ ہے۔ متاخرین میں سے مولانا صدر الدین خان آزرہ دہلوی، مفتی سعد اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ حصہ دوم کی پانچویں فصل فارسی شعراء متقدمین و متاخرین کے مختصر حالات اور نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کا آغاز ابوالحسن رودکی سے ہوتا ہے، اور متاخرین میں سے مولوی امام بخش صہبائی، میرزا اسد اللہ خان غالب، صدر الدین آزرہ، محمد فضل عظیم خیر آبادی، مصطفیٰ خان شفیع و حسرتی، نواب ضیاء الدین خان نیر رخشاں، نیاز احمد بریلوی، غلام امام شہید، محمد صادق خان اختر، مولوی سلاست اللہ کشفی، عارف علی شاہ عارف خراسانی، نواب غلام حسین خان حسین شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نیاز علی مفتون خیر آبادی اور محمد یعقوب حلیم فیض آبادی اندروی، اس فصل کے ذیل کے طور پر خواتین (زنان) شعراء فارسی کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جو نور جہاں بیگم مخفی (زوجہ جہانگیر بادشاہ) سے شروع ہو کر شریفہ بانو ہمدانی پر ختم ہوتا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا حصہ جو اردو زبان میں ہے کی پانچویں فصل شعراء اردو کے ایک سطری حالات اور ایک ایک شعر کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ حروف تہجی کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں قصائد، مکاتیب، مقطوعات، مسائل علم خط، علم صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عقائد، فقہ، فرائض، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، تجوید، تصوف، منطق، حکمت، حساب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ وغیرہ پر ابتدائی نوعیت کی معلومات جمع کی گئی ہیں۔

مولف نے اسے ”مشکول“ کہا ہے اور بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران پُر آشوب حالات میں وہ اپنے مستقر شاہ جہانپور میں رہنے پر مجبور تھے اب وقت گزارنے کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا، اور چار پانچ سال کی مدت میں مولف اسے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ریاض الفردوس ۱۶۶) تاہم ۱۲۸۱ھ تک وہ اس کی ترمیم میں لگے رہے اور مذکورہ سنہ کو آخری و جاری سال بتایا ہے (ایضاً ۱۶۷)۔

اس کتاب پر اس عہد کے بہت سے اکابر علماء و اداہ شعراء نے تقریظیں لکھیں جن میں سے مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، قاضی زین العابدین عرب، نواب صدیق حسن خان، مولانا عباس بن احمد یمنی شروانی، مولانا احمد کل، واحد علی شاہ آبادی، شہزادہ شاہ جہانپوری، تراب علی لکھنوی قابل ذکر ہیں یہ تمام تقاریر عربی میں ہیں۔

مولانا عبد البہادی نامی گلریزی نے قطعہ تاریخ فارسی میں لکھا، اور نواب غلام حسین خان شاہ جہانپوری، خلیفہ محمد سمیع اللہ شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نواب صدیق حسن خان، حکیم اصغر حسین فرخ آبادی وغیرہ نے فارسی میں بہترین تقریظیں لکھیں جو کتاب کے آخر میں شامل ہیں۔

ریاض الفردوس کے تینوں حصے یکجا مطبع نو لکھنور ۱۲۸۳ھ کو طبع ہوئے۔

مرتضیٰ حسین فاضل بلگرامی نے اس کا حصہ شعرائے اردو ایک کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا تھا جو لاہور سے ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا۔

مآخذ

- ۱۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء
- ۲۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تہران، ۱۹۶۳ء
- ۳۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائی فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش
- ۴۔ مبارک شمیم: سخنوران شاہ جہانپور، دہلی، ۱۹۹۵ء
- ۵۔ محمد حسین شاہ جہانپوری: ریاض الفردوس، لکھنؤ، مطبع نو لکھنور، ۱۲۸۳ھ
- ۶۔ ہجر و ملک، غلام امام خان: تاریخ رشید الدین خانی و حاشیہ تاریخ خورشید جایی، علی گڑھ، ۱۳۲۱ھ

۱۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

منشی ذوالفقار علی خان (مؤلف تذکرہ ریاض الوفاق)

منشی ذوالفقار علی تذکرہ ریاض الوفاق کے مؤلف کی حیثیت سے متعارف ہیں جو تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے فارسی و اردو شعراء کا ایک تذکرہ ہے اور اپنے معاصرین کے سوانحی مواد کا حامل ہونے کی وجہ سے معروف ہے۔

اس تذکرہ کے مؤلف منشی ذوالفقار علی خان بہادر متخلص بہ مست تھے، ان کے حالات شعراء کے مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، فقط ان کے اپنے بیانات میں ان کے سوانحی اشارات ہیں، خود لکھا ہے کہ مجھے کم سنی میں شاہ قدرت اللہ قدرت سے ملاقات کا موقع ملا تھا (ریاض الوفاق ۴۱) مروجہ عربی علوم کی تحصیل کے لیے مولانا نجم الدین محمد خان ثاقب کی خدمت میں گیا (ایضاً ۱۶) آغاز جوانی میں شیخ الاسلام شاہ شمس الدین ابوالفرج سے ضلع بہار میں ملاقات ہوئی۔ (ایضاً ۵۶) کلکتہ اور بنارس میں معروف شاعر مرزا جان محمد طیش بخاری سے صحبتیں رہیں۔ (ایضاً ۵۶)

مؤلف کا بنارس کا دوسرا سفر ناصر الملک کلاں کی رفاقت میں ہوا (ایضاً ۴۹) اس سفر میں سید قطب الہدی شوق بریلوی بھی ہمراہ تھے (ایضاً ۴۹)

بنارس کے نواب مہاراجہ اودت نرائن سنگھ بہادر (Awadit Narain) سے بھی تعلق تھا (ایضاً ۶۲) (مختصراً از احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی ۱ / ۶۸۰) مؤلف نے اپنے خطاب ”خان بہادر“ کی توضیح نہیں کی حالانکہ ترقیمہ میں واضح طور پر ان کے نام کے ساتھ منشی اور ”خان بہادر“ لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ۱۲۳) یقیناً وہ کسی مقامی حکومت کے ناظم اعلیٰ سے متوسل ہوں گے تبھی انہیں ”خان بہادر“ کا خطاب ملا، دور وسطیٰ میں فارسی زبان و ادب کے ماہر کو منشی کہا جاتا تھا لیکن دور آخر میں یہ باقاعدہ ”عبدہ“ بن گیا ممکن ہے مست کسی نواب کے ہاں منشی رہے ہوں، مؤلف نے اپنی مصروفیت کو ”بارگراں و خدمت گزاری خلافت“ سے تعبیر کیا ہے۔ (ایضاً ۱۲۰)

اس کے باوجود مولف اس تذکرہ کے علاوہ کئی کتابوں کے مولف تھے جن کے نام انہوں نے خود لکھے

ہیں:

- ۱۔ دبستان حقوق
- ۲۔ انتخاب نسخہ طیبہ یعنی ابواب الجہان
- ۳۔ باغ و بہار (مکاتبت منظوم)
- ۴۔ بیاض نو طرز
- ۵۔ تحفۃ الہندی
- ۶۔ نگارستان ضائر
- ۷۔ بہارستان ضائر
- ۸۔ لہب سخن
- ۹۔ نیرنگ ظہور (ایضاً ۱۲۱)

”اس سے کوئی کتاب بھی اس وقت تک دستیاب نہیں ہے۔ ذوالفقار علی مست کی صرف ایک ہی کتاب یعنی ریاض الوقاق متی ہے۔ یہ فارسی اور اردو شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے اکثر شعراء مولف کے قریبی دوست تھے، مولف کا ارادہ تھا کہ ہندی یعنی اردو اور فارسی شعراء کے الگ الگ باب بنائے جائیں گے لیکن بعد کو صرف ردیف کا التزام ہی رکھا گیا اور ان دونوں زبانوں کے شعراء کے حالات و نمونہ کلام حروفِ فجی کے اعتبار سے تحریر کر دیئے گئے۔“

مولف نے یہ تذکرہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء کو مکمل کیا تذکرہ کے نام ”ریاض الوقاق“ سے اس کا سال تالیف برآمد ہوتا ہے (ایضاً ۱۲۳)

یہ تذکرہ بنارس (Benaras) اور کلکتہ (Calcutta) کے شعراء کے احوال و انتخاب کلام پر مشتمل ہے، چونکہ یہ مولف کے معاصرین کا تذکرہ ہے اس لیے اس کی اہمیت واضح ہے، ان میں سے اکثر شعراء کے حالات سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔

اس تذکرہ کا فارسی متن ڈاکٹر عبدالرہمن خیام پور نے مرتب کر کے تہریز سے ۱۳۴۳ش کو طبع کر دیا، لیکن انہوں نے اردو سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں سے شعراء اردو کے حالات و کلام والے حصے حذف کر دیئے، اس کے علاوہ بعض فارسی شعراء کے اشعار بھی کم کر دیئے، تذکرہ کے شروع میں مولف نے ایک طویل مقدمہ لکھا جس میں نہایت بہت ”مصنوع“ تھی فاضل مرتب نے اس کی تلخیص کر دی ہے۔ مولف نے شعراء کی تعریف میں جمعبندی نہیں کی تھی ان میں بھی کمی کر دی ہے۔

پٹنہ کے ڈاکٹر سید حسن نے ڈاکٹر خیام پور کے حذف شدہ تراجم کو اسی نسخہ جرمین کی مدد سے مرتب کیا اور عطا کا کوئی نے اس حصے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۱۹۶۷ء کو مع متن فارسی شائع ہوا جس میں اردو کے ۳۱ شعراء کے احوال ہیں۔

اس تذکرہ میں شعراء کے تراجم ان کے تخلص کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ اس کا آغاز میر مظفر علی آہ پھلواروی سے ہوتا ہے اور آخرین احوال خواجہ یعقوب علی یعقوب کے ہیں۔

اس تذکرہ کی نثر مصنوع اور متکلفانہ ہے، مؤلف شعراء کو بہت قریب سے جاننے کے باوجود ان کے بارے میں سوانحی مواد فراہم نہیں کر سکے یہاں تک کہ ایک دو کے سوا باقی کسی کا سال ولادت یا وفات درج نہیں کیا، اس طرح ان حضرات کے حالات پردہ خفا میں رہ گئے، ان میں سے صرف ۱۱۹ مصاب کے احوال کچھ تفصیل سے لکھے ہیں، سات شعراء تو ایسے ہیں جو اصلاً ایرانی تھے لیکن وہ ہندوستان میں رہتے تھے ان میں سے اسماعیل قزوینی، محمد جواد حاجب شیرازی، میرزا خلیل اللہ خان سفیر شیرازی، عبدالرحیم شیرازی اور صادق ایرانی قابل ذکر ہیں۔ (تاریخ تذکرہ ہائی فارسی ۱/ ۶۷۹)

اس تذکرہ سے ۱۲-۱۳ صدی کے ہندوستان کا فارسی ادب ترقی پذیر معلوم نہیں ہوتا بلکہ انحطاط کا شکار معلوم ہوتا ہے۔

اس تذکرہ کا واحد خطی نسخہ جرمین کے ٹوبنگن کتابخانہ میں (بہ شمارہ ۶۶۵) موجود ہے، اس نسخے کا تعارف پرنسٹن (Sprenger) نے اپنی فہرست میں کروایا ہے اور تذکرہ میں شامل شعراء کی فہرست بھی دی ہے (Storey, Vol.I, Part II, p.885)

مآخذ

- ۱۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران ۱۹۶۴ء
- ۲۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی، تہران، ۱۳۵۰ ش
- ۳۔ مست، ذوالفقار علی: ملخص ریاض الوفاق مرتبہ عبدالرسول خیامپور، تبریز، ۱۳۴۳ ش
- ۴۔ ایضاً: ریاض الوفاق (بخش شعرائے اردو) مرتبہ سید حسن و اردو ترجمہ عطا کا کوی، پٹنہ، بہار، ۱۹۶۷ء
- 5- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم محمد صادق

حکیم غلام مرتضیٰ خان (ف ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء) بن حکیم محمد صادق (ف ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء) بن اشرف الحکماء حکیم محمد شریف خان (۱۱۳۸-۱۲۳۱ھ / ۱۷۲۵-۱۸۱۵ء، بانی خاندان شریفی) اس خانوادہ کے اسلاف کا تعلق کاشغر سے تھا اور معروف نقشبندی شیخ طریقت خواجہ عبید اللہ احرار (ف ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔

حکیم محمد شریف خان نے روایتی طب یونانی میں ہندوستانی آیور ویدک کو ملا کر اس میں ایسی روح پھونکی کہ اس کے کامیاب معالج بن گئے۔

ان کے فرزند سوم حکیم محمد صادق نے فارسی میں کئی کتابیں فن طب میں تصنیف کیں۔ ان کے فرزند اصغر حکیم غلام مرتضیٰ خان نے طب اپنے والد سے پڑھی اور اس میں مہارت تامہ حاصل کی ان کی شہرت ہندوستان کی ریاستوں تک پہنچی تو پٹیالہ کے مہاراجہ نرندر سنگھ (Narindar Singh) (۱۸۴۶-۱۸۶۲ء) نے انہیں اپنے ہاں بلا کر بڑے اعزاز سے ریاستی طبیب کا درجہ دیا۔ ان کے بڑے بھائی حکیم محمود خان پہلے ہی ریاست میں شامی طبیب تھے، ان دونوں بھائیوں کی مساعی سے پٹیالہ میں علم طب کے فروغ کے لیے ایک مدرسہ بھوپ اندرا طبیبہ کالج (Bhup Indra Tibbia College) قائم ہوا۔ (خاندان شریفی، شخصیات و معمولات طب ۱۵-۲۵) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہولناک فضا میں حکیم غلام مرتضیٰ خان پٹیالہ میں تھے۔ انہوں نے ان حالات میں دہلی میں جہاں ان کا آبائی مسکن شریف منزل تھا جانا چاہا تو ریاست کے مہاراجہ نے جو اس وقت ایٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں سرگرم تھا، انگریز افسروں سے کہا کہ وہ دہلی میں شریف منزل کی حفاظت کریں چنانچہ خود ریاست کی فوج نے اس مقام کی حفاظت کی اور بے شمار افراد دہلی میں اس حویلی میں پناہ لے کر محفوظ رہے، حکیم غلام مرتضیٰ کے بڑے بھائی حکیم محمود خان (ف ۱۸۹۲ء) ریاست جیند (Jind) میں تھے اور انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کے وقت ریاست

پٹیالہ کی معاون فوج میں تھے اور انہوں نے دہلی کی تباہی کے لرزہ خیز مناظر دیکھے تھے، وہ جنگ کے اختتام پر گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن اپریل ۱۸۵۸ء کو رہا کر دیئے گئے تھے۔ (تاریخ صحافتِ اردو / ۱۶۰)

حکیم غلام مرتضیٰ خان کے معروف شاعر میرزا غالب کے ساتھ اچھے مراسم تھے، غالب نے ۱۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو ایک سفارشی خط بھی لکھا جس میں انہیں ”خان صاحب جمیل المناقب“ لکھ کر مخاطب کیا تھا (غالب کے خطوط ۷۵۶/۲)

حکیم غلام مرتضیٰ نے اپنے بزرگوں کی طبی کتابوں پر نظر ثانی کی زادِ غریب ان کے والد حکیم محمد صادق خان میں کئی ابواب کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ، دو رفیق (ابواب) پر مشتمل ہے رفیق اول در تدبیر مسافران بری، رفیق دوم در تدبیر مسافران بحری، ہر رفیق میں کئی فصلیں ہیں جنہیں طریق کا عنوان دیا گیا ہے یہ کتاب مطبع نوکسٹور لکھنؤ سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

حکیم محمد صادق کی دوسری طبی کتاب مخازنِ التعلیم ہے جو فارسی نثر میں ہے۔ جو انہوں نے ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۹ء میں تالیف کی تھی۔ وہ اس میں دیسی ادویہ مفردہ و مرکبہ کا اضافہ کرنا چاہتے تھے لیکن موت نے انہیں موقع نہ دیا۔ اور وفات کے وقت انہوں نے اپنے فرزند حکیم غلام مرتضیٰ سے اس کی تکمیل کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو پورا کر دیا۔ اور اس پر ایک جداگانہ دیباچہ لکھا جس میں اس امر کا اظہار بھی کیا۔ (فہرست مشترک ۱/ ۷۳۱)

اس خاندان کے فرد فرید حکیم واصل خان (ف ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء) نے اپنے طبی تجربات اور مشاہدات علاج الامراض کے نام سے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے بعد میں آنے والوں نے اس میں اپنے تجربات کا اضافہ کیا، اس میں حکیم غلام مرتضیٰ خان بھی شامل ہیں انہوں نے اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی جو خلاصہ علاج الامراض کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی خاندانی کتاب عجائبِ نافعہ تالیف حکیم محمد شریف خان بھی از سر نو مرتب کی (خاندان شریفی ۲۶) علاج الامراض کا ایک ایسا خطی نسخہ بخط حکیم غلام مرتضیٰ خان، حکیم محمد نبی خان جمال سویدا، گلبرگ لاہور کے پاس موجود ہے۔ جس میں حکیم غلام مرتضیٰ نے ایک جداگانہ دیباچہ کا اضافہ کیا ہے (فہرست مشترک ۱/ ۶۵۰)

حکیم غلام مرتضیٰ کے دو فرزند تھے بڑے حکیم غلام رضا خان بھی اپنے والد کے ہمراہ ریاست پٹیالہ میں رہتے تھے۔ وہ خالص ادبی شخصیت کے مالک تھے میرزا غالب سے مراسلت بھی تھی (میرزا غالب کے خطوط ۴/ ۱۳) ۱۸۶۵ء کو دہلی سوسائٹی کے نام سے ایک انجن قائم ہوئی جس کے ارکان اس وقت کے اکابر ادبا تھے ان میں حکیم غلام رضا بھی شامل تھے (واقعات، دارالحکومت دہلی ۲/ ۴۰۷) ان حضرات نے اکمل الاخیار اپنی حویلی بلیماران دہلی سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء جاری کیا اور ایک مطبع اکمل المطابع بھی قائم کیا جو حکیم شریف خان کے والد حکیم اکمل خان کے نام پر رکھا گیا تھا (دلی اور طب یونانی ۲۱۴، خاندان شریفی ۲۷) حکیم غلام مرتضیٰ کے دوسرے بیٹے خان بہادر حکیم احمد سعید خان (ف ۱۹۳۰ء) کا دہلی میں محلہ بلیماران میں کامیاب مطب تھا۔ حکومت برطانیہ نے ان کو ”خان بہادر“ کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ معروف طبیب مسیح الملک حکیم اجمل خان (ف ۱۹۲۷ء) کے بہنوئی تھے، ان کے فرزند حکیم غلام کبریا (عرف بھورے میاں ف ۱۹۳۵ء) طبیب ہونے کے ساتھ اردو کے شاعر بھی تھے۔ (سخن شعراء ۴۴۶، واقعات دارالحکومت ۲/ ۲۴۲ بعد خاندان شریفی ۲۹)

خاندان شریفی کے ان متاخر حکماء نے یونانی طب کو جدید خطوط پر استوار کیا اور سرسید احمد خان (ف ۱۸۹۸ء) کی جدیدیت کی تحریک سے متاثر ہو کر جدید علم طب کے لیے کئی مدرسے اور طبی کالج قائم کیے۔

مآخذ

- ۱۔ احمد فزوی: فہرست مشترک نسخہ خطی فارسی پاکستان، ج ۱، اسلام آباد ۱۹۸۳ء
- ۲۔ امداد صابری: تاریخ صحافت اردو، دہلی ج ۱، ۱۹۵۳ء، ج ۲، ۱۳۷۳ھ
- ۳۔ احسان اللہ خان: تذکرۃ الخواجگان (احوال اکابر خاندان شریفی) گوالیا، ۱۹۳۱ء
- ۴۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۱۹ء
- ۵۔ حبیب الرحمن، حکیم، سید: ہندوستان کے مشہور اطباء، دہلی، ۱۹۹۸ء
- ۶۔ خلیق انجم (مرتب) غالب کے خطوط، ج ۲، ج ۳، کراچی ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۵ء
- ۷۔ ظل الرحمن، حکیم: دلی اور طب یونانی، لاہور، ۱۹۹۷ء
- ۸۔ فہرست میکرو فلم نسخہ ہای خطی فارسی و عربی ذخیرہ حکیم سید ظل الرحمن، دہلی، ۱۳۸۰ش

- طب اسلامی برصغیر میں (نادر طبی مخطوطات پر منعقدہ سیمینار کے مقالات) پٹنہ، ۱۹۸۸ء
- ۸- محمد کمال الدین حسین ہمدانی: خاندان شریفی، شخصیات و معمولات طب، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۹- محمد حسن خان، خلیفہ: تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء
- ۱۰- محمود نجم آبادی: فہرست کتابہائے چاپی فارسی طبی، تہران، (دانشگا۔ ۱۳۴۲ ش)
- ۱۱- نساج، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ مطبع نوکسور، ۱۲۹۱ھ

12- Fauja Singh (ed): Patiala and its Historical Surroundings, Patiala, Panjabi University, 1968.

۲۵ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ تہران

مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی

حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی تیرھویں صدی ہجری کے مشہور علماء و مدرسین میں سے تھے۔

حافظ محمد جمال الدین کے والد محمد صالح بن محمد شریف بھی ایک ذی علم بزرگ تھے وہ مظفر گڑھ سے ملتان آ گئے، جہاں ان کے فرزند محمد جمال الدین تولد ہوئے انہوں نے مضافات ملتان کے ایک قصبہ گھوٹہ میں طرح اقامت ڈالی۔

حافظ محمد جمال نے عمر بھر درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ملتان میں ہی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو انتقال ہوا۔ (فہرست مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

تالیفات

۱۔ شرح عوالم منظوم

یہ کتاب ابن حسام، کمال الدین بن جمال الدین بن حسام کی علم نحو میں ایک مختصر سا منظومہ ہے، جو انہوں نے خسرو غازی معز الدین حسین فرمانروائے ہرات (۷۳۲-۷۷۲ھ / ۱۳۳۱-۱۳۷۰ء) کے نام معنون کی اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں جن میں سے ایک فارسی شرح حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی کی ہے، جس کا ایک خطی نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی بھکر میں ہے، جو شارح کے حین حیات ۱۳۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ (فہرست مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

۲۔ صرف زبان عربی

یہ رسالہ قوانین گھوٹوی کے نام سے بھی معروف ہے، اس کے دو خطی نسخے پائے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے اس موضوع پر مختلف اوقات میں دو شرحیں لکھیں کیوں کہ دونوں کا آغاز بھی مختلف ہے۔

اس کا ایک نسخہ مدرسۃ العلوم الشریعہ جامعہ غوثیہ، بھل، بھکر میں ہے، جس کا نام قوانین گھوٹوی ہے اور دوسرا نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی، بھکر میں ہے۔ (فہرست مشترک ۲۶۴۰/۱۳)

۳۔ قوانین صرف

اسی موضوع پر شیخ جمال الدین کے رسالہ قوانین صرف کو مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ قوانین صرف کے حواشی پر نقل کیا ہے جو مطبع گلزار محمدی (لاہور) سے ۱۳۳۳ھ کو طبع ہوا ہے، شیخ محشی کا نام ”افضل المحققین۔۔۔ حافظ محمد جمال الحق والدین لکھا ہوا ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء
- ۲۔ اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء
- ۳۔ کمالہ، عمر رضا: معجم المؤلفین، بیروت، ۱۹۶۱ء
- ۴۔ حاجی خلیفہ: کشف القنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقیا، (طبع عکسی) بیروت (س ن)
- ۵۔ محمد گھلو، مولوی: خیر الاذکار فی مناقب الابرار مرتبہ عبدالعزیز، ساحر واہ کینٹ، ۲۰۱۰ء

۷ نومبر ۲۰۰۴ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

قاضی فقیر محمد (مؤلف جامع التواریخ)

قاضی فقیر محمد (۱۱۸۹-۱۲۵۹ھ / ۱۷۷۵-۱۸۴۴ء) مورخ اور فارسی کے ادیب تھے، ان کا نسب مشہور سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ پر منتہی ہوتا ہے، اس خاندان کے بزرگوں میں سے شاہ عین الدین محمد (ف ۱۰۳۱ھ / ۱۶۳۱ء) پہلے فرد ہیں جو بغداد سے ۱۰۳۳ھ / ۱۶۶۳ء کو دہلی آئے۔

ان کے فرزند عبدالرسول کو شاہ جہان (حکومت ۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) نے فتح آباد چک بھونہ ضلع فرید پور، بنگال (Fatihabad, Chaklah of Bhusnah, Faridpur, Bengal) کا قاضی مقرر کیا اور وہ وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالوہاب نے مسند قضا سنبھالی تو اورنگ زیب عالمگیر (حکومت ۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) نے انہیں موضع راجہ بنی (Mauzah Rajabenee)، بنگال میں جاگیر دی، انہوں نے ایک اور علاقے راجہ پور (Rajapur) میں بھی زمین حاصل کر لی اور وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد نسل اور نسل قاضی محمد اشرف، قاضی عبدالشکور، قاضی محمد شفیع اور قاضی محمد رضا (ف ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) نے یہ خدمات انجام دیں، یہی موخر الذکر فقیر محمد کے والد تھے۔ جنہوں نے اپنا آبائی شغل درس و تدریس و قضا چھوڑ کر ہندوستان کی برطانوی حکومت کی ملازمت اختیار کر لی اور انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ۲۸ سال تک صدر دیوانی اور نظامت عدالت کلکتہ میں خدمات انجام دیں۔

قاضی فقیر محمد کی تین بیویوں سے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی، فرزندوں میں عبدالحمید (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) فقہ و اصول میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کے دوسرے فرزند مولوی عبدالباری صید (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) اردو و فارسی کے شاعر تھے (سخن شعراء ۲۸۶)، قاضی فقیر محمد کے دو بیٹے بہت نامور ہوئے ہیں، ان میں عبدالغفور نساخ (۱۲۴۹-۱۳۰۶ھ / ۱۸۳۳-۱۸۸۹ء) فارسی و اردو کے شاعر اور شاعروں کے مشہور تذکرہ سخن شعراء کے مؤلف تھے، فقیر محمد کے سب سے مشہور فرزند نواب بہادر

عبد اللطیف خان (۱۸۲۸-۱۸۹۳ء / ۱۲۳۴-۱۳۱۱ھ) تھے، موصوف بنگال کے برطانوی دور حکومت میں مسلمانوں کی بیداری اور ترقی کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۸۴۹ء کو وہ ڈہلی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور ۱۸۸۵ء کو بھوپال (Bhopal) کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سر سید احمد خان کی طرح ان کی کوششیں بھی قابل قدر ہیں:

(خود نوشت سوانح عبدالغفور نساخ، مشمولہ نساخ، حیات و تصانیف مؤلفہ محمد صدر الحق ۲۷۳-۲۸۱)

Enamul Haque: Nawab Bahadur Abdul Latif, pp. 122-134, 156-186، آئینہ

وہی مؤلفہ محمد مطیع الرحمن ۱۲۸، ۱۶۷، وہ بعد، مشرقی بنگال میں اردو مؤلفہ اقبال عظیم ۸۲، ۷۱ وہ بعد

قاضی فقیر محمد کلکتہ کی عدالت کی نظامت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فارسی ادیب بھی تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے افسران کی نظروں میں بھی معزز تھے، وہ فارسی کی کئی کتابوں کے مؤلف تھے (انعام الحق ۱۲۳) ان کی ایک تالیف منتخب النجوم بھی ہے (محمد صدر الحق ۴۲)

فقیر محمد کی سب سے مشہور کتاب جامع التواریخ ہے، جو مؤلف نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء کو مکمل کی، یہ ایک عمومی تاریخ ہے جو حسب ذیل چودہ فصول پر مشتمل ہے: (۱) تخلیق کائنات (۲) انبیائے کرام (۳) فلسفیان (۴) ایران کے قدیم شہنشاہان (۵) محمد رسول اللہ ﷺ (۶) خلفائے راشدین (۷) ائمہ کرام (۸) بنو امیہ (۹) بنو عباس (۱۰) عباسیوں کی معاصر مقامی حکومتیں (جس میں ۱۹ گفتار ہیں) (۱۱) ترکستان کے خوانین و مغول (۱۲) تیموریان، مرہٹے، اودھ اور بنگال کے حکمران (۱۳) جغرافیہ (۱۴) ہندو اور ہندوستان کی مقامی ریاستیں، تاریخ امریکہ۔

جامع التواریخ کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن اور دو نسخے برٹش میوزیم لائبریری، لندن میں موجود ہیں (سنوری: ادبیات فارسی ۱/۱ / ۱۵۰) ایک نسخہ جامعہ ہمدرد کراچی کے کتابخانہ کی زینت ہے (فہرست مشترک ۱۰ / ۱۳۶)

جامع التواریخ مؤلف کے حین حیات ہی کلکتہ سے ۱۸۳۶ء کو طبع ہو کر مقبول ہو گئی تھی، اس کے بعد مطبع لوکسور، لکھنؤ سے اس کے دو مزید ایڈیشن ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئے موخر الذکر طباعت کے آغاز میں

موکف کے قابل فرزند نواب بہادر عبداللطیف خان مذکور کا ایک دیباچہ بھی ہے جس میں انہوں نے موکف کے مختصر حالات و اوصاف بیان کیے ہیں۔

جامع التواریخ قدیم تاریخ کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی پہلے سے موجود اور متعارف کتب تاریخ سے نقل و اقتباس کیا گیا ہے، البتہ ہندوستان کے متاخر مغل سلاطین، مرہٹوں اور بنگال و اودھ کی تاریخ کے لیے اس میں خاصا مواد موجود ہے، امریکہ کی تاریخ پر بھی کتاب کے آخر میں موکف نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے انگریز دوستوں کی زبانی تحریر کیا ہے، معروف مورخ ایلٹ نے اس کے کچھ اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ دیا ہے (ایلٹ: تاریخ ہند ۸ / ۴۲۵-۴۲۹)

ماخذ

- ۱۔ نساخ، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۲۹۱ھ
- ۲۔ ایضاً: قطعہ منتخب، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۲۹۱ھ
- ۳۔ محمد مطبع الرحمن: آئینہ ویسی، پٹنہ، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ اقبال عظیم: مشرقی بنگال میں اردو، ڈھاکہ، ۱۹۵۴ء
- ۵۔ محمد صدر الحق: نساخ (حیات و تصانیف) کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۹ء
- ۶۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
- ۷۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ، ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء
- ۸۔ فقیر محمد: جامع التواریخ، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۸۷۴ء
- ۹۔ حبیب الرحمن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، مرتبہ عارف نوشاہی، ۱۹۹۵ء
- ۱۰۔ ایضاً: آسودگان ڈھاکہ، ڈھاکہ، ۱۹۴۶ء

- 12- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.
- 13- Elliot, and Dowson: History of India as told by its own Historions, Lahore, 1984.
- 14- Enamul Haque: Nawab Bahadur, Abdul Latif, His writings and Related Documents, Dacca, 1968.

-
- 15- Rieu, C: Cat. of Persian MSS. in the British Museum, London, 1883. .
 - 16- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شعبہ قارہ، تہران

مولانا غلام محمد اسلمی (مولف تنبیہ الغافلین)

مولانا غلام محمد اسلمی مدرسی تیرھویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے تھے۔

حافظ غلام محمد بن محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی (مختصر تحفۃ الاثناء عشریہ ص ۲) کی ولادت مدراس (Madras)

بنگال کا ایک اہم خطہ) میں ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء کو ہوئی (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱)

مولانا اسلمی کے والد اور دادا اکابر علماء میں سے تھے اور میسور کے حکمرانوں نواب حیدر علی اور ٹیپو

سلطان کے عہد (۱۷۲۲-۱۷۹۹ء) میں ریاست کے معززین میں سے تھے۔

مولانا اسلمی نے تحصیل و تکمیل ملا عبد العلی بحر العلوم ملقب بہ سلطان العلماء (۱۱۴۴-۱۲۲۵ھ /

۱۷۳۱-۱۸۱۰ء) کی خدمت میں کی۔ (حدیقۃ المرام ۱۹) ملا بحر العلوم نواب محمد علی والہ جاہ (ف ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء)

کی درخواست پر ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء کو مدراس آگئے اور باقی زندگی وہیں درس و تدریس میں گزاری (بحر العلوم مولفہ محمد یوسف کوکن عمری ص ۱-۲) قیاس ہے کہ مولانا اسلمی نے یہیں مدراس میں ان کی خدمت میں تحصیل کی ہوگی۔

نواب محمد علی والہ جاہ کی وفات کے بعد ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو ان کے فرزند عمدة الامراء جانشین ہوئے اور

صرف چھ سال بعد ہی ۱۲۲۶ھ / ۱۸۰۱ء میں انتقال کر گئے ان کا عہد بھی ہندوستان بھر کے علماء و شعراء کے لیے

پرکشش تھا۔ ان کے بعد ۱۲۱۶ھ / ۱۸۶۱ء کو ان کے بیٹے عبد العلی خان عظیم الدولہ کے لقب سے جانشین بنے۔ یہی

مولانا اسلمی کے مربی تھے۔ انہی کے عہد میں مولانا اسلمی نے شاعبد العزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)

کی معروف فارسی تالیف تحفۃ اثناء عشریہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا (مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ ص ۵ مقدمہ) عظیم الدولہ

کے عہد میں انہوں نے مدتوں درس و تدریس کے فرائض ہی انجام دیئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱) والا جاہی دربار

میں ان کی بہت ہی قدر و منزلت تھی اور انہیں ریاست مدراس کی جانب سے وکالت کا عہدہ دے کر حرمین الشریفین

میں متعین کیا گیا تھا یعنی ریاست کی طرف سے جس قدر نذر و نیاز مقامات مقدسہ کے لیے بھیجی جاتی تھیں سب کا بندوبست یہی مولانا سلمیٰ کرتے تھے۔ (تاریخ النوائط ۴۶۳)

۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۷ء کو انہیں ریاست کی طرف سے سراج العلماء حافظ محمد اسلم خان بہادر کا خطاب ملا (ہمانجا ۴۶۳) اور اسی خطاب کی مناسبت سے وہ سلمیٰ کے عرف سے مشہور ہوئے تھے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ کا تعلق علماء و فضلاء کی ایک معروف قوم نانٹلی (Naiti) سے تھا۔ (تاریخ النوائط ۴۶۲)

قوم نانٹلی کے اکثر افراد و علماء مسلکاً حنفی تھے صرف وہ خاندان جو بعد میں مدرائیں میں مینمبور (Menmboor) کے علاقے میں جا بے وہ شافعی تھے ان میں مولانا سلمیٰ اور ان کا خانوادہ بھی شامل ہے۔ (خانوادہ

قاضی بدر الدولہ ص ۱۹)

مولانا سلمیٰ علوم معقول میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ عربی و فارسی دونوں علمی زبانوں پر کابل و سترس رکھتے تھے۔ مولانا سلمیٰ نے مدراس کے علاقہ سعید آباد میں اپنی رہائش کے لیے مکانات اور باغ اور اپنے لیے ایک مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ حرمین الشریفین سے واپس مدراس آکر مختصر قیام کے بعد اپنے دوست و احباب سے ملاقات کے لیے حیدر آباد دکن اور اورنگ آباد بھی گئے پھر اپنے مستقر میں واپس آ گئے (حدیقۃ المرام ۱۹، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ نے باختلاف روایت ۱۱ محرم، محرم ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶-۵۵ء میں انتقال کیا۔ (حدیقۃ المرام ۱۹، تاریخ النوائط ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ کئی اہم دینی کتابوں کے مؤلف تھے ہمیں تا حال ان کی صرف حسب ذیل تالیفات کا علم ہو

سکا ہے:

۱۔ الترجمة العبریة والصولة الحمیدیة:

یہ اہل تشیع کے رد میں لکھی جانے والی معرکہ آرا کتاب تحفہ اثناء عشریہ تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) کا عربی میں ترجمہ ہے۔ مولانا سلمیٰ نے یہ ترجمہ عظیم الدولہ مذکور کی فرمائش پر مدراس میں ۵ شعبان ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء کو مکمل کیا۔ (مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ، مقدمہ)

مترجم نے اس میں کئی مقامات پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ خاصاً ضخیم ہے اس کے ایک خطی نسخہ کے صفحات ۱۰۵۱ ہیں ۱۳۰۱ھ میں سید محمود شکاری الالوسی نے اس ترجمے کی تلخیص و تہذیب تیار کی جو ۱۳۱۵ھ میں بمبئی (Bomby) سے طبع ہوئی پھر اس ایڈیشن کو شیخ محمد نصیف نے اغلاط سے پاک کر کے مصر سے شائع کیا۔ اصل عربی ترجمے کے خطی نسخے خدا بخش لاہوری، پٹنہ اور کتابخانہ آصفیہ میں محفوظ ہیں۔

(Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, pp 389.90)

یہ عربی ترجمہ کتاب کے مؤلف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حین حیات ہوا تھا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آرکائٹ کے والی نے اس کا عربی ترجمہ کروا کر عرب بھیجا تھا (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۷۰)

۲۔ سفینۃ النجاة:

اختلافی مسائل پر یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا عبدالحی حسنی کو تجل حسین گوپاموی (درہند) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا (زہدہ الخواطر ۷ / ۴۴۳) گویا علم عقائد میں یہ ایک مبسوط کتاب ہے (تاریخ النوائظ ۴۶۳) تعلیقات الرزینہ فی شرح السفینۃ کے نام سے کتابخانہ آصفیہ میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (ادبیات فارسی، برگل ۱ / ۲۶)

۳۔ تنبیہ الغافلین:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور رد و ہابیہ ہی کے موضوع پر ہے۔ ان کے زمانے میں مدراس میں تقلید و عدم تقلید کے نام پر بحثیں بہت زور پکڑ گئی تھیں۔ مولانا اسلمی نے جو مسلک شافعی تھے اس رسالے میں تقلید کے جواز میں دلائل دے کر اپنے معاصر علماء سے دستخط کروائے تھے۔

عرصہ ہوا اس رسالے کا ایک خطی نسخہ عبدالعزیز نظام آبادی تاجر مخطوطات (لاہور) کے پاس دیکھا تھا، دوسرے کسی نسخے کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے۔

۴۔ مواہب الرحمن:

مولانا اسلمی نے اپنی آخری عمر میں وفات سے دس دن قبل قرآن پاک کی ایک تفسیر فارسی نثر میں لکھی تھی۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں مرتب ہوئی، مؤلف نے اس میں عقلی و نقلی دلائل سے خوب بحثیں کی ہیں۔

زیادہ تر شوافع سے استنباط کیا ہے جسے فارسی میں ہندوستان میں لکھی جانے والی ایسی تفسیروں میں اہم درجہ حاصل ہے۔ کیوں کہ اکثر تفاسیر حنفی مکتب فکر کے علماء کی تالیف ہیں غیر حنفی تفسیریں بہت کم لکھی گئی ہیں ان میں مواہب الرحمن شافعی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

مواہب الرحمن کی کتابت و تصحیح سید سعد الدین بن مولوی جعفر نے کی تھی جو مولف کے رفقاء میں سے تھے (حدیثہ المرام ۳۲)

اس کتاب کے آخری دو اجزاء مطبع جامع الاخبار، مدراس سے ۱۲۶۱ھ میں طبع ہوئے۔
مولانا سلمیٰ نے تحفہ اشعار عشریہ کے ترجمہ میں اپنا نام غلام محمد لکھا ہے لیکن مذکورہ بالا تمام تذکروں میں ان کا نام محمد سعید درج ہوا ہے۔ ان کا لقب سعید تھا (تاریخ النوائط ۴۶۲) یقیناً تذکرہ نویسوں نے اسی لقب کو ان کا اصل نام سمجھ لیا ہو گا، سلمیٰ کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے جو طبع نہیں ہوا۔

ماخذ

- ۱۔ سلمیٰ، غلام محمد: مختصر تحفۃ الاشعار عشریہ، تلخیص و تہذیب محمود شکاری الوسی، استانبول، ترکی ۱۹۷۶ء
- ۲۔ برگل: ادبیات فارسی بر بنیاد تالیف استوری ترجمہ یحییٰ آریں پور، تہران ۱۳۵۳ء
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۷، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۹ء
- ۴۔ ایضاً: الثقافة الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء
- ۵۔ عبدالعزیز محدث دہلوی: ملفوظات شاہ عبدالعزیز اردو ترجمہ محمد علی لطفی، کراچی ۱۹۶۰ء
- ۶۔ ایضاً: فضائل صحابہ و اہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۷ء
- ۷۔ عزیز جنگ: تاریخ النوائط، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۲ھ
- ۸۔ کوکن، محمد یوسف عمری: خانوادہ قاضی بدرالدولہ، مدراس ۱۹۶۱ء
- ۹۔ ایضاً: بحر العلوم (سوانح، تالیفات) مدراس ۱۹۶۰ء
- ۱۰۔ الرحمن علی: تذکرہ علماء ہند، ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۱۔ ناظر، غلام عبدالقادر: بہار اعظم جانی (رودادِ سفر نواب اعظم جاہ بہادر ۱۲۳۸ھ) مرتبہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس ۱۹۶۱ء

۱۲۔ واصف، محمد مہدی: حدیقتہ المرام (تذکرہ علماء مدراس) ترجمہ سخاوت مرزا۔ کراچی ۱۹۸۲ء

- 13- Kokan, M. Yusuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1982.
- 14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970
- 15- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۶ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین خان بہادر (مؤلف محامد حمادیہ)

۶

شیخ برہان الدین تیرہویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر تذکرہ نویس اور تصوف دوست بزرگ تھے۔

حاجی حافظ سید محمد برہان الدین کے والد سید محمد نور الحسن خان بہادر تیرہویں صدی ہجری کے ممتاز اصحاب علم و دانش میں سے تھے نوابانِ دکن (Deccan) کے انتظامی شعبوں میں معزز عہدوں پر کام کرتے رہے، انہیں ریاست حیدر آباد کی طرف سے ”خان بہادر“ کا خطاب بھی ملا تھا۔ (محامد حمادیہ ۲ / ۱۰۱۳)

حافظ برہان الدین نے دکن کی علمی فضا میں پرورش پائی، اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل کے بعد ریاست کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس خانوادے کا قادری سلسلہ طریقت سے روحانی تعلق تھا۔ ان کے مرشد ملک شاہ محمود قادری تیرہویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔ جن کے جد اعلیٰ ملک محمود پیارہ (Piare) دکن کے فاروقی سلاطین کے وزیر زادے تھے، ملازمت ترک کر کے شاہ منصور کی خدمت میں بیعت ہوئے اور گجرات میں ۱۰۰۰ھ / ۹۱-۱۵۹۲ء کو انتقال ہوا۔ مثنوی مولانا روم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا (محبوب ذی المنن ۲ / ۹۱۳-۹۱۵) حافظ برہان الدین کو بھی اپنے والد کا خطاب ”خان بہادر“ ریاست حیدر آباد کی طرف سے ملا تھا۔ ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا معروف عالم مولانا عنایت اللہ بن کرامت اللہ اسرائیلی دہلوی ثم حیدر آبادی (متوفی ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) سے قریبی تعلقات تھے (نزہۃ الخواطر ۸ / ۳۳۷) حافظ برہان الدین کے مرشد زادے شاہ غلام محمد قادری جو خود ایک عمدہ نثر نویس اور فارسی شاعر تھے حافظ صاحب پر خاص مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے محامد حمادیہ میں ان کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے (۲ / ۹۸۹)

ان کے علاوہ متعدد ہم عصر اہل علم مثلاً حافظ محمد علیم اللہ متخلص بہ نطق، حکیم مظفر الدین خان متخلص مزاج جیسے فارسی شعراء عمر کے ساتھ نشست و برخاست رہتی تھی۔ (حمانجا ۲ / ۹۹۱-۱۰۱۵)

حافظ برہان الدین کے صرف ایک فرزند سید عبدالصمد کا ہمیں علم ہے، انہوں نے محمد حمادیہ پر فارسی میں ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

حافظ برہان الدین کا سال وفات تذکرہ نویسوں نے درج نہیں کیا۔ ان کی تالیف محمد حمادیہ ۱۲۹۸ھ میں مکمل ہوئی جب کہ وہ سن رسیدہ تھے، قیاس ہے کہ آغاز ۱۳۰۰ھ / ۸۲-۱۸۸۳ء کو انتقال ہوا ہو گا۔ معلوم نہیں احمد منزوی نے ان کا سال وفات ۸۲۵ھ کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ (فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲ / ۱ / ۱۳۶۳، فہرست مشترک ۱۲ / ۲۳۱۸) یقیناً انہیں غلط فہمی ہوئی ہے ان کی محولہ فہارس خصوصاً تذکرہ مخطوطات (۲ / ۱۵۹) میں ان کی تالیف محمد حمادیہ کا سال تالیف ۱۲۹۸ھ واضح الفاظ میں درج ہے، لہذا اس سنہ کا مؤلف ۸۲۵ھ میں کیسے فوت ہو سکتا ہے؟

محمد حمادیہ

حافظ برہان الدین کی صرف ایک تالیف محمد حمادیہ کا تاحال ہمیں علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور قادری سلسلہ کے صوفیہ خصوصاً ملک شاہ محمود قادری اور شاہ غلام محمد قادری کے احوال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں۔

اس کتاب کے محرک مؤلف کے خاص دوست اور عالم مولانا محمد عنایہ العلوی مذکور ہیں، شاہ غلام محمد قادری کو عالم رویا اور مکاشفہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ سے ”حماد ثانی“ کا لقب ملا تھا (حماد ۲ / ۹۱۰) اس لیے اس تذکرے کا نام مؤلف نے ان کے لقب کی مناسبت سے محمد حمادیہ تجویز کیا۔

تذکرہ محمد حمادیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا جو خطی نسخہ جلد دوم مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد، دکن میں ہے صفحہ ۵۸۵ سے ۱۰۱۵ پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ اس کی جلد اول ۵۸۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہوگی، یہ مخطوطہ مؤلف کا خود نوشت نسخہ ہے دوسری جلد شاہ محمود قادری کی اولاد اور قرابت داروں کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے، اس جلد کے چند آخری اجزاء مؤلف کے مرشد زادے سید شاہ غلام محمد قادری متخلص بہ شیدائے آنے لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اس عہد کے نامور شعراء فارسی کے قطعات تاریخ ہیں جن میں شیدائے کور کے

علاوہ حافظ محمد علیم اللہ نطق، مظفر الدین مزاج اور سید عبدالصمد (فرزند مؤلف) کے عربی و فارسی قطعات قابل توجہ ہیں۔ (تذکرہ مخطوطات ۲/ ۱۵۹)

حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۸ھ کو محمد حمادیہ کی ایک جلد (صفحات ۶۰۱) شائع ہوئی تھی۔ یہی ایک جلد خان بابا مشار کے پیش نظر تھی (مؤلفین کتب چالی ۲/ ۱۰۶، فہرست کتابہای چاپی فارسی ۲/ ۲۹۳۱) ("محاکمہ حمادیہ" سہو کتابت ہے) استوری: ادبیات فارسی ۱/ ۲/ ۱۰۵۳۔

مآخذ

- ۱۔ برہان الدین، حافظ: محمد حمادیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۰۸ھ (ج۔ ۱)
- ۲۔ زور، محی الدین قادری: تذکرہ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، ج ۲، دہلی، ۱۹۸۳ء
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸۔ کراچی، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ مشار، خان بابا: مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی، تہران۔ ۱۳۳۰ش
- ۵۔ ایضاً: فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران، ۱۳۵۲ش
- ۶۔ ملکا پوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۱ھ
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ج ۲، تہران، ۱۳۳۹ش
- ۸۔ ایضاً: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان ج ۱۲، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء
- 9- Storey, CA : Persian Literature, London 1970

۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شیخ قارہ

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک بڑے عالم، مفتی، واعظ اور مصنف تھے۔

مفتی کریم اللہ کے حالات زندگی مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں بہت ہی مختصر طور پر درج ہوئے ہیں۔ آپ کے اجداد کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کی نسبت فاروقی^۱ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا لطف اللہ تھے، آپ نے ان کے نام کے ساتھ کوئی لقب یا نسبت درج نہیں کی۔^۲

منشی بشیر الدین احمد دہلوی کی روایت ہے کہ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طرح حنفی مذہب کے جید علماء میں سے تھے۔^۳ جس سے اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ آپ کے والد اور اجداد بھی اکابر علماء میں سے تھے۔

مفتی کریم اللہ کا انتقال ۴ ماہ عید الفطر روزہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو ہوا،^۴ وفات کے وقت عمر نوے سال تھی۔^۵ اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء (۱۲۹۰ - ۹۰ = ۱۲۰۰) کو ہوئی تھی۔

قیاس ہے کہ مفتی کریم اللہ کے والد اور اجداد بھی دہلی کے محلہ قاضی حوض میں رہتے تھے، وہیں ان کی

۱۔ ضمنی: تذکرہ علمائے ہند ۳۹

۲۔ کریم اللہ: صلاح النبیہ، ورق ۱

۳۔ بشیر الدین احمد: اہل سنت دار الحکومت دہلی ۲ / ۱۳

۴۔ عمر سراج الحق: ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۵۔ تذکرہ علمائے ہند ۱۳۹، صاحب خزینۃ الخواطر (۷ / ۳۹۸) نے سال وصال کے لیے ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے لیکن اس وقت ان کے پیش نظر تذکرہ علمائے ہند قلم جہاں سے انہوں

نے سال وفات ۱۲۹۱ء اور عمر نوے سال نقل کر دی حالانکہ ریاض الانوار میں عمر کا عدد موجود ہی نہیں ہے۔

مسجد اور مسکن تھا، جس کے قرائن حسب ذیل ہیں:

اس سلسلہ کی پہلی روایت منشی برکت علی (از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی ہے جنہوں نے شیخ محدث کی خدمت حدیث کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”مولوی کریم اللہ ساکن حوض قاضی“ دوسری روایت بشیر الدین احمد کی ہے جنہوں نے قاضی حوض کے علاقہ میں واقع مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مولوی کریم اللہ کا فرزند بتایا ہے کہ باپ بیٹا دونوں یہیں درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔^۱

معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ قاضی حوض کا یہ محلہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء کو معتبر الدولہ نے آباد کیا اور حوض بنایا^۲ لیکن یہ مسجد اس سے پہلے ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں موجود تھی جسے مولوی کریم اللہ نے از سر نو بنوایا اور توسیع کی،^۳ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء تک مولوی کریم اللہ محلہ لال کنواں میں ہی رہتے تھے^۴۔ جو علاقہ قاضی حوض کی حدود میں واقع ہے۔^۵

اساتذہ

مفتی کریم اللہ کے اساتذہ میں نامی گرامی اصحاب شامل تھے، مثلاً حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء)، مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف ۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۷ء) مولانا محمد کاظم دہلوی،^۶ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی^۷ (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۳ء) بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

۱ برکت علی: مرآۃ المفاتیح ص ۱۰۶

۲ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۱۴۳

۳ بیٹا ۲ / ۱۹۳

۴ بیٹا ۲ / ۳۲۲

۵ محمد انصاری ص ۸۷

۶ واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۲۰۳

۷ بحیث انصاری ص ۸۷

۸ واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۲۰۳

درس و تدریس

مفتی کریم اللہ طالب علمی کے زمانے سے مدرسین کی طرح درس دیتے تھے اور انہیں کتب متداولہ پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ گویا کتابیں انہیں حفظ تھیں چنانچہ دہلی کے معروف عالم و صوفی اخوند شاہ عبدالعزیز دہلوی (ف ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) نے شافیہ ابن حاجب اور شرح ملا جامی انہی ایام میں آپ کی خدمت میں پڑھی تھیں۔

تکمیل کے بعد مفتی کریم اللہ نے جامع مسجد شاہ جہان آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، موصوف وہاں وعظ اور تفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو آپ نے درس تفسیر کو اپنے فرزندوں کی درخواست پر مفتاح النصیحہ کے نام سے جمع کیا تھا، اس کے دوران ہی آپ اپنے آبائی مدرسہ اور مسجد علاقہ قاضی حوض دہلی میں بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ بھی کرتے تھے، ان کے اس مدرسہ میں ان کے فرزند ان گرامی خصوصاً مولوی محمد یعقوب بھی درس دیتے تھے، یہ مدرسہ واقعات دارالحکومت دہلی کی تالیف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء تک جاری تھا کسی فروعی اختلاف کے باعث دہلی کے مشہور شیخ طریقت اور عالم مولانا شاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۳۳۱ھ / ۱۹۲۳ء) عوام کو انہی مولانا محمد یعقوب کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ مولوی کریم اللہ تدریس طلبہ شائق میں مصروف اور عنان ہمت افادہ طالبین کی طرف معطوف رکھتے ہیں مولوی رحمن علی نے انہیں کثیر الدرس لکھا ہے۔

۱۔ محمد عمر راجح الحق: ریاض الاولیاء / ۱۳

۲۔ بیانا / ۱۳، ج ۱۲، صفحہ ۲۵۷

۳۔ مفتاح النصیحہ۔ غلی محلو کہ جناب ظلیل الرحمن قادری مرحوم، لاہور (مخطوطات)

۴۔ جیمہ الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی / ۲، ۱۳

۵۔ زیہ: ابوالحسن قادری: مقالات خیر / ۴۹۳

۶۔ سر سید احمد خان: آئینہ امتداد / ۲، ۹۳

۷۔ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند / ۳۹۷

فتویٰ جہادیر و استخط

۱۸۵۷ء کی انگریزوں کے خلاف بغاوت کو ہندوستان کے علماء نے جہاد قرار دیا تھا اس موقع پر باقاعدہ ایک فتویٰ بھی مرتب ہوا، جس پر اس وقت کے نامی گرامی علماء اور مفتیوں نے اثباتی دستخط کیے، جو اس وقت کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا، جس سے جہاد کا خوب چرچا کیا گیا۔ مفتی کریم اللہ دہلوی چونکہ مفتی تھے اس لیے انہوں نے بھی اس پر دستخط کیے تھے، جس کے جرم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان علماء کو سزائیں دیں، شہید کیا، جہاد کے محرکین میں سے حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور شاہ عبدالغنی مجددی نے حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی، دہلی کے مشہور عالم و واعظ مولوی فرید الدین کو انگریزوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا^۱ اسی طرح بعض دیگر علماء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔^۲ لیکن بعض علماء کے خلاف کوئی اقدام یا کارروائی نہیں کی گئی ان کا انتقال بھی ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا، ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں، جن کے بارے میں کوئی عصری شہادت نہیں ہے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تھی، موصوف نوے سال کی عمر پا کر ۱۸۷۳ء کو فوت ہوئے، نہ تو ان کے معافی مانگنے کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی روپوش ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

غالب گمان ہے کہ موصوف کے چونکہ اخوند مولانا عبدالعزیز دہلوی کے ساتھ گہرے مراسم تھے بلکہ اخوند صاحب مفتی صاحب کے عزیز شاگرد بھی تھے، اور مولانا عبدالحق حقانی (مؤلف تفسیر حقانی) بھی اخوند صاحب کے شاگرد تھے اور مولانا حقانی کے والد خواجہ محمد امیر کے ساتھ بھی قریبی تعلقات کے باعث اخوند صاحب نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی حویلی علاقہ گتھلہ گڑھ میں پناہ لی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان کے ساتھ مفتی کریم اللہ بھی وہاں چلے گئے ہوں اور عام معافی کے اعلان کے بعد واپس دہلی آ گئے ہوں، اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل توجہ ہے کہ مفتی کریم اللہ نے سرسید احمد خان کے خلاف جب کفر کا فتویٰ دیا تو سرسید کے بنا کردہ سکول کو ناپاک

متفق علی: الفاروق ستار، ان، انصار اور ستار می، ۱۹۸-۱۹۹

محمد مظہر محمد ری: ذرا شعراتِ ظہیر، مناقبِ احمدی، مقاماتِ معینہ، ص ۱۹۶-۲۰۱

محرم ربیع الثانی: ریاض النور / ۸۹ حاشیہ

ملفوظات مولانا مفتی محمد امجد علی خان صاحب

عقائد الاسلام مؤلف مولانا محمد رفیع الرحمن، مدرسہ اسلامیہ کراچی۔

قرار دے کر اس میں شرکت کو اسلام کے منافی ہونے کا اعلان کیا تھا، اگر مفتی صاحب نے انگریزوں سے معافی مانگی ہوتی تو سرسید کے خلاف اس کا قسم کا فتویٰ نہ دیتے کیوں کہ اس مدرسہ کی تعمیر میں کمپنی کا مکمل تعاون حاصل تھا، ویسے انگریزوں نے سرسید احمد خان کے کسی مخالف کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

متصلب سنی

مفتی کریم اللہ کا زمانہ نظریاتی اور فکری اعتبار سے نہایت ہیجان انگیز تھا، مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو جس قدر اس دور میں ہوا دی گئی اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، خود انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان رہ کر کمزور ہوتے رہیں اور انہیں ہمارے خلاف متحد ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی (ف ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی کتاب ”تقویت الایمان“ کی اشاعت نے بہت سے اختلافی مسائل چھیڑ دیئے جن سے ملک میں اختلاف کی آندھی چل پڑی، تقلید اور عدم تقلید کے اختلاف نے تو ایسی فضا پیدا کر دی کہ اس سے علماء کے مابین ناقابل عبور خلیج حائل ہو گئی، ترجمان وہابیہ کے مولف نواب محمد صدیق حسن خان (۱۸۳۲-۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے۔^۱ علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر رد و قبول کے اس سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا انگریزوں نے تقویت الایمان کا انگریزی ترجمہ^۲ (۱۸۵۲ء) اس لیے کروایا تھا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ آخر اس میں ہے کیا کہ جس نے ہندوستان کی مذہبی فضا میں اس قدر ہیجان پیدا کر دیا ہے؟

ان حالات میں علماء کے دو گروہ بن گئے ایک متصلب سنی اور دوسرا غیر مقلدین کا، اول الذکر فرقہ کے امام علامہ فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) اور دوسرے کے شاہ اسماعیل دہلوی تھے۔ مفتی کریم اللہ کا تعلق پہلے گروپ سے تھا۔

ان فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف بہت سے رسائل لکھے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان میں شفاعت کے انکار پر ایک مستقل کتاب ”تحقیق الفتویٰ“ کے نام سے

حالیہ الطاف حسین: حیات ۱۹۶۲ء / ۲۸۳

۱۔ اہل السنہ ص ۶۳ ”تقلید پر کرمیت باندھی تحریر و تقریر میں استعمال سب و شتم بلکہ معن طعن کا ہوا، میں نے رد تقلید میں بہت کچھ لکھا“ (میں ۱۵)

۱۲۳۰ھ / ۱۸۲۵ء کو لکھی، جس پر اس عہد کے جن علماء نے تائیدی دستخط کیے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل تھے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے رد میں ایک مستقل کتاب ہادی المصلین لکھی^۱ اسی طرح انہوں نے شاہ اسماعیل کے نظریہ ایصال ثواب کے جواب میں بھی ایک کتاب لکھنے کا خود ذکر کیا ہے کہ ”اثبات الاعمال فی جواب انکار الایصال الثواب البدعہ لمولوی اسماعیل“^۲۔ مفتی کریم اللہ نے اپنے مواعظ میں بھی جابجا شاہ اسماعیل کے معتقدات سے اختلاف کیا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے رسائل کا بھی حوالہ دیا ہے^۳۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد دوسری بڑی متنازعہ شخصیت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی (۱۱۹۷-۱۲۶۲ھ / ۱۷۸۲-۱۸۳۵ء) کی ہے جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ نے اختلاف کیا اور ان کی کتاب ”مآۃ المسائل“ میں شامل کئی مسائل کا رد لکھا، مفتی صاحب نے اپنے ان رسائل کا ذکر اپنے مواعظ کے ایک مجموعہ ”مفتاح النصیحة“ میں کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کیا گیا، گویا شاہ محمد اسحق جنہوں نے ہندوستان سے ۱۲۵۸ھ کو حرمین الشریفین ہجرت کی ابھی دہلی میں ہی تھے، مفتی صاحب نے کتاب مآۃ المسائل کے شاہ اسحق کی تالیف ہونے پر کسی تعجب یا تردد کا اظہار نہیں کیا، چند اشارات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک اندراج سے تو واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسحق کی مآۃ المسائل کے رد میں پورا رسالہ

لکھا تھا:

۱۔ فضل حق خیر آبادی: فضیلت السنوی سرچہ مجدد عظیم شرف قادری، بریل، سرگودھا ۱۹۷۹ء، ص ۷۳

۲۔ فضل احمد لدھیانوی: اذکار الالباب ص ۱۱ / ۱۳۱

۳۔ کریم اللہ: مفتاح النصیحة، طبعی ورق، ۲۷۰ پ

۴۔ مینارِ قادری، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴

ان البدعة الحسنه متفق علیہا من ائمة الاربعة فانقل من رسالتی تحقیق الحق
فی جواب مایة المسائل لولوی اسحق من تألیفات ہذہ العبد الضعیف یعنی محمد
کریم اللہ^۱۔

مفتی صاحب نے بدعت کی بحث میں اپنے مذکورہ مجموعہ میں اور بھی بعض مقامات پر اس کے حوالے
دیئے ہیں^۲۔

۲۔ مفتی صاحب نے حلال و حرام کی بحث کے دوران بھی مایة المسائل کے مسئلہ ۴۸ کا جواب دیتے ہوئے
تفصیل کے لیے اپنے رسالہ احقاق الحق معروف بہ رجم الشیاطین کا حوالہ دیا ہے^۳، پھر ایک اور بحث میں ان کے مسئلہ
۶۶ پر بھی اظہار خیال کیا ہے^۴۔

تیسری بڑی شخصیت جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ کا اختلاف ہوا وہ مولانا میاں نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰ھ۔
۱۳۲۰ھ / ۱۸۰۵-۱۹۰۲ء) کی ہے، جو دہلی میں غیر مقلدین جنہیں مفتی صاحب نے اپنی کتابوں میں وہابی کہا ہے
کے سب سے بڑے راہنما تھے اور اہل سنت مقلدین سے ہر مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے، مفتی صاحب نے اپنے
رسائل میں یقیناً میاں صاحب سے بھی جابجا اختلاف کیا ہو گا لیکن افسوس کہ وہ رسائل آج محفوظ نہیں ہیں، دہلی
میں موجود قدم شریف کی زیارت اہل سنت کے علماء و مشائخ کا معمول رہا ہے، لیکن وہابی اس فعل کو شرک قرار دیتے
تھے۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین اس متبرک مقام کی تولیت کے لیے اکابر علماء کو نامزد کرتے تھے۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۲۳ء) کی اولاد کو بھی اس مبارک مقام کی تولیت کا شرف حاصل تھا، ان
کے ہاں ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء کا محررہ ایک وقف نامہ (تولیت نامہ) مولانا احسان الحق حقہ کی ملکیت تھا جو انہوں نے

۱۔ کریم اللہ، مفتی: مکتب النبی، ۱۰۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴

اخوند محمد عمر سجادہ نشین درگاہ اخوند عبدالعزیز دہلوی کو دیا تھا۔ شاہ جہان کے زمانہ میں ایک روپیہ یومیہ اس خدمت کے عوض ملتا تھا۔^۱ لیکن مولانا نذیر حسین کے زمانہ میں ان کے قبیضین نے اس معاملہ میں مخالفہ شروع کر دی خود مولانا نذیر حسین نے قدم شریف کی زیارت کے خلاف ایک مستقل کتاب دلیل محکم فی نفی اثر القدم لکھی^۲ اور شائع کی، جس کے جواب میں کئی رسائل لکھے گئے ایک رسالہ سیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول مولوی فرید الدین دہلوی (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) نے ۱۸۵۰ء کو دہلی سے شائع کیا۔ یہ رسالہ اردو میں ہے۔ اسی طرح مفتی کریم اللہ نے بھی ایک رسالہ برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھا اور اس کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔^۳

مفتی صاحب نے اثر قدم شریف کے دہلی پہنچنے کا خود بھی ذکر کیا ہے۔^۴

ایک اور شخصیت سید دلدار علی نصیر آبادی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کی ہے جو ایسے شیعہ تھے جنہوں نے اہل سنت کے خلاف تحریری کوششیں انتہائی درجہ کی کیں، انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ تالیف سراج الملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء) کے رد میں پانچ رسائل تالیف کیے۔^۵ ان کے فرزند سید محمد (ف ۱۸۶۷ء) نے بھی تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں رسالے لکھے ان میں سے ایک رسالہ طعن الرماح ملقب بہ فوائد حیدریہ ہے^۶ دوسرا رسالہ البوارق فی مبحث الامامت تھا۔ سید دلدار علی کے بڑے فرزند سید حسن (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں روضۃ الاحکام کا رد مفتی صاحب نے تحریر کیا۔ (اودھ

۱۔ محمد سراج الحق: البوارق ص ۵۳

۲۔ بیضا

۳۔ فضل حسین: البیان ص ۲۸۲

۴۔ مطبوعہ دہلی اردو انجمن باہتمام محمد حسین آزاد دہلی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

۵۔ محمد سراج الحق: رماض الاودھ ص ۲۰۲

۶۔ کریم اللہ: طعن الرماح ص ۲۶۵

۷۔ محمد الی صلی: التنازع الاسلامی ص ۲۱۹

۸۔ طعن الرماح، سلطان المطالع باہتمام کتب خانہ مولانا ابوالہادی بہادر مراد آبادی علی بن علی بن ابی طالب (۱۲۳۸ھ کو چلیک) بر (ص ۲۹۶) یعنی شاہ عبدالعزیز کے وصال سے ایک سال پہلے۔

۹۔ بیضا، محمد ایوب آزاد دہلی: لغات صحابہ، دہلی بیت: مقدمہ ص ۸۳ محمد الی صلی: التنازع الاسلامی ص ۲۹

میں افتا کے مراکز موکف اشتیاق احمد اعظمی (۲۴۱) مفتی کریم اللہ نے سید محمد کے رسائل کا بھی جواب لکھا اور اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تحفہ اثناء عشریہ کے دفاع کا حق ادا کیا، مفتی صاحب کے رسائل کے نام یہ ہیں:

حق الصریح فی رد الروضہ و مثبت الصریح فی جواب ولد مولوی ولد ار علی مجتہد۔

گویا مفتی صاحب نے پہلا رسالہ سید محمد کے رد میں ان کے رسالہ روضہ کے جواب میں اور دوسرا بھی انہی کے عقائد کے خلاف لکھا۔

رد وہابیہ

رد وہابیہ مفتی کریم اللہ کا خاص موضوع بحث تھا۔ آپ نے غیر مقلدین کے رد میں جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے، مفتی صاحب کی جوانی میں ہی تقویت الایمان کی اشاعت سے ہندوستان کی مذہبی فضا اختلافات کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے موکف مولانا شاہ اسماعیل دہلوی جب حج سے واپس آئے تو محمد بن عبدالوہاب مجددی کے نظریات سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے اس لیے ان کی تحریک کو ہندوستان میں وہابی تحریک کہا گیا اور ان کے قبیعین کو ”مجدی وہابی“ کہا جانے لگا، تقویت الایمان کے رد میں جب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۵۲ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتویٰ لکھی تو مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے، اس کے بعد آپ نے خود تقویت الایمان کے جواب میں ہادی المضلین کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی۔ اسی طرح مولانا نذیر حسین دہلوی کے رد میں بھی مفتی صاحب کی کوششوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، مفتی صاحب مولانا شاہ محمد اسحاق کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے جو کچھ لکھا ہے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ وعظ میں انہوں نے تقویت الایمان کی یہ عبارت کہ ”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک حکم کن سے چاہے کروڑوں نبی اور ولی اور۔۔۔۔۔ جبریل و محمد کے برابر پیدا کر ڈالے“ نقل کرتے ہوئے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے ایک اور مقام پر عقائد وہابیہ کی بحث کرتے ہوئے رد وہابیہ میں اپنے ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

۱ کریم اللہ: ملاح الضمیرہ ص ۲۷

۲ رکبہ متعلبہ بنی

۳ کریم اللہ: ملاح الضمیرہ ص ۱۲۴

فی فضیحة الوہابین المتہدی للمولف اعنی محمد کریم اللہ۔۔۔ انہوں نے رد
الحرمة، احقاق فی لزوم، انکار الشریعة للوہابیہ کے اپنے رسائل ہونے کا ذکر کیا
ہے۔

مولانا کریم اللہ بحیثیت مفتی

مولانا کریم اللہ اپنے عہد کے کامیاب ترین اور معروف ترین مفتی تھے، اس زمانہ کی فقہ و اختلافی مسائل
پر لکھی جانی والی اکثر کتب و رسائل پر مفتی صاحب کے دستخط ملتے ہیں، جن میں سے صرف چند ایک کا ذکر کیا جا رہا
ہے:

۱۔ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۲۳ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رسالہ تقویت الایمان میں
شامل بعض مسائل مثلاً شفاعت، امکان النظیر، حب رسول ﷺ پر تفصیلی بحث کی اور ثابت کیا کہ شفاعت برحق
ہے، امتناع نظیر بھی کی، اور دیگر امور کے اثبات میں دلائل جمع کیے تو تحقیق الفتوی کے نام سے اس پر اس وقت کے
اکابر علماء کے دستخط کروائے جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔

۲۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین، یہ وہ فتویٰ ہے جو قبعین سید احمد رائے بریلوی اور شاہ
اسماعیل دہلوی میں سے بعض نے تقلید سے خود انکار کیا اور پھر ایک امام (خصوصاً) حضرت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے
آزاد کر لیا تھا، مولوی عبدالحق بنارس (ف ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) نے عدم تقلید کا یہ فتویٰ مرتب کیا تھا جس کے جواب
میں رسالہ تنبیہ الضالین ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۸ء کو مرتب ہوا، جب یہ فتویٰ تصدیق کے لیے علمائے دہلی کے پاس آیا تو
مولوی کریم اللہ دہلوی ساکن لال کوئیں نے کہا کہ یہ لوگ اسماعیلی ہیں مولوی اسماعیل کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی ایسے
ہی تھے اس رسالہ کے آخر میں مفتی کریم اللہ کے بھی اثباتی دستخط ہیں۔

۱۔ ج ۳۵، پ ۴۰، پ ۴۰

۲۔ ج ۴۰، پ ۴۰

۳۔ تفصیل جان کی پہنکے

۴۔ تنبیہ الضالین ص ۵۷، مطبوعہ دہلی، ۱۳۶۲ھ

۵۔ ج ۳۰، پ ۱۳۰

۳۔ فصل الخطاب (فتویٰ مفتی صدر الدین آزرودہ دہلوی ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء مرتبہ محمد ہاشم علی

موطن میرٹھ سال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) در اثبات علم غیب حضور نبی کریم ﷺ۔ اس پر مفتی کریم اللہ کے اثباتی دستخط ہیں، یہ استفتاء فارسی نثر میں ہے۔

۴۔ تنویر الحق مؤلفہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء)

در تقلید مطلق و تقلید شخصی، بجواب معیار الحق مؤلفہ مولانا نذیر حسین دہلوی (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) یہ رسالہ اردو میں ہے اور ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو تالیف ہوا۔

۵۔ توفیر الحق مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

بیان تقلید معین اور ترجیح مذہب امام ابو حنیفہ۔ یہ رسالہ تنویر الحق کے بعد لکھا گیا، مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے تھے۔^۲

۶۔ تحفۃ العرب والعجم مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

رد غیر مقلدین و تائید تقلید، نواب صاحب نے یہ رسالہ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء کو تالیف کیا اور اس پر عرب و عجم کے علماء سے اثباتی دستخط کروائے، نواب صاحب مذکورہ سنہ میں خود حجاز مقدس حاضر ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے تقلید کے حق میں ان سے یہ فتویٰ حاصل کیا، اس کے آغاز میں نواب صاحب نے ایک فکر انگریز دیا چہ بھی اردو میں لکھا تھا۔ اس پر دہلی کے جن اکابر علماء سے دستخط کروائے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔

۷۔ تحریر محبوب بطرز مکتوب (نوشتہ حدود ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء)

علمائے دہلی کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں جماعت مجاہدین کے بعض افراد نے خود کو حنفی کی بجائے محمدی کہنا شروع کر دیا اور علماء اہل سنت کی تقلید کو ناجائز قرار دیا، جس پر ایک دو دور قی استفتاء شائع ہوا تھا کہ یہ لوگ

^۱ فصل الخطاب، مطبوعہ مطبعہ امی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ ص ۸

^۲ تنویر الحق، مطبوعہ مطبعہ امی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ ص ۱۱۲

^۳ توفیر الحق، مطبوعہ مطبعہ امی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ ص ۲۳

^۴ تحفۃ العرب والعجم، مطبوعہ مطبعہ امی، دہلی، ۱۲۸۵ھ ص ۷۶

لامذہب ہیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صحیح مسلمان وہی ہے جو حنفی اور مقلد ہے۔ اس فتویٰ پر مفتی کریم اللہ نے بھی دستخط کیے تھے۔

۸۔ مجموعہ فتاویٰ، تالیف بسال ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء^۱

(اول) یہ بھی ”فرقہ محمدیہ لامذہب“ کے خلاف ایک فتویٰ ہے، اس پر اثباتی دستخط کرنے والے اکابر علماء میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔^۲

(دوم) لامذہب کے پیچھے نماز پڑھنی نادرست ہے اور تقلید امام واحد کی واجب ہے۔^۳ دستخط کنندگان میں مفتی کریم اللہ بھی ہیں۔^۴

(سوم) آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ آمین، جہر قرآن کی رو سے منع ہے۔ تصدیق کنندہ مفتی کریم اللہ۔^۵

۹۔ انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ مؤلفہ مولانا عبدالسمیع انصاری بیدل (ف ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے، حوالوں سے مزین اور معاصر علماء کے فتاویٰ سے پُر ہے، مفتی کریم اللہ نے محفل میلاد کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا تھا جو اس میں شامل ہے۔^۶

۱۰۔ رسالہ حل المشكلات الفقہ معروف بحیرت الفقہ

مؤلفہ احمد بن حمید بن شہاب، ابتدائی حصہ فارسی، آخری صفحات اردو۔ عمومی اور روزمرہ کے بعض مسائل اور ان کے حل، آخر میں دہلی کے علماء کے دستخط ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔^۷

۱۔ استفادہ رسالہ نظام الاسلام کے ساتھ کلید طبع ۱۱

۲۔ مجموعہ فتاویٰ، مطبوعہ مطبعہ ہمدانی ص ۳۹ ماہ

۳۔ بیضاء ۳۸ ماہ

۴۔ بیضاء ۳

۵۔ بیضاء

۶۔ بیضاء ۶۲

۷۔ انوار ساطعہ ۱۶۳، ۱۶۴

۸۔ حیرت الفقہ ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳

۱۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام

مؤلفہ مولوی شیخ محمد عبید اللہ مرتبہ محمد حسین ساکن بنت۔

یہ رسالہ مالا بد منہ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ساتھ بطور ضمیمہ ایک عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا طبع شدہ ایک نسخہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، اس کے آخر میں علمائے دہلی کی مواہیر ثبت ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں، دراصل اس استفتاء کا موضوع ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے گوشت خرید کر کھانا چاہیے یا نہیں؟ علماء نے اس کی نفی کی ہے۔

وفات

مفتی کریم اللہ نوے سال کی عمر میں ۴ شوال روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے۔ مشہور نقش بندی شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی درگاہ کے اندر دفن ہوئے، قبر مبارک پر حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

فاضل بے مثل مولانا کریم اللہ آہ رفت
چوں زیر زمیں آں آفتابِ اوج علم
آسمان از سرگاہ افگند بہر سال گفت
”دور زمیں گردیدہ پہاں آفتابِ اوج علم“

۱۲۹۰ھ

معروف معاصر شاعر مولوی عبدالغفور خان نساج نے بھی ایک عمدہ قطعہ تاریخ لکھا تھا:

چوں کریم اللہ مردِ پاک ذات
رفت از ہستی سوی ملک عدم
از پی تاریخ سال انتقال
گفت ہاتف ”جامع فضل و کرم“

۱۲۹۰ھ

۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام، مشمول ضمیمہ لا بد منہ، کاپیور، مطبعہ نو کشتور، ۱۸۸۳ء

۲۔ ضمنی: تذکرہ علمائے ہند ۳۷

۳۔ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار، ۱/۱۳

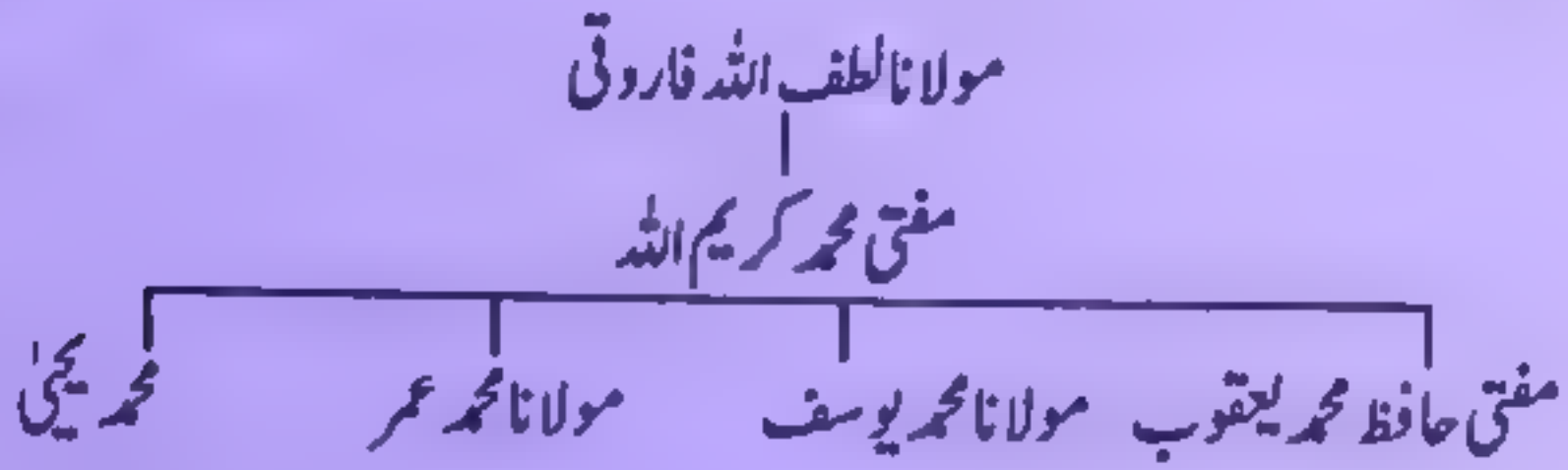
۴۔ بشیر الدین احمد: واجہات و اہل حکومت دہلی، ۱/۵۳

۵۔ نذیر، عبدالغفور: مجمع تواریخ، ۵۶

موکف تذکرہ علمائے ہند نے سال وفات ۱۲۹۱ھ اور تاریخ ۴ شوال دی ہے^۱، موکف نزہۃ الخواطر نے بھی یہی لکھا ہے^۲، لیکن جس کتاب یعنی ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے وہاں ۴ شوال ۱۲۹۰ھ ہے^۳، ہم نے اسے معاصر بیان کے طور پر نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے موکف اخوند محمد عمر سراج الحق مفتی کریم اللہ کے شاگرد تھے^۴۔

اولاد

مفتی کریم اللہ کی کثیر اولاد تھی، سر سید احمد خان کا بیان ہے ”باوجود عیال داری اور تاہل کے اہل دنیا کی طرف کم رجوع کرتے ہیں“۔ یہی الفاظ بشیر الدین احمد نے بھی لکھے ہیں^۱۔ لیکن تذکروں میں آپ کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ہے، مختلف کتب فقہ و فتاویٰ کی مدد سے ہم نے مفتی صاحب کے چار فرزندوں کے نام دریافت کیے ہیں یہ چاروں عالم، فقیہ اور مفتی تھے اور اپنے اجداد کی طرح درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے:



ان کے مختصر حالات بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ ضمنی: تذکرہ علماء ہند (قاری) ۱۷۲ (۱) انکسار صاحب قاری نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ۴ شوال میں لکھا ہے (۳۹)

۲۔ عہد اکی صلی: نزہۃ الخواطر ۳۹۸ / ۱

۳۔ ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۴۔ دور میں گرامی: تذکرہ علماء ہند، ص ۳۴

۵۔ آئینہ امتداد ۲ / ۹۳

۶۔ اہلکار دارالعلوم مدظلہ ۲ / ۱۵۳

مفتی حافظ محمد یعقوب

مفتی محمد یعقوب اپنے والد کی مسجد واقع قاضی حوض میں درس و تدریس و فتویٰ نویسی اور ہر جمعہ کو وعظ کرتے تھے، انہیں جزیات پر بڑا عبور تھا، گویا اپنے بزرگ والد کے یہی پہلے جانشین تھے، اس عہد کی کتب فقہ و فتاویٰ پر ان کے دستخط ملتے ہیں جن سے ان کی عظمت اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد منصور علی مراد آبادی (ف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) نے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں کتاب فتح البین (رد ظفر البین مؤلفہ غلام محی الدین) تقلید کے اثبات میں لکھی تو اس پر جن علماء کے دستخط کروائے ان میں مفتی محمد یعقوب بھی شامل ہیں۔^۱

اسی طرح میلاد کے اثبات میں مولوی عبدالسمیع بیدل نے انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۳ء میں تالیف کی تو مولوی محمد یعقوب سے تصدیقی تقریظ لکھوائی اور ان کے نام سے پہلے بڑے طویل القاب لکھے، پہلی تقریظ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) کی ہے۔^۲

مولانا حقانی مذکور نے میاں ابوالمنصور جو داپوری کی تکفیر میں فتویٰ مرتب کر کے تفسیر حقانی کے مقدمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا تو مولوی محمد یعقوب سے بھی اس پر اثبات کروایا۔^۳

دہلی کے مشہور عالم اور صوفی اخوند عبدالعزیز کا ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی مفتی محمد یعقوب کو ملی۔^۴ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) مشہور عالم اور شیخ طریقت تھے اور کسی کی علییت اور تقویٰ پر بڑی مشکل سے اعتماد کرتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں عید کے چاند پر اختلاف ہوا تو اہل دہلی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب سے

۱۔ محمد بن الرحمن: وصال البیہل ص ۳۳

۲۔ منصور علی مراد آبادی: فتح البین ص ۲۵۴

۳۔ انوار ساطعہ، میرٹھ ۱۳۰۶ھ ص ۳۱۷

۴۔ حقانی: مقدمہ تفسیر حقانی (ص ۵ ضمیمہ)

۵۔ محمد سرور الحق: ریاض الاولاد ص ۲۵۳

دریافت کر لو اور ان کے قول پر عمل کرو، مولوی محمد یعقوب کا دہلی میں ۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا۔

مولوی محمد یعقوب کی کسی تالیف کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

۲۔ مولوی محمد یوسف دہلوی

یہ بھی مفتی کریم اللہ کے فرزند گرامی تھے، کتب فقہ و فتاویٰ پر اس نام کے کئی اصحاب کے دستخط ملتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس وقت تک اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ان سے مراد کون محمد یوسف ہیں؟ البتہ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء جب مشکوٰۃ المصابیح مطبع مجتہائی میرٹھ سے طبع ہوئی تو مولوی محمد یوسف بن مفتی محمد کریم اللہ کے ایما پر اس پر حواشی عربی زبان میں لکھے گئے اور خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کے لیے بھی کوشش کی، یہ حواشی زیادہ تر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں، اس کی ابتدائی دو جلدیں ہماری نظر سے گزری ہیں۔

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری موعظ مفتاح النصیحة کے نام سے اپنے انہی فرزند

محمد یوسف کی درخواست پر جمع کیے تھے۔

۳۔ مولوی محمد عمر دہلوی

آپ بھی مفتی کریم اللہ کے بیٹے اور ذی علم بزرگ تھے، ان کی ولادت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء کو ہوئی، اپنے والد بزرگوار سے جملہ علوم کی تحصیل کی، اور افادہ طلبہ میں مصروف ہو گئے۔

۱۳۰۰ھ میں کتاب فتح البین مذکور تالیف ہوئی تو اس پر جن اکابر علمائے دہلی نے اثباتی دستخط کر کے مہر

لگائی ان میں مولوی محمد عمر بھی شامل ہیں ان کی مہر کا جمع ہے ”خوشا جان باز محمد عمر“ ۱۲۹۱ھ، مہر کے نیچے انہوں نے

۱۔ ۱۰۰ الحسن قادری، مقالات نمبر ۴۹۳

۲۔ وصال البیہل ۱۳

۳۔ کریم اللہ علی، موعظ النصیحة ص ۱۰۲

۴۔ محمد اللہ علی محمد علی، تذکرہ علمائے دہلی ص ۸۴

ابن کریم اللہ بھی لکھا ہے۔ مشہور محدث مولانا وصی احمد حنفی سورتی (ف) نے ایک فتویٰ کہ غیر مقلدین اہل سنت سے خارج ہیں، ان کے ساتھ مجالست اور ان کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے، لکھا تو مولوی محمد عمر نے اس فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کرتے ہوئے لکھا کہ ”اگر ایسے شخص کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد ہوتا ہے تو انسداد وقتہ کے لیے مسجد میں آنے سے منع کرنا بہتر ہے، اس پر وہی مذکور جمع والی مہر لگائی گئی ہے۔“

۴۔ مولوی محمد یحییٰ

مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری مواعظ مفتاح النصیحة کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یحییٰ کی درخواست پر ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو جمع کیے۔

اس کے علاوہ ہمیں مولوی محمد یحییٰ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

ایک بزرگ مولانا عبدالغفار (قاضی حوض والے) مولانا شاہ ابوالخیر مجددی کے وصال ۱۹۲۳ء کو آپ کی جانشینی کی تقریب میں شرکت کے لیے خانقاہ شریف آئے تھے، حضرت ابوالحسن زید نے آپ کی مفصل سوانح میں اس تقریب کے شرکاء کی فہرست دی ہے، لیکن قاضی حوض سے آنے والے مولانا عبدالغفار کے نام کے ساتھ صراحت نہیں فرمائی کہ آیا یہ مفتی کریم اللہ کے فرزند تھے؟ ممکن ہے کہ یہ بھی مفتی صاحب کے فرزند ہوں۔

تلامذہ

کسی تذکرہ میں مفتی کریم اللہ کے تلامذہ کی فہرست موجود نہیں ہے، معاصرین خصوصاً سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب بیشتر اوقات تدریسی طلبہ شائق میں مصروف رہتے ہیں۔ نوے سال کی عمر پانے والے مدرس نے یقیناً نصف صدی تک تو درس و تدریس کی خدمت انجام دی ہوگی اور اس کے لاتعداد شاگرد ہوں گے، ہمیں مختلف کتب میں صرف ان چند تلامذہ کا ذکر مل سکا ہے:

۱۔ حاجی الحسن ۲۰۴

۲۔ وصی احمد سورتی جامع التواہد لی الفرج البواہین من المساجد ص ۶، مگزہ محمدی مطبعہ پریس، لاہور

۳۔ کریم اللہ مفتی: مفتاح النصیحة، ورق ۲۔ طبع

۴۔ زید ابوالحسن فاروقی: مقالات خیر ۶۳

۵۔ آخیر المصابیہ ۲/۹۳

اخوند عبد العزیز دہلوی

اخوند عبد العزیز بن مولانا حکیم الہی بخش، اکابر مشائخ میں سے تھے، اور شاہ محمد غوث شہید قادری کے خلیفہ تھے، اخوند صاحب مفتی کریم اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ اخوند صاحب کا وصال ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں ہوا، درگاہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قریب آپ کا مزار ہے۔ اُن کے بعد ان کے بھتیجے اخوند محمد عمر سراج الحق جانشین ہوئے، جنہوں نے اخوند عبد العزیز کے حالات پر دو جلدوں میں بزبان اُردو ایک کتاب ریاض الانوار لکھی تھی۔

مولانا فرید الدین

مولانا محمد فرید الدین دہلوی نے مفتی کریم اللہ کے علاوہ شیخ شیر محمد قدحاری سے بھی پڑھا اور حدیث پاک حاج محمد قاسم دہلوی کی خدمت میں رہ کر پڑھی۔ اس کے علاوہ اخوند عبد العزیز دہلوی سے سلوک کی تعلیم بھی لی اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے۔

مولانا محمد فرید الدین وعظ و تذکیر میں خوب دسترس رکھتے تھے، اخوند صاحب سے قریبی رشتہ داری تھی ان کی تالیفات میں سے السیف السلول علی من انکر اثر قدم الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی یہ کتاب اُردو نثر میں ہے۔ اور دہلی میں مقام قدم شریف کے صحیح ہونے اور اس کی برکات کے بارے میں ہے یہ رسالہ دراصل مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے رسالہ ”دلیل محکم فی نفی اثر القدم“ کے رد میں ہے۔

مولانا فرید الدین دہلوی نے ۱۸۵۷ء کو جہاد قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فتویٰ پر دستخط کیے تھے، انہیں انگریزوں نے ۷ صفر روز شنبہ عصر اور ظہر کے مابین ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔

۱۔ بنیر الدین احمد: حالات و انکشافات دہلی ۲/۵۲۶

۲۔ محبوب حضرت الطابع دہلی، ۱۳۰۲، ۱۳۰۵ھ

۳۔ صدیقی مسی: خزائن الخواطر ۳۷۱

۴۔ قرۃ الدین: السیف السلول ص ۵۰

۵۔ ضیق صدیقی: ۱۸۵۷ء - انکشافات و نتائج

۶۔ محمد عباس دہلوی: ۸۹ ص ۱۸۹ - شاعر علامہ رسول دہلوی نے غلام محمد بن شہادت کیا تھا جو ریاض الانوار کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔

تعجب ہے کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے جب وہ اپنے سفر دہلی کے دوران اخوند محمد عمر سے ملنے گئے تو محض لوگوں سے یہ سن کر مولانا فرید الدین حافظ اکرام الدین وعظ مصنف تفسیر سورہ فاتحہ کے فرزند ہیں کیونکر لکھ دیا؟ جب کہ حافظ اکرام الدین کا رجحان تقویت الایمان اور اس کے موکف کی طرف تھا، حالانکہ انہوں نے اپنی دوسری کتاب نزہۃ الخواطر میں ایسا نہیں لکھا۔

اخوند محمد عمر

اخوند محمد عمر ملقب یہ سراج الحق بن مولانا فرید الدین دہلوی، ایک جید عالم، صوفی اور اخوند عبد العزیز مذکور کے خلیفہ و جانشین تھے، ولادت دہلی میں ۱۹ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء میں ہوئی، مفتی کریم اللہ، حافظ غلام رسول ویران، مولوی قدرت اللہ ولایتی، مولوی عبد الصمد بنگالی، مولوی بخش اللہ گورکھپوری، مولوی علم اللہ خان، مولوی محمد یعقوب اور مولانا عبدالحق حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبد الصمد مبارکپوری خلیفہ مولانا فضل الرحمن منج مراد آبادی سے بھی خلافت ملی تھی۔^۱

اخوند محمد عمر نے اپنے شیخ کے احوال پر ”ریاض الانوار“ لکھی اس کے علاوہ الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین و الرسل (قدم شریف دہلی کی برکات پر)، فائض الانوار، احسن البضاعة فی اثبات النوافل بالجماعة بھی لکھیں، ان میں سے اول الذکر دو کتب اردو میں ہیں اور طبع ہو چکی ہیں۔

اخوند محمد عمر کا ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ / ۲۴ دسمبر ۱۹۱۷ء میں رات کو دہلی میں وصال ہوا، انہوں نے اسی روز جب حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی ان کی عیادت کے لیے فراش خانہ گئے تھے سے درخواست کی تھی کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں، چنانچہ شاہ صاحب نے صبح آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔^۲

۱۔ مجددی صلی: دہلی اور اس کے اطراف ص ۳۱

۲۔ محمد ابوبکر قادری: تذکرہ شریک القادری ص ۱۸۱-۱۹۰

۳۔ محمد ابوبکر قادری: تذکرہ طائے جلال ص ۸۷

۴۔ محمد ابوبکر قادری: محمد ابوبکر قادری فی جلالہ و العزیز ص ۳۲۳

۵۔ ذی الحسن قادری: مقالات خیر ۲۹۸-۳۰۰

دیوان نجات علی

دیوان صاحب ٹھک میراں بھٹک (خواجہ محمد سعید) کے رہنے والے تھے اور دہلی آکر مفتی کریم اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے رہتے تھے، مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

شیخ طریقت

مفتی کریم اللہ، مارہرہ کے معروف شیخ طریقت حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں (۱۱۶۰-۱۲۳۵ھ /) سے ارادت و خلافت رکھتے تھے۔ جو قادری مشائخ میں سے تھے اور معروف شاہ حمزہ مارہروی کے خلیفہ تھے اور باقی شجرہ اس طرح سید آل محمد، شاہ برکت اللہ، شاہ فضل اللہ، میر سید محمد، مخدوم جمال اولیاء، شیخ ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیا، شیخ محمد بھکاری، میر سید ابراہیم ایرجی، شیخ، بہاء الدین، میر سید احمد جیلانی، میر سید حسن، میر سید موسیٰ، میر سید علی، میر سید محی الدین ابی نصر، میر سید ابو صالح، میر سید عبدالرزاق، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی۔

مفتی کریم اللہ تحصیل علم کے دوران اور پھر بعد میں مارہرہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، لیکن انہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے باعث روحانی مشاغل کے لیے وقت نہیں ملتا تھا لیکن تھے بڑے مرتاض بزرگ، بہت سے اصحاب نے ان سے روحانی فیض بھی پایا ہوگا، افسوس کہ تذکروں میں ان کے مریدین کا ذکر بالکل نہیں ملتا۔

تالیفات

مفتی کریم اللہ کثیر التصانیف عالم تھے، لیکن ہمیں ان کی صرف چند کتب کے نام ملے ہیں، مفتی صاحب کا زمانہ بڑا آشوب تھا، ان کے مستقر دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا، علماء کو چن چن کر مارا جا رہا تھا، بہت سے اکابر ہجرت کر گئے، روپوش ہو گئے اور باقی شہید کر دیئے گئے، ان حالات میں بھی مفتی کریم اللہ نے اپنے آپ کو اور اپنی

۱۔ ترجمہ: ریاض الاولیاء / ۳۱

۲۔ تذکرہ علماء ہند ۱۹۷۷ء، ج ۱، ص ۲۹۸

۳۔ ریاض الاولیاء / ۲۹۰-۲۹۱

اولاً کو فکری اعتبار سے قائم رکھا اور اختلافی مسائل کے اس آندھی اور طوفان کے دور میں بھی آپ راسخ العقیدہ سنی مسلمان کی حیثیت سے اپنے نظریاتی وجود کو منواتے رہے۔

وہابیوں، غیر مقلدین، روافض اور ملاحدہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے نہایت کرب اور بے بسی کے عالم میں تیس دنوں میں یہ کتاب لکھی ہے اور طلبہ کو پڑھا رہا ہوں، فرماتے ہیں:

”يقول تراب الاقدام محمد كريم الله شاه جهان آبادي بن لطف الله-----
الفت من الكتب في مدة ثلاثين يوم بعون الله تعالى وحسن توفيقه في غاية الكرب
والشقد مع انه كان يعلم اطفالاً في اقتصرت على انه“-----

تاہم آپ کی جس قدر کتابوں کا سراغ مل سکا ہے ان کا مختصر سا تعارف کروایا جا رہا ہے:

تحقیق الحق

مایۃ المسائل شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) کی تالیف ہے، جس میں آپ کے شاگردوں نے بھی آمیزش کی ہے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے حنفی کی بجائے کچھ اور بنانے کی کوشش کی ہے، تاہم شاہ صاحب کی ہجرت حرمین الشریفین (۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) سے قبل یہ رسالہ علماء کے مابین متنازعہ بن چکا تھا، چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے مفتی کریم اللہ دہلوی نے اس رسالہ کا رد تحقیق الحق فی جواب مایۃ المسائل لمولوی اسحاق کے نام سے لکھا، گویا انہیں اس امر کا یقین تھا کہ رسالہ مایۃ المسائل شاہ اسحاق ہی کی تالیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب مفتاح النصیحة (تالیف ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء) سے پہلے لکھی تھی، اس کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

زبدۃ البیان فی تفسیر القرآن (فارسی نثر)

زبدۃ البیان مفتی صاحب کی ضخیم تالیف ہے جو دو جلدوں میں ہے اس کی جلد دوم کا قلمی نسخہ رضا لاہوری، رام پور میں ہے جس کے اوراق ۵۶۸ ہیں۔ خود مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کا نسخہ ستر اجزاء میں ہے اور یہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔ اے تفسیر کریمی بھی کہا جاتا ہے۔

زبدۃ الوعظ

یہ الحمد اور سورۃ بقرہ کی پانچ آیات کی تفسیر ہے۔ جو دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد کے پچاس اور دوسری کے ساٹھ اجزاء ہیں۔ یہ بھی مفتاح النصیحہ سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔

جامع الکتاب فی تفسیر الفرقان۔ یہ تفسیر بھی مفتی صاحب نے مفتاح کی تالیف سے پہلے لکھی تھی۔

نقلیات السلف من الاولیاء

اس کا نام نقل المجالس بھی ہے، جو ساٹھ اجزاء کے برابر ہے۔ یہ بھی مفتاح سے پہلے مرتب ہو چکی تھی۔ اس کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مفتاح النصیحۃ فی دفع کیود النفسیہ

یہ دراصل مفتی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے فرزندوں محمد یوسف اور محمد یحییٰ کے اصرار پر جمع و مرتب کیا، انہوں نے مختلف دینی اور اخلاقی کتب سے نقل کر کے عوام کی اصلاح کے لیے مرتب کیا،

۱۔ تحریر مولانا علی قادری، ۱۳۵۵ھ، خضارِ مرام، ۲۰/۱۰

۲۔ کریم علیہ السلام، النصیحہ

۳۔ تحریر مذکورہ، ۲۰/۱۰

۴۔ ۱۲۰۰ء

۵۔ میناء، ۱۰۰

۶۔ میناء، ۲۰۰

خود وضاحت فرماتے ہیں:

----- اما بعد فيقول الراجي رحمة الله محمد كريم الله بن لطف الله اقال الله
عتر من طفيل رسول الله ----- وينقل فيه اقوال المفسرين و المجتهدين و
اهل الرياضيات. ليكن طلب مني هذا الامر الصيحت قرعة عيني فوادى و ثمرق محمد
يوسف و محمد يحيى ----- فاحببتُ لهما سنة الف و مائتين و سبعة و خمسين في
سلطنت بهادر شاه الثاني من هجرة نبي المختار على صاحبها الف التحية -----
وسيت هذا المنتخب مفتاح النصيحة في دفع كيود النفسية -----
گویا یہ کتاب ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء کو مرتب ہوئی تھی۔

مفتی صاحب کی یہ کتاب وعظ و نصیحت کے موضوع پر ہے، لیکن اس میں بے شمار مسائل زیر بحث آئے
ہیں، ابتداء میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر بھی ہے، مرتب نے اسے مختلف مجالس وعظ کے موضوعات کے
عنوان دے کر مجالس کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ آخری مجلس فضائل صحابہ کبار پر ہے اس میں تبرکات اور قدم
شریف پر بھی لکھا گیا ہے۔ اس کے کل ۲۷۰ ورق ہیں، پیش نظر خطی نسخہ حضرت موکف کا خود نوشتہ ہے جس کے
کئی اوراق پر موکف کی مہر ”بگو بلطف محمد کریم اللہ ۱۲۷۲ھ“ ثبت ہے، پہلے خالی ورق پر بھی موکف نے اپنے قلم سے
لکھا ہے ”تالیف و نوشت محمد کریم اللہ ولد لطف اللہ“ یہاں مہر میں بلطف اشارہ ہے اپنے والد گرامی کے نام کی
طرف یہ نادر الوجود خطی نسخہ جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے کتب خانہ میں ہے۔ جس میں سے یہ چند
یادداشتیں مرحوم کے صحن حیات مرتب کی گئی تھیں۔

رسائل

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے رسائل تالیف کیے تھے، جن میں سے بعض کے اسماء بھی
انہوں نے لکھے ہیں، جو یہ ہیں:

- ۱۔ اثبات الاعمال فی جواب انکار ایصال الثواب، لمولوی اسماعیل
- ۲۔ الصمصام فی جواب انکار تعین الیوم لمولوی اسحاق
- ۳۔ رد الحرمۃ لال البدعۃ فی اثبات ----- کلمۃ التوحید بعد الصلوۃ لا نکار فرق الوہابیہ
- ۴۔ احقاق الحق فی لزوم انکار الشریعۃ للوہابیہ

۵۔ اثبات الحواس للروح و الحی الارواح للیسر

۶۔ الفوائد الکاملہ فی شہادۃ طعۃ القاطمہ

۷۔ فوائد الوافرہ فی شہادہ علی و الحسن الذی مرقدہ القاطمہ

۸۔ حق الصریح فی رد الروضہ و مثبت الصریح فی جواب ولد مولوی دلدار علی مجتہد الذی امر بہ بناء الروضہ

والصریح۔۔۔

ان تمام رسائل کا مفتی صاحب نے اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں ذکر کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کی ہے گویا یہ رسائل مذکورہ سنہ سے پہلے آپ تالیف کر چکے تھے۔ ان میں سے رسائل تحقیق الحق اور فضیہ الوہابین کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

برہان محکم

مفتی صاحب نے مولانا نذیر حسین دہلوی کے رسالہ دلیل المحکمہ فی نفی اثر القدم کے رد میں ایک کتاب برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھی اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، یہ رسالہ مفتی صاحب نے دہلی میں مقام قدم شریف یعنی نقش پائے مبارک نبی کریم ﷺ کی برکات کے اثبات میں لکھا تھا۔ مفتی صاحب کا یہ رسالہ مطبع دار السلام، دہلی سے ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کو طبع ہوا۔^۲

ہادی المضلین

مفتی صاحب نے یہ کتاب تقویت الایمان کے رد میں لکھی تھی۔^۳ انہوں نے اپنے مواعظ مرتبہ ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۰ء میں اس کا حوالہ نہیں دیا جبکہ شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف اپنے کئی رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب ہادی المضلین ۱۲۵۷ھ کے بعد تالیف ہوئی تھی۔

۲۔ حرر سراج الحق: الاستیعاب من جامع البیان، لاہور، ۲۰۲

۳۔ رسائل فضل رسول بدایہ، حاشیہ سید الحق، مامہ ۱۵۲، دہلی، ۱۵۲

فضل احمد لدھیانوی: انوار القلوب، ص ۱ / حاشیہ سید الحق، مامہ ۱۵۲، دہلی، ۱۵۲

مآخذ

- ۱۔ احمد بن حمید: حیرت الفقہ، لاہور، ۱۳۲۵ھ
- ۲۔ برکت علی، منشی: مرآۃ الحقائق (احوال شیخ عبدالحق محدث دہلوی)، رام پور، ۱۳۲۲ھ
- ۳۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۹۰ء
- ۴۔ برکاتی، محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۹۲ء
- ۵۔ بیدل، عبد السمیع انصاری: انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ، میرٹھ، ۱۳۰۷ھ
- ۶۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین (رد غیر مقلدین، فتویٰ علماء) دہلی، سید الاخبار، ۱۲۶۲ھ
- ۷۔ حالی، الطاف حسین: حیات جاوید، کانپور، ۱۹۰۱ء
- ۸۔ حقانی، عبدالحق: عقائد الاسلام، کراچی (ن۔ن)
- ۹۔ ایضاً: مقدمہ تفسیر حقانی، دہلی، ۱۳۰۵ھ
- ۱۰۔ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۱۱۔ زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی، ۱۳۹۲ھ
- ۱۲۔ سرسید احمد خان: آثار الصنادید مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء
- ۱۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دکن، ۱۹۵۹ء
- ۱۴۔ ایضاً: الشفاعة الاسلامیة فی الهند، دمشق، ۱۹۸۳ء
- ۱۵۔ ایضاً: دہلی اور اس کے اطراف مرتبہ صادق ذکی، دہلی، ۱۹۸۸ء
- ۱۶۔ عبد الکریم قادری: عمدۃ الصائف فی حال اہل الکشف و العارف، الہ آباد، ۱۳۱۲ھ
- ۱۷۔ عبد العزیز محدث، شاہ: فضائل صحابہ و اہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۷ء
- ۱۸۔ عتیق صدیقی: ۱۸۵۷ء، اخبارات و ستارزات، دہلی، ۱۹۶۵ء
- ۱۹۔ عزیز الدین مراد آبادی: اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان، لاہور، ۱۹۹۸ء
- ۲۰۔ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت، لاہور، ۱۹۲۰ء

- ۲۱۔ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ مرتبہ محمد عبدالحکم شرف قادری، سرگودھا، ۱۹۷۹ء
- ۲۲۔ فرید الدین دہلوی: السیف المسلول علی من انکرا اثر قدم الرسول، دہلی، ۱۸۵۰ء
- ۲۳۔ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی کتابخانہ رضارام پور، رام پور، ۱۹۹۶ء
- فضل رسول بدایونی: مجموعہ رسائل فضل رسول ترجمہ و حواشی اسید الحق محمد عاصم قادری، کراچی ۱۰۱۰ء
- ۲۴۔ قطب الدین خان، نواب: تحفۃ العرب والعجم، دہلی، ۱۲۸۵ھ
- ۲۵۔ ایضاً: تنویر الحق، آگرہ، ۱۲۷۹ھ
- ۲۶۔ ایضاً: توفیر الحق، آگرہ، ۱۲۸۰ھ
- ۲۷۔ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیب، خطی، بخط موقوف، مملوکہ جناب خلیل الرحمن، داؤدی، لاہور
- ۲۸۔ مالک رام: طائفۃ غالب، دہلی
- ۲۹۔ محمد عمر، سراج الحق، اخوند: ریاض الانوار، دہلی، ۱۳۰۲-۱۳۰۵ھ
- ۳۰۔ ایضاً: الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسل، دہلی، ۱۳۱۹ھ
- ۳۱۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) کراچی، ۱۹۷۶ء
- ایضاً: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور، ۱۹۸۸ء
- ۳۲۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ و مقامات السعیدیہ، دہلی، ۱۲۸۴ھ
- ۳۳۔ ایضاً: رشحات عنبریہ مرتبہ محمد اقبال مجددی، شر قپور
- ۳۴۔ محمد، سید: طعن الرماح (رد تحفہ اثناء عشریہ) نوشتہ بسال ۱۲۳۸ھ، لکھنؤ ۱۸۵۳ء
- ۳۵۔ محمد عبید اللہ / محمد حسین فقیر: رسالہ اظہار الحلال والحرام، کانپور، ۱۲۷۲ھ
- ۳۶۔ محمد ادریس نگرانی: تذکرہ علمائے حال، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء
- ۳۷۔ محمد امان الرحمن: وصال البھیل، دہلی، ۱۳۳۳ھ
- ۳۸۔ محمد منصور علی مراد آبادی: فتح البین (بجواب ظفر البین) لکھنؤ، ۱۳۰۰ھ
- ۳۹۔ نسخ، عبد الغفور، گنج تواریخ، لکھنؤ، مطبع نولشکور، ۱۲۹۱ھ

- ۴۰۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۳ء
- ۴۱۔ وضی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد، لاہور، (س۔ن)
- ۴۲۔ صدرالدین آزرودہ: فصل الخطاب مرتبہ محمد ہاشم علی، میرٹھ
- ۴۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقا لمنن بلقاا لمن، بھوپال
- ۴۴۔ اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات، موتا تھ یوپی ۲۰۰۹ء
- ۴۵۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد الماتۃ، آگرہ، ۱۹۰۸ء

۱۰/ مئی ۲۰۱۲ء

(تذکرہ حاضر کے لیے خصوصیت سے لکھا گیا)

مولانا ابوالفضل محمد اسحاق اسلام آبادی (شارح سبۃ معلقات)

مولوی ابوالفضل اسلام آبادی انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم اور مترجم تھے۔

مولوی ابوالفضل کے اجداد خصوصاً ان کے والد مولانا غلام الرحمن نظام پوری، بنگال کے ایک قصبہ اسلام آباد کے مشہور عالم تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسین میں شامل تھے۔

عربی ادب کی مشہور کتاب قصائد سبۃ معلقات کے پہلے چار قصائد کی شرح فارسی نثر میں لکھی، اس شرح پر شمس العلماء مولانا میر محمد نے نظر ثانی کی۔

یہ شرح دراصل بنگال کے عربی طلبہ کے لیے لکھی گئی اور ان میں بہت مقبول ہوئی تھی، اس میں طلبہ کی آسانی کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ شرح مطبع مجیدی کانپور سے چھپی تھی، کل ۱۷۲ صفحات ہیں۔

مآخذ

۱۔ حبیب الرحمن، حکیم: خلاۃ غسالہ، تحقیق و تعلیق عارف نوشاہی، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ (۱۷۸۱-۱۹۵۹ء) ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۱۱ مئی ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی، شبہ قارہ

مولانا وکیل احمد سکندر پوری

مولانا وکیل احمد سکندر پوری تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے نامور عالم، صوفی، مؤلف کتب کثیرہ اور شاعر تھے۔

مولانا وکیل احمد کی ولادت ۹ ذی الحج ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء کو موضع دلپت پور ضلع سارن میں ہوئی جو ان دنوں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے سرحدی ضلع بلیلا کا ایک قصبہ ہے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو حیدر آباد، دکن میں انتقال ہوا وہیں آسودۂ خاک ہیں۔

مولانا سکندر پوری نسباً فاروقی تھے، آپ کے اجداد میں سے شیخ مبارک عدنی چشتی فاروقی (ف ۱۰۱۶ھ) نے ہندوستان آکر قصبہ سکندر پور میں قیام فرمایا وہیں آباد ہو گئے، ان کی ساری اولاد نے وہیں بود و باش اختیار کر لی، مولانا وکیل احمد نے یہیں سکندر پور میں پرورش پائی ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولوی دلی الحسنین سے حاصل کی، ۱۲ سال کی عمر میں جو پور چلے گئے جہاں خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین شاہ غلام معین الدین^۲ (ف ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء)، اس کے بعد مولانا محمد عبد العظیم آسی^۳ (۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴ء-۱۹۱۶ء) سے جو مولانا وکیل احمد کے چچا زاد بھائی بھی تھے، جو پور ہی کے مدرسہ فشی محمد امام بخش میں داخل ہوئے جہاں کے صدر مدرس مشور عالم دین مولانا محمد عبد الحلیم فرنگی محلی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) کی خدمت میں درس نظامیہ کی بعمر ۱۹ سال تکمیل کی، مولانا عبد الحلیم مذکور نے اپنے اس ہونہار متعلم کے لیے ملا جیون ایٹھوی (ف ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) کی اصول فقہ پر

۱۔ محمد ادریس گرامی: تذکرہ ملائے حال ۷، ص ۱۷۱، ص ۱: خیر الخواطر ۸ / ۵۱۷

۲۔ خیر الخواطر ۸ / ۵۱۸، امیر احمد لدھی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری، مقالہ مشورہ، پٹنہ، گراچی، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۷۷

۳۔ شاہ غلام معین الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: سلطنت لاہور ۳۵-۱۶۴

۴۔ مولانا محمد عبد العظیم آسی کے حالات کے لیے دیکھیے: سات الایام ۲۷-۲۰۴، کاظم باغی: حضرت آسی قادری چری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۴ء

کتاب نور الانوار شرح منار پر قمر الاقمار کے نام سے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو حاشیہ لکھا اس وقت مولانا سکندر پوری کی عمر ۱۸ سال تھی، یہ حاشیہ یہاں کے متعدد مطابع سے چھپنے کے علاوہ مصر سے بھی طبع ہو چکا ہے، مولانا فرنگی محلی فرماتے ہیں:

عند قراءة الفطین الامجد المولوی وکیل احمد من سکان السکندر فور صانها الله
عن الشور ذالک الشرح علی وترده الی

مولانا عبدالحلیم کے فرزند گرامی اور معروف عالم و محقق مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا سکندر پوری کو اپنے والد کے شاگردوں میں سب سے بہتر، سب سے افضل پر کھ رکھنے والے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع قرار دیا ہے۔

ان اساتذہ کے علاوہ مولانا سکندر پوری نے مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مولوی معین الدین کڑوی سے اور علم طب کی مولوی حکیم نور کریم دریابادی اور مولوی سید انور علی سے تحصیل کی، ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ، مولانا محمد نعیم لکھنوی اور مولوی امام الدین لاہوری سے بھی اسناد فراغت حاصل کیں۔ جون پور میں کچھ عرصہ مطب کیا، لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے حیدر آباد دکن روانہ ہو گئے، حسن اتفاق سے آپ کے استاد گرامی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ان دنوں وہاں مدرسہ نظامیہ کے فرائض تدریس و افتا پر فائز تھے، مولانا وکیل احمد ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو جب حیدر آباد گئے تو سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں پہنچے وہیں قیام کر لیا۔ اس وقت نواب افضل الدولہ بہادر دکن کے حکمران تھے مولانا سکندر پوری نے ڈپٹی کلرکی کے عہدہ سے ملازمت کا آغاز کیا اور عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے جج کے منصب سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے، ملازمت تقریباً ۲۹-۳۰ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری جتنے بڑے عالم و متکلم تھے اتنے ہی عظیم صوفی بھی تھے، آپ

۱۔ عبدالحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قرآن مجید ص ۴

۲۔ محمد رضا انصاری: "ایک ذہن مصطفیٰ" صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱

۳۔ تذکرہ ملائے جال ص ۹

۴۔ محمد رضا انصاری: "ایک ذہن مصطفیٰ" ص ۷۶

۵۔ جینا، امیر احمد قادری: مولانا وکیل احمد سکندر پوری (معارف) ص ۵۸

نقشبندی مجددی سلسلہ کے معروف بزرگ مولانا میر اشرف علی بن میر سلطان علی سے بیعت تھے، شیخ اشرف علی فن ادب و تصوف، حدیث، اسماء الرجال اور فقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، ان کے والد گرامی معروف مجاہد ٹیپو سلطان شہید کے ہاں ملازم تھے، اسی طرح میر اشرف علی بھی فن سپاہ گری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آخر دنیا ترک کر کے سلوک و معرفت حاصل کی، طبیعت میں استغنا حد درجہ کا تھا، حیدر آباد دکن کے نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس ملقب بہ مغفرت مکان جو سخاوت اور فقراء نوازی میں مشہور تھا کئی بار ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن انہوں نے اپنے توکل کے باعث انکار کر دیا، جب حیدر آباد میں وبا پھوٹی تو مولانا دکیل احمد سکندر پوری ان سے ملنے کے لیے گئے پہلے ان کے چہرہ پر پریشانی کے آثار تھے پھر اطمینانِ قلب نصیب ہوا، موصوف کوئی کام اپنے شیخ حضرت شاہ سعد اللہ حیدر آبادی نقشبندی کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، مولانا میر اشرف علی حضرت شاہ سعد اللہ (ف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خلیفہ تھے وہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، پھر انہیں حیدر آباد دکن میں مامور کیا گیا، موصوف سلسلہ نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں مجاز تھے، نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع غفران منزل ان کا معتقد تھا جس نے بارہا ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن آپ نے اجازت نہ دی، ان کے خلفاء میں سے مولانا اشرف علی کے علاوہ مولوی محمد عثمان، مولوی نیاز محمد بدخشی، مولوی حسن علی، مولوی عبدالرحیم واعظ، میر عبدالوہاب، میر رفعت علی، شاہ محمد مسکین، محمد نواز، قابل ذکر ہیں جن سے ان سلاسل کے فیوض و برکات دکن کے علاوہ کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوئے۔ (ہدیہ مجددیہ ۲۳۱) حاجی سعد اللہ کام فن حیدر آباد دکن میں مرجع خلافت ہے آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے جو حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ کے مشہور جانشین تھے (مقامات مظہری ۵۵۶، ۵۸۲)

مولانا دکیل احمد سکندر پوری کے چچا زاد بھائی محمد عبدالعلیم آسی (تاریخی نام ظہور الحق)

(۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۳-۱۹۱۶ء) بھی ایک ذی علم بزرگ اور اردو کے شاعر تھے ان کا تخلص آسی

تھا وہ خانقاہ رشیدیہ جو پور کے سجادہ نشین رہے، ان کا عارفانہ مجموعہ کلام عین المعارف کے نام سے سید شاہد علی رشیدی سجادہ نشین درگاہ رشیدیہ جو پور نے مرتب کیا جو کراچی کے ادارہ یادگار آسی غازی پوری سے ۱۹۸۸ء کو طبع

۱۔ مسامرہ تذکرہ نویس ملایہ اہل بیت علیہم السلام نے لکھا ہے: حج السید اشرف علی بن السید سلطان علی، منتہی الشیخ ماہ سنی بالمذیبتہ والحدیث منہ بروایت (فیض اللہ)

پیدا ہو گئے جن سے مذہبی ذہنوں میں ہيجان برپا ہو گیا جس سے عام ذہنوں کے لیے اضطراب کی کیفیت نے جنم لے لیا اس عہد کا سب سے بڑا مسئلہ اعتقادات کا تھا، جس پر اتنی بحثیں ہوئیں کہ ملک مناظرہ، مجادلہ اور مکابرہ کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا۔

گزشتہ گیارہ صدیوں سے عالم اسلام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلکوں میں تقسیم ہوتا رہا انہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو اپنا دستور حیات بنائے رکھا، لیکن ان آخری صدیوں میں نئے مبلغین نے تقلید اور عدم تقلید کی بحثیں چھیڑ دیں۔

ایک بہت بڑی لہر عدم تقلید کے ماننے والوں کی جو اپنے آپ کو اہل حدیث سے تعبیر کرتے تھے اس دور میں انہی اور یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کو جس کے ہندوستان میں ننانوے فیصد مسلمان تھے بری طرح متاثر کیا، اب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے رد میں اتنی کتابیں لکھیں کہ دور آخر میں غیر مقلدین کے ملجا و ماویٰ اور ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان (۱۸۳۲-۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر اس رد و قبول کے سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا، مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کو تادم واپسین رد وہابیہ میں مصروف رہنا پڑا، نزع کے عالم میں اپنے فرزند مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا اعداء دین (وہابیہ) کا کوئی رسالہ ایسا تو باقی نہیں جس کا ہم نے جواب نہ لکھا ہو اور ہمارے بعد عوام اہل اسلام کو باعث تشویش ہو تو اس کا جواب نفی میں دیا گیا۔

بھلا ان حالات میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری جیسا حساس دل و دماغ کا عالم اپنے دامن کو کیسے بچا سکتا تھا، مولانا نے بھی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور غیر مقلدین کی خوب خبر لی اس سلسلہ میں ان کے ایک معاصر مولانا عبدالحی حسنی کا بیان قابل توجہ ہے کہ مولانا سکندر پوری اہل حدیث اور سید احمد شہید بریلوی کے اصحاب کی "نکیر" تھے، لکھتے ہیں:

۱۔ السنن ص ۲۳ "در تعلق بہ کہ امت ہند میں فرقہ و تفریق میں اشتہار سب و شتم ہر کہ من اطمین کا ہوا" میں نے رد تعلقہ میں بہت کچھ لکھا (پیشا ۶۵)

۲۔ فتاویٰ رضویہ، اکمل جلد ۱۰ / ۱۲۰

شديد الرغبة الى المباحثة. كثير النكير على اهل الحديث و على الفئة الصالحة من اصحاب سيدنا الامام الشهيد السيد احمد بن عرفان الحسنی البریلوی

مولانا سکندر پوری کی اکثر تصانیف انہی اختلافی مسائل پر مشتمل ہیں اور بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ آپ نے ان موضوعات پر عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں، ان کتب میں سے رسالہ ابطال (بجواب ابطال الابطال سرد التاویل العلیل لنواب صدیق حسن خان) عربی، عقد الدرر (رد وہابیہ) عربی، فتح الاسلام علی الضلمہ (عربی) وہابی نامہ (فارسی) معین الطالبین (رد وہابیت) فارسی، اصباح الحق الصریح عن احکام المحدث الحسن الصبیح (بجواب ایضاح الحق تالیف مولانا محمد اسماعیل دہلوی) اردو، تبصرہ (تحریک وہابیت کا پس منظر مع مسلک اہل سنت)، سنجہ رضیہ (در جواز محفل میلاد) صیانت الایمان عن قلب الاطمینان (در اثبات میلاد) اردو، ناصح مشفق (مثنوی در رد وہابیہ) اردو نصرۃ المجتہدین بر وہفوات غیر المقلدین (اردو)، نتیجہ (رد وہابیہ بزبان اردو) کا موضوع ہی رد وہابیہ ہے۔

اس طرح فکر جدید کے علم بردار سر سید احمد خان کے خلاف بھی مولانا سکندر پوری نے عربی میں ارشاد المرغاد الی مسلک حجتہ احبار الآحاد (سر سید کے تہذیب الاخلاق کا جواب) اس کے علاوہ فارسی میں اقادہ علی جرح العبادۃ (یہ بھی سر سید احمد خان کے تہذیب الاخلاق کے رد میں ہے)، تہذیب الاخلاق ہی کے جواب میں مولانا سکندر پوری نے اردو میں محمد و لمجہات المجد و تالیف کی تھی، یہ تینوں کتابیں کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔

ان کتب کے علاوہ عربی میں صامت (بجواب میر باقر داماد)، شمس الضحیٰ (نعت) مراۃ الراۃ بشرح الاقراری شرح بوجز اقاری، ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، تفع المامون بدفع الطاعون، نور العینین فی تفسیر ذی القرنین، فارسی زبان میں مسابق الاطباء بیرۃ تنبول، تذکرۃ اللیب فیما متعلق بالطب والطیب، تریاق فاروق، رافع الوباء، یاقوتی، ماقوتی، کتاب اسرار، منج شایگان، لذت الوصال، رسالہ انبہ، تقریر و پذیر، خاتم سلیمانی، معیار الصرف، مغفرت نامہ (جواب اعتراضات مولانا محمد باقر آگاہ بہ سلسلہ اعتراضات بر مولانا عبدالعلی بحر العلوم)، مناجات، مکاتیب حاشیہ کشف المکتوم، (مولانا سعد اللہ لکھنوی اور مولانا عبدالعلیم فرنگی محلی کے مابین تصوف کے موضوع پر مباحث)

اردو زبان میں مولانا سکندر پوری نے مندرجہ ذیل کتب یادگار چھوڑی ہیں:

آئینہ چینی (ترجمہ تاریخی یمنی) اخبار نجات، اعتماد بخٹای اجتہاد، تحقیق (در مسئلہ ایمان یزید) تذکرہ العشائر (مولانا سکندر پوری نے اپنے اجداد کے حالات لکھے ہیں)، جلاء العیون ترجمہ الشفاء العیون، شائم عنبریہ در مدح خیر البریہ، رسالہ چچک، دستور العمل، عماد الاسلام در ذکر امیر شام، لمحہ نور، مہر انور فقہ اکبر، مقدمہ مہر انور (اس میں بہ تحقیق ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ دوسرے ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، نقل مجلس (روداد مناظرہ مابین مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی و مولانا مفتی اسد اللہ الہ آبادی) وسیلہ جلیلہ (توسل کے جواز میں بہترین کتاب ہے)، ہدایا (ترجمہ وصایائے امام ابو حنیفہ) یا قوت الرمانی شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی، فیصلہ عدالت شرعی فتاویٰ عالمگیری، مرانجہ (معانقہ اور مصافحہ کا اسلامی طریقہ) عمدۃ المطالب (در بحث ایمان حضرت ابوطالب) تنبیہ مخالفین (مسائل اہل سنت اور طریقہ حنفی کے مطابق نماز کے موضوع پر ہے) تنقیح البیان (در حمایت تعلیم نسوان)، علم النفس، سوانح حیات (مولانا سکندر پوری نے اس میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں) طبع نہیں ہو سکی، اعتماد بخطاء اجتہاد، ان کتب کے علاوہ عربی میں حد العرفان (فلسفہ تصوف)، ہدیۃ العرفان، تخریج احادیث گلستان و بوستان، شرح فقہ الاکبر، عقد الدرر (وہابی تحریک کے خلاف)، تبصرۃ الشیخ والشاب (افکار شیخ اکبر ابن عربی پر تبصرہ)، اردو کتب میں رسالہ تحقیق (در مسئلہ طعن بریزید) بھی آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی دیوان ۱۳۰۶ھ کو لکھنؤ سے طبع ہوا تھا جو دراصل نواب صدیق حسن خان کے دیوان نفع الطیب کے جواب میں ہے نواب صاحب کے دیوان کا موضوع عربی و فارسی ادب کی بجائے رائے، خرد، اجماع اور تقلید کی مذمت ہے، مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ہر نظم کا ترکیب کی جواب دیا ہے اور بہت ہی مزے لے لے کر طنز و مزاح کیا ہے ان کے بعض دیگر منظوم رسائل کے علاوہ فارسی میں خوان یغما (مثنوی بجواب من و سلوی مصنفہ مفتی عباس شوستری) بھی طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ عمدۃ الکلام بجواز کلام الملوک ملوک الکلام، ازالۃ الحن عن اکسیر البدن، ابطال الاباطیل برد التاویل العلیل، ارشاد العنود الی طریق ادب عمل المولود، الکلام المقبول فی اثبات اسلام آباء الرسول، تسمیۃ السبانی بالکناح الثانی، دافع الشقاق عن اعجاز الانشاق، ادحاضات شرح ایماضات، ازوجار بجواب اشتہار، بصائر ترجمۃ الاشباح و النظائر کا ذکر صاحب نزہۃ الخواطر (۵۱۸ / ۸) نے کیا ہے اور آپ کے معاصر مولانا محمد ادریس نگرانی نے آپ کی تصانیف کا سب سے زیادہ ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کے نام بھی لکھے ہیں:

ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، تقویم الاسلام، تنقیح البیان، بجواز تعلیم کتابۃ النساء، تصحیح فتاوی علماء زمان
بجواز تعلیم کتابۃ النساء، رسالہ اذان، زبدۃ التحریر، (تذکرۃ علمائے حال ۹۷-۹۸)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳-۱۶۲۳ء)
کے دفاع میں تین ضخیم اور معرکہ آرا کتابیں تصنیف کی تھیں اول ہدیہ مجددیہ دوم انوار احمدیہ اور سوم الکلام المنجی
جن کی تفصیل اس طرح ہے:

ہدیہ مجددیہ

یہ کتاب دراصل حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، شیخ محدث کو حضرت مجدد الف ثانی کے
بعض مکاشفات و عرفانی مندرجات پر شکوک و شبہات پیدا ہو گئے وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مرید
حسن خان افغان کسی بات پر آپ سے ناراض ہو گیا اور آپ کے مکتوبات کے بعض اجزاء اپنے ساتھ لے گیا اس نے
قصد ان میں تحریف کر کے اس وقت کے مقتدر علماء کے پاس بھیجے وہ دہلی بھی آیا اور نقشبندی سلسلہ کی مرکزی
خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ /
۱۶۴۳ء) اور حضرت شیخ محدث کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ محرف مکتوبات دکھائے، یہ دونوں بزرگ بغیر تحقیق
احوال کے حضرت مجدد الف ثانی سے کبیدہ خاطر ہو گئے، حضرت شیخ محدث نے باقاعدہ ایک طویل مکتوب بصورت
اعتراضات لکھا جسے اس وقت مخالفین نے خوب شہرت دی، جب حضرت مجدد الف ثانی نے اصل مکتوبات ان
حضرات کو ارسال کیے تو ان کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور آپ نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا، اور صفائی
باطن پر باقاعدہ خط لکھ کر اظہار کیا آپ کا یہ مکتوب آپ کی کتاب اخبار الاخبار کے آخر میں شامل ہے اسی طرح
حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ حسام الدین احمد مذکور کو ایک خط (۳ / ۱۲۱) لکھ کر باقاعدہ برادرانہ شکوہ کیا ہے کہ
شیخ محدث نے مجھے خط لکھنے کی بجائے میری بدنامی کی اور اس قسم کا خط دوسروں کو لکھا حضرت شیخ محدث کی صفائی
باطن اور رجوع کے باوجود کئی اصحاب نے اس رسالہ اعتراضات کے جواب میں مدلل رسائل لکھے جن ملا معین

ٹھٹھوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی اور آخری رسالہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا ہدیہ مجددیہ ہے، ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اس کے مقدمہ میں کی ہے۔

مولانا سکندر پوری کی دوسری اہم کتاب انوار احمدیہ قاری میں ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے اسباب بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

ایک شخص گجراتی، جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام معارف نظام کا انکار کرتے ہوئے لب کشائی کی اور اپنے خرافات کے ذریعہ آپ پر سب و شتم کی..... وہ اتنا مجہول اور غیر معروف آدمی ہے کہ اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے اور نہ کسی عالم کی زبان سے سننے میں آئے اس نے اپنی شہرت کی بنیاد اولیاء کاملین کی تنقیص پر رکھی ہے..... گجراتی نے بارہ ہزار روپے بطور نذرانہ مدینہ منورہ کے ایک عالم سید محمد برزنجی کی خدمت میں ارسال کیے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارات کا عربی ترجمہ کر کے برزنجی صاحب سے فتویٰ طلب کیا کہ ایسی باتیں لکھنے والے کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں..... برزنجی نے اس عطیہ کو بہت غنیمت جانا اور قدح الزند کے نام سے بہت جدوجہد کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں حضرت مجدد الف ثانی کی توہین و تکفیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا..... جب برزنجی نے مدینہ طیبہ کے قاضی و مفتی سے اس پر مہر تصدیق کی درخواست کی تو وہ ان کی منت سماجت کے باوجود راضی نہ ہوئے تو پھر برزنجی مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں کے حرم محترم کے مفتی و قاضی سے اس پر تصدیق کے لیے التجا کی تو ان میں سے کسی ایک نے بھی مہر و دستخط نہ کیے..... اب ناچار انہوں نے غیر معروف ”سوقیوں“ سے اس رسالہ پر مہر لگوا کر گجراتی کو بھیج دیں، اس نے ان شبہات کا ترجمہ کیا اور چند امور کا اس پر اضافہ کر کے خود ایک کتاب مکاشف الاسرار کے نام سے لکھ کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر ”زشت و تکفیر و تفسیق و اضلال“ سے اپنے ”لب و دہان“ کو آلودہ کیا ہے..... اس پر طرفہ یہ ہے کہ گجراتی موصوف تصوف سے واقف ہی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ کو عارف سمجھتا تھا، وہ صوفیہ کرام کی اصطلاحات سے بھی واقف نہیں تھا.....

چونکہ مؤلف (مولانا ذکیل احمد سکندر پوری) خود نقشبندی ہے اس لیے اس قسم کے سخنان

تضلیل و تکفیر کے خلاف لکھنے پر تیار ہوا۔۔۔ (انوار احمد یہ ص ۲-۶)

ہمارا قیاس ہے کہ کاشف الاسرار کے مؤلف گجراتی نے اپنا نام اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ اس وقت کا حاکم

اور نگزیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ء / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) خانوادہ نقشبندیہ کا معتقد خاص بلکہ حضرت خواجہ محمد معصوم

سرہندی قدس سرہ (۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مرید مخلص تھا، اگر گجراتی اپنا نام لکھتا تو اس پر حکومت کی طرف سے

گرفت کا قوی امکان تھا۔

بہر حال اس وقت یعنی گیارہویں صدی ہجری گجرات اور اورنگ آباد (دکن) میں سلسلہ مجددیہ کی

مخالفت اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کے اسباب اس سلسلہ کے بزرگ افراد کی معاشرہ میں بے حد توقیر و

احترام تھا پھر حکومت کی طرف سے ان کے اعزاز و اکرام نے دیگر علماء و مشائخ کو حسد کا شکار کر دیا تھا۔

شیخ سید محمد بن عبدالرسول برزنجی (۱۰۴۰-۱۱۰۳ھ / ۱۶۳۰-۱۶۹۱ء) جو سلسلہ مجددیہ کے عرب

مخالفین میں پیش پیش تھے، کی اولاد اورنگ آباد آکر مقیم ہو گئی تھی، محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی

برزنجی مذکور کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا، اس نے اپنے دادا کے رسائل کی نقول کر کے انہیں

یہاں مشہر کیا جن کے خطی نسخے اس وقت کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ (فہرست بعضی کتب نفیسہ قلمیہ

جلد دوم ص ۳۳۷-۳۵۰، ۳۵۶، ۳۶۳) علامہ برزنجی نے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف ایک مستقل رسالہ

الناشرة الناجرة للفرقة الفاجرة عربی میں لکھی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مجدد الف ثانی نے

نبوت کا دعویٰ کیا تھا (فہرست محولہ بالا ۲ / ۳۶۳ نمبر ۲۲۳ فن کلام) یہ ساری مخالفت جو عربستان میں ہوئی کے

محرک سید محمد برزنجی تھے جن کا پورا نام سید محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید حسنی برزنجی ہے، فقہائے شافعیہ میں

سے تھے، شہر زور میں ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو متولد ہوئے، ہمدان، بغداد، دمشق، قسطنطنیہ اور مصر میں رہے، آخر

مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء کو فوت ہوئے، کئی کتابوں کے مؤلف تھے ان میں سے حل

مشکلات ابن العربی بھی ہے جو انہوں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کی تھی (الاعلام ۶ / ۲۰۴) اس کتاب سے

موصوف کے صوفیانہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے مکتبہ فکر سے قریبی لگاؤ تھا، ہمارا یہ بھی

قیاس ہے کہ جب مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں شیخ ابن عربی کے مشکوفات اور ان کے نظریہ وحدت الوجود

کے خلاف مواد نظر آیا تو وہ مخالفت پر آمادہ وہ گئے، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حرمین الشریفین میں ان کے شاگرد سے تحصیل کر چکے تھے انہی سید محمد برزنجی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشکی موجود تھی۔ (انفاس العارفین ۱۸۴)

حرمین الشریفین میں افکار حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف یہ مہم حدود ۱۰۹۰-۱۰۹۶ھ میں ہوئی علامہ محمد بیگ مذکور کار سالہ عطیہ الوہاب ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا (مقامات مظہری ۴۸۲ طبع دوم) مذکورہ سنین کے دوران اس مخالفت کے آثار ہندوستان میں بھی نمایاں ہوئے اور اورنگ آباد اس کامرکز بنارہا، سید محمد برزنجی کی اولاد ان دنوں اورنگ آباد میں مقیم اور برزنجی کی تصانیف کی نقول کرنے میں مصروف تھی ان میں سے محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا اپنے پردادا کے رسائل کی کتابت اور اشاعت پر مامور تھا، اس نے العصب الہندی لاستیصال کفریات احمد سرہندی تالیف ابو علی حسن علی مکی عجمی (تالیف بسال ۱۰۹۳ھ) کی کتابت ۱۱۵۷ھ کو یہیں اورنگ آباد میں کی تھی اس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۳۷)

سید محمد برزنجی کی اپنی تصنیف قدح الزند و قدح الہمدی رد جہالات اہل سرہند کی کتابت بھی اسی مذکورہ پڑپوتے نے ۱۱۷۷ھ کو یہیں کی جس کا خطی نسخہ مذکورہ کتابخانہ میں ہے (ایضاً ۲ / ۳۵۰)

الکلام المنجی بردایر اداۃ البرزنجی

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے علامہ سید محمد البرزنجی کے رسالہ قدح الزند کا عربی میں رد لکھا، مؤلف بزرگ اس کے دیباچہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

محمد صالح اورنگ آبادی اور گجراتی اور ان کے قبیعین محمد عارف اور عبد اللہ سورتی نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا جو انصاف سے بہت دور اور محرف تھا، انہوں نے یہ ترجمہ سید محمد البرزنجی کو مدینہ منورہ بھیجا اور ان سے ان افکار و خیالات کے حامل کے بارے میں جواب طلب کیا، انہوں نے اس کے ساتھ کچھ رقم بھی ارسال کی، جس کے جواب میں علامہ برزنجی نے ایک رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات کے رد میں لکھا جس میں آپ کو فاسق اور کافر قرار دیا، اس رسالہ پر انہوں نے مدینہ منورہ کے قاضی اور مفتیوں سے

تصدیق کروانے کے لیے ان سے مواہیر لگانے کی استدعا کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں بھی یہی معاملہ درپیش ہوا..... اس دوران شیخ نور الدین محمد بیگ (ترک عالم) اس امر کی تحقیق کے لیے حرمین الشریفین آئے..... انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی اصل عبارتوں کے تراجم عربی میں کیے تو بعض علماء کو جب یہ دکھائے گئے تو وہ حیران بھی ہوئے اور اپنے خیالات سے رجوع کرتے ہوئے اپنے فتوے واپس لے لئے، شیخ محمد بیگ مذکور نے اس ساری صورت حال میں وہ تمام عبارات مکتوبات صحیح عربی میں منتقل کیں اور بہ شکل استفتاء اسے حرمین کے تمام اکابر علماء کی خدمت میں بھیج کر تصویب کروائی، شیخ محمد بیگ کا یہ رسالہ عطیۃ الوہاب بین الخطاء والصواب کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی ترجمہ شیخ محمد مراد قازانی مکی رمزی کے حاشیہ پر یہ پورا رسالہ بھی طبع ہوا تھا..... سید محمد برزنجی کی اس کتاب کا رد مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے الکلام المنجی کے نام سے کیا برزنجی کا نبیرہ اس کتاب کے ترقیمہ میں مذکورہ کتاب عصب الہندی کے مطالعہ کی باقاعدہ دعوت دیتا ہے، سید محمد برزنجی کی ایک اور کتاب الناشرة الناجرة للفرقة الفاجرة بھی ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو تصنیف ہوئی تھی، اس کے مندرجات بھی بہت ہی پست اخلاقی اور غیر علمی خیالات پر مبنی ہیں کہ ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو ہندوستان سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے خیالات یہاں عرب میں پہنچے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا:

”در ۱۰۹۳ھ از ہندوستان ضلالت و خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در

دیار عرب رسید کہ او دعویٰ رسالت کردہ

(فہرست مخطوطات آصفیہ ۲/ ۳۳)

گویا ان حضرات کی مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور غیبت کرنے والوں نے ”مجدد الف ثانی“ کے مبارک لقب کو ”دعویٰ رسالت“ بنا کر پیش کیا تھا، اسی کتاب میں سید برزنجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس سے پہلے شیخ احمد سرہندی، آپ کی اولاد اور خلفاء کی رد میں نور سالیے تصنیف کر چکے ہیں یہ ان کا دسواں رسالہ ہے، مولانا

شیخ محمد بیگ بن محمد بن خواجہ محمد بن سہب بخاری حنفی نقشبندی کی ولادت ۱۰۴۱ھ اور وفات ۱۱۱۰ھ کو ہوئی، کئی کتابوں کے مؤلف تھے، عطیۃ الوہاب مذکورہ کے علاوہ

مغن غلامہ السیر (مرتبہ) (اکثر عمود احمد اعظم) طبع ہو چکی ہے۔ ہدیۃ احمد لہجہ ۲/ ۲۸۲ ہندج المنون معلم المؤمنین ۱۱/ ۲۹۷، فوائد حملہ نتائج السیر۔ مولفہ مصطفیٰ حوی ہجرت

وکیل احمد سکندر پوری نے برزنجی کے ساتھ ہی محمد صالح اور تنگ آبادی کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے، برزنجی نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے پہلے محمد صالح مذکور شیخ احمد سرہندی کے رد میں کئی رسائل لکھ چکا ہے۔ (الناشرہ، مذکور، خطی بحوالہ فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۶۳) ہم نے اور تنگ آباد کی مذکورہ سنین کی اس مخالفانہ فضا کا قدرے تفصیل سے تذکرہ اپنی کتاب احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری میں کیا ہے (۱۵۹-۱۶۴)

ہمیں ان بہت سے مخالفانہ رسائل کے رد میں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دفاع میں لکھے جانے والے رسائل کی ایک مفصل اور طویل فہرست بنانے کی سعادت بھی نصیب ہو چکی ہے، یہ فہرست رسالہ نور اسلام شر قیور کے حضرت مجدد الف ثانی نمبر میں شامل ہے کتاب الکلام السنہی ایک مقدمہ، پانچ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، حضرت مؤلف نے مقدمہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مناقب، آپ کی تصانیف اور خلفاء کا مختصر مگر بہت ہی جامع تعارف کروایا ہے، اس کے بعد ہجرات اور دکن وغیرہ میں جو مخالفانہ سرگرمیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے پھر کس طرح ایک غیر معروف مجہول گجراتی نے بارہ ہزار روپے کی رقم جمع کر کے سید محمد برزنجی کے پاس بھیجی اور انہوں نے اس رقم کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے سہارے کس طرح حرمین الشریفین میں مخالفت کا آغاز کیا، پھر اس دوران ایک ترکستانی عالم شیخ نور الدین محمد بیگ وہاں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس مکرر فضا کو کس طرح بدلا اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی اصل عبارات کا کامل ترجمہ عربی میں کر کے انہی علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا اور فتویٰ طلب کیا جس کے بعد اس مخالفت میں کمی واقع ہوئی..... مولانا سکندر پوری نے باقی پانچ ابواب میں سید محمد برزنجی کے مخالفانہ اقوال کی بہت ہی بھرپور طریقہ سے تردید کی ہے، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو جدید عربی ٹائپ میں کمپوز کر کے ایک مفصل عربی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

ماخذ

- ۱۔ محمد اور یس جگرمی: تذکرہ علمائے حال (تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان)، لکھنؤ ۱۸۹۷ء
- ۲۔ عبد الحمی حسنی: نزہۃ الخواطر / ج ۸، طبع عکسی کراچی
- ۳۔ امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری، ۱۹۶۷ء
- ۴۔ عبد المجید کتاب: سمات الاخیار، جونپور، ۱۳۴۴ھ

- ۵۔ کاظم ہاشمی: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۳ء
- ۶۔ آسی، عبد العظیم ظہور الحق غازی پوری: عین المعارف مرتبہ شاہد علی رشیدی، کراچی / ۱۹۸۸ء
- ۷۔ عبد الحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قمر الاقمار، دہلی ۱۳۲۳ھ
- ۸۔ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف، مقالہ مشمولہ نذر مقبول، جونپور، ۱۹۷۰ء
- ۹۔ وکیل احمد سکندر پوری: انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، الکلام المنجی، دہلی ۱۳۱۱ھ
- ۱۰۔ صفرا احمد معصومی: مقامات معصومی تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال، لاہور ۲۰۰۴ء
- ۱۱۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری، تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۱ء (طبع دوم)
- ۱۲۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، کتابخانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ
- ۱۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاء المنین بالقاء المحن، بھوپال، ۱۳۰۵ھ
- ۱۴۔ ضیاء، محمد یعقوب: اکمل التاریخ، بدایون، ۱۹۱۶ء
- ۱۵۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: انقاس العارفین، دہلی ۱۳۳۳ھ
- ۱۶۔ زرکلی، خیر الدین: الاعلام، بیروت، ۲۰۰۵ء
- ۱۷۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبد اللہ خواجگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۸۔ علی شیر خان: اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات، غازی پور، ۱۹۹۸ء

(رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی، مقدمہ، لاہور، ۱۲۰۱ء)

حکیم اعظم خان رام پوری

حکیم محمد اعظم خان رام پوری چودھویں صدی ہجری کے نامور طبیب، عالم اور شاعر تھے۔ حکیم محمد اعظم خان بن حکیم اعظم خان بن رضی خان بن اسماعیل خان کا تعلق افغانوں کے قبیلہ اکوزی (Akozaie) سے تھا۔ اس خاندان کے سارے افراد سلاطین و امرا کے ہاں عمدہ منصبوں پر فائز تھے۔ کئی بڑے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔

اس خانوادے میں سے رضی خان عرف روزی خان سوات سے آئے اور جمعدار (Jamadar) کا عہدہ ملا۔ پھر نواب سید فیض اللہ خان کی ملازمت میں آگئے، رام پور میں انہیں سو بیگھ زمین ملی ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درانی کی طرف سے مرہٹوں سے مقابلہ کیا جس کے صلے میں کئی گاؤں بطور جاگیر ملے۔ اس کے علاوہ بھی رضی خان کئی معرکوں میں پیش پیش رہے۔ اور ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء کو انتقال کیا۔ (تذکرہ کالملاں رام پور ۴۳-۴۴) رضی خان کے آٹھ فرزندوں میں سے حکیم شاہ اعظم خان ہی حکیم محمد اعظم خان رام پوری کے والد تھے۔ حکیم اعظم خان ابتدائی تعلیم کے بعد دیگر علوم و فنون کی تحصیل کے لیے مولوی عبدالرحیم خان بن حاجی محمد سعید (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) اور مفتی شرف الدین رام پوری (ف ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ (تذکرہ کالملاں رام پور ۴۴، نزمۃ الخواطر ۸/۳۰۹)

ملازمت کا آغاز ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء کو بھوپال (Bohpal) جا کر نواب جہانگیر خان عرف نواب دولہا (Dolha) سے کیا۔

نواب دولہا جو ان دنوں قدسیہ بیگم کی قید میں تھے حکیم اعظم خان کی کوشش سے رہا ہوئے ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو قدسیہ بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے معزول ہوئیں تو ریاست نواب دولہا کو ملی۔ نواب نے حکیم اعظم خان کی دو سو روپے ماہوار تنخواہ اور سو روپے ماہوار خرچ کے لیے مقرر کیے۔ اور دو گاؤں بھی بطور

جاگیر عطا کیے۔ نواب کے خصوصی معالج کی حیثیت سے کئی بار انعامات سے نوازے گئے۔ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء کو نواب دولہا کا انتقال ہو گیا۔ بڑودھ (Barodaha) سے انہیں زیادہ تنخواہ کی پیش کش ہوئی لیکن نواب سکندر بیگم نے جانے نہیں دیا۔ ایک بار حکیم اعظم خان لکھنؤ گئے تو سلیمین (William Henery Sleemann) سے بھی ملے جو لکھنؤ کے ۱۸۴۹-۱۸۵۶ء تک ریزیڈنٹ (Resident) تھے۔ (Dictionary of Indian Biography, P.112)

سلیمین سے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات معلوم ہوئے۔ وہاں حکیم صاحب کو کئی طرح سے نوازا گیا۔ راجہ مان سنگھ چاہتا تھا کہ حکیم صاحب کو سلون (Saloon) کا ناظم مقرر کر دیا جائے مگر انہوں نے وہاں کے ابتر حالات سے واقفیت کی بنا پر انکار کر دیا۔ (تذکرہ کا ملان رام پور ص ۴۵)

اس دوران واجد علی شاہ نے اپنے علاج کے لیے روکنا چاہا تو انکار کرنا پڑا۔ اور آپ اندور (Andor) چلے گئے۔ کچھ عرصہ اجین (Ujeen) میں بھی رہے۔ (ہمانجا ۴۵)

مہاراجہ نکوجی راوہلکر نے اپنے ہاں بصد احترام ملازم رکھ لیا۔ اب مہاراجہ کے طبیب خاص تھے جہاں چند سال صدر کوٹ کے جج بھی رہے۔ نواب کلب علی خان رام پوری اور مہاراجہ کے مابین خوشگوار تعلقات بھی حکیم صاحب ہی کی بدولت قائم ہوئے تھے۔ (ہمانجا ۴۵-۴۶)

نواب کلب علی خان نے حکیم صاحب کو رام پور بلایا وہاں زمین دی جہاں آپ نے اپنے کئی رہائشی مکانات تعمیر کروائے۔ (تذکرہ کا ملان رام پور ۴۶)

ریاست اندور (Andor) نے آخری عمر میں حکیم اعظم خان کی پنشن بھی مقرر کر دی جو اڑھائی سو روپے ماہوار تھی۔ آپ کا بیٹا حکیم محمد افضل خان آپ کے حین حیات ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء کو انتقال کر گیا۔ ان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان عرصہ تک اندور میں رہے اور وہ طبابت کے فن میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم محمد اعظم خان رام پور کے مشہور شیخ طریقت میاں محمد امیر شاہ (ف ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء) سے بیعت تھے۔ اور تعلیم سلوک سے بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۴، ۶۰)

حکیم محمد اعظم نے ۴ محرم ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء انتقال کیا۔ (ہمانجا ۴، نزہۃ الخواطر ۸ / ۴۰۹)

حکیم محمد اعظم خان شاعر بھی تھے اور اعظم تخلص کرتے تھے لیکن دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔

حکیم اعظم کی تمام تر کتب فارسی نثر میں اور علم طب کے موضوع پر ہیں، اس فن میں ان کی وسیع النظری ان کی تالیفات سے عیاں ہے۔ معالجات میں قدیم ترکیبیں مد نظر رہتی تھیں اور قدما کے تجربات سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کے معاصر آغا سنجرا ایرانی نے ان کے فن طب میں تبحر کے پیش نظر انہیں ”بوعلی سینا ہند“ کہا ہے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ۳۶-۳۷) ان کے والد کا لقب ملک الاطباء تھا (اکسیر اعظم۔ برگ اول) ان کی بعض کتب پر ان کا لقب ناظم جہان بھی لکھا ہوا ہے۔ (اکسیر اعظم، سرورق) حکیم اعظم خان کی طبی تالیفات کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

۱۔ اکسیر اعظم

یہ کتاب فارسی نثر میں چار ضخیم اور قطع کلاں میں طبع ہوئی ہے۔

لکھنؤ سے ۱۸۸۳ء (دوبار) ایک اور ایڈیشن ۱۲۸۶ھ بھی نظر سے گذرا ہے۔

پہلی جلد کے ۵۳۸، دوسری کے ۵۶۹ اور تیسری جلد کے ۷۷۴ صفحات ہیں۔ اس کی چوتھی جلد کانپور

سے ۱۲۹۸ھ میں چھپی تھی۔

یہ کتاب معالجات پر ہے۔

جلد اول:

مقدمہ، منافع، شرح علامات و علاج بیماریہای مزاجی و سر و صورت و چشم و گوش و بینی، بیماریہای عصبی و

روانی، اقسام مزاجہا۔۔۔ انقباض انف۔۔۔۔۔

جلد دوم:

بیماریہای لب و کنج و ہن، صورت، وہان، زبان، حنک، دندان، مری، صفرا، حلق و حنجرہ، ریہ، قلب۔۔۔

جلد سوم:

بیماریہای کبدی، مرارہ، طحال، امعاء، مقعد، کلیہ، مثانہ، اعضاء تناسلی، امراض صفاق، امراض رحم

جلد چہارم:

امراض ظہر و اطراف، حمیت، اعراض تابع۔۔۔ امراض جلد، امراض ظفر،۔۔۔ سموم۔۔۔ معدنیہ، نباتیہ، مشروبہ۔۔۔

خاتمہ۔۔۔ در بیان اوزان ادویہ، فہرست ادویہ در موقع نسخہ نویسی طبیب احتیاج داشتہ باشد۔۔۔

رموز اعظم:

یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں فارسی نثر میں ہے۔

جلد اول طبع دہلی ۱۹۲۵ء

یک مقدمہ، کلیات، امراض و معالجات آہنہا

جلد دوم:

یہ جلد بھی دہلی سے ۱۳۲۳ھ میں چھپی تھی۔ مشتمل بر امراض و معالجات آہنہا

قرا بادین اعظم:

یہ کتاب فارسی نثر میں مرکبات کے موضوع پر ہے اور حدود ۷۲۰ صفحات میں ۱۹۳۷ء سے قبل تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

حکیم اعظم خان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان نے اس میں اضافات کر کے ایک ضمیمہ بنام قرا بادین اعظم و اکمل دہلی سے ۱۸۹۸ء میں شائع کی۔ جو ایک مقدمہ، فہرست ادویات، امراض کہ در قرا بادین مسطور اند متن بہ ترتیب حروف تہجی۔۔۔ (فہرست کتابہای چاپی فارسی طبعی ۶۰۸)

نیر اعظم:

یہ کتاب علم نبض شناسی کے موضوع پر ہے۔ فارسی نثر میں دہلی سے ۱۲۱۷ھ اور کانپور سے بھی ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی۔

مقدمہ، فوائد مستقلہ بہ نبض،۔۔۔ نبض ہای امزجہ، اجناس، فصول و بلدان، ریاضت، استفرافات، استحمام و اغتسال، ماکول و مشروب، نوم و یقظہ، امراض نفسانی، مطلق اوجاع، امراض سر، امراض صدر، امراض قلب، معدہ، جگر، اعضای تناسل، پشت، نبض حیات، بحران، اورام و ثبورہ، امراض جلد، سمومات۔
(فہرست کتابہای چاپی طبی ۷۹۰-۷۸۹)

رکن اعظم:

یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے اور اس میں جسمانی بحران کا بیان ہے، دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں طبع ہو چکی

ہے۔

محیط اعظم:

یہ حکیم اعظم خان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب ہے جو چار بڑی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ علم مفردات پر ہے۔ حکماء اسے طب کے دائرۃ المعارف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اس کی چاروں جلدیں کانپور سے ۱۳۱۳ھ، میں طبع ہو کر نشر ہوئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست

کتابہای چاپی طبی ص ۷۰۰)

قسطاس الاعظم:

یہ طبی لغات ہے، جس کا خطی نسخہ دو ضخیم جلدوں میں حکیم محمد اکمل خان ساکن رام پور کے پاس ہے۔

(تذکرہ کالمان رام پور ص ۳۷)۔

مآخذ

- ۱۔ شوق، احمد علی خان: تذکرہ کا ملان رام پور مرتبہ شعائر اللہ خان۔ پٹنہ ۱۹۸۶ء
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء
- ۳۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہای چاپی فارسی طبعی۔ تہران ۱۳۳۲ش
- ۴۔ مشار، خان بابا: فہرست کتابہای چاپی فارسی۔ تہران ۱۳۵۲ش
- ۵۔ Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1960

۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ۔ قارہ، تہران

مولانا احمد شاہ رضوانی پشاور

قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاور، ہندوستان کے برطانوی عہد حکومت کے ایک تذکرہ نویس، شاعر اور صوفی تھے۔ ان کے والد قاضی میر اخوند عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ تھے۔

میر احمد رضوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اکبر پورہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور جسے ان کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے چلے گئے اکبر پورہ میں ان کی ولادت ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں ہوئی تھی۔ مزید تعلیم کے لیے چھ ہزارہ پنجاب اور خراسان کا سفر کیا۔

۱۸۷۵ء میں لاہور گئے جہاں مختصر مدت میں مولوی عالم، منشی فاضل، مولوی فاضل، طب، قانون اور ریاضی کی سندیں حاصل کر لیں۔ انعام اور تمغہ بھی پایا۔

۱۸۷۹ء میں نور مل کالج امرتسر میں علوم شرقیہ کے استاد مقرر کیے گئے اور تقریباً چار سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۸۳ء کے آغاز میں وائٹ کنگ (سیکریٹری فنانس کمشنر پنجاب) نے انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا۔ اور ان کے ہمراہ طویل دورہ بھی کیا اس ہمراہی میں موصوف سیکریٹری کو پڑھاتے رہے۔ یہ سفر پنجاب، سرحد، افغانستان، راجپوتانہ، میسور، مالوہ، مدراس، بنگال اور کشمیر وغیرہ کا تھا۔ کلکتہ میں عربی، فارسی اور اردو کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۸۸ء میں واپس اپنے مستقر میں آئے یہ مسافرت تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

۲۹ سال کی عمر میں نور مل سکول راولپنڈی میں نومبر ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۶ء تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس سال یعنی ۱۸۹۶ء کو سنٹرل ماڈل سکول میں بحیثیت استاد تقرر ہوا جہاں تقریباً سات سال تک ملازمت کی۔

۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو قیصر ہند کی سالگرہ کی تقریب میں ان کو ”شمس العلماء“ کا خطاب مع خلعت اور ایک تمغہ

بھی ملا۔

۳ جولائی ۱۹۰۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں اورینٹل ٹیچر (استادِ علوم شرقیہ) مقرر ہوئے۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء تا ۹ جولائی ۱۹۰۶ء آپ پنجاب ٹیکسٹ بک ریوژن کمیٹی میں ملازم ہوئے اور اپنے فرائض

ادا کیے۔

تالیفات:

۱۔ میر احمد رضوانی کی تالیفات میں سے سب سے اہم کتاب تحفۃ الاولیاء ہے جو صوبہ سرحد کے مشہور صوفی اخون پنخو پشاوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۳۱-۱۶۳۰ء) کے حالات، مناقب اور ان کے خلفاء کے احوال پر فارسی نثر میں ہے کتاب کی نثر نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں جب کہ اجیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر محکف تھے، لکھنے کا آغاز کیا۔ وہیں حضرت خواجہ کی شان میں عربی اور فارسی میں قصائد لکھے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ اور یہ کتاب لاہور سے ۱۳۲۱ھ میں اس وقت شائع ہوئی جب آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں علوم شرقیہ کے مدرس اعلیٰ تھے۔ (سرورق کتاب مذکور)

۲۔ ریڈر جدید عربی گریجویٹ و بک گرانٹمر، برائے سیکنڈری سکولز

یہ نصابی کتب چار عدد ہیں جو آپ نے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے مابین مرتب کر کے شائع کروائیں۔ جبکہ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی میں اعادہ کرنے والی کمیٹی کے ممبر تھے۔

۳۔ دیوان اشعار:

میر احمد رضوانی کا مجموعہ کلام ہے۔ جس میں عربی، فارسی اور اردو کی منظومات ہیں۔ کلام میں روانی اور بر جستگی پائی جاتی ہے۔ قصائد کا حصہ بھی قابل توجہ ہے۔ جس میں کئی اہم قطعات تاریخ اور تاریخی قصائد بھی شامل ہیں۔

میر احمد شاہ رضوانی کی تالیفات کی تعداد حدود ۳۵ ہے لیکن دست بردِ زمانہ سے ان کے مسودات محفوظ نہیں رہ سکے۔ میر احمد رضوانی اوائل ۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔

مآخذ

- ۱۔ رضوانی، میر احمد شاہ پشاورى: تحفۃ الاولیاء، لاہور، مطبع مفید عام ۱۳۲۱ھ
- ۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹۶۳-۱۹۷۲ء
- ۳۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیہ سرحد، لاہور ۱۹۶۶ء
- ۴۔ فائزر اینڈ رپورٹس سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور۔ مملوکہ دفتر کالج، لاہور
- ۵۔ فیوض الرحمن: علماء سرحد کی تصنیفی خدمات۔ لاہور (سن۔ن)

۲۷ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

صوفیہ گرام

بابا رتن بن کرپال

بابا رتن ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی، محدث اور راویانِ حدیث میں سے تھے۔

بابا رتن بن کرپال بن رتن بترندی، ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں نام کے اول میں بھی اختلاف ہے۔ رتن اور رطن دونوں طرح آیا ہے۔ (الاصابہ ۲/ ۲۷۵۳ / ۲۲۵) ان کی نسبت البترندی (Al-Badtrandi) ہے۔ ہندو سے ماخوذ ہے۔ جو ہندوستان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے (تاج العروس ۹/ ۲۱۲) یہ شہر اب بٹینڈہ (Bhatinda) کے نام سے معروف ہے۔ جو تحصیل گوہند گڑھ (Gobind garh) مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں ہے۔ اسی شہر میں حاجی بابا رتن کی ولادت ہوئی (آئین اکبری ۲/ ۲۰۷)

بابا رتن کے متعلق متضاد بیانات ملتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمر ہندوستانی و تھے (القاموس، مادہ البترندی)، دوسری روایت ان کے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، تیسری روایت ہندوؤں کی ہے جس میں انہیں ہندو ثابت کیا گیا ہے۔

صوفیہ کی کتابوں فصل الخطاب، لطائف اشرفی، نغات الانس اور گلزار ابرار وغیرہ میں انہیں طبقہ صوفیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ بعض اکابر علماء و مشائخ نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔

خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء) نے بابا رتن کے صحابی اور صوفی ہونے کی تصدیق کی۔ (فصل الخطاب ۲۳۱)، شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ / ۱۳۳۷ء) کو شیخ موسیٰ بن محلی صوفی کے واسطے سے رتن سے روایت کرنے کی اجازت تھی (سلوة العاشقین ۲۹۷) شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی (ف ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء) ۱۲۲۳ھ کو ہندوستان آئے تو بابا رتن سے ملاقات کی (گلزار ابرار ۲۶۹، نغات الانس ص ۴۳۳)، شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے مکتوبات اور ملفوظات لطائف اشرفی (۱/ ۳۷۸) میں بابا رتن سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے جو یقیناً الحاقی ہے کیوں کہ بابا رتن کی وفات کے بعد شیخ اشرف جہانگیر کی ولادت ہوئی تھی (حیات اشرف جہانگیر ۱۲۶-۱۱۶) گویا صوفیہ نے انہیں طبقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔

دوسرا بیان بابار تن کے صحابی ہونے کے بارے میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی، غزوہ خندق میں بھی حاضر تھے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیے درازی عمر کی دعا کی، حضرت سیدہ فاطمہ کے نکاح کے وقت بھی موجود تھے اور ان سے احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ احادیث ”الرتنات“ کہلاتی ہیں۔ (تاج العروس، مادہ البترندی، الاصابہ ۲ / ۲۲۵ دہ بعد)

اس معاملہ میں بھی محدثین کی دو آراء ہیں اول تو محدثین نے ان کے صحابی رسول ہونے کی روایت کو محض افسانہ قرار دیا ہے کہ بابار تن کا ذکر پہلی پانچ صدیوں تک کہیں نہیں ملتا، اچانک چھٹی صدی ہجری میں ان کی شہرت ہو گئی اور ان سے روایات بیان کی جانے لگیں اس سلسلے میں حافظ شمس الدین محمد ذہبی (ف ۷۴۸ھ) نے بابا رتن اور رتنیات کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ”کسروثن رتن“ لکھ کر دلائل دیے ہیں (الذہبی و منہجہ ۱۳-۲۱۴ سیر اعلام النبلاء ۲۲ / ۳۶۷) لیکن محدثین کے دوسرے طبقے نے حافظ ذہبی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے وجود سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان مرویات و احادیث کو ضعیف اور وضعی قرار دیا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ احادیث ان سے منسوب کر دی گئیں (الوانی بالوفیات ۱۴ / ۹۹-۱۰۲، تاج العروس۔۔۔۔۔ مادہ البترندی، مرقات۔۔۔۔۔ باب ۱۲۔۔۔۔۔)

جن اصحاب نے بابار تن کو دیکھا اور ان سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

موسیٰ بن محلی، حسن بن محمد حسینی خراسانی، کمال شیرازی، اسماعیل عارفی، ابو الفضل عثمان اربلی، داؤد بن اسعد، شریف علی بن محمد خراسانی ہرودی، معمر ابو بکر مقدسی، غمام مہرکندی (الاصابہ ۲ / ۲۲۶۔۔۔۔۔ دہ بعد)

بابار تن کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ ۵۹۶ھ، ۶۰۸ھ، ۶۱۲ھ، ۶۰۰ھ اور ۶۰۹ھ بھی درج ہوا ہے، حافظ ذہبی نے ۶۳۲ھ / ۱۲۳۵ء لکھا ہے (سیر اعلام النبلاء ۲۲ / ۳۶۸)

بابار تن کی اولاد میں سے دو بیٹوں محمود اور عبداللہ (ہما نجا، الاصابہ ۲ / ۲۲۸) اور دونوں سے روایت بھی کی گئی ہے۔

بابار تن کی مرویات کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تھا جس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیکھا تھا جو ۷۱۰ھ کا مکتوبہ تھا ان احادیث کے راوی ابو الفتح موسیٰ بن محلی صوفی ہیں۔ شیخ موسیٰ صوفی کے مرتبہ مجموعہ میں سے تاج الدین محمد بن احمد خراسانی نے چالیس حدیثوں کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا اس میں سے اٹھارہ حدیثیں الاصابہ میں شامل ہیں۔ یہ روایات شیعہ اور علوی رجحانات کی مظہر ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۰ / ۱۹۲) اس

کے خطی نسخے کتابخانہ ہای لائیڈن اور برلن وغیرہ میں موجود ہیں۔ (ہانحا) یہی احادیث صاحب قاموس نے بابارتن کے اصحاب سے سنی تھیں (قاموس، رواہ البترندی۔۔۔)

چہل حدیث کے اس انتخابی مجموعہ کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا تھا جس کے دو خطی نسخے پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۵۴۵)

ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں بابارتن کے دعاؤں کی خوب شہرت ہونے لگی۔ بعد میں ان کی باتوں کو افسانوی رنگ دے دیا گیا۔ مقامی روایت کے مطابق بابارتن بٹھنڈے کے ہندو راجہ وینہ پال (Raja Vena Pal) کے وزیر تھے۔ شہاب الدین غوری (محمد بن سام) نے بٹھنڈے کا قلعہ فتح کیا (طبقات ناصری ترجمہ و تعلیقات راورٹی ص ۱۱۸) تعلیقات ۳۵۷، ۳۶۰) تو بابارتن نے غوری کا ساتھ دیا۔

دوسری مقامی روایت یہ ہے کہ بابارتن کا اصل نام رتن ناتھ تھا وہ ایک سادھو (Sadho) اور فرقہ درشن (Darshan) سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔ وفات کے بعد ان کی سادھی بنائی گئی چونکہ انہوں نے حرمین کا سفر کیا تھا اس لیے ناتھ (Nath) کی بجائے حاجی کہلائے اور ان کی سادھی کو خانقاہ بنا لیا گیا۔ بابارتن کا معمول جیس دم کا تھا جس کی وہ باقاعدہ مشق کرواتے تھے۔ وہ گوگا (goga) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بابارتن اصل میں جوگی ہوں ان کی زندگی کے دورخ نظر آتے ہیں وہ ہندوؤں کے سامنے معمر جوگی اور مسلمانوں کے روبرو صحابی بن جاتے تھے۔

(Journal of the Punjab Historical Society, 2: 113)

بابارتن کا مزار قصبہ بٹھنڈہ (Bhatinda) میں ہے جو اس وقت مشرقی پنجاب ہندوستان میں ہے (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵) غوثی مانڈوی نے بابارتن کا مزار جزیرہ سراندیپ میں بتایا ہے (گلزار ابرار ۲۷) جو دیگر تذکروں اور مقامی روایات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

بابارتن کے مزار پر کچھ کتبات بھی ہیں۔ ایک کتبہ راجہ ٹوڈر مل (Toderml) کا مورخ ۱۰۰۲ھ دوسرا بدی چند (Badhichand) مورخ ۱۰۲۳ھ تیسرا نواب جباری خان ۱۰۱۱ھ، چوتھا نواب شہداد خان مورخ ۱۱۳۱ھ، ایک کتبہ سنسکرت میں سے اور آخری کتبہ پنجاب کے انگریز گورنر کا مورخ ۱۸۸۰ء ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے ایک وقف نامہ برائے درگاہ بابارتن بھی ہے جو خادموں کے لیے بطور مدد معاش دیا گیا تھا۔ اس میں بابارتن کا سال وفات ۷۷۲ھ درج ہے۔ (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵-۲۶۶)

پنجابی ادب میں بھی بابا رتن کا تذکرہ ملتا ہے ان کے گوگا (goga) داستان سے تعلق کی تفصیل کے لیے

دیکھیے (Glossary of the Tribes and Casts of the Punjab 1/175)

مآخذ

- ۱۔ ابوالفضل، علای: آئین اکبری، لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ ابن حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، کلکتہ ۱۸۵۳ء چاپ عکسی بیروت (سن)
- ۳۔ جامی، نور الدین عبدالرحمن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی، تہران، ۱۳۷۰ ش
- ۴۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء، (ج ۲۲) مرتبہ بشار عواد معروف، بیروت، ۱۹۸۵ء
- ۵۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی: تاج العروس بہ تحقیق عبدالستار احمد فراج، بیروت، ۱۹۷۱ء
- ۶۔ سمنانی، علاء الدولہ: مصنفات فارسی (رسالہ سلوۃ العاشقین و سکتہ المشتاقین) مرتبہ نجیب مائل ہروی، تہران ۱۳۶۹ ش
- ۷۔ صفدی، صلاح الدین: الوافی بالوفیات مرتبہ دیدرینج (Dedering)، بیروت ۱۹۸۲ء
- ۸۔ غوثی، محمد بن حسن: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد، لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۹۔ گیلانی، مناظر حسن: ایک ہندوستانی صحابی بابا رتن ہندی کے حالات، دیوبند (سن)
- ۱۰۔ محمد پارسی بخاری: فصل الخطاب، تلمکند، ۱۳۳۱ھ
- ۱۱۔ محمد شفیع لاہوری: رتن (بابا) حاجی ابوالرضا، مقالہ مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور
- ۱۲۔ معروف، بشار عواد: الذہبی و منہجہ فی کتابہ تاریخ الاسلام، قاہرہ، ۱۹۷۶ء
- ۱۳۔ مولانا بخش: تذکرۃ المشائخ (آخرین فصل راجع بہ مدفونین بشعندہ)، فیروز پور، ۱۸۸۷ء
- ۱۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، ج سوم اسلام آباد ۱۹۸۴ء
- ۱۵۔ نظام غریب یحییٰ: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۹ھ

۱۶۔ وحید اشرف: حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی، کچھوچھو، ۱۹۷۵ء

16. Horslitz, J: Baba Ratan Saint of Bhatinda, (Selection from Journal of Punjab Historical society), Lahore, 1982. Vol.1
17. Ibbetson, Rose: Glossary of Tribes and castes of Punjab and North-West Frontier province, (rep) Lahore, 1978.

۸ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شیعہ قازق

شیخ احمد زنجانی اور ان کا تذکرہ (تحفۃ الواصلین)

راقم الحروف عرصہ دراز سے زیب عنوان تذکرے کی تلاش میں ہے، لیکن تلاشِ بشیار کے باوجود ابھی تک کسی کتاب خانے کی فہرست میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، بہت سے اربابِ علم و تحقیق سے بھی دریافت کیا، مگر کسی سے پتہ نہ چلا، یہاں اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے متعلق کچھ کہنا ہے، ممکن ہے اس کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں۔

رائے بہادر کنھیالال اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:

”شیخ احمد زنجانی نے رسالہ تحفۃ الواصلین ۱۲۳۵ھ عہدِ سلطان مسعود غزنوی میں بمقام لاہور اس شہر (لاہور) کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے۔“

کنھیالال کے اس بیان پر بھروسہ کرتے ہوئے، ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس تذکرے کو ۱۲۳۵ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔^۱

تعب ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس بیان پر کس طرح اعتماد کر لیا، یہ بیان نہ صرف غیر تحقیقی بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

کنھیالال حضرت ذکی کے حالات کے زمرے میں لکھتے ہیں۔

”تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے، کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا، اور اس دروازے (ذکی) کی حفاظت اس کے ذمے تھی۔“

لاہور پہلی مرتبہ ۱۶۳۹ھ م ۱۲۴۱ء میں ملک معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں منگولوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا، شہر پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا، اس قتل و غارت میں وہ شہداء بھی شامل

۱۔ جرنل لاہور مسلمہ و گنبد پرچہ میں ۱۸۸۳ء

۲۔ علامہ مولانا گامدہ کی وجہ قسبہ ”دلفش“ لاہور فہر

۳۔ جرنل لاہور، م ۱۶۷

ہیں، جن کی قبریں ”مزارات شہید گنج“ محلہ سادھواں میں واقعہ ہیں، ان کا ذکر بھی ”تحفۃ الواصلین“ میں موجود ہے۔^۱

”تحفۃ الواصلین“ میں حضرت ذکی کی شہادت کا ذکر (قریباً ۶۳۹ھ) اس کی بین دلیل ہے کہ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کی تصنیف ہے۔

لاہور کے مشہور تعلق مفتی غلام سرور لاہوری نے جن کے پاس یہ تذکرہ موجود تھا، اپنی تصانیف میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے، انہوں نے سید فتح عزیز الدین مکی ثم لاہوری کے حالات تحفۃ الواصلین ہی سے نقل کیے ہیں، جن کی وفات ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے۔^۲ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تذکرہ ۶۱۲ھ کے بعد لکھا گیا، خزینۃ الاصفیاء ہی میں سید اسحاق گازرونی لاہوری کے حالات کے ضمن میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

”اس قطعہ درج رسالہ ”تحفۃ الواصلین“ است، قطعہ

سید اسحاق ولی کریم گشت چوڑیں دہر بخت مقیم
سال وصالش عجب آدر ز دل بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷۷۸ھ

اس قطعہ کے ”تحفۃ الواصلین“ میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں آٹھویں صدی ہجری کے بزرگوں کا ذکر بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ۴۳۵ھ کی تصنیف نہیں کہا جاسکتا، رہا یہ سوال کہ اس تذکرے کا مصنف کون ہے؟ اس باب میں کچھ کہنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو، عہد حاضر کے مشہور محقق جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

”میرا اپنا خیال ہے کہ شیخ احمد زنجانی کی طرف یہ تصنیف منسوب کرنا صحیح نہیں“

معارف، (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) ج ۱۰۰ ش ۵ (نومبر ۱۹۶۷ء)

۱۔ تذکرہ مشائخ و علماء ہند (انگریزی) (حزب جماعتی۔ بی۔ راولی، جلد اول ص ۶۵۵، سید عیسیٰ سرہندی کی چرچا سہدک شہی ص ۱۵۰ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، ۱۹۷۱ء)

۲۔ حیات و آثار مفتی غلام سرور لاہوری ص ۱۵۴ مطبوعہ نو کشتار گھوڑہ ۱۸۷۷ء

۳۔ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۲۵۵

۴۔ مکتوب جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے اقبال محمد علی۔ محمد رانا، اپریل ۱۹۶۶ء

حضرت پیر بلخی

پیر بلخی ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور مجاہد بزرگ تھے۔

پیر بلخی کا اصل نام لاہور کی مقامی کتب تاریخ اور تذکروں میں مذکور نہیں ہے۔ خوارزم شاہی سلسلہ کا آخری فرمانروا سلطان جلال الدین منکبرنی (۶۱۷-۶۲۸ھ / ۱۲۲۰-۱۲۳۱ء) پیر بلخی کا معتقد تھا، چنگیز خان (۶۰۳-۶۲۴ھ / ۱۲۰۶-۱۲۲۷ء) نے جب خراسان اور افغانستان پر پے در پے حملے کر کے مسلمانوں کے ان علمی و روحانی مراکز کو نیست و نابود کر دیا تو پیر بلخی اپنے مستقر بلخ (افغانستان) سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۶۸)

لاہور میں بھی وہ حسب معمول عبادت و ریاضت اور دعوت و ارشاد میں مصروف رہے۔ یہاں ان کی عوام میں بہت مقبولیت ہوئی۔ اس سے آگے لاہور کے مورخین نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ معاصر کتب تاریخ کی روشنی میں محض داستان گوئی معلوم ہوتی ہے، سلطان جلال الدین منکبرنی چنگیز خان کے خوف سے چھپتا چھپاتا لاہور آ گیا تو چنگیز خان اس کے تعاقب میں لاہور پہنچا، سلطان وہاں سے فرار ہو کر دہلی چلا گیا، جب چنگیز خانیوں کو لاہور میں سلطان نہ ملا تو انہوں نے اس شہر پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت نے فوج بھیج کر مقابلہ کیا مقامی لوگ بھی اس معرکے میں شریک ہوئے، پیر بلخی بھی اپنے مریدین سمیت کفار منکولوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے (تاریخ لاہور ۱۶۸، حدیقۃ الاولیاء ۲۵۱)

لاہور کے عجائب گھر میں ایک ایسا کتبہ موجود ہے جو پیر بلخی کی لوح مزار معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتبہ عربی زبان میں ہے جو نسخ آمیز کوئی خط میں ہے، کتبے کی مختصر سی عبارت اس طرح ہے:

”هذا مقبرة الشهيد الشيخ ابو المحامد الحسين بن محمد الحسين ابو بكر
الذكرى البلخي رحمة الله و قد عاش ثمانية و تسعين سنة وفاته في يوم الجمعة
التاسع من ذى الحجة و هي يوم عرفه من ثلثه و اربعين و ستعمانية“
اس کتبے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ یہ ایک شہید کا مزار ہے۔

۲۔ ان کا نام ابو الجاحد حسین تھا

۳۔ ان کے والد کا نام محمد حسین ابو بکر تھا۔

۴۔ ان کی نسبت ذکر ی بلخی ہے۔

۵۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۹۸ سال تھی۔

۶۔ ان کی وفات (شہادت) ۹ ذی الحج ۶۴۳ھ کو ہوئی۔

۷۔ ان کا سال ولادت بحساب عمر ۵۴۵ = (۶۴۳ - ۹۸) ہے۔

اگر اس عہد کی معاصر کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کتبے کے مندرجات صحیح معلوم ہوتے ہیں۔
شہاب الدین نسوی سلطان ینکبری کا معاصر اور اس کا سوانح نگار تھا اس کے بیان کے مطابق چنگیز خان
سلطان ینکبری کا تعاقب کرتا ہوا۔ دریائے سندھ تک آیا تھا جو ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء کا واقعہ ہے، وہاں سلطان کو شکست
ہوئی اس میں سلطان کی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، چنگیز خان وہیں سے واپس لوٹ جاتا ہے (سیرت جلال الدین
ینکبری ۱۱۰-۱۱۳) اس کتاب میں چنگیز خان کے لاہور پر حملہ آور ہونے کا سرے سے ذکر ہی موجود نہیں ہے، البتہ
سلطان ینکبری کا لاہور پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے نقد خراج پر دینے کے وعدے پر چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے (ہمانجا
۱۱۹-۱۲۲)

گویا پیر بلخی لاہور میں چنگیزی حملے میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ علاء الدین مسعود شاہ ۶۳۹-۶۴۳ھ /
۱۲۴۲-۱۲۴۶ء کے عہد حکومت میں لاہور پر ہونے والے منگولوں کے حملوں میں ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء کو شہید
ہوئے اور یہی مذکورہ کتبے کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ شیر خان کے لاہور کا عامل مقرر ہونے کے بعد بھی یہ
حملے جاری رہے تھے (Lahore, p. 15)، پیر بلخی کا مزار لاہور میں گزر رڑہ (Guzar Rarah) میں واقع ہے یہ

علاقہ آج کل کشمیری بازار کہلاتا ہے۔ مزار ایک کمرے کے اندر واقع ہے۔ جس پر چاروں طرف سبز رنگ کر دیا گیا ہے۔ دہلی دروازے سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے یہ مزار بائیں ہاتھ واقع ہے۔ اس سے قبل یہ مزار یقیناً وسیع و عریض تھا ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء کو جب نواب سید بھکاری خان (S.Bhikari Khan) نے سنہری مسجد تعمیر کروائی تو مسجد کی زینت بڑھانے کے لیے اس نے بازار سیدھا کر دیا (تاریخی مساجد لاہور ۱۰۴) تو پیر بلخی کا یہ مزار سر راہ آ گیا۔ مزار کا بہت سا حصہ توڑ کر گر ادیا گیا۔ صرف مزار رہنے دیا باقی ملحقہ عمارت گر ادی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس توڑ پھوڑ میں پیر بلخی کے مزار کا اصل اور قدیم کتبہ ادھر ادھر ہو گیا اور کسی نے اسے محفوظ رکھا اور جب لاہور میں عجائب گھر بنا تو یہ کتبہ یہاں پہنچ گیا جس پر منسل بحث گذر چکی ہے۔

مآخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، ۱۸۶۸ء
- ۲۔ چغتائی، عبد اللہ: تاریخی مساجد لاہور، لاہور ۱۹۷۶ء
- ۳۔ غلام سرور لاہوری مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مہمدی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء
- ۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۶۔ نقوش لاہور نمبر، شاہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء
- ۷۔ نسوی، شہاب الدین محمد خرنذی زیدری: سیرت جلال الدین مینکبرنی ترجمہ فارسی از مترجم مجہول در قرن ہفتم ہجری بہ تصحیح مجتبیٰ مینوی، تہران، ۱۳۶۵ ش
- 8- Muhammad Latif: Lahore, its Hisotry, Architectural Remains, Lahore, 1892.

۲۳ جولائی ۱۹۹۸ء

بزرگ ذوالشامہ شیعہ قارہ

حضرت پیر مکی لاہوری

شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ اور مدرس تھے۔

شیخ عزیز الدین مکی کا تعلق سادات کے خانوادے سے تھا موصوف اکابر علماء و صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ ان کا سلسلہ طریقت صرف چند واسطوں سے شیخ جنید بغدادی (ف ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء) سے ملتا ہے۔ بغداد سے حرین الشریفین گئے اور وہاں بارہ سال تک قیام کیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ میں معتکف رہے اور انہیں اس بنا پر پیر مکی کے خطاب سے پکارا گیا۔ عالم مکاشفہ میں انہیں ہندوستان جانے کا حکم ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

سلطان شہاب الدین غوری (حکومت در غزنہ ۵۶۹-۵۹۹ و در ہند ۵۹۹-۶۰۲ھ) کے درو لاہور سے قبل پیر مکی لاہور پہنچ کر دعوت و ارشاد میں معروف ہو چکے تھے اور ان کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں لاہور کے مقامی مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملوں کی جو تاریخیں دی ہیں وہ قیاسی اور غلط ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق سلطان غوری ملتان و اوج فتح کرتا ہوا ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء کو گجرات پر حملہ آور ہوا لیکن اسے یہاں شکست ہوئی اور وہ واپس غزنی چلا گیا۔ سندھ اور پنجاب پر اس وقت غزنوی سلطنت کا آخری حکمران تاج الدولہ خسرو ملک (۵۵۵-۵۸۲ھ / ۱۱۶۰-۱۱۸۶ء) حکومت کر رہا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری پشاور تک فتح کرتا ہوا ۵۷۶ھ / ۸۰-۱۱۸۱ء کو لاہور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو ملک میں مقابلہ کی تاب نہیں تھی اور وہ تنگ بھی آچکا تھا اس نے شیخ عزیز الدین پیر مکی کی خدمت میں جا کر دعا کرنے کے لیے کہا پیر مکی نے جواب دیا کہ اس سال وہ واپس چلا جائے گا۔ اور تیری یعنی غزنوی حکومت مزید کچھ سال قائم رہے گی پھر اس پر تقدیر الہی سے غوری سلطنت کا غلبہ ہو جائے گا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان غوری کو لاہور میں کامیابی ہوئی اور اس نے خسرو ملک سے صلح کر لی اور اس کے خرد سال فرزند کو بطور یرغمال غزنی لے گیا۔ (غوریان ۲۱۶)

اگلے سال سلطان غوری پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے دریائے سندھ تک قبضہ کر لیا۔ ۵۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء کو پھر حملہ آور ہوا اور لاہور پر قبضہ کر کے خسرو ملک کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ اس طرح پیر کی کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور غزنوی سلطنت کو صرف پانچ سال مزید حکومت کرنے کی مہلت مل گئی۔ پھر سلطان غوری نے ۵۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء کو لاہور پر تیسرا حملہ کر کے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ (غوریان ۲۱۵-۲۱۶)

مفتی غلام سرور لاہوری نے سلطان غوری کے لاہور پر پہلے حملے کا سنہ ۵۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء دیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس سنہ میں اُسے گجرات میں شکست ہوئی تو اور وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ (خزینۃ ۲ / ۲۵۶) اس طرح مورخین لاہور کے نوشتہ دیگر سنیں بھی صحیح نہیں ہیں۔ محمد دین فوق نے جو سنیں درج کیے ہیں ان میں بھی سقم ہیں۔ (نقوش لاہور نمبر ص ۱۷۰)

کنہیا لال (Konahia Lal) نے پیر کی کا اصل نام جلال الدین لکھا ہے (تاریخ لاہور ۳۲۰) لیکن کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا جبکہ مفتی غلام سرور نے ایک قدیم تذکرہ تحفۃ الواصلین کے حوالے سے ان کا نام عزیز الدین کی بتایا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

نور احمد چشتی نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ بے خبری کا اظہار کیا ہے اور محض سماعی باتیں لکھ کر آگے بڑھ گئے ہیں اور تحفۃ الفقراء کے حوالے سے پیر کی کا سال وفات ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء درج کر دیا ہے (تحقیقات چشتی ۶۰۶-۶۰۷) گذشتہ مذکورہ واقعات کی روشنی میں نور احمد چشتی کا بیان بے بنیاد ہے۔ کہاں غزنوی اور غوری سلاطین اور کہاں ۱۰۴۸ھ شاہ جہان کا زمانہ۔

مفتی غلام سرور کا درج کردہ سال وفات ۶۱۲ھ / ۱۲۱۶-۱۵ء ہے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور جب تک کوئی قدیم دستاویز یا ماخذ سامنے نہ آئے یہی سنہ وفات صحیح سمجھا جاتا چاہے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) گویا پیر کی کا اگر درود لاہور کا سنہ ۵۷۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو وفات تک ان کے لاہور میں قیام کی مدت ۳۶ سال بنتی ہے۔ ان سالوں میں پیر کی نے لاہور میں درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور صد ہا طالبانِ خدا

آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور تعلیم و تربیت پا کر کامل ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶، تاریخ لاہور ۳۲۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۸۹، بزرگان لاہور ۱۹۹، مدینۃ الاولیاء ۳۹۶، نقوش لاہور نمبر ۱۷۱)

سلطان شمس الدین ایلکیش (۶۰۷-۶۳۳ھ / ۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کے زمانے میں لاہور اور سارے ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور مفسدین دب گئے۔ اس کے عہد میں علماء و صوفیہ کا بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی خود سلطان علماء و صوفیہ بہت معتقد تھا اسی عہد میں لاہور میں پیر کی نے درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا مثالی مدرسہ قائم کیا اور صدہا اصحاب علم نے علمی تشنگی بجھانے کے لیے اس مدرسے کی طرف رجوع کیا۔ (لاہور کے قدیم دینی مدارس ۲۵)

ان ایام میں پیر کی کا مزار بیرون بھائی دروازہ پیر کی روڈ پر ہے۔ آج ان کے وصال کو آٹھ سو سال ہو گئے ہیں لیکن زائرین کا ہجوم بدستور ہے۔

۱۹۴۴ء میں جب محمد دین فوق نے لاہور کے مزارات پر کتابچہ لکھا تو پیر کی کے مزار کے کچھ قدیم آثار موجود تھے انہوں نے اس مزار کے واقعی عہد سلاطین دہلی میں تعمیر ہونے کا مشاہدہ کیا تھا (نقوش لاہور نمبر ۱۷۸) مزار کا موجودہ انتظام محکمہ اوقاف حکومت پنجاب کے ذمہ ہے۔ مقبرہ بہت عالی شان ہے۔ اور جدید فن تعمیر کے اعتبار سے بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس میں مردانہ اور زمانہ حصے الگ الگ ہیں۔ مزار کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ جس کی کچھ عرصہ ہوا توسیع کی گئی ہے۔ مقبرہ کا اندرونی حصہ زیب و زینت اور مینا کاری کا بہتر نمونہ پیش کرتا ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ہے۔ اس کے گرد لاہور کا قدیم قبرستان ہے۔ اس کی حدود میں ملا احمد غصصو کی (مرتب تاریخ الفی) کی قبر بھی تھی جس کا اب کوئی نشان نہیں ملا۔ انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں قبرستان کے بڑے حصے کو مسمار کر کے اسے گوروں کا قبرستان بنا دیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ مزار پیر کی کی حدود میں لاہور کے پہلوانوں کی بہت سی قبریں ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ پڑواک، عتیق اللہ: غوریان، کابل ۱۳۴۵ ش
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۳۔ ایضاً حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۵۔ ایضاً: لاہور کے قدیم مدارس، مشمولہ رسالہ عرفات لاہور ۱۹۸۱ء
- ۶۔ ایضاً: سوانح حیات پیر کی لاہوری، لاہور، ۱۹۸۲ء
- ۷۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء
- ۸۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۹۔ نقوش لاہور، نمبر، ش ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء
- ۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء
- 11- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural Remains and..... Lahore, 1892.

۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

شیخ بدیع الدین شاہ مدار

شاہ مدار نویں صدی ہجری کے نامور صوفی تھے۔

سید بدیع الدین نام، قطب المدار لقب، شاہ مدار عرف اور ابو تراب کنیت تھی (تذکرۃ المتقین ص ۳۸) شاہ مدار حسنی حسینی سادات جعفریہ میں سے تھے ان کے والد سید علی حلبی بھی ایک عالم بزرگ تھے۔ شاہ مدار کی ولادت حلب (ملک شام) میں ۷۱۵ھ / ۱۳۱۶ء کو ہوئی۔ (مرآۃ مداری ۳۹۔ الف)

حلب ہی میں تعلیم اور علم کیمیا وغیرہ سیکھا جوانی میں ہی سیر و سیاحت کے لیے چل پڑے، طویل سفر کیے آنحضرت ﷺ کے روحانی اشارے پر ہندوستان آئے، وہ اویسی المشرّب تھے اور طریقہ اویسیہ کو پاکستان و ہند میں متعارف کروانے والے یہی بزرگ تھے۔ (حمانجا ۱۳۔ ۱۵) معروف صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی شاہ مدار کے معاصر اور کئی اسفار میں ان کے ہم سفر تھے (لطائف اشرفی، لطیفہ ۱۲ ج اول)

شاہ مدار گجرات کے راستے ہندوستان آئے اجیر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت و مودت کا اظہار کیا۔ (مرآۃ مداری ۱۹۔ ۲۰) اجیر سے کالپی (Kalpi) گئے وہاں بھی قبول عام حاصل ہوا وہاں سے قنوج (Kanoj) میں داخل ہوئے تو خواص و عام نے استقبال کیا، مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) کے خلیفہ شیخ انخی جمشید (۸۰۱ھ / ۱۳۸۹ء) نے بہت تکریم کی اور شاہ مدار نے قنوج کے مضافات میں طرح اقامت ڈال دی وہ قصبہ مکن پور (Makanpur) کہلاتا تھا۔ (حمانجا ۲۵)

شاہ مدار جونپور (Jaunpur) بھی گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا وہاں کے معروف عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) کے ساتھ ان کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے، قاضی صاحب نے شاہ مدار سے مراسلت کی اور کئی اختلافی مسائل میں مباحثہ رہا، (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۸۰۔ ۱۸۱، نجات الرشید ۱۷۳) آخر شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے خود شاہ مدار کے پاس جا کر صلح کروائی (مرآۃ مداری ۳۵۔ الف) اس کے بعد قاضی

اور شاہ مدار کے مابین قریبی تعلقات کی ابتداء ہوئی اور قاضی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ (ہمانجا ۳۶۔ الف)

مشہور صوفی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (Muneri) (ف ۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) نے عوارف المعارف شاہ مدار کی خدمت میں پڑھی (مرآۃ مدار ۳۰۔ الف) شاہ مدار کے تقریباً سترہ خلفاء پاکستان و ہند کے مختلف اضلاع میں مصروف کار رہے (ہمانجا ۴۶) ان خلفاء میں سے قاضی شہاب قدوائی، قاضی مطہر، سید جمال الدین عرف سید جمن (Jumman)، میر سید احمد جونپوری، جودن مداری، شیخ شمس الدین ثابت لکھنوی، شیخ بڑھن صدیقی بہرائچی، شاہ بھیکا قنوجی (مرآۃ مدار ۴۶-۴۵) سید ابو محمد ارغون شاہ مدار کے جانشین ہوئے (تذکرۃ المتقین ۶۵-۶۹) بعض دیگر خلفاء کے اسماء گلزار مدار اور سیر مدار میں ملاحظہ فرمائیے شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی شاہ مدار سے خرقہ خلافت حاصل کیا (لطائف اشرفی، لطیفہ ۱۳)

سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴ھ - ۸۴۴ھ / ۱۴۰۱ء - ۱۴۴۰ء) شاہ مدار کا بہت عقیدت مند تھا کئی بار شاہ مدار سے ملاقات کے لیے آیا اور اصرار کر کے اپنے حدود مملکت میں قیام کے لیے کہا (مرآۃ مدار ۳۶۔ الف، ۳۹۔ الف، ب)

شاہ مدار کے سال وفات میں اختلاف ہے شیخ عبدالرحمن چشتی نے بہ تحقیق ۱۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء درج کیا ہے (مرآۃ مدار ۳۹۔ اب)

شاہ مدار کا مزار کن پور (Makanpur) واقع ۴۵ کلومیٹر از کانپور (Kanpur) میں ہے جسے سلطان ابراہیم شرقی مذکور کے ایک فرزند نے تعمیر کروایا تھا۔

(Sharqi Sultanate of Jaunpur, pp. 276-277)

مآخذ

- ۱۔ ابوالفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ اطہر مبارکپوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء
- ۳۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، ۱۳۲۹ھ
- ۴۔ بدایونی، عبدالقادر: نجات الرشید مرتبہ معین الحق، لاہور، ۱۹۷۱ء
- ۵۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء
- ۶۔ ظہیری، ظہیر احمد: سیر المدار، جلد اول لکھنؤ، ۱۹۰۰ء، دوم بدایوں، ۱۹۲۰ء
- ۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ مداری، خطی مخزنہ نیشنل لائبریری۔ اسلام آباد
- ۹۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۰۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۱۱۔ ماکل، محمود علی: گلزار مد ار عرف شمشیر بدیع، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۲۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند جونپور، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۱۳۔ نظام غریب یحییٰ: لطائف اشرفی، دہلی، نصرت المطالع، ۱۲۹۸ھ
- ۱۴۔ وحید اشرف: حیات اشرف، کچھوچھ، ۱۹۷۵ء
- 15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

مولوی امیر حسن مداری

مولوی محمد امیر حسن مداری چودھویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور تذکرہ نویس تھے۔
محمد امیر حسن بن سید شاہ آخون قصبہ مکنپور (کانپور Cawnpur) سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک
موضع مکنپور (Makanpur ہے)

وہ نسلاً فنسوری (Fansuri) تھے ان کے جد اعلیٰ سید ابوتراب فنسور (ف ۸۹۹ھ / ۱۴۹۴ء) شاہ مدار
کے خلیفہ تھے انہی سے خاندانی نسبت کے باعث فنسوری کہلاتے تھے (تذکرۃ المتقین ۲۲-۳۱)

مولوی امیر حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سید شاہ آخون کی خدمت میں حاصل کی۔ پھر قصبہ مذکور
میں شاہ مدار کی خانقاہ۔ ملحقہ مسجد و مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھا پھر سید شاہ فضل عظیم فنسوری کی خدمت میں رہ کر
تحصیل کی۔ اس کے بعد انہیں سے سلسلہ مداریہ کے اشغال سیکھے۔ (ہانجا ص ۳)

سید آل حسن معروف بہ اچھے میاں (Achy Mian ف ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) برادر کلاں شاہ فضل عظیم
مذکور سے سلسلہ مداریہ میں بیعت ہوئے۔ (ہانجا ص ۳)

مولوی امیر حسن کے والد سید حسین بخش عرف شاہ آخون بھی اسی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ گویا ان کا
سلسلہ طریقت مشہور صوفی اور سلسلہ مداریہ کے موسس شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء، مراقہ مداری ۴۲) سے
ملتا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ خود مرتب کیا ہے (تذکرۃ المتقین ص ۹۳)

امیر حسن مداری کے سنہ وفات کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے ان کا سلسلہ شاہ مدار کے خلیفہ سید ابو محمد
ملقب بہ خواجہ ارغون کی وساطت سے شاہ مدار سے واصل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا سلسلہ مداری ارغونی کہلاتا ہے
(ہانجا ص ۶۳)

امیر حسن مداری کو فارسی زبان و ادب پر کس درجے کا عبور تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی زیادہ شواہد نہیں ہیں ان کی تالیفات میں سے صرف ایک کتاب تذکرۃ المتقین کا ہمیں علم ہے۔

تذکرۃ المتقین:

یہ سلسلہ مداریہ سے وابستہ علماء و مشائخ کا تذکرہ ہے۔ جو شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء) موسس سلسلہ مداریہ کے حالات و تعلیمات سے شروع ہو کر مؤلف کے مرشد شاہ اچھے میاں اور مؤلف کے والد شاہ اخون (ف ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تک کے صوفیہ کے حالات کا مرقع ہے۔ اس تذکرے سے بعض ایسے اصحاب کے حالات بھی معلوم ہوئے ہیں جن سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد لاہوری کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ شاہ مدار کے خلیفہ تھے۔ (تذکرۃ المتقین ص ۴۹)

کاکوری (Kakori) کے سلسلہ قلندریہ کے اصحاب بھی سلسلہ مداریہ سے وابستہ تھے (ہما نجا ص ۱۵۲، ۱۵۵،

۱۵۸، ۱۵۷)

دور آخر کے مشہور چشتی صوفی حاجی امداد مہاجر مکی (رک باں) اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی سلسلہ مداریہ میں ارادت رکھتے تھے۔ (ہما نجا ص ۱۳۹، ۱۶۹)

اس تذکرے سے بعض تاریخی حالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ خانقاہ شاہ مدار واقعہ کانپور (ضلع کانپور) میں سلاطین و امراء کی آمد اور مزار پر حاضری کے واقعات اور خانقاہ کے لیے وقف اراضی وغیرہ کے فرامین جو اس کتاب کی تالیف (۱۳۲۹ھ) تک موجود تھے سب کے متون بعینہ نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں، ان فرامین میں اسلام شاہ سوری، ہمایوں، اکبر، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ درانی، نواب محمد خان، نواب اسد خان وغیرہ کے فرامین قابل توجہ ہیں۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱۸۸ تا ۲۱۰)

اس تذکرے کے مآخذ کی فہرست خاصی طویل ہے چند غیر معروف اسماء حسب ذیل ہیں:

ملفوظات سید ابو محمد ارغون، ملفوظات سید ابوتراب منصور، مکتوبات قاضی مطہر، مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری، ملفوظات شاہ مدار، رسالہ حالیہ مؤلفہ قاضی محمود، رسالہ مولوی عبدالباسط قنوجی، ملفوظات شیخ عین الدین، مکتوبات مولانا فخر الدین صوفی، بحر المعارف، مکتوبات شاہ بوعلی مدنی، مخزن الاسرار، نور الاخیار فی مناقب

قطب المدار، شوارق الولايت (مؤلفہ ملا وجدی)، خزینۃ الابرار مؤلفہ قاضی مسعود شبابی، مکتوبات مولانا ظہور الاسلام، کنز الحقیقۃ۔۔۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱)

تذکرۃ المتقین فارسی نثر میں ہے جا بجا اشعار بھی نقل کیے ہیں زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ تذکرہ کانپور سے مطبع قیومی میں ۱۳۲۹ھ کو طبع ہوا۔ جسے مؤلف نے خود بڑے اہتمام اور تصحیح سے شائع کروایا۔
مؤلف نے آخر کتاب میں ایک اعلان کے ذریعہ یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اس تذکرے کا ایک اور حصہ بھی لکھیں گے جس میں اس سلسلہ کے اذکار، اشغال اور ادعیہ ہوں گی لیکن تاحال ہمیں اس کا بھی مذکورہ حصہ ہی دستیاب ہوا ہے حصہ دوم کی طباعت کا علم نہیں ہے۔

ماخذ

- ۱۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، مطبع قیومی ۱۳۲۹ھ
- ۲۔ عبدالرحمن چشتی: ثواب الانوار لمطالع قطب المدار اردو ترجمہ مرآۃ مداری از محمد عبدالرشید ظہور الاسلام فرخ آبادی، فرخ آباد ۱۹۱۰ء
- ۳۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۱۲، اسلام آباد ۱۹۹۱ء
- 4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۰ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

سلسلہ چشتیہ

حضرت خواجہ جمال الدین احمد خطیب ہانسوی

شیخ جمال الدین احمد، شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء) کے نامور خلیفہ، معروف عالم اور چشتی سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ جمال الدین کا تعلق پنجاب کے مشہور تاریخی قصبہ ہانسی (Hansi) سے تھا، آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے اولین خلفاء میں سے تھے، شیخ اور مرید کے مابین بڑی موانست تھی، حضرت گنج شکر ان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے (سیر الاولیاء ۱۷۸ء، اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو فی کی اولاد میں سے تھے (اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴) شیخ جمال الدین بہت ذی علم بزرگ تھے ان سے کئی علمی حکایات و احادیث شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) نے اپنے ملفوظات میں روایت کی ہیں (فوائد الفوائد ۷۸، ۹۱، ۹۲، جوامع الکلم ۲۳۳)۔

شیخ جمال الدین جو ایک بڑے خطیب بھی تھے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے مسلک ہونے کے بعد مال و اسباب و خطابت سب کچھ ترک کر دیا اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۶۸) آپ سات مرتبہ ہانسی سے اپنے شیخ سے ملاقات کے لیے پاک پٹن (اجودھن) (Ajodhan) گئے (فوائد الفوائد ۷۸) حضرت گنج شکر کے ساتھ محبت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ آپ جس کو خلافت نامہ دیتے تو کہتے کہ اس کی تصدیق شیخ جمال الدین احمد سے کروالو۔ (سیر الاولیاء ۱۷۹)

حضرت گنج شکر اکثر فرماتے تھے کہ ”جمال جمال ماست“ (ایضاً ۱۷۸) ایک مرتبہ معروف شیخ طریقت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت گنج شکر سے کہا کہ میرے سارے مرید لے لو اور شیخ جمال الدین ہانسوی مجھے دے دو، لیکن شیخ نے انکار کر دیا (گلزار ابرار ۵۴)

شیخ جمال الدین احمد کا سال وصال معلوم نہیں ہے اور نہ ہی معاصر و قریب العہد تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے تھا، شیخ جمال الدین اپنے شیخ حضرت گنج شکر کے وصال ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء

سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (سیر الاولیاء ۱۸۲-۱۸۳)، حدود ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء کو (خزینۃ الاسفیا ۱/۲۸۶) ان کا مزار ہانسی میں ہے۔

شیخ جمال الدین احمد کے دو فرزند تھے اول مجذوب تھے اور دوسرے مولانا برہان الدین صوفی اپنے والد کے وصال کے وقت جواں سال تھے لیکن اس کے باوجود حضرت گنج شکر نے انہیں خلافت سے نوازا اور شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے کی ہدایت کی۔ (سیر الاولیاء ۱۸۳)

معروف شیخ طریقت شیخ قطب الدین منور (ف ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء) انہی مولانا برہان الدین صوفی کے صاحبزادے تھے، جن کی خانقاہ ہانسی میں مرجع خلائق اور عوام کی رشد و ہدایت کا منبع تھی، سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۳۵-۱۳۵۱ء) نے دو گاؤں (Doganun) کا علاقہ بطور مدد معاش ان کو دیا جو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (سیر الاولیاء ۳۵۰-۳۵۱) سلطان ہانسی گیا تو انہیں اپنے دربار میں طلب کیا، پھر دہلی حاضر ہونے کا حکم دیا، ملاقات ہونے پر بادشاہ ان سے متاثر ہوا اور انہیں ایک لاکھ تنکے بطور نذر بھیجا، شیخ نے ان میں سے صرف دو ہزار رکھ لیے باقی واپس کر دیئے (ایضاً ۲۵۵، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۷۰-۳۷۲) شیخ قطب الدین منور کے ایک فرزند نور الدین بھی تھے جو سلطان سے ملاقات کے وقت ان کے ہمراہ تھے۔ (ایضاً ۳۷۱)

شیخ جمال الدین احمد ہانسی کی ایک عربی تصنیف ظہمات ہے جو صوفیانہ اقوال اور نصائح پر مشتمل ہے۔ ہر قول ”یا احمد“ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ کو الور سے پھر دہلی سے ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی، تیسرا ایڈیشن مع احوال و آثار سردار علی احمد نے مرتب کیا جو لاہور سے ۱۹۸۵ء کو طبع ہوا۔

شیخ جمال الدین فارسی کے شاعر بھی تھے اور جمال تخلص کرتے تھے، موصوف صاحب دیوان شاعر تھے آپ کا دیوان دو ضخیم جلدوں میں مطبع چشمہ فیض، دہلی سے ۱۸۸۹ء میں طبع ہوا تھا۔ جلد اول غزلیات اور دوم رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا ایک عمدہ خطی نسخہ ایسالاہ یونیورسٹی (University of Uppsala) میں محفوظ ہے۔ (Life and Times of Sh. Farid ud din p 70)

صاحب ہفت اقلیم نے ہانسی کے اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ جمال الدین خطیب کا بھی ذکر کیا ہے (۳۴۹/۱)، شعراء کے دوسرے تذکروں میں سے مولف مخزن الغرائب (۵۰۱/۱) اور مولف روز روشن (ص ۱۷۹) نے شیخ جمال کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

مآخذ

- ۱۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، تصحیح جواد فاضل، تہران، (سن)
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ
- ۳۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفوائد، مرتبہ محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۴۔ جمال، جمال الدین احمد ہانسوی: طہمات، الور، مطبع یوسفی، ۱۳۰۶ھ
- ۵۔ ایضاً: دیوان قطب جمال الدین، دہلی، مطبع چشمہ فیض، ۱۸۸۹ء
- ۶۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۷۔ خادم، احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب، مرتبہ محمد باقر، لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۸۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء
- ۹۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، تہران، ۱۳۳۳ش
- ۱۰۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتہائی، ۱۳۳۲ھ
- ۱۱۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ سید محمد گیسو دراز، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۶ھ
- ۱۲۔ نظامی، سیتق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء
- ۱۳۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ادارۃ ادبیات دہلی، ۱۹۸۰ء
- ۱۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، مطبع شمع ہند، ۱۸۷۳ء

۱۴۔ غوثی مائٹھوی: گلزار ابرار اردو ترجمہ فضل احمد جیوڑی، لاہوری، ۱۳۵۹ھ

- 15- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid ud Din Ganj Shakar, Aligarah, 1955
- 16- Ibid: Some Aspects of Religion and Politics in India During thinteenth century, Dehli 1974
- 17- Anjum, Tanwir: Chishti Sufis in the Sultanate of Dehli (1190-1400), Karachi, 2011

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۳ء

برائی دال شامہ شہید قارہ

حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

شیخ بدر الدین غزنوی ساتویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ بدر الدین کا تعلق افغانستان کے مردم خیز خطہ غزنی سے تھا۔ ان کے والد بھی ایک صوفی بزرگ تھے

اور اس عہد کے معروف صوفی شیخ محمد اجمل شیرازی کے مرید تھے (سیر الاولیاء ۴۷۷)

ان کے اجداد اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ بدر الدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ غزنی سے لاہور چلے

آئے۔ جوانی و نوجوانی بہت آباد اور بارونق تھا۔ (نوائم الفوائد ۴۳۲، سیر الاولیاء ۴۷۷)

شیخ بدر الدین غزنوی لاہور میں زیادہ عرصہ نہیں رہے ان کا دل چاہا کہ واپس غزنی چلے جائیں اور کبھی دہلی

جانے کا سوچتے تھے جہاں ان کا داماد رہتا تھا۔ آخر دہلی منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو خبر ملی کہ منگولوں

نے غزنی کو تاخت و تاراج کر دیا ہے اور قتل عام میں ان کے والدین و اقربا سب شہید ہو گئے ہیں (ہما نجا۔۔)

دہلی میں ان دنوں چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

(ف ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) دعوت و ارشاد میں مصروف تھے، شیخ بدر الدین غزنوی بھی ان کے حلقہ ارادت میں شامل

ہو گئے۔ اور اپنے شیخ سے جب تک وہ زندہ رہے جدا نہ ہوئے (سیر الاولیاء ۶۱)

دہلی میں چشتی سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدر الدین غزنوی نے انجام

دیا۔

سلطان شمس الدین التمش (Altutmish) (۶۰۷-۶۳۳ھ / ۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کے عہد میں دہلی علماء

و مشائخ کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کی وفات کے بعد علم پروری کا سلسلہ باقی نہ رہا، شیخ بدر الدین غزنوی خواجہ قطب

الدین بختیار کے خلیفہ کی حیثیت سے بہت مقبول تو تھے ہی لیکن دہلی کے ان حالات میں جو سلطان کی وفات کے بعد

پیدا ہو گئے تھے شیخ بدر الدین غزنوی اپنے آپ کو جادہ توکل پر قائم نہ رکھ سکے اور جلد ہی نظام الدین خریطہ دار

(kharitahdar) سے منسلک ہو گئے جو چشتی بزرگوں کے طریقے کے خلاف تھا۔ اس نے شیخ کے لیے دہلی میں خانقاہ بنوائی جس میں شیخ کچھ عرصہ مصروف کار رہے لیکن جو نئی خریطہ دار پر گرفت ہوئی تو خانقاہ کی مالی امداد بند ہو گئی جس سے شیخ پریشان ہو گئے۔ (نوائد الفواد ۳۵۲-۱۹۰ pp. Religion and Politics in India, pp. 190-۳۵۲)

(91)

چونکہ ان کا زیادہ وقت دہلی کی دعوتوں اور امر کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا تھا اس لیے سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ (نوائد الفواد ۳۵۳)

شیخ بدر الدین بڑے عالم اور واعظ تھے۔ دہلی میں ان کی مجلس وعظ میں شیخ فرید الدین گنج شکر، قاضی حمید الدین ناگوری، سید نور الدین مبارک غزنوی، مولانا محمد الدین اور قاضی منہاج سراج جوزجانی (مؤلف طبقات ناصری) شریک ہوا کرتے تھے۔ (سیر الاولیاء ۳۷۲، آثار الکرام ۱۱، تاریخ مشائخ چشت ۱/۲۱۰، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۹)۔

شیخ بدر الدین غزنوی کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اپنا دیوان بھی مرتب کروایا تھا۔ (سیر الاولیاء ۳۵۱) شیخ فارسی میں شعر کہتے تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی مجالس میں شیخ کے اشعار پڑھا کرتے تھے، چند اشعار بھی نقل کیے ہیں (نوائد الفواد ۲۵۵ و بعد) لیکن ان کے دیوان کے کسی نسخے کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے۔

شیخ بدر الدین سماع کے بہت دلدادہ تھے قاضی منہاج سراج جوزجانی کے ساتھ مجالس سماع میں وجد و حال کی کیفیات کا تذکرہ ملتا ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۰۲، کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین غزنوی نے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۶ء کو انتقال کیا (خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۸۵) اور اپنے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کی کے روضہ واقع دہلی میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۱۶۶) تقریباً ایک سو سال عمر پائی (کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین کے ایک خلیفہ شیخ امام الدین ابدال دہلوی تھے جو شیخ ضیاء الدین دہلوی کے خواہر زادے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ارادت مند تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ گہرے مراسم رکھتے تھے

۱۳۸۷ھ / ۱۳۸۷ء کو انتقال ہوا (کلمات الصادقین ۳۱، مرآۃ الاسرار ۲۲۳۔ الف) شیخ شہاب الدین عاشق، شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے۔ شیخ عماد الدین دہلوی بھی شیخ امام الدین کے مرید تھے لیکن خرقہ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے ملا تھا (مرآۃ الاسرار ۲۲۳، گلزار ابرار ۲۳، ۱۲۴)

شیخ عماد الدین مذکور کے ایک خلیفہ تھے شیخ تاج الدین امام، انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ”رسالہ حال خانوادہ چشت“ کے نام سے لکھی اس میں اس سلسلے کے صوفیہ خصوصاً شیخ بدر الدین غزنوی سے لے کر شیخ عماد الدین تک کے حالات تحریر کیے ہیں اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس خانوادے کے ایک اہم فرد کی تالیف ہے جس کے پاس تمام تر معلومات موجود تھیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے (تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۱۲)

مآخذ

- ۱۔ آزاد، غلام علی بلکرامی: مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء
- ۲۔ امیر خور: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، و اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور، ۱۹۸۰ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی (۱۱۵۰ھ) مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء
- ۵۔ حسن، امیر حسن سجزی دہلوی: فوائد الفوائد مرتبہ ملک محمد لطیف مع اردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی، دہلی،

۱۹۹۱ء

- ۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- ۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان
- ۹۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۲ء
- ۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۱۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

- ۱۲۔ محمد بلاق چشتی: روضۃ الاقطاب، دہلی، مطبع محب ہند (سن۔ن)
- ۱۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج اول دہلی، ۱۹۸۰ء
- ۱۵۔ ایضاً: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء
- ۱۶۔ ایضاً: بدرالدین غزنوی، شیخ، مقالہ مشمولہ دانش نامہ جہان اسلام۔ تہران، ۱۳۷۵ ش
- 17- Nizami, K.A: Some Aspects of Religion and Politic in India, Dehli, 1974.
- 18- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in the Sultanate of Delhi, (1190-1400), Karachi, Oxford University Press, 2011.

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا شیخ بدر الدین اسحاق اور آپ کی کتاب اسرار الاولیاء

اسرار الاولیاء شیخ فرید الدین گنج شکر (۵۷۱-۵۶۳ھ / ۱۱۷۵-۱۲۶۵ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

جسے موصوف کے خلیفہ اور داماد مولانا بدر الدین اسحاق نے جمع کیا۔

ملفوظات کے اس مجموعہ میں کل ۲۲ فصلیں ہیں:

فصل اول، سخن در ذکر اسرار عشق اولیاء

فصل دوم در احوال معبدان درویشان

فصل سوم سخن در علم لدنی

فصل چہارم سخن در ذکر توبہ و جزاں

فصل پنجم در ذکر خدمت بزرگان

فصل ششم سخن در ذکر توبہ، خرقہ و تلاوت قرآن

فصل ہفتم سخن در فضیلت سورۃ اخلاص

فصل ہشتم سخن در ذکر خرقہ منقر

فصل نہم سخن در ذکر حکیم و صوف

فصل دہم سخن در ذکر محبت و جزاں

فصل یازدہم در ذکر خوف و توکل

فصل دوازدہم سخن در ذکر طاقہ

فصل سیزدہم سخن در ذکر درویشی

فصل چہار دہم سخن در ذکر محبت و عداوت دنیا

فصل پانزدہم سخن در ذکر عقیدہ بزرگان

فصل شانزدہم سخن در ذکر رسیدن دست بزرگان

فصل ہفت دہم سخن در ذکر ایس طائفہ

فصل ہزدہم سخن در ذکر علماء و مشائخ و جزاں

فصل نو دہم سخن در اسباب باران

فصل بستم سخن در کشف و کرامت

فصل بست و یکم سخن در ذکر تعظیم پیر

فصل بست و دوم سخن در ذکر رنج و مشقت

اس مجموعہ ملفوظات میں بعض سنین بھی ملتے ہیں مثلاً پہلا ملفوظ ۱۸ شعبان ۵۶۳۱ھ کا ہے۔ اور اس میں

۵۶۳۳ھ تک سنہ ملتے ہیں یعنی اسی سال یہ مجموعہ مکمل ہو گیا۔

اسرار الاولیاء کے جامع مولانا بدر الدین اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی، دہلی کے ایک ذی علم بزرگ تھے انہوں نے مروجہ علوم کی تحصیل بطریق احسن کی تھی اور ذہن میں ایسے سوالات رکھتے تھے جن کا جواب ہندوستان کے علماء کے پاس نہیں تھا موصوف ان کے حل کے سلسلہ میں بخارا کے لیے رخت سفر باندھے جا رہے تھے کہ اجودھن پہنچے جہاں خواجہ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات ہوئی اور ان کے گرویدہ ہو گئے (سیر الاولیاء ۱۸۰-۱۸۱) خواجہ کی خدمت میں رہے خلافت یاب ہوئے اور پھر دامادی کا شرف بھی ملا جماعت خانہ میں خدمت کے علاوہ شیخ فرید الدین کے دیے ہوئے خلافت ناموں کی تحریر و تیاری کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ (ایضاً ۱۷۵)

شیخ فرید الدین کی وفات کے بعد ان کے تعلقات شیخ بدر الدین سلیمان کے ساتھ اچھے نہیں رہے تھے۔ اس لیے موصوف اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے جہاں۔ بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ (ایضاً ۱۷۱-۱۷۲) شیخ بدر الدین اسحاق نے عربی گرائمر کی ایک عالمانہ کتاب تصریف بدری کے نام سے لکھی تھی۔ (ایضاً ۱۸۳) خواجہ نظام الدین اولیاء کے پاس اس کا ایک ایسا نسخہ تھا جو بخط مؤلف تھا (نظامی، خلیق احمد: لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۷۲)

شیخ بدر الدین اسحاق کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء نے جنہیں ان سے بڑی محبت تھی اور خواجہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے ان کے پس ماندگان کو دہلی بلا لیا جہاں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کروائی (سیر الاولیاء ۱۸۸)

شیخ بدر الدین اسحاق ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۲۰) اور اجودھن (پاک پتن) کی قدیم جامع مسجد کے محن میں دفن ہوئے (اخبار الاخبار ۶۷)

حقیقت یہ ہے اسرار الاولیاء کا شمار مشائخ چشت کے ملفوظات کے ان مجموعوں میں ہوتا ہے۔ جو غیر معتبر وضعی اور جعلی ہیں۔ خواجہ نصیر الدین محمود چرغ دہلی (ف ۷۷۵ھ / ۱۳۵۶ء) نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ (خیر المجالس ۵۲) اسی طرح اس سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز (ف ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) جب اجودھن پہنچے تو انہیں مولانا بدر الدین اسحاق کا مرتب کردہ یہ مجموعہ ملفوظات (اسرار الاولیاء) دکھایا گیا جسے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مولانا بدر الدین اسحاق نے اس کو جمع نہیں کیا یہ محض "افترا" ہے۔ (جوامع الکلم ۱۳۴)

خواجہ گیسو دراز کی رائے سامنے آ جانے کے بعد اس میں کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ملفوظات محض وضعی ہیں۔ تاہم عہد حاضر کے بعض محققین نے اس بحث کو بہت طول دیا ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

سید عبد الباری معنی اجمیری نے ۱۹۲۴ء میں خواجگان چشت کے ان وضعی مجموعوں پر شدید تنقید کر کے انہیں جعلی ثابت کیا (تاریخ السلف ۶۳-۸۰)

پروفیسر محمد حبیب نے ۱۹۵۰ء میں اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ۱۹۵۵ء میں ان مجموعوں کو جعلی ثابت کیا۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۸-۱۲۰)

ڈاکٹر ثار احمد فاروقی اور اخلاق احمد دہلوی نے بھی اس طرف توجہ دلائی (نقد ملفوظات اور آئینہ ملفوظات) اس طرح ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک صباح الدین عبدالرحمن مرحوم اس جعل سازی طرف توجہ دلاتے رہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۰ء کے بعد اپنی رائے بدل لی اور معارف کے ذریعہ اور پھر بزم صوفیہ کے چوتھے ایڈیشن میں ان وضعی ملفوظات کے اصلی ہونے پر اصرار فرمانے لگے۔ (ص ۶۳۱، ۲-۶۹۶) ان کے دلائل خاصے کمزور اور قیاسی نوعیت کے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے سب سے زیادہ وقع ہے کہ خواجہ گیسو دراز کے اس قول کے سامنے آ جانے کے بعد کہ اسرار الاولیاء کا شیخ فرید الدین گنج شکر اور مولانا بدر الدین اسحاق سے انتساب محض افترا ہے۔ بحث کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اسرار الاولیاء کی طرف توجہ کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۹)

اسرار الاولیاء کا فارسی متن کئی بار مطبع نوکشور سے چھپ چکا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی لاہور سے ملک فضل الدین نے شائع کیا تھا۔

ماخذ

۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۔ میر خور دکرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ

- ۳۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۵ھ
- ۴۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین، دہلی ۱۳۱۱ھ و اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۸۳ء
- ۵۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ گیسو دراز) حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ
- ۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ چراغ دہلی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء
- ۷۔ بدر الدین اسحق: اسرار الاولیاء۔ نوکسور، لکھنؤ
- ۸۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۹۔ علی اصغر: جواہر فریدی، لاہور ۱۸۸۴ء
- ۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۲۷۵ھ
- ۱۱۔ معنی، عبدالباری اجمیری: تاریخ السلف، آگرہ ۱۳۴۳ھ
- ۱۲۔ فاروقی، ثار احمد: نقد ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء
- ۱۳۔ اخلاق حسین دہلوی: آئینہ ملفوظات، دہلی ۱۹۹۰ء
- ۱۴۔ صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۸۴ء
- 15- Habib, M: Chishti Mystics Records of the Sultanate period, Medieval India, Quarterly, Aligarh, Vol.I no. 2, 1950 (oct)
- 16- Ibid: Politics and Society During the early Medieval period (collected works of Prof. Muhammad Habib) ed. K.A Nizami, Delhi, 1981.
- 17- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid-ud-din Ganj-i-Shakar, (rep) Lahore, 1980.
- 18- Lawrence, B: Notes from a Distant Flute, Tehran, 1978.
- 19- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in The Sultanate of Delhi, (1190-1400) Karachi, 2011.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

جواہر رقم تبریزی، میر سید علی

میر سید علی خان ملقب بہ جواہر رقم گیارہویں صدی ہجری کے مشہور خطاطین میں سے تھا۔

جواہر رقم کے والد میر محمد متیم بھی ماہر خطاط تھے اور میر عماد حسینی قزوینی (۹۶۱-۱۰۲۴ھ / ۱۵۵۴-۱۶۱۵ء)

کے شاگرد تھے، جواہر رقم نے اپنے والد سے فن سیکھا اور اپنے وطن مولوف تبریز سے ہندوستان چلا آیا،

اس وقت یہاں شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ء، ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کی حکومت تھی، اور نگزیب کو فن خطاطی سکھانے پر

مامور ہوا، انہیں ایام میں جواہر رقم کا خطاب ملا۔ (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کے بعد اُسے منصب ہزاری اور خان کا

خطاب بھی ملا (ایضاً) اس کے بعد شاہی کتابخانہ کی "داروغگی" پر متعین ہوا، اور نگزیب کے عہد میں اور نگزیب

کے فرزندوں کی تعلیم خوش نویسی کے لیے مقرر کر دیا گیا، وہ ساری عمر اور نگزیب کے ساتھ کشمیر اور دکن کی مہمات

کے دوران حاضر رہا، (تذکرہ خوش نویسوں ۵۷)

جواہر رقم عمر بھر میر عماد اور آقائی عبدالرشید دہلی کی طرز و فن کا اتباع کرتا رہا، اس کی ان حضرات کے

ساتھ برابر مراسلت بھی رہتی۔ (ایضاً ۵۷-۵۸) آخری عمر میں دماغی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا اور دکن میں ہی اس

عارضہ میں ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء کو انتقال کیا (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کی نعش دہلی لا کر دفن کی گئی (تذکرہ خوش

نویسان ۵۸)

میر سید علی خان کے ایک فرزند شمس الدین علی خان کا ذکر ملتا ہے اسے بھی جواہر رقم کا خطاب ملا تھا (ایضاً

۵۸) وہ ۱۹ رمضان ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۲ء کو فوت ہوا (تاریخ محمدی ۷۹-۸۰)۔

میر سید علی خان جواہر رقم کا ایک اور فرزند میر محمد حسن مخاطب بہ سیادت علی خان بھی اپنے وقت کے

اعیان میں سے تھا۔ رمضان ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۰ء کو دہلی میں فوت ہوا (تاریخ محمدی ۱۱۸)

میر سید علی خان جواہر رقم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا اس کے پانچ اشعار کا بختاور خان نے انتخاب کیا ہے
(مرآة العالم ۲ / ۴۹۱)

میر سید علی خان نے خط نستعلیق کو معراج کمال تک پہنچایا اور اس خط کے نامور اساتذہ میں اس کا شمار ہوتا
تھا (مرآة العالم ۲ / ۴۹۱، تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

مرزا سنگار خان نے جواہر رقم کے مفصل حالات، مناقب اور قطعات نقل کیے ہیں (تذکرۃ الخطاطین ۲ / ۳۶۲-۳۶۷)

ماخذ

- ۱۔ بختاور خان: مرآة العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۲۔ حارثی، محمد رستم: تاریخ محمدی، تحقیق و تعلیق امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- ۳۔ سنگار خان، مرزا: تذکرۃ الخطاطین مسکوبہ امتحان الفضلاء، تبریز، ۱۲۹۵ھ
- ۴۔ شاغل، احترام الدین عثمانی: صحیفہ خوش نویساں، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء
- ۵۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرہ خوش نویساں، مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۱۰ء
- ۶۔ محمد اسلم پسروی: فرحت الناظرین حواشی و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء
- ۷۔ مہدی بیانی: احوال و آثار خوش نویساں، تہران، ۱۳۳۵-۱۳۵۸ ش

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

۱۲ نومبر ۲۰۰۳ء

میاں پیر محمد اودھی (مصنف مثنوی مہروماہ)

پیر محمد اودھی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فارسی شاعر تھے۔ پیر محمد کا تعلق لکھنؤ (Lucknow) کے مردم خیز خطہ اودھ (Awadh) سے تھا۔ وہ ہندی نژاد تھے اور ہندوستان سے کبھی باہر نہیں گئے تھے۔ (مہروماہ، خاتمہ)

پیر محمد کے حالات زندگی، متعارف اور مطبوعہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ ان کی تصنیف مہروماہ کے مطالعہ سے ان کے حسب ذیل کوائف معلوم ہو سکے ہیں:

پیر محمد مختلف اوقات میں سورت (Surat) کے نواب مہابت خان اور پھر نواب بسم اللہ خان اور نواب احمد خان سے بھی منسلک رہے۔ (مہروماہ ۱۲)

میاں نور محمد کلہوڑا (Kalhora) (۱۱۳۱-۱۱۶۷ھ / ۱۷۱۸-۱۷۵۳ء) کے عہد حکومت میں پیر محمد ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو دار و سندھ ہوئے اور انہوں نے پیر محمد سے کسی دہنوں کی عشقیہ داستان فارسی میں نظم کرنے کی فرمائش کی۔ جسے وہ عدیم الفرستی کے باعث اس وقت نظم نہ کر سکے (مہروماہ ۱۳، تحفۃ الکرام تعلیقات حسام الدین راشدی ۳۸۳)

پیر محمد، فرخ آباد کے نواب احمد خان غالب جنگ (۱۱۶۳-۱۱۸۵ھ / ۱۷۵۰-۱۷۷۱ء) سے بھی وابستہ رہے اس انسلاک سے قبل ہی وہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ گئے تھے۔

گجرات کے شمال مغرب میں ایک خود مختار ریاست رادھن پور (Radhanpur) تھی پیر محمد وہاں بھی عرصہ تک رہے۔ اور وہیں کے حاکم بسم اللہ خان سے متوسل تھے۔ ریاست میں ان کا عہدہ کیا تھا معلوم نہیں ہے۔ پیر محمد کا سال وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکا وہ اپنی مثنوی مہروماہ کی تصنیف ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء تک بقید حیات تھے۔

مثنوی مہر و ماہ:

پیر محمد اودھی کی صرف ایک ہی کتاب مثنوی مہر و ماہ ہمیں تاحال معلوم ہے۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے اور سندھ کی مشہور عشقیہ داستان سسی و ہنوں کی حکایات کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف پیر محمد اودھی۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ آئے تو وہاں کے حاکم نواب نور محمد کلہوڑا نے انہیں یہ داستان نظم کرنے کے لیے کہا (تحفۃ الکرام، تعلیقات ۴۸۳) لیکن انہیں وہاں یہ کام کرنے کی فرصت نہ مل سکی (مہر و ماہ ۱۳) بعد میں جب کہ وہ رادھن پور میں مقیم تھے تو انہوں نے سندھ، سورت، کچھ اور مکران کے لوگوں سے اس قصے کی تفصیلات معلوم کیں، اور ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء کو وہاں کے حاکم (نواب بسم اللہ خان) کی فرمائش پر اسے نظم کر ڈالا۔ انہوں نے اس کے آغاز میں اس سے قبل اس داستان کو نظم کا جامہ پہنانے والوں کے اسماء بھی لکھے ہیں۔

پیر محمد نے سسی کے حسن کی تصویر کشی جس انداز سے کی ہے وہ داد کی مستحق ہے۔ (مہر و ماہ ۴۱) سسی کے جہیز کا ذکر بھی بڑے دل نشین انداز سے کرتے ہوئے بتایا کہ سمرقند و بخارا تک سے اس کا سامان لایا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر اس کے گھر کو جس طرح سجایا گیا اس کے عجائبات بھی بطریق احسن بیان کیے ہیں۔ (حما نجا ۴۸) دلہن کو کس طرح آراستہ کیا جاتا تھا اس کی جزئیات تک بیان کر دی ہیں جس سے بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی معاشرت کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

پیر محمد نے دعوتِ ولیمہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ہمارے ملک کے رسمی کھانوں کا ذکر ہے ہزاروں دیگوں، زردہ، نان اور دیگر لوازماتِ دعوت کو بے تکلف طور پر جس طرح فارسی میں استعمال کیا ہے وہ ان کے کمالِ فن اور نظم پر دسترس کی شہادت دیتا ہے۔ (مہر و ماہ ۶۱)

آخر میں مؤلف نے بتایا کہ میں ہندی نژاد ہوں اور کبھی ہندوستان سے باہر نہیں گیا۔ میری یہ کتاب دراصل ”ایرانی بوستان“ ہے۔ جو میں نے دوستوں کے لیے ارمغان کے طور پر تیار کی ہے۔

یہ مثنوی کی حیثیت سے بلند پایہ نہیں ہے البتہ اس لحاظ سے کہ اس میں معروف قصے کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس کی ندرت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

مثنوی مہر و ماہ میں ۳۹۹۵ شعر ہیں یہ مثنوی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کو مطبع بحر العلوم لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جس کا یہ مطبوعہ نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، ٹنڈو سائین داد سندھ (Tando Saindad Sind) کے ذاتی کتب خانے میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

مآخذ

- ۱۔ پیر محمد اودھی: مثنوی مہر و ماہ، لکھنؤ، مطبع بحر العلوم، ۱۲۹۵ھ
- ۲۔ عابدی، امیر حسن: مثنوی مہر و ماہ، مقالہ مشمولہ مجلہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ج ۲۔ ش ۱۔ جون ۱۹۶۱ء (ص ۱۷۰-۱۷۳)
- ۳۔ قانع، میر علی شیر ستوی: تحفۃ الکرام باہتمام و حواشی حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۷۱ء
- ۴۔ مہر، غلام رسول: تاریخ سندھ (عہد کلہوڑا)، لاہور، ۱۹۵۸ء
- ۵۔ نور محمد کلہوڑا: منشور الوصیت و دستور الحکومت مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۳ء

۲۷ دسمبر ۱۹۹۸ء

برائی و انشامہ شبیر قارہ

شیخ احمد اکبر آبادی (مؤلف تذکرۃ السادات)

احمد اکبر آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک ماہر علم انساب اور منصب دار تھے۔

شیخ احمد بن محمود محمدی اکبر آبادی کے حالات زندگی معروف اور مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنی کتاب تذکرۃ السادات کے آغاز میں بھی اپنے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۸-۱۱۲۳ھ / ۱۷۰۷-۱۷۱۲ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنے منصب کی وضاحت بھی نہیں کی ہے۔ البتہ یہ بتایا ہے کہ شاہ عالم نے مجھے سادات کرام کے انساب پر ایک کتاب مرتب کرنے کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۲ء میں مکمل کر کے پیش کیا۔

تذکرۃ السادات

شیخ احمد اکبر آبادی نے اس تذکرے میں سادات کے اسماء، کنی اور القاب کے اعتبار سے ان کی صلی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اکثر مقامات پر اسماء کے ساتھ ان سادات کے سالہا ولادت و وفات بھی قلم بند کیے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمہ الزہراء اور ائمہ اثنا عشر کے انساب میں بڑی جستجو کی ہے۔ ان کی اولاد اور اولاد کے شجرات فراہم کیے ہیں۔

اس کتاب کا اہم ترین حصہ ان سید خانوادوں کا ہے جو عرب اور ایران وغیرہ سے آکر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے کے انساب اور اولاد کا تذکرہ بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پاس ہندوستان کے سادات کے انساب بکثرت موجود تھے اور ان کے ان خاندانوں کے ساتھ ان کے علمی مراسم تھے۔

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب میں ہندوستان میں آباد ہونے والے سادات کے انساب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی کتب کے حوالے دیئے ہیں جو آج ان خانوادوں کے پاس موجود نہیں بلکہ اکثر دست برد زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے اس وقت کے اکابر سادات کے ایسے افراد سے روابط تھے جو کافی مستن ہو چکے تھے اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے مؤلف نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان کی ثقاہت پر بحث نہیں کی اور نہ ہی ان کا علمی مرتبہ بتایا ہے۔

اس کے باوجود یہ کتاب نہایت درجہ اہم ہے۔ تذکرۃ السادات بڑے سائز کے ۶۸ اوراق پر مشتمل ہے اور الہ آباد (ہندوستان) سے ۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد اکبر آبادی: تذکرۃ السادات، الہ آباد، مطبع سیدی ۱۸۸۰ء۔

۲۔ عبدالرزاق، عطاء حسین: کنز الانساب، بمبئی، مطبع صفذری

3- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شب قارہ

شاہ محمد اجمل الہ آبادی

اجمل الہ آبادی تیرہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور شاعر تھے۔

شیخ محمد اجمل بن محمد ناصر بن یحییٰ عباسی الہ آبادی کی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو الہ آباد (Ilahabad) میں ولادت ہوئی۔ (روز روشن ۳۰، حدیقۃ الشعراء ۱ / ۸۰، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۲۳) ابتدائی تعلیم اور علم منطق تک مولانا فصیح جونپوری کی خدمت میں پڑھے، سلم العلوم مولانا محمد اسلم بندوی (Bandavi) سے پڑھی اور بعض دیگر کتب شیخ یسین سورتی (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء) اور قاضی مستعد خان جونپوری سے علم حدیث مفتی محمد ناصح (مفتی عساکر سلطانیہ) سے تحصیل کی۔ آخر میں اپنے چچا فاخر بن یحییٰ عباسی کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ (نزہۃ الخواطر ۴۲۴ / ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی نے اپنے چچا کے صاحبزادے شیخ قطب الدین بن فاخر بن یحییٰ سے بیعت طریقت کی۔ یہ شیخ ایک بلند پایہ عالم و صوفی تھے۔ فارسی و اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا تخلص مصیب تھا۔ اپنے والد محمد فاخر الہ آبادی کے سفر حج کے بعد جانشین ہوئے پھر خود زیارت حرمین الشریفین کے اشتیاق سے روانہ ہوئے اور فریضہ حج کی ادائیگی سے قبل ہی ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۲ء مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے۔ (نزہۃ الخواطر ۶ / ۲۳۴)۔

شیخ قطب الدین مصیب کے وصال کے بعد ان کے جانشین بھی اجمل الہ آبادی ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک مرجع انام بنے رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۲۴) (نگارستان سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کا ذی الحج ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں وصال ہوا (حدیقۃ الشعراء ۱ / ۸۰ روز روشن ۳۰، نزہۃ

الخواطر ۷ / ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی معروف فارسی شاعر و صوفی افضل الہ آبادی (رک بان) کی اولاد میں سے تھے۔ اجمل صاحب دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے مرکزی کتابخانہ میں ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی ۱/ ۱۳۱)

مشہور شاعر فاخر مکیں کے ساتھ اجمل الہ آبادی کا ادبی معرکہ بھی یادگار ہے اس کے اشعار نور الحسن نے نقل کیے ہیں (نگارستان سخن ۵)۔

اجمل الہ آبادی کے اشعار تذکرہ نگاروں نے بطور نمونہ نقل کیے ہیں (حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰، روز روشن ۳۰، نگارستان سخن ۵) اجمل کے بعد ان کے فرزند ابو المعالی سجادہ نشین ہوئے جن کی اولاد دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں اب تک معروف کار ہے (کیفیت العارفین ۶۶-۶۸)

ماخذ

- ۱۔ احمد دیوان بنگی شیرازی: حدیقۃ الشعراء، مرتبہ عبدالحسین نوائی، تہران ۱۳۶۵ ش
- ۲۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، بھوپال، ۱۲۹۷ھ
- ۳۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۷-۶ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء
- ۴۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ ثار احمد فاروقی، ٹونک ۱۹۸۳ء
- ۵۔ فانی، عطا حسین، کیفیت العارفین، گیا ۱۳۵۱ھ
- ۶۔ قدرت اللہ گوپاموی: نتائج الافکار، بمبئی، ۱۳۳۶ ش
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۸۔ نور الحسن: نگارستان سخن (مکملہ صبح گلشن)، بھوپال، ۱۲۸۴ھ

(۱)۔ Habibullah, A, B.M: Descriptive Cat. of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Dacca University library, Dacca, 1968

۷ نومبر ۱۹۹۶ء

برائی و الشامہ شبہ قارہ

مولانا غلام محی الدین بگوی

پنجاب کے مشہور عالم اور مبلغ اسلام مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات (ف ۱۲۳۴ھ /

۱۸۱۸ء) بن حافظ محمد شفاء (ف حدود ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) بن حافظ نور محمد (ف حدود ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے، بروز پیر محرم ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو بنگہ (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے (ظہور احمد بگوی، تذکرہ مشائخ بگویہ)، کم سنی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور (۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) کو تحصیل علم کے لیے اپنے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگوی (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) کے ہمراہ دہلی گئے جہاں بارہ برس تک مختلف مدرسوں میں علم حاصل کرتے رہے، حدیث کی تکمیل مولانا شاہ اسحق دہلوی (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) سے کی، مولانا انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے پاس لے گئے، شاہ صاحب ان کی علییت سے بہت متاثر ہوئے اور حدیث کی سند دیتے ہوئے کہا کہ ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض حاصل ہو گا۔ (ایضاً ص ۹)

قیام دہلی کے دوران مولانا غلام محی الدین بگوی نے شاہ غلام دہلوی مجددی (ف ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) سے سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ میں بیعت کی۔ (تذکار بگویہ ۷۵)

(۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء) کو اپنے گاؤں بگہ واپس آ گئے اور دین کی خدمت میں مصروف ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں سکھوں کی مسلم دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی بری طرح متاثر ہوئی تھی لیکن ایسے دور میں بھی مولانا جادہ مستقیم پر قائم اور تبلیغ دین میں مصروف رہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی کوشش سے پنجاب کے مسلمانوں کے لیے امن کی فضا کے آثار نظر آنے لگے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء - ۱۸۳۹ء) بھی ان کا معتقد ہو گیا۔ (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۹)

مہاراجہ کے وزیر فقیر سید عزیز الدین نوشاہی (ف ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) بگہ گئے اور مولانا کو لاہور لے آئے، یہاں انہوں نے مسجد بازار حکیموں میں شمع علم روشن کیے رکھی (تاریخی مساجد لاہور ص ۳۵) ہزار ہا غیر مسلم

ان کے حسن سلوک اور تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، انہیں علم حدیث سے خاص شغف تھا، تقریباً دو ہزار طلبہ نے ان سے علم حدیث کی سند حاصل کی، ان میں مولانا نور الدین چکوڑی والے، مولانا شاہ محمد فیروز شاہ پوری، مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ اور حافظ ولی اللہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لاہور میں ان کا درس تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔ (حدائق الحنفیہ ۳۹۵)

آخر بیمار ہو کر بگہ چلے گئے، جہاں عرصہ تک مریض رہ کر شب و شبہ ۳۰ شوال ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء کو انتقال ہوا (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۱۰، حدائق الحنفیہ ۳۹۶)

مولانا غلام محی الدین کے دو فرزند تھے اول مولانا مفتی غلام محمد بگوی (۱۲۵۵ء / ۱۳۱۸ھ - ۱۸۳۹ء - ۱۹۰۰ء) اور دوم مولانا عبدالعزیز بگوی (ف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) یہ دونوں بھائی نامور عالم تھے، انہیں کی بدولت بادشاہی مسجد لاہور و اگزار ہوئی، سکھوں نے اس مسجد کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔ مولانا غلام محمد نے یہاں ایک دارالافتاء بھی قائم کیا تھا، گویا برطانوی دور میں یہ دونوں علماء اسلام کے بہترین مبلغ تھے۔

ماخذ

- ۱۔ انوار احمد بگوی: تذکار بگویہ، جلد اول، بھیرہ، ۲۰۰۳ء
- ۲۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء
- ۳۔ ظہور احمد بگوی: تذکرہ مشائخ بگویہ، بھیرہ، ۱۹۳۴ء
- ۴۔ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند لکھنؤ، ۱۹۴۱ء، و اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء و المشائخ لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء
- ۶۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم، ادارہ معارف نوشاہیہ، مرید کے، ۱۹۸۳ء
- ۷۔ اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، لاہور، ۱۹۷۵ء
- ۸۔ فقیر عزیز الدین: روزنامہ، جلد دوم، قلمی مخزنہ کتابخانہ عجائب گھر، لاہور
- ۹۔ شرف، عبدالحمید: تذکرہ علمائے اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۷ فروری ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ تہران

علامہ تاج الدین بہجت

محمد تاج الدین متخلص بہ بہجت تیرھویں صدی ہجری کے فارسی و اردو کے شاعر، عالم اور فقیہ تھے۔
 محمد تاج الدین بہجت معروف خطاط غیاث الدین خان کے فرزند تھے، ان کا تعلق علاقہ گوپامو (Gopamo) سے تھا لیکن مدراس (Madras) میں آکر مقیم ہو گئے تھے مدراس ہی میں تاج الدین کی ولادت ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ہوئی (صبح وطن ۴۴، گلزارِ اعظم ۱۳۰، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴ کوکن: Arabic and Persian in Caramatic p.422) تاج الدین بہجت نے اس عہد کے نامور علماء و مدرسین کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی ان میں مولانا محمد جعفری بن شاہ محی الدین صاحب قابل ذکر ہیں، بہجت مزید تحصیل کے لیے اس وقت کے معروف علمی مرکز کمپنی مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے اساتذہ میں سے مولوی تراب علی نامی اور مولوی محمد حسن علی ماہلی (Mahali) کی نگرانی میں دو یا تین سال تک پڑھا۔ (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴، دیار پورب میں علم اور علماء ۳۷۹) ان کے علاوہ مولوی سید خیر الدین کے بھی شاگرد تھے (حدیقۃ المرام ۳۰)

علامہ تاج الدین فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے ان کا تخلص بہجت ہے۔ فارسی میں مولوی تراب علی نامی سے مشورہ سخن جاری رکھا اور اردو میں سید ابوالحسن حیرت امامی بن سید ابوالنعیم امامی کے شاگرد تھے۔ حیرت معروف اردو شاعر میر حقیقت کے تلمیذ اور مرید تھے۔ جو مشہور شاعر قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ (کوکن ۴۲۲)

ان دنوں کرناٹک (Carnatic) پر نواب غلام غوث خان بہادر (۱۸۳۲-۱۸۵۵ء) کی حکومت تھی یہ نواب ایک ذی علم اور شاعر تھا، اس نے کرناٹک کے شعراء کے حالات پر دو تذکرے صبح وطن اور گلزارِ اعظم لکھے جو تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تاج الدین بہجت کو نواب غلام غوث سے خصوصی تعلق تھا، اس نے اپنے دونوں تذکروں میں بہجت کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔

نواب غلام غوث خان بہادر کے والد نواب عظیم جاہ کے عہد میں بھی بہجت کی شخصیت معزز اور قابل توجہ تھی انہیں ۱۲۳۸ء / ۱۸۳۲ء کو ضلع چنگل پٹ (Chinglepat) کا مفتی مقرر کیا گیا۔ اسی طرح انہیں ایک عرصہ تک دو سو روپے ماہوار تنخواہ پر علاقہ سنکاکول (Sinkakol) میں بھی مفتی کی خدمات سونپی گئیں (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴)

اسی طرح وہ کچھ عرصہ پالم کوٹلہ (Palayamcottal) میں بھی معروف کار بتائے گئے ہیں، کرناٹک پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصرف ہو گیا تو بہجت پھر بھی کمپنی کی طرف سے ضلع ترناولی (Taranowali) میں ”صدر امین“ کے عہدے پر فائز رہے۔ (کوکن ۴۲۳)

شاعر کی حیثیت سے بہجت کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ انہیں کئی اصنافِ سخن میں مہارت تھی ان میں فنِ تاریخ گوئی پر انہیں ایسا ملکہ حاصل تھا جس کا ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ ۱۲۴۲ء کو جب بہجت کے ممدوح نواب غلام غوث خان تخت نشین ہوئے تو بہجت نے ایک قطعہ تاریخ لکھا جو ان کے مہارتِ فن کا شاہکار تسلیم کیا گیا۔ ان کے دیوان میں کئی ایک قطعات تاریخ بھی موجود ہیں۔ (ہمانجا ۴۲۳)

بہجت کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا موصوف صبح و ظن کی تالیف (سال ۱۲۵۷ھ) اور گلزارِ اعظم (تالیف ۱۲۶۳ھ) کے دوران جواں سال تھے اسی طرح جب نصرت الملک نے ۱۲۷۱ھ کو جواہر الہند مرتب کی تو وہ ترناولی میں صدر امین کے عہدہ پر متمکن تھے (ہمانجا ۴۲۳، ۳۵۳) یقیناً بہجت ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء کے بعد فوت ہوئے۔ بہجت کے شاگردوں میں سے انتظام الدولہ نصرت الملک صلابت جنگ (مؤلف جواہر الہند) اپنے عہد میں سخن پروری اور مؤلف کی حیثیت سے قابل ذکر ہیں۔ (کوکن ۴۲۳، ۵۸۳ و مقامات دیگر) بہجت کی حسب ذیل تالیفات اب تک معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح سلم:

یہ قاضی مبارک گوپاموی کی عربی شرح سلم العلوم پر حاشیہ ہے۔ (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۰۴)

۲۔ چمنستان

یہ شیخ سعدی کی گلستان کی فارسی میں شرح ہے۔ اس کا آغاز یکم ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ کو کیا اور اسی سال ۸ جمادی الآخر کو مکمل کر لی گئی، شارح کے پیش نظر کلکتہ کا چھپا ہوا گلستان کا وہ نسخہ تھا جس میں اس کی عربی و فارسی شرح کے علاوہ لاطینی زبان میں بھی شرح کی گئی تھی۔ اس کے باوجود بہجت نے ایران سے گلستان بخط شیخ سعدی کی نقل بھی حاصل کر لی تھی۔ بہجت نے یہ شرح اپنے استاد شیخ محمد جعفر مذکور کے ایما پر لکھی۔

یہ ضخیم شرح ۱۲۶۹ھ کو مظہر العجاوب پریس مدراس سے شائع ہوئی اس کے ۳۲۲ صفحات ہیں۔

۳۔ منہج البحرین

یہ مختصر فارسی رسالہ دو بحروں پر مشتمل ہے:

بحر اول در علم عروض

بحر دوم در علم قافیہ

رسالہ منہج البحرین ۶ محرم ۱۲۳۷ھ کو مکمل ہوا۔ اس کا ایک خطی نسخہ بخط مؤلف مکتوبہ ۸ ربیع الاول

۱۲۳۷ھ کرناٹک میں ہے۔ جس کے ۱۶۸ صفحات ہیں (کوکن ۴۲۲)

۴۔ رسالہ در حرف

علم حرف پر یہ مختصر رسالہ ہے غالباً کمپنی مدرسہ کے طلبہ کے لیے لکھا گیا (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر

۱۰۴/۷)

۵۔ تاج القواعد

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور فارسی زبان کے قواعد پر مشتمل ہے۔ مطالب کے عنوانات کو ”قائدہ“ کا

نام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ کو تالیف ہوئی اور اسی سنہ کا مکتوبہ نسخہ بخط مؤلف ذخیرۃ انجمن ترقی

اُردو کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہے۔ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۸۰-۸۱) لیکن یہ

کتاب پہلے بنگلور سے ۱۲۸۹ھ کو اور پھر ۱۲۹۸ھ میں بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔ (مشار، مؤلفین ۲/۱۳۰، مشار: چابی

۲/۲۱۳۱) جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ خطی نسخہ بخط مؤلف نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے کتابت کیا ہے۔

۶۔ دیوان بہجت

یہ بہجت کے فارسی و اردو کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں طویل اور مختصر نظمیں سبھی جمع کر دی گئی ہیں۔

اس میں قصائد اور قطعات تاریخ بھی موجود ہیں۔

ایک قصیدہ کرنائک کے راس العلماء بہادر (ف ۱۲۳۶ھ) کی مدح میں ہے، جو سلطان النساء بیگم (ف

۱۲۳۹ھ) کے فرزند تھے۔ یہ نواب والہ جاہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ (کوکن ۴۲۳)

جب ۱۲۳۷ھ کو بہجت کے استاد ابوالحسن حیرت کا انتقال ہوا تو بہجت نے ان کی وفات پر ایک طویل

قطعہ تاریخ لکھا۔ اسی طرح جب ۱۲۴۲ھ کو نواب غلام غوث خان بہادر کرنائک کے والی بنے تو بہجت نے فارسی میں

قطعہ تحت نشینی لکھا۔ یہ قطعہ اپنی فنی خوبیوں کے باعث عرصہ تک معاصرین میں مقبول رہا۔ (ہمانجا ۴۲۲-۴۲۳)

بہجت کا دیوان ۲۲۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کرنائک میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ نواب غلام غوث

خان بہادر نے اپنے تذکروں صبح و وطن اور گلزار اعظم میں بہجت کے بہت سے اشعار نقل کر کے ان کے فنی محاسن

بتائے ہیں۔

۷۔ قصائد پر فوائد

بہجت کے قصائد کا ایک مجموعہ الگ بھی شائع ہوا تھا، ۱۷۰ صفحات کا یہ رسالہ لکھنؤ سے ۱۲۹۱ھ میں طبع

ہوا۔ (مشار، مؤلفین ۱۳/۲)

ماخذ

۱۔ اطہر مبارک پوری: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۲۔ سری رام، لالہ: خیمائے جاوید، لاہور، ۱۹۰۸ء

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۷، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۴۔ غلام غوث خان بہادر، نواب: صبح و وطن، مدراس ۱۲۵۸ھ

۵۔ ایضاً: گلزار اعظم، مدراس، ۱۲۷۲ھ

۶۔ مشار، خان بابا: مؤلفین کتب چاہی، تہران ۱۳۳۰ش

۷۔ ناظر، عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (رودادِ سفر نواب اعظم جاہ) بہ تصحیح و تحشیہ محمد یوسف کوکن عمری،

مدراس، ۱۹۶۱ء

۸۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی انجمن ترقی اُردو، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۹۔ واصف، محمد مہدی مدراسی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علمای مدراس) اُردو ترجمہ سخاوت مرزا، کراچی، ۱۹۸۲ء

10- Kokan, M. Yousuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras 1974

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام حسین خان (مؤلف ذکر السیر)

مولانا منشی غلام حسین ایک مورخ و ادیب تھے، ان کی کتاب ذکر السیر تیموریان ہند کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ہے جو تیرہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی، اس کے مؤلف غلام حسین خان بنارس سے تعلق رکھتے تھے۔

ذکر السیر کے مؤلف غلام حسین خان بن محمد ہمت خان شاہ جہان آبادی کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر ملازم رہے، خود ان کے والد محمد ہمت خان بادشاہ فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) سے لے کر عالمگیر ثانی (۱۱۶۷-۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۴-۱۷۶۰ء) کے عہد تک ملازمت کرتے رہے محمد ہمت خان کا انتقال ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء کو ہوا (ایتھے: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی دیوان ہند / ۱۶۲)

غلام حسین خان بنارس کے زمیندار حاکم راجہ بلوند سنگھ (Rajah Balwand Singh) کی ملازمت میں تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند و جانشین راجہ چیت سنگھ (Rajah Chait Singh) سے وابستہ ہو کر خدمات بجالاتے رہے، جہاں انہیں کامل اعتماد کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک کیا گیا، غلام حسین خان اپنی کتاب زمینداران بنارس کے خاتمہ میں خود لکھتے ہیں جب راجہ چیت سنگھ کی حکومت انگریزوں (East India Company) نے ختم کر دی تو وہ راجہ کی طرف سے بحالی کی درخواست لے کر لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis) کے پاس لکھنؤ گئے لیکن مایوس ہو کر واپس آئے۔ (عبدالمقتدر: فہرست نسخہ ہای خطی عربی و فارسی پبلک لائبریری پٹنہ، جلد ہفتم ص ۱۴۲)

غلام حسین خان کی اب تک صرف دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک تاریخ زمینداران بنارس اور دوسری

ذکر السیر۔

تاریخ زمینداران بنارس فارسی نثر میں ہے جو بنارس کے زمیندار حاکموں کے حالات پر مشتمل ہے، جس کا آغاز راجہ منسارام (Rajah Mansa Ram) کے احوال سے ہوتا ہے اور راجہ چیت سنگھ کی معزولی ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) پر ختم ہو جاتی ہے، اس مخطوطہ پر مؤلف کے پوتے سبحان علی بن حسن علی خان نے ایک دیباچہ لکھا تھا جس کے آغاز میں اس نے بتایا ہے کہ یہ تاریخ تمام تر اس کے دادا کے مشاہدات اور جو کچھ راجہ بلوند سنگھ نے اسے مہیا کیا، پر مبنی ہے، سبحان علی نے اس کتاب کو راجہ ایسری پرشاد نرائن (Rajah Isari Pershad Narayan) کے نام ۱۸۳۵ء میں معنون کی ہے (ایضاً ۱۴۱/۷) اس کتاب کا ایک مخطوطہ خدا بخش لاہیری پٹنہ میں ہے۔ (ایضاً)

ذکر السیر، یہ غلام حسین خان کی دوسری کتاب ہے، یہ فارسی نثر میں ہے اور اس کے نام سے اس کا سال تالیف ۱۲۲۱ھ برآمد ہوتا ہے، یہ متاخر سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے جو دہلی پر نادر شاہ افشار کے قبضہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء سے شروع ہو کر شاہ عالم ثانی کے عہد کے خاتمہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء پر تمام ہوتی ہے۔

مؤلف کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے، خود ان کے والد فرخ میر سے لے کر عالمگیر ثانی تک کے واقعات کے راوی ہیں، جس کا اظہار مؤلف نے مخطوطہ کے آغاز میں ہی کر دیا ہے، ان کے علاوہ اس کے دادا کی روایات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پیش نظر بعض دستاویزات بھی تھیں جن کے اقتباسات اور بعض کی تلخیص اس میں شامل ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لاہوری، لندن (شمارہ ۴۲۹) میں موجود ہے (فہرست مذکور ۱/۱۶۲) دوسرا نسخہ شمارہ I.O.3971 بھی ہے۔ تیسرا نسخہ نیشنل لاہیری پیرس میں ہے Storey: Persian Literature Vol. I Part. I p.642 چوتھا خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاه پنجاب لاہور میں ہے (شمارہ ۱۴۷، Pe-ii-۱۰۲/۱۳۸۸)

غلام حسین خان کا اسلوب تحریر سادہ اور عام فہم ہے، ان کی یہ دونوں کتابیں تاحال طبع نہیں ہوئیں۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲۔ ایضاً: فہرستوارہ کتابہای فارسی، تہران ۱۳۷۵ ش

- 3- Abdullah S.M: Descriptive Cat. Of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Punjab University Library, Lahore, Lahore 1942.
- 4- Abdul Muqtadir: Cat of Arabic and Persian MSS. In Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1977.
- 5- Ethe, H: Cat, of Persian Mss. In India Office Library London, 1980
- 6- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
- 7- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1972.
- 8- Rieu, Ch: Cat. Persian MSS. In British Museum, London, 1889

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا محمد حسین خان شاہ جہانپوری (مؤلف ریاض الفردوس)

مولوی محمد حسین بن غلام قادر خان شاہ جہانپوری کے احوال مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے البتہ کتاب ریاض الفردوس کے خاتمہ میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہاں دیا جا رہا ہے:

محمد حسین کے اجداد ہرات کے رہنے والے تھے اور قوم افغان ترین درانی ابدالی حسن زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۷ء) سے قبل ہرات کے حالات کی کشیدگی کے سبب وہاں سے ترک وطن کر کے برعظیم پاکستان و ہند آکر ہزارہ (صوبہ سرحد پاکستان) آکر آباد ہو گئے، ان کے جد اعلیٰ محمود خان اپنے خاندان کے ساتھ اپنے عم بزرگ دیوان قاسم خان کے ہمراہ نواب بہادر خان منصب دار شاہ جہان کی ہمرکابی میں یہاں آئے، یہی نواب ابدال خان مخاطب بہ نواب بہادر چغتاء، (ف ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء) شاہ جہانپور کا بانی تھا کی تحریک پر شاہ جہان پور میں محمود خان نے اقامت اختیار کی، مؤلف کے والد غلام قادر خان بن عبدالغفار بن عبدالرؤف بن نصرت خان بن آدم خان بن محمود خان مذکور سب نے خوش حالی کی زندگی بسر کی لیکن گردش ایام سے میرے والد روزگار کی تلاش میں حیدر آباد دکن گئے وہاں فوج کی ملازمت سے آغاز کیا اور نظامت کے عہدہ پر چودہ برس تک رہے پھر ملازمت ترک کر کے اپنے مستقر شاہ جہانپور جا کر نکاح کیا۔ یہاں مال گزاری اور تجارت کا شغل اختیار کر لیا، ان کے ہاں بیہیں اولاد ہوئی اور انہوں نے اسی علاقہ میں ۱۳ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بعر ۶۸ سال انتقال کیا (ریاض الفردوس ۱۶۴-۱۶۵)

مؤلف محمد حسین خان کی ولادت شاہ جہانپور میں ہی ۲۷ ذی قعد ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء کو ہوئی، یہیں ابتدائی کتب درسیہ مقامی علماء کی خدمت میں پڑھیں، پھر رام پور جا کر دو سال تک تحصیل کی، وہاں سے تکمیل کی غرض سے دہلی پہنچے اور کامل ایک سال وہاں کے علماء سے تحصیل کے بعد پھر لکھنؤ گئے وہاں بھی ایک سال علماء کی

خدمت میں گزارا، پھر علم حدیث اور مطولات حکمیہ و کلامیہ کی تکمیل کے لیے دوبارہ دہلی گئے اور ایک سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی اور واپس اپنے مستقر پہنچے۔ (ایضاً ۱۶۶ / ۳)

اس دوران والد کی جائیداد کی تقسیم کے باعث پھر تلاش روزگار میں علاقہ محمدی (من مضافات لکھنؤ) میں گئے اور وہاں انگریزوں کے ہاں سررشتہ دار کو لیکٹر مقرر ہوئے، وہاں سے آگرہ (Agra) گئے تھے کہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا اس پر آشوب زمانہ میں واپس شاہ جہانپور چلے گئے اور بڑی عسرت میں وقت گزارا، اس عالم میں کتاب حاضر یعنی ریاض الفردوس کی تالیف کا آغاز کیا جو تین سال میں جا کر مکمل ہوئی، اس دوران میرا تمام مال و اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا، وہاں سے ضلع باندہ (Bandah) گئے اور حاکم علاقہ کی پیشی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران ان کی والدہ شدید علیل ہوئیں تو وہ ملازمت ترک کر کے واپس اپنے مستقر چلے گئے جہاں ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء کو ان کی والدہ نے انتقال کیا۔ (ایضاً ۱۷۶)

ان مصائب کے بعد تلاش معاش میں حیدر آباد دکن گئے لیکن وہاں کام نہ بنا تو بھوپال چلے گئے جن انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا اور ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء تک وہیں مقیم رہے۔ (ایضاً ۱۶۷-۱۶۸ء)

یہ مؤلف کی ۳۵ سال کی روداد حیات ہے اس کے بعد ان کے احوال کا کچھ علم نہیں ہے یہاں تک کہ ان کا سال وفات بھی ہمیں نامحال معلوم نہیں ہو سکا۔

مؤلف نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے لیکن ان کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مولانا مفتی صدر الدین آزرہ دہلوی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) اور مولانا سلاست اللہ کشفی بدایونی (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۳ء) سے تعلق خاطر تھا۔ (ریاض الفردوس ۱۳۳، ۱۱۹ و بہ بعد) مؤلف مولانا غلام امام خان ہجر و ملک تخلص (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) سے بیعت ارادت بھی رکھتے تھے (ایضاً ۱ / ۵) قیاس ہے کہ انہی کے حوزہ ادبی سے بھی منسلک رہے ہوں گے، مولانا ہجر حیدر آباد دکن کے نوابوں سے وابستہ تھے، جب وہ تلاش معاش میں حیدر آباد گئے تو ان سے فیض یاب ہوئے ہوں گے، مولانا ہجر کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ خورشید جاہی قابل توجہ ہیں۔

کتاب ریاض الفردوس ایک علمی و ادبی مرقع و دائرۃ المعارف ہے، اس کے کئی خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تینوں دفتروں میں شعرائے نامدار کے مختصر احوال و نمونہ کلام درج کیا گیا ہے اس کا

حصہ اول جو عربی زبان میں ہے، اس کی فصل خامس متقدمین و متاخرین عربی شعراء و علماء پر ہے۔ جو تاریخ ابن خلکان، سبحة المرجان فی آثار ہندوستان (مولفہ آزاد بلگرامی) اور نفحۃ الیمن سے ماخوذ ہے۔ متاخرین میں سے مولانا صدر الدین خان آزر دہلوی، مفتی سعد اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ حصہ دوم کی پانچویں فصل فارسی شعراء متقدمین و متاخرین کے مختصر حالات اور نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کا آغاز ابوالحسن رودکی سے ہوتا ہے، اور متاخرین میں سے مولوی امام بخش صہبائی، میرزا اسد اللہ خان غالب، صدر الدین آزر دہ، محمد فضل عظیم خیر آبادی، مصطفیٰ خان شفیع و حسرتی، نواب ضیاء الدین خان نیر خشاں، نیاز احمد بریلوی، غلام امام شہید، محمد صادق خان اختر، مولوی سلاست اللہ کشفی، عارف علی شاہ عارف خراسانی، نواب غلام حسین خان حسین شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نیاز علی مفتون خیر آبادی اور محمد یعقوب حلیم فیض آبادی اندروی، اس فصل کے ذیل کے طور پر خواتین (زنان) شعراء فارسی کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جو نور جہاں بیگم مخفی (زوجہ جہانگیر بادشاہ) سے شروع ہو کر شریفہ بانو ہمدانی پر ختم ہوتا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا حصہ جو اردو زبان میں ہے کی پانچویں فصل شعراء اردو کے ایک سطری حالات اور ایک ایک شعر کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ حروف تہجی کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں قصائد، مکاتیب، مقطوعات، مسائل علم خط، علم صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عقائد، فقہ، فرائض، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، تجوید، تصوف، منطق، حکمت، حساب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ وغیرہ پر ابتدائی نوعیت کی معلومات جمع کی گئی ہیں۔

مؤلف نے اسے ”مشکول“ کہا ہے اور بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران پُر آشوب حالات میں وہ اپنے مستقر شاہ جہانپور میں رہنے پر مجبور تھے اب وقت گزرنے کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا، اور چار پانچ سال کی مدت میں مؤلف اسے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ریاض الفردوس ۱۶۶) تاہم ۱۲۸۱ھ تک وہ اس کی تبیض میں لگے رہے اور مذکورہ سنہ کو آخری و جاری سال بتایا ہے (ایضاً ۱۶۷)۔

اس کتاب پر اس عہد کے بہت سے اکابر علماء و ادباء شعراء نے تقریظیں لکھیں جن میں سے مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، قاضی زین العابدین عرب، نواب صدیق حسن خان، مولانا عباس بن احمد یمنی شردانی، مولانا احمد گل، واحد علی شاہ آبادی، نثار احمد شاہ جہانپوری، تراب علی لکھنوی قابل ذکر ہیں یہ تمام تقاریر عربی میں ہیں۔

مولانا عبد الہادی نامی گلریزی نے قطعہ تاریخ فارسی میں لکھا، اور نواب غلام حسین خان شاہ جہانپوری، خلیفہ محمد سمیع اللہ شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نواب صدیق حسن خان، حکیم اصغر حسین فرخ آبادی وغیرہ نے فارسی میں بہترین تقریظیں لکھیں جو کتاب کے آخر میں شامل ہیں۔

ریاض الفردوس کے تینوں حصے یکجا مطبع نو لکھنور ۱۲۸۳ھ کو طبع ہوئے۔

مرتضیٰ حسین فاضل بگرامی نے اس کا حصہ شعرائے اردو ایک کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا تھا جو لاہور سے ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا۔

مآخذ

- ۱۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء
- ۲۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران، ۱۹۶۳ء
- ۳۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش
- ۴۔ مبارک فہیم: سخنوران شاہ جہانپور، دہلی، ۱۹۹۵ء
- ۵۔ محمد حسین شاہ جہانپوری: ریاض الفردوس، لکھنؤ، مطبع نو لکھنور، ۱۲۸۳ھ
- ۶۔ ہجر و ملک، غلام امام خان: تاریخ رشید الدین خانی و حاشیہ تاریخ خورشید جایی، علی گڑھ، ۱۳۲۱ھ

۱۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

منشی ذوالفقار علی خان (مؤلف تذکرہ ریاض الوفاق)

منشی ذوالفقار علی تذکرہ ریاض الوفاق کے مؤلف کی حیثیت سے متعارف ہیں جو تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے فارسی و اردو شعراء کا ایک تذکرہ ہے اور اپنے معاصرین کے سوانحی مواد کا حامل ہونے کی وجہ سے معروف ہے۔

اس تذکرہ کے مؤلف منشی ذوالفقار علی خان بہادر متخلص بہ مست تھے، ان کے حالات شعراء کے مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، فقط ان کے اپنے بیانات میں ان کے سوانحی اشارات ہیں، خود لکھا ہے کہ مجھے کم سنی میں شاہ قدرت اللہ قدرت سے ملاقات کا موقع ملا تھا (ریاض الوفاق ۳۱) مروجہ عربی علوم کی تحصیل کے لیے مولانا نجم الدین محمد خان ثاقب کی خدمت میں گیا (ایضاً ۱۶) آغاز جوانی میں شیخ الاسلام شاہ شمس الدین ابوالفرج سے ضلع بہار میں ملاقات ہوئی۔ (ایضاً ۵۶) کلکتہ اور بنارس میں معروف شاعر مرزا جان محمد طیش بخاری سے صحبتیں رہیں۔ (ایضاً ۵۶)

مؤلف کا بنارس کا دوسرا سفر ناصر الملک کلاں کی رفاقت میں ہوا (ایضاً ۴۹) اس سفر میں سید قطب الہدی شوق بریلوی بھی ہمراہ تھے (ایضاً ۴۹)

بنارس کے نواب مہاراجہ اودت نرائن سنگھ بہادر (Awadit Narain) سے بھی تعلق تھا (ایضاً ۶۲) (مخلصاً از احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی ۱ / ۶۸۰) مؤلف نے اپنے خطاب ”خان بہادر“ کی توضیح نہیں کی حالانکہ ترقیمہ میں واضح طور پر ان کے نام کے ساتھ منشی اور ”خان بہادر“ لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ۱۲۳) یقیناً وہ کسی مقامی حکومت کے ناظم اعلیٰ سے متوسل ہوں گے تبھی انہیں ”خان بہادر“ کا خطاب ملا، دور وسطیٰ میں فارسی زبان و ادب کے ماہر کو منشی کہا جاتا تھا لیکن دور آخر میں یہ باقاعدہ ”عبدہ“ بن گیا ممکن ہے مست کسی نواب کے ہاں منشی رہے ہوں، مؤلف نے اپنی مصروفیت کو ”بارگراں و خدمت گذاریِ خلافت“ سے تعبیر کیا ہے۔ (ایضاً ۱۲۰)

اس کے باوجود مولف اس تذکرہ کے علاوہ کئی کتابوں کے مولف تھے جن کے نام انہوں نے خود لکھے

ہیں۔

- ۱۔ دبستان حقوق
- ۲۔ انتخاب نسخہ طیبہ یعنی ابواب البحتان
- ۳۔ باغ و بہار (مکاتبت منظوم)
- ۴۔ بیاض نو طرز
- ۵۔ تحفۃ المہندی
- ۶۔ نگارستان خمار
- ۷۔ بہارستان ضائر
- ۸۔ انقب سخن
- ۹۔ نیرنگ ظہور (ایضاً ۱۲۱)

”یہ است کوئی کتاب بھی اس وقت تک دستیاب نہیں ہے۔ ذوالفقار علی مست کی صرف ایک ہی کتاب ”بیاض الوفاق“ تھی ہے۔ یہ فارسی اور اردو شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے اکثر شعراء مولف کے قریبی دوست تھے، مولف کا ارادہ تھا کہ ہندی یعنی اردو اور فارسی شعراء کے الگ الگ باب بنائے جائیں گے لیکن بعد کو صرف ردیف کا التزام ہی رکھا گیا اور ان دونوں زبانوں کے شعراء کے حالات و نمونہ کلام حروفِ فنی کے اعتبار سے تحریر کر دیئے گئے۔

مولف نے یہ تذکرہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء کو مکمل کیا تذکرہ کے نام ”ریاض الوفاق“ سے اس کا سال تالیف برآمد ہوتا ہے (ایضاً ۱۲۳)

یہ تذکرہ بنارس (Benaras) اور کلکتہ (Calcutta) کے شعراء کے احوال و انتخاب کلام پر مشتمل ہے، چونکہ یہ مولف کے معاصرین کا تذکرہ ہے اس لیے اس کی اہمیت واضح ہے، ان میں سے اکثر شعراء کے حالات سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔

اس تذکرہ کا فارسی متن ڈاکٹر عبدالرسول خیام پور نے مرتب کر کے تہریز سے ۱۳۳۳ش کو طبع کر دیا، لیکن انہوں نے اردو سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں سے شعراء کے حالات و کلام والے حصے حذف کر دیئے، اس کے علاوہ بعض فارسی شعراء کے اشعار بھی کم کر دیئے، تذکرہ کے شروع میں مولف نے ایک طویل مقدمہ لکھا جس میں عبارت بہت ”مصنوع“ تھی فاضل مرتب نے اس کی تلخیص کر دی ہے۔ مولف نے شعراء کی تعریف میں جمعبار نہیں لکھی تھیں ان میں بھی کمی کر دی ہے۔

پٹنہ کے ڈاکٹر سید حسن نے ڈاکٹر خیام پور کے حذف شدہ تراجم کو اسی نسخہ جرمن کی مدد سے مرتب کیا اور عطا کا کوئی نے اس حصے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۱۹۶۷ء کو مع متن فارسی شائع ہوا جس میں اردو کے ۳۱ شعراء کے احوال ہیں۔

اس تذکرہ میں شعراء کے تراجم ان کے تخلص کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ اس کا آغاز میر مظفر علی آہ پھلواردی سے ہوتا ہے اور آخرین احوال خواجہ یعقوب علی یعقوب کے ہیں۔

اس تذکرہ کی نثر مصنوع اور متکلفانہ ہے، مؤلف شعراء کو بہت قریب سے جاننے کے باوجود ان کے بارے میں سوانحی مواد فراہم نہیں کر سکے یہاں تک کہ ایک دو کے سوا باقی کسی کا سال ولادت یا وفات درج نہیں کیا، اس طرح ان حضرات کے حالات پردہ خفا میں رہ گئے، ان میں سے صرف ۱۱۹ اصحاب کے احوال کچھ تفصیل سے لکھے ہیں، سات شعراء تو ایسے ہیں جو اصلاً ایرانی تھے لیکن وہ ہندوستان میں رہتے تھے ان میں سے اسماعیل قزوینی، محمد جواد حاجب شیرازی، میرزا خلیل اللہ خان سفیر شیرازی، عبدالرحیم شیرازی اور صادق ایرانی قابل ذکر ہیں۔ (تاریخ تذکرہ ہائے فارسی ۱/ ۶۷۹)

اس تذکرہ سے ۱۲-۱۳ صدی کے ہندوستان کا فارسی ادب ترقی پذیر معلوم نہیں ہوتا بلکہ انحطاط کا شکار معلوم ہوتا ہے۔

اس تذکرہ کا واحد خطی نسخہ جرمن کے ٹوبنگن کتابخانہ میں (بہ شمارہ ۶۶۵) موجود ہے، اس نسخے کا تعارف پرنٹنگر (Sprenger) نے اپنی فہرست میں کر دیا ہے اور تذکرہ میں شامل شعراء کی فہرست بھی دی ہے (Storey, Vol.I, Part II, p.885)

مآخذ

- ۱۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تہران ۱۹۶۳ء
- ۲۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائی فارسی، تہران، ۱۳۵۰ ش
- ۳۔ مست، ذوالفقار علی: ملخص ریاض الوفاق مرتبہ عبدالرسول خیامپور، تبریز، ۱۳۴۳ ش
- ۴۔ ایضاً: ریاض الوفاق (بخش شعرائے اردو) مرتبہ سید حسن و اردو ترجمہ عطا کا کوی، پٹنہ، بہار، ۱۹۶۷ء
- 5- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۱۲۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم محمد صادق

حکیم غلام مرتضیٰ خان (ف ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء) بن حکیم محمد صادق (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۸ء) بن اشرف العلماء حکیم محمد شریف خان (۱۱۳۸-۱۲۳۱ھ / ۱۷۲۵-۱۸۱۵ء، بانی خاندان شریفی) اس خانوادہ کے اسلاف کا تعلق کاشغر سے تھا اور معروف نقشبندی شیخ طریقت خواجہ عبید اللہ احرار (ف ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔

حکیم محمد شریف خان نے روایتی طب یونانی میں ہندوستانی آیور ویدک کو ملا کر اس میں ایسی روح پھونکی کہ اس کے کامیاب معالج بن گئے۔

ان کے فرزند سوم حکیم محمد صادق نے فارسی میں کئی کتابیں فن طب میں تصنیف کیں۔ ان کے فرزند اصغر حکیم غلام مرتضیٰ خان نے طب اپنے والد سے پڑھی اور اس میں مہارت تامہ حاصل کی ان کی شہرت ہندوستان کی ریاستوں تک پہنچی تو پٹیالہ کے مہاراجہ نرندر سنگھ (Narindar Singh) (۱۸۳۶-۱۸۶۲ء) نے انہیں اپنے ہاں بلا کر بڑے اعزاز سے ریاستی طبیب کا درجہ دیا۔ ان کے بڑے بھائی حکیم محمود خان پہلے ہی ریاست میں شامی طبیب تھے، ان دونوں بھائیوں کی مساعی سے پٹیالہ میں علم طب کے فروغ کے لیے ایک مدرسہ بھوپ اندرا طبیبہ کالج (Bhup Indra Tibbia College) قائم ہوا۔ (خاندان شریفی، شخصیات و معمولات طب ۱۵-۲۵) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہولناک فضا میں حکیم غلام مرتضیٰ خان پٹیالہ میں تھے۔ انہوں نے ان حالات میں دہلی میں جہاں ان کا آبائی مسکن شریف منزل تھا جانا چاہا تو ریاست کے مہاراجہ نے جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں سرگرم تھا، انگریز افسروں سے کہا کہ وہ دہلی میں شریف منزل کی حفاظت کریں چنانچہ خود ریاست کی فوج نے اس مقام کی حفاظت کی اور بے شمار افراد دہلی میں اس حویلی میں پناہ لے کر محفوظ رہے، حکیم غلام مرتضیٰ کے بڑے بھائی حکیم محمود خان (ف ۱۸۹۲ء) ریاست جیند (Jind) میں تھے اور انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کے وقت ریاست

پنیالہ کی معاون فوج میں تھے اور انہوں نے دہلی کی تباہی کے لرزہ خیز مناظر دیکھے تھے، وہ جنگ کے اختتام پر گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن اپریل ۱۸۵۸ء کو رہا کر دیئے گئے تھے۔ (تاریخ صحافت اردو ۱ / ۱۶۰)

حکیم غلام مرتضیٰ خان کے معروف شاعر میرزا غالب کے ساتھ اچھے مراسم تھے، غالب نے ۱۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو ایک سفارشی خط بھی لکھا جس میں انہیں ”خان صاحب جمیل المناقب“ لکھ کر مخاطب کیا تھا (غالب کے خطوط ۷۵۶ / ۲)

حکیم غلام مرتضیٰ نے اپنے بزرگوں کی طبی کتابوں پر نظر ثانی کی زادِ غریب ان کے والد حکیم محمد صادق خان میں کئی ابواب کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ، دو رفیق (ابواب) پر مشتمل ہے رفیق اول در تدبیر مسافران بری، رفیق دوم در تدبیر مسافران بحری، ہر رفیق میں کئی فصلیں ہیں جنہیں طریق کا عنوان دیا گیا ہے یہ کتاب مطبع نوکشتور لکھنؤ سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

حکیم محمد صادق کی دوسری طبی کتاب مخازن التعلیم ہے جو فارسی نثر میں ہے۔ جو انہوں نے ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۹ء میں تالیف کی تھی۔ وہ اس میں دیسی ادویہ مفردہ و مرکبہ کا اضافہ کرنا چاہتے تھے لیکن موت نے انہیں موقع نہ دیا۔ اور وفات کے وقت انہوں نے اپنے فرزند حکیم غلام مرتضیٰ سے اس کی تکمیل کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو پورا کر دیا۔ اور اس پر ایک جداگانہ دیباچہ لکھا جس میں اس امر کا اظہار بھی کیا۔ (فہرست مشترک ۱ / ۷۳۱)

اس خاندان کے فرد فرید حکیم واصل خان (ف ۱۱۳۵ھ / ۱۷۳۲ء) نے اپنے طبی تجربات اور مشاہدات علاج الامراض کے نام سے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے بعد میں آنے والوں نے اس میں اپنے اپنے تجربات کا اضافہ کیا، اس میں حکیم غلام مرتضیٰ خان بھی شامل ہیں انہوں نے اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی جو خلاصہ علاج الامراض کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی خاندانی کتاب عجلہ نافعہ تالیف حکیم محمد شریف خان بھی از سر نو مرتب کی (خاندان شریفی ۲۶) علاج الامراض کا ایک ایسا خطی نسخہ بخط حکیم غلام مرتضیٰ خان، حکیم محمد نبی خان جمال سویدا، گلبرگ لاہور کے پاس موجود ہے۔ جس میں حکیم غلام مرتضیٰ نے ایک جداگانہ دیباچہ کا اضافہ کیا ہے (فہرست مشترک ۱ / ۶۵۰)

حکیم غلام مرتضیٰ کے دو فرزند تھے بڑے حکیم غلام رضا خان بھی اپنے والد کے ہمراہ ریاست پٹیالہ میں رہتے تھے۔ وہ خالص ادبی شخصیت کے مالک تھے میرزا غالب سے مراسلت بھی تھی (میرزا غالب کے خطوط ۴/ ۱۳) ۱۸۶۵ء کو دہلی سوسائٹی کے نام سے ایک انجن قائم ہوئی جس کے ارکان اس وقت کے اکابر ادبا تھے ان میں حکیم غلام رضا بھی شامل تھے (واقعات، دارالحکومت دہلی ۲/ ۴۰۷) ان حضرات نے اکمل الاخیار اپنی حویلی بلیمار ان دہلی سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء جاری کیا اور ایک مطبع اکمل المطابع بھی قائم کیا جو حکیم شریف خان کے والد حکیم اکمل خان کے نام پر رکھا گیا تھا (دلی اور طب یونانی ۲۱۴، خاندان شریفی ۲۷) حکیم غلام مرتضیٰ کے دوسرے بیٹے خان بہادر حکیم احمد سعید خان (ف ۱۹۳۰ء) کا دہلی میں محلہ بلیمار ان میں کامیاب مطب تھا۔ حکومت برطانیہ نے ان کو ”خان بہادر“ کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ معروف طبیب مسیح الملک حکیم اجمل خان (ف ۱۹۲۷ء) کے بہنوئی تھے، ان کے فرزند حکیم غلام کبریا (عرف بھورے میاں ف ۱۹۳۵ء) طبیب ہونے کے ساتھ اردو کے شاعر بھی تھے۔ (سخن شعراء ۴۴۶، واقعات دارالحکومت ۲/ ۲۴۲ بہ بعد خاندان شریفی ۲۹)

خاندان شریفی کے ان متاخر حکماء نے یونانی طب کو جدید خطوط پر استوار کیا اور سر سید احمد خان (ف ۱۸۹۸ء) کی جدیدیت کی تحریک سے متاثر ہو کر جدید علم طب کے لیے کئی مدرسے اور طبی کالج قائم کیے۔

مآخذ

- ۱۔ احمد فزوی: فہرست مشترک نسخہ خطی فارسی پاکستان، ج ۱، اسلام آباد ۱۹۸۳ء
- ۲۔ امداد صابری: تاریخ صحافت اردو، دہلی ج ۱، ۱۹۵۳ء، ج ۲، ۱۳۷۳ھ
- ۳۔ احسان اللہ خان: تذکرۃ النخوابگان (احوال اکابر خاندان شریفی) گوالیا، ۱۹۳۱ء
- ۴۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۱۹ء
- ۵۔ حبیب الرحمن، حکیم، سید: ہندوستان کے مشہور اطباء، دہلی، ۱۹۹۸ء
- ۶۔ خلیق انجم (مرتب) غالب کے خطوط، ج ۲، ج ۳، کراچی ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۵ء
- ۷۔ ظل الرحمن، حکیم: دلی اور طب یونانی، لاہور، ۱۹۹۷ء
- فہرست میکرو فلم نسخہ ہای خطی فارسی و عربی ذخیرہ حکیم سید ظل الرحمن، دہلی، ۱۳۸۰ھ

- طب اسلامی برصغیر میں (نادر طبی مخطوطات پر منعقدہ سیمینار کے مقالات) پٹنہ، ۱۹۸۸ء
- ۸۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی: خاندان شریفی، شخصیات و معمولات طب، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۹۔ محمد حسن خان، خلیفہ: تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء
- ۱۰۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہائی چاپی فارسی طبی، تہران، (دانشگا۔ ۱۳۴۲ ش)
- ۱۱۔ نساج، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ مطبع نو کشور، ۱۲۹۱ھ
- 12- Fauja Singh (ed): Patiala and its Historical Surroundings, Patiala, Panjabi University, 1968.

۲۵ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شیر قارہ تہران

مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی

حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی تیرھویں صدی ہجری کے مشہور علماء و مدرسین میں سے تھے۔
حافظ محمد جمال الدین کے والد محمد صالح بن محمد شریف بھی ایک ذی علم بزرگ تھے وہ مظفر گڑھ سے
ملتان آگئے، جہاں ان کے فرزند محمد جمال الدین تولد ہوئے انہوں نے مضافات ملتان کے ایک قصبہ گھوٹہ میں
طرح اقامت ڈالی۔

حافظ محمد جمال نے عمر بھر درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ملتان میں ہی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو
انتقال ہوا۔ (فہرست مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

تالیفات

۱۔ شرح عوالم منظوم

یہ کتاب ابن حسام، کمال الدین بن جمال الدین بن حسام کی علم نحو میں ایک مختصر سا منظومہ ہے، جو
انہوں نے خسرو غازی معز الدین حسین فرمانروائے ہرات (۷۳۲-۷۷۲ھ / ۱۳۳۱-۱۳۷۰ء) کے نام معنون کی
اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں جن میں سے ایک فارسی شرح حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی کی ہے، جس کا ایک
خطی نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی بھکر میں ہے، جو شارح کے حین حیات ۱۳۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ (فہرست
مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

۲۔ صرف زبان عربی

یہ رسالہ قوانین گھوٹوی کے نام سے بھی معروف ہے، اس کے دو خطی نسخے پائے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے اس موضوع پر مختلف اوقات میں دو شرحیں لکھیں کیوں کہ دونوں کا آغاز بھی مختلف ہے۔

اس کا ایک نسخہ مدرسۃ العلوم الشریعہ جامعہ غوثیہ، بھل، بھکر میں ہے، جس کا نام قوانین گھوٹوی ہے اور دوسرا نسخہ مدرسۃ العلوم عید گاہ شمالی، بھکر میں ہے۔ (فہرست مشترک ۲۶۴۰/۱۳)

۳۔ قوانین صرف

اسی موضوع پر شیخ جمال الدین کے رسالہ قوانین صرف کو مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ قوانین صرف کے حواشی پر نقل کیا ہے جو مطبع گلزار محمدی (لاہور) سے ۱۳۳۴ھ کو طبع ہوا ہے، شیخ محشی کا نام ”افضل المحققین۔۔۔ حافظ محمد جمال الحق والدین لکھا ہوا ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء
- ۲۔ اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء
- ۳۔ کمالہ، عمر رضا: معجم المؤلفین، بیروت، ۱۹۶۱ء
- ۴۔ حاجی خلیفہ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، (طبع عکسی) بیروت (سن)
- ۵۔ محمد گھلوی، مولوی: خیر الاذکار فی مناقب الابرار مرتبہ عبدالعزیز ساحر واہ کینٹ، ۲۰۱۰ء

۷ نومبر ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ شہ قارہ

قاضی فقیر محمد (مولف جامع التواریخ)

قاضی فقیر محمد (۱۱۸۹-۱۲۵۹ھ / ۱۷۷۵-۱۸۴۴ء) مورخ اور فارسی کے ادیب تھے، ان کا نسب مشہور سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ پر منتمی ہوتا ہے، اس خاندان کے بزرگوں میں سے شاہ عین الدین محمد (ف ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء) پہلے فرد ہیں جو بغداد سے ۱۰۳۳ھ / ۱۶۶۳ء کو دہلی آئے۔

ان کے فرزند عبدالرسول کو شاہ جہان (حک ۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) نے فتح آباد چکد بھوسنہ ضلع فرید پور، بنگال (Fatihabad, Chaklah of Bhusnah, Faridpur, Bengal) کا قاضی مقرر کیا اور وہ وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالوہاب نے مسند قضا سنبھالی تو اورنگ زیب عالمگیر (حک ۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) نے انہیں موضع راجہ بنی (Mauzah Rajabenee)، بنگال میں جاگیر دی، انہوں نے ایک اور علاقے راجہ پور (Rajapur) میں بھی زمین حاصل کر لی اور وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد نسل در نسل قاضی محمد اشرف، قاضی عبدالشکور، قاضی محمد شفیع اور قاضی محمد رضا (ف ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) نے یہ خدمات انجام دیں، یہی موخر الذکر فقیر محمد کے والد تھے۔ جنہوں نے اپنا آبائی شغل درس و تدریس و قضا چھوڑ کر ہندوستان کی برطانوی حکومت کی ملازمت اختیار کر لی اور انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ۲۸ سال تک صدر دیوانی اور نظامت عدالت کلکتہ میں خدمات انجام دیں۔

قاضی فقیر محمد کی تین بیویوں سے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی، فرزندوں میں عبدالحمید (ف ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء) فقہ و اصول میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کے دوسرے فرزند مولوی عبدالباری صید (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) اردو و فارسی کے شاعر تھے (سخن شعراء ۲۸۶)، قاضی فقیر محمد کے دو بیٹے بہت نامور ہوئے ہیں، ان میں عبدالغفور نساخ (۱۲۴۹-۱۳۰۶ھ / ۱۸۳۴-۱۸۸۹ء) فارسی و اردو کے شاعر اور شاعروں کے مشہور تذکرہ سخن شعراء کے مولف تھے، فقیر محمد کے سب سے مشہور فرزند نواب بہادر

عبد اللطیف خان (۱۸۲۸-۱۸۹۳ء / ۱۲۴۴-۱۳۱۱ھ) تھے، موصوف بنگال کے برطانوی دور حکومت میں مسلمانوں کی بیداری اور ترقی کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۸۴۹ء کو وہ ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور ۱۸۸۵ء کو بھوپال (Bhopal) کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سر سید احمد خان کی طرح ان کی کوششیں بھی قابل قدر ہیں:

(خود نوشت سوانح عبدالغفور نساخ، مشمولہ نساخ، حیات و تصانیف مؤلفہ محمد صدر الحق ۲۷۳-۲۸۱)

Enamul Haque: Nawab Bahadur Abdul Latif, pp. 122-134, 156-186، آئینہ

وہی مؤلفہ محمد مطیع الرحمن ۱۲۸، ۱۶۷، وہ بعد، مشرقی بنگال میں اردو مؤلفہ اقبال عظیم ۸۲، ۷۱ وہ بعد

قاضی فقیر محمد کلکتہ کی عدالت کی نظامت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فارسی ادیب بھی تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے افسران کی نظروں میں بھی معزز تھے، وہ فارسی کی کئی کتابوں کے مؤلف تھے (انعام الحق ۱۲۳) ان کی ایک تالیف منتخب النجوم بھی ہے (محمد صدر الحق ۴۲)

فقیر محمد کی سب سے مشہور کتاب جامع التواریخ ہے، جو مؤلف نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء کو مکمل کی، یہ ایک عمومی تاریخ ہے جو حسب ذیل چودہ فصول پر مشتمل ہے: (۱) تخلیق کائنات (۲) انبیائے کرام (۳) فلسفیان (۴) ایران کے قدیم شہنشاہان (۵) محمد رسول اللہ ﷺ (۶) خلفائے راشدین (۷) ائمہ کرام (۸) بنو امیہ (۹) بنو عباس (۱۰) عباسیوں کی معاصر مقامی حکومتیں (جس میں ۱۹ گفتار ہیں) (۱۱) ترکستان کے خوانین و مغول (۱۲) تیموریان، مرہٹے، اودھ اور بنگال کے حکمران (۱۳) جغرافیہ (۱۴) ہندو اور ہندوستان کی مقامی ریاستیں، تاریخ امریکہ۔

جامع التواریخ کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لاہور میں، لندن اور دو نسخے برٹش میوزیم لاہور میں، لندن میں موجود ہیں (ستوری: ادبیات فارسی ۱/۱/۱۵۰) ایک نسخہ جامعہ ہمدرد کراچی کے کتابخانہ کی زینت ہے (فہرست مشترک ۱۰/۱۳۶)

جامع التواریخ مؤلف کے حین حیات ہی کلکتہ سے ۱۸۳۶ء کو طبع ہو کر مقبول ہو گئی تھی، اس کے بعد مطبع نوکسٹور، لکھنؤ سے اس کے دو مزید ایڈیشن ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئے مگر الذکر طباعت کے آغاز میں

مؤلف کے قابل فرزند نواب بہادر عبداللطیف خان مذکور کا ایک دیباچہ بھی ہے جس میں انہوں نے مؤلف کے مختصر حالات و اوصاف بیان کیے ہیں۔

جامع التواریخ قدیم تاریخ کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی پہلے سے موجود اور متعارف کتب تاریخ سے نقل و اقتباس کیا گیا ہے، البتہ ہندوستان کے متاخر مغل سلاطین، مرہٹوں اور بنگال و اودھ کی تاریخ کے لیے اس میں خاصا مواد موجود ہے، امریکہ کی تاریخ پر بھی کتاب کے آخر میں مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے انگریز دوستوں کی زبانی تحریر کیا ہے، معروف مورخ ایلین نے اس کے کچھ اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ دیا ہے (ایلین: تاریخ ہند ۸ / ۳۲۵-۳۲۹)

مآخذ

- ۱۔ نسخ، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۲۹۱ھ
- ۲۔ ایضاً: قطعہ منتخب، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۲۹۱ھ
- ۳۔ محمد مطبع الرحمن: آئینہ ویسی، پٹنہ، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ اقبال عظیم: مشرقی بنگال میں اردو، ڈھاکہ، ۱۹۵۴ء
- ۵۔ محمد صدر الحق: نسخ (حیات و تصانیف) کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۹ء
- ۶۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
- ۷۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ، ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء
- ۸۔ فقیر محمد: جامع التواریخ، لکھنؤ، مطبع نوکسور، ۱۸۷۴ء
- ۹۔ حبیب الرحمن، حکیم: مٹلاشہ غسالہ، مرتبہ عارف نوشاہی، ۱۹۹۵ء
- ۱۰۔ ایضاً: آسودگان ڈھاکہ، ڈھاکہ، ۱۹۴۶ء

- 12- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.
- 13- Elliot, and Dowson: History of India as told by its own Historions, Lahore, 1984.
- 14- Enamul Haque: Nawab Bahadur, Abdul Latif, His writings and Related Documents, Dacca, 1968.

- 15- Rieu, C: Cat. of Persian MSS. in the British Museum, London, 1883.
- 16- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

مولانا غلام محمد اسلمی (مؤلف تنبیہ الغافلین)

مولانا غلام محمد اسلمی مدراسی تیرھویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے تھے۔

حافظ غلام محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی (مختصر تحفۃ الاثناء عشریہ ص ۲) کی ولادت مدراس (Madras)

بنگال کا ایک اہم خطہ) میں ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۰ء کو ہوئی (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱)

مولانا اسلمی کے والد اور دادا اکابر علماء میں سے تھے اور میسور کے حکمرانوں نواب حیدر علی اور ٹیپو

سلطان کے عہد (۱۷۲۲-۱۷۹۹ء) میں ریاست کے معززین میں سے تھے۔

مولانا اسلمی نے تحصیل و تکمیل ملا عبد العلی بحر العلوم ملقب بہ سلطان العلماء (۱۱۴۴-۱۲۲۵ھ /

۱۷۳۱-۱۸۱۰ء) کی خدمت میں کی۔ (حدیقۃ المرام ۱۹) ملا بحر العلوم نواب محمد علی والہ جاہ (ف ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء)

کی درخواست پر ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء کو مدراس آگئے اور باقی زندگی وہیں درس و تدریس میں گزاری (بحر العلوم مولفہ

محمد یوسف کوکن عمری ص ۱-۲) قیاس ہے کہ مولانا اسلمی نے یہیں مدراس میں ان کی خدمت میں تحصیل کی ہوگی۔

نواب محمد علی والہ جاہ کی وفات کے بعد ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو ان کے فرزند عمدة الامراء جانشین ہوئے اور

صرف چھ سال بعد ہی ۱۲۲۶ھ / ۱۸۰۱ء میں انتقال کر گئے ان کا عہد بھی ہندوستان بھر کے علماء و شعراء کے لیے

پرکشش تھا۔ ان کے بعد ۱۲۱۶ھ / ۱۸۶۱ء کو ان کے بیٹے عبد العلی خان عظیم الدولہ کے لقب سے جانشین بنے۔ یہی

مولانا اسلمی کے مربی تھے۔ انہی کے عہد میں مولانا اسلمی نے شاعبد العزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)

کی معروف فارسی تالیف تحفۃ اثناء عشریہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا (مختصر التحدۃ الاثنی عشریہ ص ۵ مقدمہ) عظیم الدولہ

کے عہد میں انہوں نے مدتوں درس و تدریس کے فرائض ہی انجام دیئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱) والا جاہی دربار

میں ان کی بہت ہی قدر و منزلت تھی اور انہیں ریاست مدراس کی جانب سے وکالت کا عہدہ دے کر حرمین الشریفین

میں متعین کیا گیا تھا یعنی ریاست کی طرف سے جس قدر نذر و نیاز مقامات مقدسہ کے لیے بھیجی جاتی تھیں سب کا بندوبست یہی مولانا سلمیٰ کرتے تھے۔ (تاریخ النوائط ۴۶۳)

۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۷ء کو انہیں ریاست کی طرف سے سراج العلماء حافظ محمد اسلم خان بہادر کا خطاب ملا (ہانجا ۴۶۳) اور اسی خطاب کی مناسبت سے وہ سلمیٰ کے عرف سے مشہور ہوئے تھے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ کا تعلق علماء و فضلاء کی ایک معروف قوم نائٹی (Naiti) سے تھا۔ (تاریخ النوائط ۴۶۲) قوم نائٹی کے اکثر افراد و علماء مسلک حنفی تھے صرف وہ خاندان جو بعد میں مدراس میں مینبور (Menmboor) کے علاقے میں جا بے وہ شافعی تھے ان میں مولانا سلمیٰ اور ان کا خانوادہ بھی شامل ہے۔ (خانوادہ قاضی بدرالدولہ ص ۱۹)

مولانا سلمیٰ علوم معقول میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ عربی و فارسی دونوں علمی زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ مولانا سلمیٰ نے مدراس کے علاقہ سعید آباد میں اپنی رہائش کے لیے مکانات اور باغ اور اپنے لیے ایک مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ حرمین الشریفین سے واپس مدراس آکر مختصر قیام کے بعد اپنے دوست و احباب سے ملاقات کے لیے حیدر آباد دکن اور رنگ آباد بھی گئے پھر اپنے مستقر میں واپس آ گئے (حدیقۃ المرام ۱۹، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ نے باختلاف روایت ۱۱ محرم، محرم ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ / ۵۵-۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔ (حدیقۃ المرام ۱۹، تاریخ النوائط ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۲)

مولانا سلمیٰ کئی اہم دینی کتابوں کے مؤلف تھے ہمیں تاحال ان کی صرف حسب ذیل تالیفات کا علم ہو

سکا ہے:

۱۔ الترجمة العبقریة والصولۃ الحمیدیۃ:

یہ اہل تشیع کے رد میں لکھی جانے والی معرکہ آرا کتاب تحفہ اثناء عشریہ تالیف شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) کا عربی میں ترجمہ ہے۔ مولانا سلمیٰ نے یہ ترجمہ عظیم الدولہ مذکور کی فرمائش پر

مدراس میں ۵ شعبان ۱۲۴۷ھ / ۱۸۱۲ء کو مکمل کیا۔ (مختصر التحدۃ الاثنی عشریہ، مقدمہ)

مترجم نے اس میں کئی مقامات پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ خاصاً ضخیم ہے اس کے ایک خطی نسخہ کے صفحات ۱۰۵۱ ہیں ۱۳۰۱ھ میں سید محمود شکاری الالوسی نے اس ترجمے کی تلخیص و تہذیب تیار کی جو ۱۳۱۵ھ میں بمبئی (Bombay) سے طبع ہوئی پھر اس ایڈیشن کو شیخ محمد نصیف نے اغلاط سے پاک کر کے مصر سے شائع کیا۔ اصل عربی ترجمے کے خطی نسخے خدابخش لاہوری، پٹنہ اور کتابخانہ آصفیہ میں محفوظ ہیں۔

(Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, pp 389.90)

یہ عربی ترجمہ کتاب کے مؤلف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حین حیات ہوا تھا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آرکائٹ کے والی نے اس کا عربی ترجمہ کروا کر عرب بھیجا تھا (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۷۰)

۲۔ سفینۃ النجاة:

اختلافی مسائل پر یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا عبدالحی حسنی کو تجمل حسین گوپاموی (درہند) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۳) گویا علم عقائد میں یہ ایک مبسوط کتاب ہے (تاریخ النوائط ۴۶۳) تعلیقات الرزینہ فی شرح السفینۃ کے نام سے کتابخانہ آصفیہ میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (ادبیات فارسی، برگل ۱ / ۲۶)

۳۔ تنبیہ الغافلین:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور رد و ہابیہ ہی کے موضوع پر ہے۔ ان کے زمانے میں مدراس میں تقلید و عدم تقلید کے نام پر بحثیں بہت زور پکڑ گئی تھیں۔ مولانا اسلمی نے جو مسلک شافعی تھے اس رسالے میں تقلید کے جواز میں دلائل دے کر اپنے معاصر علماء سے دستخط کرائے تھے۔

عرصہ ہوا اس رسالے کا ایک خطی نسخہ عبدالعزیز نظام آبادی تاجر مخطوطات (لاہور) کے پاس دیکھا تھا، دوسرے کسی نسخے کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے۔

۴۔ مواہب الرحمن:

مولانا اسلمی نے اپنی آخری عمر میں وفات سے دس دن قبل قرآن پاک کی ایک تفسیر فارسی نثر میں لکھی تھی۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں مرتب ہوئی، مؤلف نے اس میں عقلی و نقلی دلائل سے خوب بحثیں کی ہیں۔

زیادہ تر شوافع سے استنباط کیا ہے جسے فارسی میں ہندوستان میں لکھی جانے والی ایسی تفسیروں میں اہم درجہ حاصل ہے۔ کیوں کہ اکثر تفاسیر حنفی مکتب فکر کے علماء کی تالیف ہیں غیر حنفی تفسیریں بہت کم لکھی گئی ہیں ان میں مواہب الرحمن شافعی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

مواہب الرحمن کی کتابت و تصحیح سید سعد الدین بن مولوی جعفر نے کی تھی جو مؤلف کے رفقاء میں سے تھے (حدیقۃ المرام ۳۲)

اس کتاب کے آخری دو اجزاء مطبع جامع الاخبار، مدراس سے ۱۲۶۱ھ میں طبع ہوئے۔ مولانا اسلمی نے تحفہ اشعار عشریہ کے ترجمہ میں اپنا نام غلام محمد لکھا ہے لیکن مذکورہ بالا تمام تذکروں میں ان کا نام محمد سعید درج ہوا ہے۔ ان کا لقب سعید تھا (تاریخ النوائط ۴۶۲) یقیناً تذکرہ نویسوں نے اسی لقب کو ان کا اصل نام سمجھ لیا ہو گا، اسلمی کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے جو طبع نہیں ہوا۔

ماخذ

- ۱۔ اسلمی، غلام محمد: مختصر تحفۃ الاشعار عشریہ، تلخیص و تہذیب محمود شکاری الوسی، استانبول، ترکی ۱۹۷۶ء
- ۲۔ برگل: ادبیات فارسی برجنای تالیف استوری ترجمہ یحییٰ آریں پور، تہران ۱۳۵۳ء
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۷، حیدرآباد، دکن ۱۹۵۹ء
- ۴۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء
- ۵۔ عبدالعزیز محدث دہلوی: ملفوظات شاہ عبدالعزیز اردو ترجمہ محمد علی لطفی، کراچی ۱۹۶۰ء
- ۶۔ ایضاً: فضائل صحابہ و اہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۷ء
- ۷۔ عزیز جنگ: تاریخ النوائط، حیدرآباد، دکن ۱۳۲۲ھ
- ۸۔ کوکن، محمد یوسف عمری: خانوادہ قاضی بدرالدولہ، مدراس ۱۹۶۱ء
- ۹۔ ایضاً: بحر العلوم (سوانح، تالیفات) مدراس ۱۹۶۰ء
- ۱۰۔ الرحمن علی: تذکرہ علماء ہند، ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۱۔ ناظر، غلام عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (رودادِ سفر نواب اعظم جاہ بہادر ۱۲۳۸ھ) مرتبہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس ۱۹۶۱ء

۱۲۔ واصف، محمد مہدی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علماء مدراس) ترجمہ سخاوت مرزا۔ کراچی ۱۹۸۲ء

- 13- Kokan, M. Yusuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1982.
- 14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970
- 15- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۶ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین خان بہادر (مؤلف محمد حمادیہ)

شیخ برہان الدین تیرھویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر تذکرہ نویس اور تصوف دوست بزرگ

تھے۔

حاجی حافظ سید محمد برہان الدین کے والد سید محمد نور الحسن خان بہادر تیرھویں صدی ہجری کے ممتاز اصحاب علم و دانش میں سے تھے نوابانِ دکن (Deccan) کے انتظامی شعبوں میں معزز عہدوں پر کام کرتے رہے، انہیں ریاست حیدر آباد کی طرف سے ”خان بہادر“ کا خطاب بھی ملا تھا۔ (محمد حمادیہ ۲ / ۱۰۱۳)

حافظ برہان الدین نے دکن کی علمی فضا میں پرورش پائی، اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل کے بعد ریاست کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس خانوادے کا قادری سلسلہ طریقت سے روحانی تعلق تھا۔ ان کے مرشد ملک شاہ محمود قادری تیرھویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔ جن کے جد اعلیٰ ملک محمود پیارو (Piaro) دکن کے فاروقی سلاطین کے وزیر زادے تھے، ملازمت ترک کر کے شاہ منصور کی خدمت میں بیعت ہوئے اور گجرات میں ۱۰۰۰ھ / ۹۱-۱۵۹۲ء کو انتقال ہوا۔ مثنوی مولانا روم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا (محبوب ذی المنن ۲ / ۹۱۳-۹۱۵) حافظ برہان الدین کو بھی اپنے والد کا خطاب ”خان بہادر“ ریاست حیدر آباد کی طرف سے ملا تھا۔ ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا معروف عالم مولانا عنایت العلی بن کرامت العلی اسراہیلی دہلوی ثم حیدر آبادی (متوفی ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) سے قریبی تعلقات تھے (نزہۃ الخواطر ۸ / ۳۳۷) حافظ برہان الدین کے مرشد زادے شاہ غلام محمد قادری جو خود ایک عمدہ نثر نویس اور فارسی شاعر تھے حافظ صاحب پر خاص مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے محمد حمادیہ میں ان کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے (۲ / ۹۸۹)

ان کے علاوہ متعدد ہم عصر اہل علم مثلاً حافظ محمد علیم اللہ متخلص بہ نطق، حکیم مظفر الدین خان متخلص بہ

مزاج جیسے فارسی شعراء عصر کے ساتھ نشست و برخاست رہتی تھی۔ (حمانجا ۲ / ۹۹۱-۱۰۱۵)

حافظ برہان الدین کے صرف ایک فرزند سید عبدالصمد کا ہمیں علم ہے، انہوں نے محمد حمادیہ پر فارسی میں ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

حافظ برہان الدین کا سال وفات تذکرہ نویسوں نے درج نہیں کیا۔ ان کی تالیف محمد حمادیہ ۱۲۹۸ھ میں مکمل ہوئی جب کہ وہ سن رسیدہ تھے، قیاس ہے کہ آغاز ۱۳۰۰ھ / ۸۲-۱۸۸۳ء کو انتقال ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں احمد منزوی نے ان کا سال وفات ۸۲۵ھ کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ (فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲ / ۱ / ۱۳۶۳، فہرست مشترک ۱۲ / ۲۳۱۸) یقیناً انہیں غلط فہمی ہوئی ہے ان کی محولہ فہارس خصوصاً تذکرہ مخطوطات (۲ / ۱۵۹) میں ان کی تالیف محمد حمادیہ کا سال تالیف ۱۲۹۸ھ واضح الفاظ میں درج ہے، لہذا اس سنہ کا مؤلف ۸۲۵ھ میں کیسے فوت ہو سکتا ہے؟

محمد حمادیہ

حافظ برہان الدین کی صرف ایک تالیف محمد حمادیہ کا تاحال ہمیں علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور قادری سلسلہ کے صوفیہ خصوصاً ملک شاہ محمود قادری اور شاہ غلام محمد قادری کے احوال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں۔

اس کتاب کے محرک مؤلف کے خاص دوست اور عالم مولانا محمد عنایۃ العلیٰ مذکور ہیں، شاہ غلام محمد قادری کو عالم رویا اور مکاشفہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ سے ”حماد ثانی“ کا لقب ملا تھا (حماد ۲ / ۹۱۰) اس لیے اس تذکرے کا نام مؤلف نے ان کے لقب کی مناسبت سے محمد حمادیہ تجویز کیا۔

تذکرہ محمد حمادیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا جو خطی نسخہ جلد دوم مخزن کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد، دکن میں ہے صفحہ ۵۸۵ سے ۱۰۱۵ پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ اس کی جلد اول ۵۸۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہوگی، یہ مخطوطہ مؤلف کا خود نوشت نسخہ ہے دوسری جلد شاہ محمود قادری کی اولاد اور قرابت داروں کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے، اس جلد کے چند آخری اجزاء مؤلف کے مرشد زادے سید شاہ غلام محمد قادری متخلص بہ شید آنے لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اس عہد کے نامور شعراء فارسی کے قطعات تاریخ ہیں جن میں شید اند کور کے

علاوہ حافظ محمد علیم اللہ نطق، مظفر الدین مزاج اور سید عبدالصمد (فرزند مؤلف) کے عربی و فارسی قطعات قابل توجہ ہیں۔ (تذکرہ مخطوطات ۲/ ۱۵۹)

حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۸ھ کو محمد حمادیہ کی ایک جلد (صفحات ۶۰۱) شائع ہوئی تھی یہی ایک جلد خان بابا مشار کے پیش نظر تھی (مولفین کتب چابی ۲/ ۱۰۶، فہرست کتابہای چابی فارسی ۲/ ۲۹۴۱) ("محاکمہ حمادیہ" سہو کتابت ہے) استوری: ادبیات فارسی ۱/ ۲/ ۱۰۵۴۔

مآخذ

- ۱۔ برہان الدین، حافظ: محمد حمادیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۰۸ھ (ج۔ ۱)
- ۲۔ زور، محی الدین قادری: تذکرہ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، ج ۲، دہلی، ۱۹۸۴ء
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸۔ کراچی، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ مشار، خان بابا: مولفین کتب چابی فارسی و عربی، تہران۔ ۱۳۳۰ش
- ۵۔ ایضاً: فہرست کتابہای چابی فارسی، تہران، ۱۳۵۲ش
- ۶۔ ملکا پوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۱ھ
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ج ۲، تہران، ۱۳۳۹ش
- ۸۔ ایضاً: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان ج ۱۲، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء
- 9- Storey, CA : Persian Literature, London 1970

۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک بڑے عالم، مفتی، واعظ اور مصنف تھے۔

مفتی کریم اللہ کے حالات زندگی مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں بہت ہی مختصر طور پر درج ہوئے ہیں۔ آپ کے اجداد کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کی نسبت فاروقی^۱ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا لطف اللہ تھے، آپ نے ان کے نام کے ساتھ کوئی لقب یا نسبت درج نہیں کی۔

منشی بشیر الدین احمد دہلوی کی روایت ہے کہ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طرح حنفی مذہب کے جتید علماء میں سے تھے^۲۔ جس سے اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ آپ کے والد اور اجداد بھی اکابر علماء میں سے تھے۔

مفتی کریم اللہ کا انتقال ۳ ماہ عید الفطر روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو ہوا^۳، وفات کے وقت عمر نوے سال تھی^۴۔ اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء (۱۲۹۰ - ۹۰ = ۱۲۰۰) کو ہوئی تھی۔

قیاس ہے کہ مفتی کریم اللہ کے والد اور اجداد بھی دہلی کے محلہ قاضی حوض میں رہتے تھے، وہیں ان کی

۱ دکن مل: تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷

۲ کریم اللہ: ملاح النبیہ و رقی

۳ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۱۳

۴ محمد عسرین الحق: ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۵ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷ صاحب ذہب الخواطر (۷ / ۳۹۸) نے سال وصال کے لیے ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے لیکن اس وقت ان کے پیش نظر تذکرہ علمائے ہند قلمبند نہیں تھا۔

نے سال وفات ۱۲۹۱ھ عرق سے سال نقل کر دی حالانکہ ریاض الانوار میں عرق کا ذکر موجود ہی نہیں ہے۔

مسجد اور مسکن تھا، جس کے قرائن حسب ذیل ہیں:

اس سلسلہ کی پہلی روایت مفتی برکت علی (از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی ہے جنہوں نے شیخ محدث کی خدمت حدیث کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”مولوی کریم اللہ ساکن حوض قاضی“ دوسری روایت بشیر الدین احمد کی ہے جنہوں نے قاضی حوض کے علاقہ میں واقع مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مولوی کریم اللہ کا فرزند بتایا ہے کہ باپ بیٹا دونوں یہیں درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔^۱

معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ قاضی حوض کا یہ محلہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۸ء کو معتبر الدولہ نے آباد کیا اور حوض بنایا^۲ لیکن یہ مسجد اس سے پہلے ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں موجود تھی جسے مولوی کریم اللہ نے از سر نو بنوایا اور توسیع کی،^۳ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء تک مولوی کریم اللہ محلہ لال کنواں میں ہی رہتے تھے^۴۔ جو علاقہ قاضی حوض کی حدود میں واقع ہے۔^۵

اساتذہ

مفتی کریم اللہ کے اساتذہ میں نامی گرامی اصحاب شامل تھے، مثلاً حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)، مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء) مولانا محمد کاظم دہلوی،^۶ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی^۷ (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

۱ برکت علی: مرآۃ المفاتیح ص ۱۰۶

۲ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۱۳

۳ بیٹا ۲ / ۱۹۳

۴ بیٹا ۲ / ۳۲۲

۵ محمد الطالین ۸۷

۶ واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۲۰۳

۷ محمد الطالین ۸۷

۸ واقعات دارالحکومت دہلی ۲ / ۲۰۳

درس و تدریس

مفتی کریم اللہ طالب علمی کے زمانے سے مدرسین کی طرح درس دیتے تھے اور انہیں کتب متداولہ پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ گویا کتابیں انہیں حفظ تھیں چنانچہ دہلی کے معروف عالم و صوفی اخوند شاہ عبدالعزیز دہلوی (ف ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) نے شافیہ ابن حاجب اور شرح ملا جامی انہی ایام میں آپ کی خدمت میں پڑھی تھیں^۱۔

تکمیل کے بعد مفتی کریم اللہ نے جامع مسجد شاہ جہان آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، موصوف وہاں وعظ اور تفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو آپ نے درس تفسیر کو اپنے فرزندوں کی درخواست پر مفتاح النصیحۃ کے نام سے جمع کیا تھا^۲، اس کے دوران ہی آپ اپنے آبائی مدرسہ اور مسجد علاقہ قاضی حوض دہلی میں بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ بھی کرتے تھے، ان کے اس مدرسہ میں ان کے فرزند ان گرامی خصوصاً مولوی محمد یعقوب بھی درس دیتے تھے، یہ مدرسہ واقعات دارالحکومت دہلی کی تالیف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء تک جاری تھا کسی فروعی اختلاف کے باعث دہلی کے مشہور شیخ طریقت اور عالم مولانا شاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) عوام کو انہی مولانا محمد یعقوب کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے تھے^۳۔

سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ مولوی کریم اللہ تدریس طلبہ شائق میں مصروف اور عنان ہمت افادہ طالبین کی طرف معطوف رکھتے ہیں مولوی رحمن علی نے انہیں کثیر الدرس لکھا ہے^۴۔

۱۔ محمد حریز الحق: رہنمائی، ۱/۱۲

۲۔ بیضاوی، ۱۳، ص ۱۶، تصانیف ص ۲۵۷

۳۔ مفتاح النصیحۃ: خطی مملوکہ جناب ضیاء الرحمن دہلی، لاہور (مخطوطات)

۴۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، ۲/۱۳

۵۔ لہجہ و سخن فارسی: مقالات نمبر ۴۹۳

۶۔ سر سید احمد خان: آجر طراز، ۲/۹۳

۷۔ رحمن علی: تذکرہ ملائے ہند، ۳۹۷

فتویٰ جہاد پر دستخط

۱۸۵۷ء کی انگریزوں کے خلاف بغاوت کو ہندوستان کے علماء نے جہاد قرار دیا تھا اس موقع پر باقاعدہ ایک فتویٰ بھی مرتب ہوا، جس پر اس وقت کے نامی گرامی علماء اور مفتیوں نے اثباتی دستخط کیے، جو اس وقت کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا، جس سے جہاد کا خوب چرچا کیا گیا۔ مفتی کریم اللہ دہلوی چونکہ مفتی تھے اس لیے انہوں نے بھی اس پر دستخط کیے تھے، جس کے جرم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان علماء کو سزائیں دیں، شہید کیا، جہاد کے محرکین میں سے حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور شاہ عبدالغنی مجددی نے حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی، دہلی کے مشہور عالم و واعظ مولوی فرید الدین کو انگریزوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا^۱ اسی طرح بعض دیگر علماء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ لیکن بعض علماء کے خلاف کوئی اقدام یا کارروائی نہیں کی گئی ان کا انتقال بھی ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا، ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں، جن کے بارے میں کوئی عصری شہادت نہیں ہے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تھی، موصوف نوے سال کی عمر پا کر ۱۸۷۳ء کو فوت ہوئے، نہ تو ان کے معافی مانگنے کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی روپوش ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

غالب گمان ہے کہ موصوف کے چونکہ اخوند مولانا عبدالعزیز دہلوی کے ساتھ گہرے مراسم تھے بلکہ اخوند صاحب مفتی صاحب کے عزیز شاگرد بھی تھے، اور مولانا عبدالحق حقانی (مؤلف تفسیر حقانی) بھی اخوند صاحب کے شاگرد تھے اور مولانا حقانی کے والد خواجہ محمد امیر کے ساتھ بھی قریبی تعلقات کے باعث اخوند صاحب نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی حویلی علاقہ گمتھلہ گڑھ میں پناہ لی تھی^۲۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان کے ساتھ مفتی کریم اللہ بھی وہاں چلے گئے ہوں اور عام معافی کے اعلان کے بعد واپس دہلی آگئے ہوں، اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل توجہ ہے کہ مفتی کریم اللہ نے سرسید احمد خان کے خلاف جب کفر کا فتویٰ دیا تو سرسید کے بنا کردہ سکول کو ناپاک

۱۔ مفتی مدظلہ: اعلامہ و ستانہ، اعلامہ اور ستانہ ج ۱، ۱۹۸۸-۱۹۹۰

۲۔ مکتبہ مجددی، ذمہ داری، مکتبہ مکتبہ احمدیہ، مقالات سعید ج ۱، ۱۹۹۶-۲۰۰۱

۳۔ محمد سرور الحق، ریاض المآثر، ۱/۸۹ حاشیہ

۴۔ مکتبہ قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۲۰۲-۲۱۶

۵۔ علامہ ابوالسلام مظلہ مولانا حقانی، مظلہ، نوشتہ حکیم محمد الحق حقانی ص ۸۷

قرار دے کر اس میں شرکت کو اسلام کے منافی ہونے کا اعلان کیا تھا، اگر مفتی صاحب نے انگریزوں سے معافی مانگی ہوتی تو سرسید کے خلاف اس کا قسم کا فتویٰ نہ دیتے کیوں کہ اس مدرسہ کی تعمیر میں کمپنی کا مکمل تعاون حاصل تھا، ویسے انگریزوں نے سرسید احمد خان کے کسی مخالف کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

متصلب سنی

مفتی کریم اللہ کا زمانہ نظریاتی اور فکری اعتبار سے نہایت ہیجان انگیز تھا، مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو جس قدر اس دور میں ہوا دی گئی اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، خود انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان رہ کر کمزور ہوتے رہیں اور انہیں ہمارے خلاف متحد ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی (ف ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی کتاب ”تقویت الایمان“ کی اشاعت نے بہت سے اختلافی مسائل چھیڑ دیئے جن سے ملک میں اختلاف کی آندھی چل پڑی، تقلید اور عدم تقلید کے اختلاف نے تو ایسی فضا پیدا کر دی کہ اس سے علماء کے مابین ناقابل عبور خلیج حائل ہو گئی، مترجمان وہابیہ کے موقف نواب محمد صدیق حسن خان (۱۸۳۲-۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے۔ علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر رد و قبول کے اس سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا انگریزوں نے تقویت الایمان کا انگریزی ترجمہ^۲ (۱۸۵۲ء) اس لیے کروایا تھا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ آخر اس میں ہے کیا کہ جس نے ہندوستان کی مذہبی فضا میں اس قدر ہیجان پیدا کر دیا ہے؟

ان حالات میں علماء کے دو گروہ بن گئے ایک متصلب سنی اور دوسرا غیر مقلدین کا، اول الذکر فرقہ کے امام علامہ فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) اور دوسرے کے شاہ اسماعیل دہلوی تھے۔ مفتی کریم اللہ کا تعلق پہلے گروپ سے تھا۔

ان فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف بہت سے رسائل لکھے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان میں شفاعت کے انکار پر ایک مستقل کتاب ”تحقیق الفتویٰ“ کے نام سے

حالی، اہل حنین: حیات جاوید ۲ / ۲۸۳

اجتہاد السنن ص ۶۳ ”تقلید پر کرمیت پانچویں تحریر و تقریر میں استعمال سب وشم ہلکہ لمن طعن کا ہوا میں نے رد تقلید میں بہت کچھ لکھا“ (پینا ۶۵)

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء کو لکھی، جس پر اس عہد کے جن علماء نے تائیدی دستخط کیے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل تھے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے رد میں ایک مستقل کتاب ہادی المصلین لکھی^۱ اسی طرح انہوں نے شاہ اسماعیل کے نظریہ ایصال ثواب کے جواب میں بھی ایک کتاب لکھنے کا خود ذکر کیا ہے کہ ”اثبات الاعمال فی جواب انکار الایصال الثواب البدعہ لمولوی اسماعیل“^۲۔ مفتی کریم اللہ نے اپنے مواعظ میں بھی جابجا شاہ اسماعیل کے معتقدات سے اختلاف کیا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے رسائل کا بھی حوالہ دیا ہے^۳۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد دوسری بڑی متنازعہ شخصیت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی (۱۱۹۷-۱۲۶۲ھ / ۱۷۸۲-۱۸۴۵ء) کی ہے جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ نے اختلاف کیا اور ان کی کتاب ”مآۃ المسائل“ میں شامل کئی مسائل کا رد لکھا، مفتی صاحب نے اپنے ان رسائل کا ذکر اپنے مواعظ کے ایک مجموعہ ”مفتاح النصیحة“ میں کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کیا گیا، گویا شاہ محمد اسحق جنہوں نے ہندوستان سے ۱۲۵۸ھ کو حرمین الشریفین ہجرت کی ابھی دہلی میں ہی تھے، مفتی صاحب نے کتاب مآۃ المسائل کے شاہ اسحق کی تالیف ہونے پر کسی تعجب یا تردد کا اظہار نہیں کیا، چند اشارات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک اندراج سے تو واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسحق کی مآۃ المسائل کے رد میں پورا رسالہ

لکھا تھا:

۱۔ فضل حق خیر آبادی: فتاویٰ الفتویٰ مرحوم عبدالعظیم شرف، ۴۲ ویں جلد، مرگودھا ۱۹۷۷ء، ص ۳۷

۲۔ فضل احمد دہلوی: ذخیرۃ الآداب، ص ۱ / ۶۳۱

۳۔ کریم اللہ: مفتح النصیحة، قلمی، ورق ۲۷۰ پ

۴۔ حصہ ۱، ۱۲۳۸-۱۲۳۹ پ۔ لکھ ہے کہ خانہ عز الدین مراد آبادی نے اکل الہیون فی حلیۃ تشریفات الامان (ص ۵۳۳) میں حضور نبی اکرم ﷺ کے علم فیہ کے اند میں

مطلق کریم اللہ کا لڑی کہیں سے نقل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے تو مطلق صاحب کا زمانہ ہی نہیں لایا (ولادت ۱۲۹۵-۱۲۹۷ء، وفات ۱۳۶۷ء)

۵۔ مآۃ المسائل کے شاہ محمد اسحق سے اختلاف کی تفصیل کے لیے دیکھیے حیات شاہ محمد اسحق محدث، مکتبہ محمد احمد برکاتی، ص ۱۳۶-۱۳۹ پ۔ بعد

ان البدعة الحسنه متفق عليها من ائمة الاربعة فانقل من رسالى تحقيق الحق
في جواب مائة المسائل لمولوى اسحق من تأليفات هذه العبد الضعيف يعنى محمد
كريم الله'ـ

اخوند محمد عمر سجادہ نشین درگاہ اخوند عبدالعزیز دہلوی کو دیا تھا۔ شاہ جہان کے زمانہ میں ایک روپیہ یومیہ اس خدمت کے عوض ملتا تھا۔ لیکن مولانا نذیر حسین کے زمانہ میں ان کے قبیعین نے اس معاملہ میں مخافہ نہ شروع کر دی خود مولانا نذیر حسین نے قدم شریف کی زیارت کے خلاف ایک مستقل کتاب دلیل محکم فی نفی اثر القدم لکھی اور شائع کی، جس کے جواب میں کئی رسائل لکھے گئے ایک رسالہ سیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول مولوی فرید الدین دہلوی (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء) نے ۱۸۵۰ء کو دہلی سے شائع کیا۔ یہ رسالہ اردو میں ہے۔ اسی طرح مفتی کریم اللہ نے بھی ایک رسالہ برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھا اور اس کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔

مفتی صاحب نے اثر قدم شریف کے دہلی پہنچنے کا خود بھی ذکر کیا ہے۔

ایک اور شخصیت سید دلدار علی نصیر آبادی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کی ہے جو ایسے شیعہ تھے جنہوں نے اہل سنت کے خلاف تحریری کوششیں انتہائی درجہ کی کیں، انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ تالیف سراج الملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء) کے رد میں پانچ رسائل تالیف کیے۔ ان کے فرزند سید محمد (ف ۱۸۶۷ء) نے بھی تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں رسالے لکھے ان میں سے ایک رسالہ طعن الرماح ملقب بہ فوائد حیدریہ ہے۔ دوسرا رسالہ البوارق فی بحث الامامت تھا۔ سید دلدار علی کے بڑے فرزند سید حسن (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں روضۃ الاحکام کا رد مفتی صاحب نے تحریر کیا۔ (اددہ

۱۔ محمد عمر سراج الحق: الہم یستغفر من ۵۳

۲۔ مینا ۳

۳۔ فضل حسین: المیزان ۲۸۲

۴۔ مطبوعہ مطبعہ دہلی اردو اعداد و اجرام محمد حسین آزاد، دہلی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

۵۔ محمد عمر سراج الحق: ریحان الاذکار ۲۰۴

۶۔ کریم اللہ: مطبوعہ الضیوۃ ۲۶۵

۷۔ محمد امجد علی: امتحان الاسلام ۲۱۹

۸۔ طعن الرماح، سلطان المطابع اشقام پستان مقبول الدہلہ بہار مرزا سید علی خان چہ سال ۱۲۳۸ھ کو جلیف ہو (ص ۲۹۹)۔ یہی شدہ سید السرخ کے ارسال سے ایک سال پہلے۔

۹۔ مینا محمد امجد علی: لکھنؤ دہلی بیحد: مقدمہ محمد امجد علی: امتحان الاسلام ۲۱۹

میں افتا کے مراکز موکف اشتیاق احمد اعظمی (۲۴۱) مفتی کریم اللہ نے سید محمد کے رسائل کا بھی جواب لکھا اور اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تحفہ اثناء عشریہ کے دفاع کا حق ادا کیا، مفتی صاحب کے رسائل کے نام یہ ہیں:

حق الصریح فی رد الروضہ و مثبت الصریح فی جواب ولد مولوی دلدار علی مجتہد۔

گویا مفتی صاحب نے پہلا رسالہ سید محمد کے رد میں ان کے رسالہ روضہ کے جواب میں اور دوسرا بھی انہی کے عقائد کے خلاف لکھا۔

رد وہابیہ

رد وہابیہ مفتی کریم اللہ کا خاص موضوع بحث تھا۔ آپ نے غیر مقلدین کے رد میں جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے، مفتی صاحب کی جوانی میں ہی تقویت الایمان کی اشاعت سے ہندوستان کی مذہبی فضا اختلافات کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے موکف مولانا شاہ اسماعیل دہلوی جب حج سے واپس آئے تو محمد بن عبدالوہاب مجددی کے نظریات سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے اس لیے ان کی تحریک کو ہندوستان میں وہابی تحریک کہا گیا اور ان کے قبعین کو ”مجدی وہابی“ کہا جانے لگا، تقویت الایمان کے رد میں جب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۵۲ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتویٰ لکھی تو مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے، اس کے بعد آپ نے خود تقویت الایمان کے جواب میں ہادی المصلین کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی^۱۔ اسی طرح مولاناذیر حسین دہلوی کے رد میں بھی مفتی صاحب کی کوششوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، مفتی صاحب مولانا شاہ محمد اسحاق کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے جو کچھ لکھا ہے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ وعظ میں انہوں نے تقویت الایمان کی یہ عبارت کہ ”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک حکم کن سے چاہے کروڑوں نبی اور ولی اور۔۔۔۔۔ جبریل و محمد کے برابر پیدا کر ڈالے“ نقل کرتے ہوئے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے^۲ ایک اور مقام پر عقائد وہابیہ کی بحث کرتے ہوئے رد وہابیہ میں اپنے ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

۱ کریم اللہ: مصلح النبی ص ۷۰۰ پ ۲

۲ رکہ متعلیٰ ص ۱

۳ کریم اللہ: مصلح النبی ص ۱۲۴ پ ۱

فی فضیحة الوہابین المتہدی للولف اعنی محمد کریم اللہ۔۔۔ انہوں نے رد
الحرمة، احقاق فی لزوم، انکار الشریعة للوہابیہ کے اپنے رسائل ہونے کا ذکر کیا
ہے۔^۱

مولانا کریم اللہ بحیثیت مفتی

مولانا کریم اللہ اپنے عہد کے کامیاب ترین اور معروف ترین مفتی تھے، اس زمانہ کی فقہ و اختلافی مسائل
پر لکھی جانی والی اکثر کتب و رسائل پر مفتی صاحب کے دستخط ملتے ہیں، جن میں سے صرف چند ایک کا ذکر کیا جا رہا
ہے:

۱۔ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رسالہ تقویت الایمان میں
شامل بعض مسائل مثلاً شفاعت، امکان النظر، حب رسول ﷺ پر تفصیلی بحث کی اور ثابت کیا کہ شفاعت برحق
ہے، امتناع نظیر بھی کی، اور دیگر امور کے اثبات میں دلائل جمع کیے تو تحقیق الفتوی کے نام سے اس پر اس وقت کے
اکابر علماء کے دستخط کروائے جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔^۲

۲۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین، یہ وہ فتویٰ ہے جو قبعین سید احمد رائے بریلوی اور شاہ
اسماعیل دہلوی میں سے بعض نے تقلید سے خود انکار کیا اور پھر ایک امام (خصوصاً) حضرت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے
آزاد کر لیا تھا، مولوی عبدالحق بنارس (ف ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) نے عدم تقلید کا یہ فتویٰ مرتب کیا تھا جس کے جواب
میں رسالہ تنبیہ الضالین ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء کو مرتب ہوا، جب یہ فتویٰ تصدیق کے لیے علمائے دہلی کے پاس آیا تو
مولوی کریم اللہ دہلوی ساکن لال کوئیں نے کہا کہ یہ لوگ اسماعیلی ہیں مولوی اسماعیل کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی ایسے
ہی تھے اس رسالہ کے آخر میں مفتی کریم اللہ کے بھی اثباتی دستخط ہیں۔^۳

۱۔ بیانا ۱۳۰ پ ۲۷۰

۲۔ بیانا ۲۷۰ پ

۳۔ تفصیل میں کی جا چکی ہے

۴۔ تنبیہ الضالین ص ۸۷، مطبوعہ دہلی، ۱۴۶۲ھ

۵۔ بیانا ۱۳۰

۳۔ فصل الخطاب (فتویٰ مفتی صدر الدین آزرہ دہلوی ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء مرتبہ محمد ہاشم علی متوطن میرٹھ سال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) در اثبات علم غیب حضور نبی کریم ﷺ۔ اس پر مفتی کریم اللہ کے اثباتی دستخط ہیں، یہ استفتاء فارسی نثر میں ہے۔

۴۔ تنویر الحق مؤلفہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء)

در تقلید مطلق و تقلید شخصی، بجواب معیار الحق مؤلفہ مولانا نذیر حسین دہلوی (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) یہ رسالہ اردو میں ہے اور ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو تالیف ہوا۔

۵۔ توفیر الحق مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

بیان تقلید معین اور ترجیح مذہب امام ابو حنیفہ۔ یہ رسالہ تنویر الحق کے بعد لکھا گیا، مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے تھے۔

۶۔ تحفۃ العرب والعجم مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

رد غیر مقلدین و تائید تقلید، نواب صاحب نے یہ رسالہ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء کو تالیف کیا اور اس پر عرب و عجم کے علماء سے اثباتی دستخط کروائے، نواب صاحب مذکورہ سنہ میں خود حجاز مقدس حاضر ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے تقلید کے حق میں ان سے یہ فتویٰ حاصل کیا، اس کے آغاز میں نواب صاحب نے ایک فکر انگیز دیباچہ بھی اردو میں لکھا تھا۔ اس پر دہلی کے جن اکابر علماء سے دستخط کروائے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔

۷۔ تحریر محبوب بطرز مکتوب (نوشتہ حدود ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء)

علمائے دہلی کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں جماعت مجاہدین کے بعض افراد نے خود کو حنفی کی بجائے محمدی کہنا شروع کر دیا اور علماء اہل سنت کی تقلید کو ناجائز قرار دیا، جس پر ایک دو دور قی استفتاء شائع ہوا تھا کہ یہ لوگ

۱۔ فصل الخطاب، مطبوعہ مطبعہ مفتی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ ص ۸

۲۔ تنویر الحق، مطبوعہ مطبعہ ریاض ہند، آگرہ، ص ۱۱۲

۳۔ توفیر الحق، مطبوعہ مطبعہ ریاض ہند، آگرہ، ص ۳۳

۴۔ تحفۃ العرب والعجم، مطبوعہ مطبعہ مفتی، دہلی، ۱۲۸۵ھ ص ۷۴

لامذہب ہیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صحیح مسلمان وہی ہے جو حنفی اور مقلد ہے۔ اس فتویٰ پر مفتی کریم اللہ نے بھی دستخط کیے تھے۔

۸۔ مجموعہ فتاویٰ، تالیف بسال ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء

(اول) یہ بھی ”فرقہ محمدیہ لامذہب“ کے خلاف ایک فتویٰ ہے، اس پر اثباتی دستخط کرنے والے اکابر علماء میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔
(دوم) لامذہب کے پیچھے نماز پڑھنی نادرست ہے اور تقلید امام واحد کی واجب ہے۔ دستخط کنندگان میں مفتی کریم اللہ بھی ہیں۔

(سوم) آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ آمین، جہر قرآن کی رو سے منع ہے۔ تصدیق کنندہ مفتی کریم اللہ۔

۹۔ انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ مؤلفہ مولانا عبدالسیع انصاری بیدل (ف ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے، حوالوں سے مزین اور معاصر علماء کے فتاویٰ سے پُر ہے، مفتی کریم اللہ نے محفل میلاد کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا تھا جو اس میں شامل ہے۔

۱۰۔ رسالہ حل المشكلات الفقہ معروف بحیرت الفقہ

مؤلفہ احمد بن حمید بن شہاب، ابتدائی حصہ فارسی، آخری صفحات اردو۔ عمومی اور روزمرہ کے بعض مسائل اور ان کے حل، آخر میں دہلی کے علماء کے دستخط ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں۔

۱۔ یہ اشتقاق رسالہ نظام الاسلام کے ساتھ لکھی ہوئی ہے

۲۔ مجموعہ فتاویٰ، مطبوعہ مطبعہ ناصریہ ص ۳۹

۳۔ جینا ص ۳۸

۴۔ جینا ص ۴

۵۔ جینا ص ۵

۶۔ جینا ص ۶

۷۔ انوار ساطعہ ۱۶۳، ۱۶۴

۸۔ تحفۃ الفقہ لاہور، ۱۹۰۸ء

۱۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام

مؤلفہ مولوی شیخ محمد عبید اللہ مرتبہ محمد حسین ساکن بنت۔

یہ رسالہ مالا بد منہ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ساتھ بطور ضمیمہ ایک عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا طبع شدہ ایک نسخہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، اس کے آخر میں علمائے دہلی کی مواہیر ثبت ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں؛ دراصل اس استفتاء کا موضوع ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے گوشت خرید کر کھانا چاہیے یا نہیں؟ علماء نے اس کی نفی کی ہے۔

وفات

مفتی کریم اللہ نوے سال کی عمر میں ۳ شوال روزہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے^۱۔ مشہور نقش بندی شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی درگاہ کے اندر دفن ہوئے، قبر مبارک پر حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

فاضل بے مثل مولانا کریم اللہ آہ رفت
آسمان از سرگلاہ انگند بہر سال گفت
چوں زیر زمیں آں آفتاب اوج علم
”در زمیں گردیدہ پنہاں آفتاب اوج علم“

۱۲۹۰ھ

معروف معاصر شاعر مولوی عبدالغفور خان نساج نے بھی ایک عمدہ قطعہ تاریخ لکھا تھا:

چوں کریم اللہ مرد پاک ذات
از پی تاریخ سال انتقال
رفت از ہستی سوی ملک عدم
گفت ہاتف ”جامع فضل و کرم“

۱۲۹۰ھ

۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام، مشورہ ضمیمہ لاہور، مطبع نوکثر، ۱۸۸۳ء۔

۲۔ راجن علی: تذکرہ علمائے ہند، ۳۹

۳۔ محمد عمر سرور الحق: ریاض الانوار، ۱/۱۳

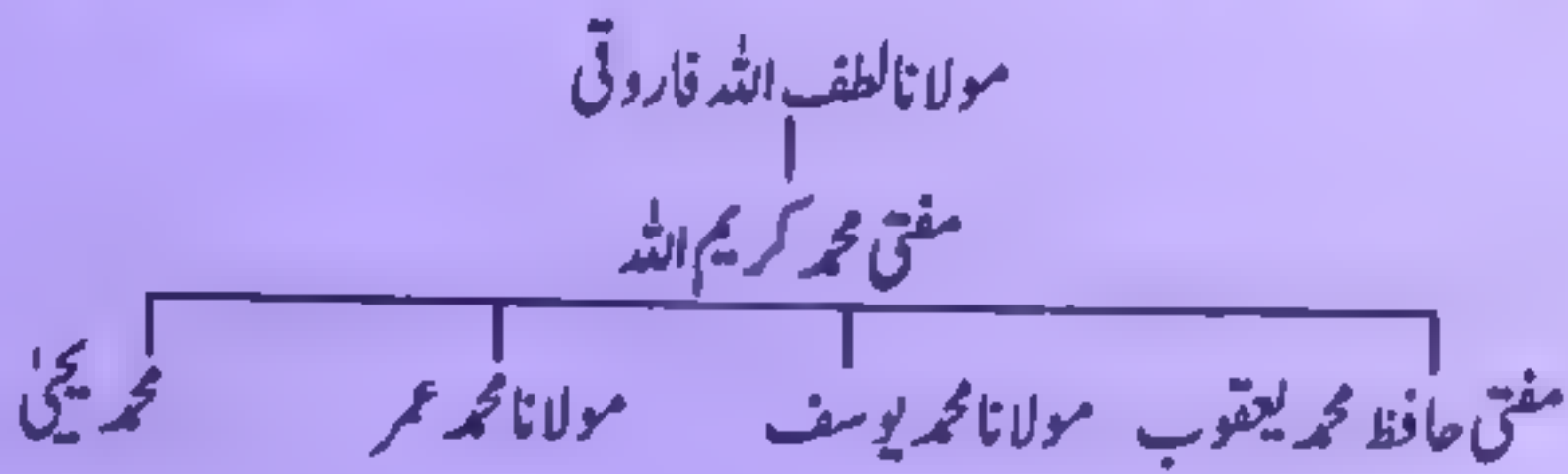
۴۔ بشیر الدین احمد: حالات و حاکمات دہلی حکومت، دہلی ۱/۲۳۳

۵۔ تاریخ عبدالغفور، ص ۵۶

مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے سال وقات ۱۲۹۱ھ اور تاریخ ۴ شوال دی ہے، مؤلف نزہۃ الخواطر نے بھی یہی لکھا ہے، لیکن جس کتاب یعنی ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے وہاں ۴ شوال ۱۲۹۰ھ ہے، ہم نے اسے معاصر بیان کے طور پر نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے مؤلف اخوند محمد عمر سراج الحق مفتی کریم اللہ کے شاگرد تھے۔

اولاد

مفتی کریم اللہ کی کثیر اولاد تھی، سرسید احمد خان کا بیان ہے ”باوجود عیال داری اور تامل کے اہل دنیا کی طرف کم رجوع کرتے ہیں۔“ یہی الفاظ بشیر الدین احمد نے بھی لکھے ہیں۔ لیکن تذکروں میں آپ کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ہے، مختلف کتب فقہ و فتاویٰ کی مدد سے ہم نے مفتی صاحب کے چار فرزندوں کے نام دریافت کیے ہیں یہ چاروں عالم، فقیہ اور مفتی تھے اور اپنے اجداد کی طرح درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے:



ان کے مختصر حالات بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ ضمنی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ۱۷۲ (ڈاکٹر محمد اعجاز قادری نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ۴ قریب نہیں لکھا) ۳۹۷

۲۔ محمد امجدی صلی: نزہۃ الخواطر ۷ / ۳۹۸

۳۔ ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۴۔ محمد اور میں گرامی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۴

۵۔ آئینہ اللہ ۲ / ۹۳

۶۔ انصاف و انصاف ص ۱ / ۱۹۳

۱۔ مفتی حافظ محمد یعقوب

مفتی محمد یعقوب اپنے والد کی مسجد واقع قاضی حوض میں درس و تدریس و فتویٰ نویسی اور ہر جمعہ کو وعظ کرتے تھے، انہیں جزیات پر بڑا عبور تھا، گویا اپنے بزرگ والد کے یہی پہلے جانشین تھے، اس عہد کی کتب فقہ و فتاویٰ پر ان کے دستخط ملتے ہیں جن سے ان کی عظمت اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد منصور علی مراد آبادی (ف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) نے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں کتاب فتح البین (رد ظفر البین مؤلفہ غلام محی الدین) تقلید کے اثبات میں لکھی تو اس پر جن علماء کے دستخط کروائے ان میں مفتی محمد یعقوب بھی شامل ہیں^۱۔

اسی طرح میلاد کے اثبات میں مولوی عبدالسمیع بیدل نے انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۳ء میں تالیف کی تو مولوی محمد یعقوب سے تصدیقی تقریظ لکھوائی اور ان کے نام سے پہلے بڑے طویل القاب لکھے، پہلی تقریظ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) کی ہے^۲۔

مولانا حقانی مذکور نے میاں ابوالمنصور جو داپوری کی تکفیر میں فتویٰ مرتب کر کے تفسیر حقانی کے مقدمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا تو مولوی محمد یعقوب سے بھی اس پر اثبات کروایا^۳۔

دہلی کے مشہور عالم اور صوفی اخوند عبدالعزیز کا ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی مفتی محمد یعقوب کو ملی^۴۔ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی (ف ۱۳۳۱ھ / ۱۹۲۳ء) مشہور عالم اور شیخ طریقت تھے اور کسی کی علییت اور تقویٰ پر بڑی مشکل سے اعتماد کرتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں عید کے چاند پر اختلاف ہوا تو اہل دہلی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب سے

۱۔ محمد بن ارمین: وصال البیہل ص ۳

۲۔ منصور علی مراد آبادی: فتح البین ص ۲۵۳

۳۔ انوار ساطعہ، میرٹھ ۱۳۰۶ھ / ۱۹۱۷ء

۴۔ حقانی: مقدمہ تفسیر حقانی (ص ۵ ضمیمہ)

۵۔ محمد سرور الحق: ریاض الاولاد، ۲۵۳

دریافت کر لو اور ان کے قول پر عمل کرو، مولوی محمد یعقوب کا دہلی میں ۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا۔

مولوی محمد یعقوب کی کسی تالیف کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

۲۔ مولوی محمد یوسف دہلوی

یہ بھی مفتی کریم اللہ کے فرزند گرامی تھے، کتب فقہ و فتاویٰ پر اس نام کے کئی اصحاب کے دستخط ملتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس وقت تک اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ان سے مراد کون محمد یوسف ہیں؟ البتہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء جب مشکوٰۃ المصابیح مطبع مجتہبائی میرٹھ سے طبع ہوئی تو مولوی محمد یوسف بن مفتی محمد کریم اللہ کے ایما پر اس پر حواشی عربی زبان میں لکھے گئے اور خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کے لیے بھی کوشش کی، یہ حواشی زیادہ تر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں، اس کی ابتدائی دو جلدیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری موعظ مفتاح النصیحة کے نام سے اپنے انہی فرزند

محمد یوسف کی درخواست پر جمع کیے تھے۔

۳۔ مولوی محمد عمر دہلوی

آپ بھی مفتی کریم اللہ کے بیٹے اور ذی علم بزرگ تھے، ان کی ولادت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء کو ہوئی، اپنے والد بزرگوار سے جملہ علوم کی تحصیل کی، اور افادہ طلبہ میں معروف ہو گئے۔

۱۳۰۰ھ میں کتاب فتح المبین مذکور تالیف ہوئی تو اس پر جن اکابر علمائے دہلی نے اثباتی دستخط کر کے مہر

لگائی ان میں مولوی محمد عمر بھی شامل ہیں ان کی مہر کا جمع ہے ”خوشا جان باز محمد عمر“ ۱۲۹۱ھ، مہر کے نیچے انہوں نے

۱۔ ۱۰۱۱ الحسن ہمدانی: مناقب محمد ۴۹۴

۲۔ وصال البیہل ۱۳

۳۔ کریم اللہ مطلق: مدح النصیر ۱۰۲

۴۔ محمد اور بیس گرامی: تذکرہ علمائے مال ۸۴

ابن کریم اللہ بھی لکھا ہے۔ مشہور محدث مولانا وصی احمد حنفی سورتی (ف) نے ایک فتویٰ کہ غیر مقلدین اہل سنت سے خارج ہیں، ان کے ساتھ مجالست اور ان کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے، لکھا تو مولوی محمد عمر نے اس فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کرتے ہوئے لکھا کہ ”اگر ایسے شخص کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد ہوتا ہے تو انسداد و فتنہ کے لیے مسجد میں آنے سے منع کرنا بہتر ہے، اس پر وہی مذکور مجمع والی مہر لگائی گئی ہے۔“

۴۔ مولوی محمد یحییٰ

مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری موعظ مفتاح النصیحة کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یحییٰ کی درخواست پر ۱۲۵۶ھ / ۱۸۳۰ء کو جمع کیے۔

اس کے علاوہ ہمیں مولوی محمد یحییٰ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

ایک بزرگ مولانا عبدالغفار (قاضی حوض والے) مولانا شاہ ابوالخیر مجددی کے وصال ۱۹۲۳ء کو آپ کی جانشینی کی تقریب میں شرکت کے لیے خانقاہ شریف آئے تھے، حضرت ابوالحسن زید نے آپ کی مفصل سوانح میں اس تقریب کے شرکاء کی فہرست دی ہے، لیکن قاضی حوض سے آنے والے مولانا عبدالغفار کے نام کے ساتھ صراحت نہیں فرمائی کہ آیا یہ مفتی کریم اللہ کے فرزند تھے؟ ممکن ہے کہ یہ بھی مفتی صاحب کے فرزند ہوں۔

تلامذہ

کسی تذکرہ میں مفتی کریم اللہ کے تلامذہ کی فہرست موجود نہیں ہے، معاصرین خصوصاً سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب بیشتر اوقات تدریسی طلبہ شائق میں مصروف رہتے ہیں۔ نوے سال کی عمر پانے والے مدرس نے یقیناً نصف صدی تک تودرس و تدریس کی خدمت انجام دی ہوگی اور اس کے لاتعداد شاگرد ہوں گے، ہمیں مختلف کتب میں صرف ان چند تلامذہ کا ذکر مل سکا ہے:

۱۔ حاج امین ۲۵۴

۲۔ وصی احمد سورتی جامع الشواہد فی ائراج الہدایہ من المساجد ص ۶، مکتوب محمدی ستمبر ۱۳۴۰ھ

۳۔ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحة، رقی ح ۱۵

۴۔ زید ابوالحسن قادری: مقالات غیر ۶۳

۵۔ امیر احمد ۲/۹۳

اخوند عبد العزیز دہلوی

اخوند عبد العزیز بن مولانا حکیم الہی بخش، اکابر مشائخ میں سے تھے، اور شاہ محمد غوث شہید قادری کے خلیفہ تھے، اخوند صاحب مفتی کریم اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ اخوند صاحب کا وصال ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں ہوا، درگاہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قریب آپ کا مزار ہے۔ اُن کے بعد ان کے بھتیجے اخوند محمد عمر سراج الحق جانشین ہوئے، جنہوں نے اخوند عبد العزیز کے حالات پر دو جلدوں میں بزبان اُردو ایک کتاب ریاض الانوار لکھی تھی۔

مولانا فرید الدین

مولانا محمد فرید الدین دہلوی نے مفتی کریم اللہ کے علاوہ شیخ شیر محمد قندھاری سے بھی پڑھا اور حدیث پاک حاج محمد قاسم دہلوی کی خدمت میں رہ کر پڑھی۔ اس کے علاوہ اخوند عبد العزیز دہلوی سے سلوک کی تعلیم بھی لی اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے۔

مولانا محمد فرید الدین وعظ و تذکیر میں خوب دسترس رکھتے تھے، اخوند صاحب سے قریبی رشتہ داری تھی ان کی تالیفات میں سے السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی یہ کتاب اُردو نثر میں ہے۔ اور دہلی میں مقام قدم شریف کے صحیح ہونے اور اس کی برکات کے بارے میں ہے یہ رسالہ دراصل مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے رسالہ ”دلیل محکم فی نفی اثر القدم“ کے رد میں ہے۔

مولانا فرید الدین دہلوی نے ۱۸۵۷ء کو جہاد قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فتویٰ پر دستخط کیے تھے۔ انہیں انگریزوں نے ۷ صفر روز شنبہ عصر اور ظہر کے مابین ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔

۱۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، ۵۲۶/۲

۲۔ طبیبہ حضرت الطالح، دہلی، ۱۳۰۲ء، ۱۳۰۵ء

۳۔ مہدلی صلی: غوث الخواطر، ۳۷۱

۴۔ فرید الدین: السیف المسلول ص ۶۰

۵۔ مفتی صدیقی: ۱۸۵۷ء، انجمن اہل تہذیب و تاریخ

۶۔ ترجمہ: ریاض الانوار، ۸۹ معروف شاعر علامہ رسول دین نے قصہ جبرائیل شہادت کہا قاضی ریاض الانوار کے حاشیہ پر ص ۱۱۱ ہے۔

تعب ہے کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے جب وہ اپنے سفر دہلی کے دوران اخوند محمد عمر سے ملنے گئے تو محض لوگوں سے یہ سن کر مولانا فرید الدین حافظ اکرام الدین وعظ مصنف تفسیر سورہ فاتحہ کے فرزند ہیں کیونکر لکھ دیا؟ جب کہ حافظ اکرام الدین کا رجحان تقویت الایمان اور اس کے موقف کی طرف تھا، حالانکہ انہوں نے اپنی دوسری کتاب نزہۃ الخواطر میں ایسا نہیں لکھا۔

اخوند محمد عمر

اخوند محمد عمر ملقب یہ سراج الحق بن مولانا فرید الدین دہلوی، ایک جید عالم، صوفی اور اخوند عبد العزیز مذکور کے خلیفہ و جانشین تھے، ولادت دہلی میں ۱۹ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء میں ہوئی، مفتی کریم اللہ، حافظ غلام رسول ویران، مولوی قدرت اللہ ولایتی، مولوی عبد الصمد بنگالی، مولوی بخش اللہ گورکھپوری، مولوی علم اللہ خان، مولوی محمد یعقوب اور مولانا عبدالحق حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبد الصمد مبارکپوری خلیفہ مولانا فضل الرحمن منج مراد آبادی سے بھی خلافت ملی تھی۔

اخوند محمد عمر نے اپنے شیخ کے احوال پر ”ریاض الانوار“ لکھی اس کے علاوہ الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین و الرسل (قدم شریف دہلی کی برکات پر)، فائض الانوار، احسن البضاعة فی اثبات النوافل بالجماعة بھی لکھیں، ان میں سے اول الذکر دو کتب اردو میں ہیں اور طبع ہو چکی ہیں۔

اخوند محمد عمر کا ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ / ۲۳ دسمبر ۱۹۱۷ء میں رات کو دہلی میں وصال ہوا، انہوں نے اسی روز جب حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی ان کی عیادت کے لیے فراش خانہ گئے تھے سے درخواست کی تھی کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں، چنانچہ شاہ صاحب نے صبح آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۱۔ مجددی صلی: دہلی اور اس کے اطراف ص ۳۱

۲۔ محمد ایوب قادری: اہل حق کے ارتقا میں طبع کا حصہ ۱۸۱-۱۹۰

۳۔ محمد ایوب قادری: تذکرہ طائے مال ص ۸۵

۴۔ محمد ایوب قادری: محمد مصطفیٰ فی مالہ علیہ السلام ص ۳۲۳

۵۔ ذی الحسن قادری: مقالات خیر ۲۹۸-۳۰۰

دیوان شجابت علی

دیوان صاحب ٹھک میراں بھیکھ (خواجہ محمد سعید) کے رہنے والے تھے اور دہلی آکر مفتی کریم اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے رہتے تھے، مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

شیخ طریقت

مفتی کریم اللہ، مارہرہ کے معروف شیخ طریقت حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں (۱۱۶۰-۱۲۳۵ھ /) سے ارادت و خلافت رکھتے تھے^۱۔ جو قادری مشائخ میں سے تھے اور معروف شاہ حمزہ مارہروی کے خلیفہ تھے اور باقی شجرہ اس طرح سید آل محمد، شاہ برکت اللہ، شاہ فضل اللہ، میر سید محمد، مخدوم جمال اولیاء، شیخ ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیا، شیخ محمد بھکاری، میر سید ابراہیم ایرجی، شیخ، بہاء الدین، میر سید احمد جیلانی، میر سید حسن، میر سید موسیٰ، میر سید علی، میر سید محی الدین ابی نصر، میر سید ابو صالح، میر سید عبدالرزاق، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی^۲۔

مفتی کریم اللہ تحصیل علم کے دوران اور پھر بعد میں مارہرہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، لیکن انہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے باعث روحانی مشاغل کے لیے وقت نہیں ملتا تھا لیکن تھے بڑے مرتاض بزرگ، بہت سے اصحاب نے ان سے روحانی فیض بھی پایا ہو گا، افسوس کہ تذکروں میں ان کے مریدین کا ذکر بالکل نہیں ملتا۔

تالیفات

مفتی کریم اللہ کثیر التصانیف عالم تھے، لیکن ہمیں ان کی صرف چند کتب کے نام ملے ہیں، مفتی صاحب کا زمانہ بڑا آشوب تھا، ان کے مستقر دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا، علماء کو چن چن کر مارا جا رہا تھا، بہت سے اکابر ہجرت کر گئے، روپوش ہو گئے اور باقی شہید کر دیئے گئے، ان حالات میں بھی مفتی کریم اللہ نے اپنے آپ کو اور اپنی

۱۔ روحانی الانوار / ۱۶۱

۲۔ تذکرہ علماء ہند ۱۹۷۷ء، ج ۱، ص ۳۹۸

۳۔ روحانی الانوار / ۲۹۰-۲۹۱

اولا کو فکری اعتبار سے قائم رکھا اور اختلافی مسائل کے اس آئندہ دور میں بھی آپ راسخ العقیدہ سنی مسلمان کی حیثیت سے اپنے نظریاتی وجود کو منواتے رہے۔

وہابیوں، غیر مقلدین، روافض اور ملاحدہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے نہایت کرب اور بے بسی کے عالم میں تیس دنوں میں یہ کتاب لکھی ہے اور طلبہ کو پڑھا رہا ہوں، فرماتے ہیں:

”يقول تراب الاقدام محمد كريم الله شاه جهان آبادي بن لطف الله-----
الفت من الكتب في مدة ثلاثين يوم بعون الله تعالى وحسن توفيقه في غاية الكرب
والمشقة مع انه كان يعلم اطفالاً في اقتصرت على انه“-----

تاہم آپ کی جس قدر کتابوں کا سراغ مل سکا ہے ان کا مختصر سا تعارف کروایا جا رہا ہے:

تحقیق الحق

مایۃ المسائل شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) کی تالیف ہے، جس میں آپ کے شاگردوں نے بھی آمیزش کی ہے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے حنفی کی بجائے کچھ اور بنانے کی کوشش کی ہے، تاہم شاہ صاحب کی ہجرت حرمین الشریفین (۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) سے قبل یہ رسالہ علماء کے مابین متنازعہ بن چکا تھا، چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے مفتی کریم اللہ دہلوی نے اس رسالہ کا رد تحقیق الحق فی جواب مایۃ المسائل لمولوی اسحاق کے نام سے لکھا، گویا انہیں اس امر کا یقین تھا کہ رسالہ مایۃ المسائل شاہ اسحاق ہی کی تالیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب مفتاح النصیحة (تالیف ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء) سے پہلے لکھی تھی، اس کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

۱۔ مفتاح النصیحة، رتبہ ۲۷۰ ب

۲۔ برکاتی، محمود احمد، حیات شاہ محمد اسحاق دہلوی، ۱۳۰-۱۳۳

۳۔ مفتاح ۱۰۶ ب، ۱۱۸ ب، ۱۰۸ ب

زبدۃ البیان فی تفسیر القرآن (فارسی نثر)

زبدۃ البیان مفتی صاحب کی ضخیم تالیف ہے جو دو جلدوں میں ہے اس کی جلد دوم کا قلمی نسخہ رضا لاہوری، رام پور میں ہے جس کے اوراق ۵۶۸ ہیں۔ خود موقوف نے لکھا ہے کہ اس کا نسخہ ستر اجزاء میں ہے اور یہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔^۱ اسے تفسیر کریمی بھی کہا جاتا ہے۔^۲

زبدۃ الوعظ

یہ الحمد اور سورۃ بقرہ کی پانچ آیات کی تفسیر ہے۔ جو دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد کے پچاس اور دوسری کے ساٹھ اجزاء ہیں۔^۳ یہ بھی مفتاح النصیحہ سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔

جامع الکتاب فی تفسیر الفرقان۔ یہ تفسیر بھی مفتی صاحب نے مفتاح کی تالیف سے پہلے لکھ لی

تھی۔^۵

نقلیات السلف من الاولیاء

اس کا نام نقل المجالس بھی ہے، جو ساٹھ اجزاء کے برابر ہے۔ یہ بھی مفتاح سے پہلے مرتب ہو چکی تھی۔ اس کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مفتاح النصیحۃ فی دفع کیود النفسیہ

یہ دراصل مفتی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے فرزندوں محمد یوسف اور محمد یحییٰ کے اصرار پر جمع و مرتب کیا، انہوں نے مختلف دینی اور اخلاقی کتب سے نقل کر کے عوام کی اصلاح کے لیے مرتب کیا،

۱۔ ہرست لکھنؤ علی حدی، کتابخانہ رضامحمدی، ۴۰/۱۰

۲۔ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ

۳۔ ہرست لکھنؤ، ۴۰/۲

۴۔ مفتاح، ۲۷۰ ب

۵۔ مینار الحق، ۱۰۶

۶۔ مینار، ۲۷۰ ب

خود وضاحت فرماتے ہیں:

----- اما بعد فيقول الراعي رحمة الله محمد كريم الله بن لطف الله اقال الله
عتر من طفيل رسول الله ----- وينقل فيه اقوال المفسرين و المجتهدين و
اهل الرياضيات. ليكن طلب مني هذا الامر الصيحت قرعة عيني فوادي و ثمرتي محمد
يوسف و محمد يحيى --- فاحببت لهما سنه الف و مائتين و سبعة و خمسين في
سلطنت بهادر شاه الثاني من هجرة نبي المختار على صاحبها الف التحية -----
وسيت هذا المنتخب مفتاح النصيحة في دفع كيود النفسيه ---

گویا یہ کتاب ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء کو مرتب ہوئی تھی۔

مفتی صاحب کی یہ کتاب وعظ و نصیحت کے موضوع پر ہے، لیکن اس میں بے شمار مسائل زیر بحث آئے
ہیں، ابتداء میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر بھی ہے، مرتب نے اسے مختلف مجالس وعظ کے موضوعات کے
عنوان دے کر مجالس کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ آخری مجلس فضائل صحابہ کبار پر ہے اس میں تبرکات اور قدم
شریف پر بھی لکھا گیا ہے۔ اس کے کل ۲۷۰ ورق ہیں، پیش نظر خطی نسخہ حضرت موقوف کا خود نوشتہ ہے جس کے
کئی اوراق پر موقوف کی مہر ”بگو بلطف محمد کریم اللہ ۱۲۷۲ھ“ ثبت ہے، پہلے خالی ورق پر بھی موقوف نے اپنے قلم سے
لکھا ہے ”تالیف و نوشت محمد کریم اللہ ولد لطف اللہ“ یہاں مہر میں بلطف اشارہ ہے اپنے والد گرامی کے نام کی
طرف یہ نادر الوجود خطی نسخہ جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے کتب خانہ میں ہے۔ جس میں سے یہ چند
یادداشتیں مرحوم کے حین حیات مرتب کی گئی تھیں۔

رسائل

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے رسائل تالیف کیے تھے، جن میں سے بعض کے اسما بھی
انہوں نے لکھے ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اثبات الاعمال فی جواب انکار ایصال الثواب، لمولوی اسماعیل

۲۔ الصمصام فی جواب انکار تعین الیوم لمولوی اسحاق

۳۔ رد الحرمۃ لابل البدع فی اثبات --- کلمۃ التوحید بعد الصلوۃ لا نکار فرق الوہابیہ

۴۔ احقاق الحق فی لزوم انکار الشریعۃ للوہابیہ

۵۔ اثبات الحواس للروح ولحمی الارواح للمیسر

۶۔ القوائد الکاملہ فی شہادۃ طعۃ الفاطمہ

۷۔ فوائد الوافرہ فی شہادۃ علی والحسن الذی مرقدہ الفاطمہ

۸۔ حق الصریح فی رد الروضہ وثبت الصریح فی جواب ولد مولوی دلدار علی مجتہد الذی امر بہ بناء الروضہ

والصریح۔۔۔

ان تمام رسائل کا مفتی صاحب نے اپنی کتاب مفتاح النصیہ میں ذکر کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کی ہے گویا یہ رسائل مذکورہ سنہ سے پہلے آپ تالیف کر چکے تھے۔ ان میں سے رسائل تحقیق الحق اور نصیہ الوہابین کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

برہان محکم

مفتی صاحب نے مولانا ندیر حسین دہلوی کے رسالہ دلیل المحکم فی نفی اثر القدم کے رد میں ایک کتاب برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھی اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، یہ رسالہ مفتی صاحب نے دہلی میں مقام قدم شریف یعنی نقش پائے مبارک نبی کریم ﷺ کی برکات کے اثبات میں لکھا تھا۔ مفتی صاحب کا یہ رسالہ مطبع دار السلام، دہلی سے ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کو طبع ہوا۔^۱

ہادی المضلین

مفتی صاحب نے یہ کتاب تقویت الایمان کے رد میں لکھی تھی۔^۲ انہوں نے اپنے مواعظ مرتبہ ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۰ء میں اس کا حوالہ نہیں دیا جبکہ شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف اپنے کئی رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب ہادی المضلین ۱۲۵۷ھ کے بعد تالیف ہوئی تھی۔

۱۔ مروج الحق: الاستیعاب ص ۳۵۱، الاذہار ۱/ ۲۰۲

۲۔ رسائل فضل رسول بدیع فی حاشیہ اسد الحق مامم قادری ص ۱۵۲

۳۔ فضل احمد مدنی: الذہر آلب مدققت ۱/ ۶۳۱، حاشیہ اسد الحق مامم قادری ص ۱۵۲، رسائل فضل رسول بدیع فی

مآخذ

- ۱۔ احمد بن حمید: حیرت الفقہ، لاہور، ۱۳۲۵ھ
- ۲۔ برکت علی، منشی: مراۃ الحقائق (احوال شیخ عبدالحق محدث دہلوی)، رام پور، ۱۳۲۲ھ
- ۳۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۹۰ء
- ۴۔ برکاتی، محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۹۲ء
- ۵۔ بیدل، عبد السمیع انصاری: انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ، میرٹھ، ۱۳۰۷ھ
- ۶۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین (رد غیر مقلدین، فتویٰ علماء) دہلی، سید الاخبار، ۱۲۶۲ھ
- ۷۔ حالی، الطاف حسین: حیات جاوید، کانپور، ۱۹۰۱ء
- ۸۔ حقانی، عبدالحق: عقائد الاسلام، کراچی (س۔ن)
- ۹۔ ایضاً: مقدمہ تفسیر حقانی، دہلی، ۱۳۰۵ھ
- ۱۰۔ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۱۱۔ زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی، ۱۳۹۲ھ
- ۱۲۔ سرسید احمد خان: آثار العناید مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء
- ۱۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دکن، ۱۹۵۹ء
- ۱۴۔ ایضاً: الشفاعة الاسلامیة فی الہند، دمشق، ۱۹۸۳ء
- ۱۵۔ ایضاً: دہلی اور اس کے اطراف مرتبہ صادق ذکی، دہلی، ۱۹۸۸ء
- ۱۶۔ عبد الکریم قادری: عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف و المعارف، الہ آباد، ۱۳۱۲ھ
- ۱۷۔ عبد العزیز محدث، شاہ: فضائل صحابہ و اہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۷ء
- ۱۸۔ عتیق صدیقی: ۱۸۵۷ء، اخبارات و ستادیزات، دہلی ۱۹۶۵ء
- ۱۹۔ عزیز الدین مراد آبادی: اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان، لاہور، ۱۹۹۸ء
- ۲۰۔ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت، لاہور، ۱۹۴۰ء

- ۲۱۔ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطعنوی مرتبہ محمد عبدالحکم شرف قادری، سرگودھا، ۱۹۷۹ء
- ۲۲۔ فرید الدین دہلوی: السیف السلول علی من انکر اثر قدم الرسول، دہلی، ۱۸۵۰ء
- ۲۳۔ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی کتابخانہ رضارام پور، رام پور، ۱۹۹۶ء
- فضل رسول بدایونی: مجموعہ رسائل فضل رسول ترجمہ و حواشی اسید الحق محمد عاصم قادری، کراچی

۱۰۱۰ء

- ۲۴۔ قطب الدین خان، نواب: تحفۃ العرب والعجم، دہلی، ۱۲۸۵ھ
- ۲۵۔ ایضاً: تنویر الحق، آگرہ، ۱۲۷۹ھ
- ۲۶۔ ایضاً: توفیر الحق، آگرہ، ۱۲۸۰ھ
- ۲۷۔ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیہ خطی، بخط مؤلف، مملوکہ جناب خلیل الرحمن، داؤدی، لاہور
- ۲۸۔ مالک رام: تلامذہ غالب، دہلی
- ۲۹۔ محمد عمر، سراج الحق، اخوند: ریاض الانوار، دہلی، ۱۳۰۲-۱۳۰۵ھ
- ۳۰۔ ایضاً: الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسل، دہلی، ۱۳۱۹ھ
- ۳۱۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) کراچی، ۱۹۷۶ء
- ایضاً: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور، ۱۹۸۸ء
- ۳۲۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ و مقامات السعیدیہ، دہلی، ۱۲۸۴ھ
- ۳۳۔ ایضاً: رشحات عنبریہ مرتبہ محمد اقبال مجددی، شر قپور
- ۳۴۔ محمد، سید: طعن الرماح (رد حنفہ اثنا عشریہ) نوشتہ بسال ۱۲۳۸ھ، لکھنؤ ۱۸۵۳ء
- ۳۵۔ محمد عبید اللہ / محمد حسین فقیر: رسالہ اظہار الحلال والحرام، کانپور، ۱۲۷۲ھ
- ۳۶۔ محمد ادریس نگرانی: تذکرہ علمائے حال، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء
- ۳۷۔ محمد امان الرحمن: وصال الجلیل، دہلی، ۱۳۳۳ھ
- ۳۸۔ محمد منصور علی مراد آبادی: فتح البین (بجواب ظفر البین) لکھنؤ، ۱۳۰۰ھ
- ۳۹۔ نساخ، عبد الغفور، گنج تواریخ، لکھنؤ، مطبع نولشکور، ۱۲۹۱ھ

- ۴۰۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۴ء
- ۴۱۔ وضی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد، لاہور، (س۔ن)
- ۴۲۔ صدرالدین آزرودہ: فصل الخطاب مرتبہ محمد ہاشم علی، میرٹھ
- ۴۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقا لمنن بلقا لحن، بھوپال
- ۴۴۔ اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات، مونا تھ یو پی ۲۰۰۹ء
- ۴۵۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد الماتۃ، آگرہ، ۱۹۰۸ء

۱۰ مئی ۲۰۱۲ء

(تذکرہ حاضر کے لیے خصوصیت سے لکھا گیا)

مولانا ابوالفضل محمد اسحاق اسلام آبادی (شرح سبۃ معلقات)

مولوی ابوالفضل اسلام آبادی انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم اور مترجم تھے۔

مولوی ابوالفضل کے اجداد خصوصاً ان کے والد مولانا غلام الرحمن نظام پوری، بنگال کے ایک قصبہ اسلام آباد کے مشہور عالم تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسین میں شامل تھے۔

عربی ادب کی مشہور کتاب قصائد سبۃ معلقات کے پہلے چار قصائد کی شرح فارسی نثر میں لکھی، اس شرح پر شمس العلماء مولانا میر محمد نے نظر ثانی کی۔

یہ شرح دراصل بنگال کے عربی طلبہ کے لیے لکھی گئی اور ان میں بہت مقبول ہوئی تھی، اس میں طلبہ کی آسانی کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ شرح مطبع مجیدی کانپور سے چھپی تھی، کل ۱۷۲ صفحات ہیں۔

مآخذ

۱۔ حبیب الرحمن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، تحقیق و تعلیق عارف نوشاہی، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ (۱۷۸۱-۱۹۵۹ء) ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۱۱ مئی ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی، شبہ قارہ

مولانا وکیل احمد سکندر پوری

مولانا وکیل احمد سکندر پوری تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے نامور عالم، صوفی، مؤلف کتب کثیرہ اور شاعر تھے۔

مولانا وکیل احمد کی ولادت ۹ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء کو موضع دلپت پور ضلع سارن میں ہوئی جو ان دنوں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے سرحدی ضلع بلیلا کا ایک قصبہ ہے ۶۴ سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو حیدر آباد، دکن میں انتقال ہوا وہیں آسودہ خاک ہیں۔

مولانا سکندر پوری نسباً فاروقی تھے، آپ کے اجداد میں سے شیخ مبارک عدنی چشتی فاروقی (ف ۱۰۱۶ھ) نے ہندوستان آکر قصبہ سکندر پور میں قیام فرمایا وہیں آباد ہو گئے، ان کی ساری اولاد نے وہیں بود و باش اختیار کر لی، مولانا وکیل احمد نے یہیں سکندر پور میں پرورش پائی ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولوی ولی الحسنین سے حاصل کی، ۱۲ سال کی عمر میں جو پور چلے گئے جہاں خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین شاہ غلام معین الدین^۲ (ف ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء) اس کے بعد مولانا محمد عبد العظیم آسی^۳ (۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴-۱۹۱۶ء) سے جو مولانا وکیل احمد کے چچا زاد بھائی بھی تھے، جو پور ہی کے مدرسہ منشی محمد امام بخش میں داخل ہوئے جہاں کے صدر مدرس مشور عالم دین مولانا محمد عبد الحلیم فرنگی محلی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) کی خدمت میں درس نظامیہ کی بعمر ۱۹ سال تکمیل کی، مولانا عبد الحلیم مذکور نے اپنے اس ہونہار متعلم کے لیے ملا جیون امیتھوی (ف ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) کی اصول فقہ پر

۱۔ برادر بیگم گرامی: تذکرہ ملائے محل ۷۷، عبد الی صلی: شہد الخواطر ۸ / ۵۱۷

۲۔ شہد الخواطر ۸ / ۵۱۸، امیر احمد فاروقی: سرور وکیل احمد سکندر پوری، ستارہ مشورہ ہزار، گڑھی، جنوری ۱۹۶۵ء، ص ۷۷

۳۔ شاہ غلام معین الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: سلسلہ شہداء ۳۵-۱۶۳

۴۔ مولانا محمد عبد العظیم آسی کے حالات کے لیے دیکھیے: سلسلہ انبیاء ۷۲-۲۰۳، کاظم ہاشمی: حضرت آسی ناری پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۳ء

کتاب نور الانوار شرح منار پر قمر الاقمار کے نام سے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو حاشیہ لکھا اس وقت مولانا سکندر پوری کی عمر ۱۸ سال تھی، یہ حاشیہ یہاں کے متعدد مطابع سے چھپنے کے علاوہ مصر سے بھی طبع ہو چکا ہے، مولانا فرنگی محلی فرماتے ہیں:

عند قراءة الفطین الامجد المولوی وکیل احمد من سکان السکندر فور صانها الله
عن الشرور ذالک الشرح علی و تروده الیٰ

مولانا عبدالحلیم کے فرزند گرامی اور معروف عالم و محقق مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا سکندر پوری کو اپنے والد کے شاگردوں میں سب سے بہتر، سب سے افضل پر کھ رکھنے والے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع قرار دیا ہے۔^۱

ان اساتذہ کے علاوہ مولانا سکندر پوری نے مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مولوی معین الدین کڑوی سے اور علم طب کی مولوی حکیم نور کریم دریابادی اور مولوی سید انور علی سے تحصیل کی، ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ، مولانا محمد نعیم لکھنوی اور مولوی امام الدین لاہوری سے بھی اسناد فراغت حاصل کیں جون پور میں کچھ عرصہ مطب کیا، لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے حیدر آباد دکن روانہ ہو گئے، حسن اتفاق سے آپ کے استاد گرامی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ان دنوں وہاں مدرسہ نظامیہ کے فرائض تدریس و افتا پر فائز تھے، مولانا وکیل احمد ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو جب حیدر آباد گئے تو سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں پہنچے وہیں قیام کر لیا۔^۲ اس وقت نواب افضل الدولہ بہادر دکن کے حکمران تھے مولانا سکندر پوری نے ڈپٹی کلکڑی کے عہدہ سے ملازمت کا آغاز کیا اور عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے جج کے منصب سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے، ملازمت تقریباً ۲۹-۳۰ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔^۳ مولانا وکیل احمد سکندر پوری جتنے بڑے عالم و متکلم تھے اتنے ہی عظیم صوفی بھی تھے، آپ

۱۔ مہدالیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قرطاد ص ۴

۲۔ محمد رضا خاں لدھیانوی: ایک دوہین مصنف "مقالہ محمود نذر عظیم ص ۷۷

۳۔ تذکرہ طائے مال ص ۹۷

۴۔ محمد رضا خاں لدھیانوی: ایک دوہین مصنف ص ۷۷

۵۔ مینا، امیر احمد قادری: مولانا وکیل احمد سکندر پوری (محلہ سہجہ) ص ۵۸

نقشبندی مجددی سلسلہ کے معروف بزرگ مولانا میر اشرف علی بن میر سلطان علی سے بیعت تھے، شیخ اشرف علی فن ادب و تصوف، حدیث، اسماء الرجال اور فقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، ان کے والد گرامی معروف مجاہد ٹیپو سلطان شہید کے ہاں ملازم تھے، اسی طرح میر اشرف علی بھی فنِ سپاہ گری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آخر دنیا ترک کر کے سلوک و معرفت حاصل کی، طبیعت میں استغنا حد درجہ کا تھا، حیدر آباد دکن کے نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس ملقب بہ مغفرت مکان جو سخاوت اور فقراء نوازی میں مشہور تھا کئی بار ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن انہوں نے اپنے توکل کے باعث انکار کر دیا، جب حیدر آباد میں وبا پھوٹی تو مولانا دکیل احمد سکندر پوری ان سے ملنے کے لیے گئے پہلے ان کے چہرہ پر پریشانی کے آثار تھے پھر اطمینانِ قلب نصیب ہوا، موصوف کوئی کام اپنے شیخ حضرت شاہ سعد اللہ حیدر آبادی نقشبندی کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، مولانا میر اشرف علی حضرت شاہ سعد اللہ (ف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خلیفہ تھے وہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، پھر انہیں حیدر آباد دکن میں مامور کیا گیا، موصوف سلسلہ نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں مجاز تھے، نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع غفران منزل ان کا معتقد تھا جس نے بارہا ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن آپ نے اجازت نہ دی، ان کے خلفاء میں سے مولانا اشرف علی کے علاوہ مولوی محمد عثمان، مولوی نیاز محمد بدخشی، مولوی حسن علی، مولوی عبدالرحیم واعظ، میر عبدالوہاب، میر رفعت علی، شاہ محمد مسکین، محمد نواز، قابل ذکر ہیں جن سے ان سلاسل کے فیوض و برکات دکن کے علاوہ کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوئے۔ (ہدیہ مجددیہ ۳۳۱) حاجی سعد اللہ کامد فن حیدر آباد دکن میں مرجع خلافت ہے آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے جو حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید علیہ الرحمۃ کے مشہور جانشین تھے (مقامات مظہری ۵۵۶، ۵۸۲)

مولانا دکیل احمد سکندر پوری کے چچا زاد بھائی محمد عبدالعلیم آسی (تاریخی نام ظہور الحق)

(۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۳-۱۹۱۶ء) بھی ایک ذی علم بزرگ اور اردو کے شاعر تھے ان کا تخلص آسی

تھا وہ خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین رہے، ان کا عارفانہ مجموعہ کلام عین المعارف کے نام سے سید شاہد علی رشیدی سجادہ نشین درگاہ رشیدیہ جونپور نے مرتب کیا جو کراچی کے ادارہ یادگار آسی غازی پوری سے ۱۹۸۸ء کو طبع

۱۔ معاصر تذکرہ نویس طاہر ابوالفتح محمد ہاشم صدیقی دہلوی نے لکھا ہے: حج السید اشرف علی مع الدولہ (میر سلطان علی) اجتماع الشيخ ماجہ سیدی الدینیہ و اجازتہ برادیرہ (لیفٹننٹ الیک)

پیدا ہو گئے جن سے مذہبی ذہنوں میں ہيجان برپا ہو گیا جس سے عام ذہنوں کے لیے اضطراب کی کیفیت نے جنم لے لیا اس عہد کا سب سے بڑا مسئلہ اعتقادات کا تھا، جس پر اتنی بحثیں ہوئیں کہ ملک مناظرہ، مجادلہ اور مکابرہ کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا۔

گزشتہ گیارہ صدیوں سے عالم اسلام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلکوں میں تقسیم ہو تا رہا انہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو اپنا دستور حیات بنائے رکھا، لیکن ان آخری صدیوں میں نئے مبلغین نے تقلید اور عدم تقلید کی بحثیں چھیڑ دیں۔

ایک بہت بڑی لہر عدم تقلید کے ماننے والوں کی جو اپنے آپ کو اہل حدیث سے تعبیر کرتے تھے اس دور میں اٹھی اور یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کو جس کے ہندوستان میں ننانوے فیصد مسلمان تھے بری طرح متاثر کیا، اب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے رد میں اتنی کتابیں لکھیں کہ دور آخر میں غیر مقلدین کے ملجا و ماویٰ اور ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان (۱۸۳۲-۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر اس رد و قبول کے سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا، مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کو تادم واپسین رد وہابیہ میں مصروف رہنا پڑا، نزع کے عالم میں اپنے فرزند مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا اعداء دین (وہابیہ) کا کوئی رسالہ ایسا تو باقی نہیں جس کا ہم نے جواب نہ لکھا ہو اور ہمارے بعد عوام اہل اسلام کو باعث تشویش ہو " تو اس کا جواب نفی میں دیا گیا۔

بھلا ان حالات میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری جیسا حساس دل و دماغ کا عالم اپنے دامن کو کیسے بچا سکتا تھا، مولانا نے بھی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور غیر مقلدین کی خوب خبر لی اس سلسلہ میں ان کے ایک معاصر مولانا عبدالحی حسنی کا بیان قابل توجہ ہے کہ مولانا سکندر پوری اہل حدیث اور سید احمد شہید بریلوی کے اصحاب کی "نکیر" تھے، لکھتے ہیں:

۱۔ اہل السنہ ص ۶۳ "رد تقلید پر کرمہ ہند میں غرر و غرر میں استہلال سب و شتم لکھنؤ دھرم کا مہ ۱۸۶۱ء میں نے رد تقلید میں بہت کچھ لکھا مینا ۱۹۵۵

شديد الرغبة الى المباحثة. كثير النكير على اهل الحديث و على الفئة الصالحة من

اصحاب سيدنا الامام الشهيد السيد احمد بن عرفان الحسنی البریلوی

مولانا سکندر پوری کی اکثر تصانیف انہی اختلافی مسائل پر مشتمل ہیں اور بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ آپ نے ان موضوعات پر عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں، ان کتب میں سے رسالہ ابطال (بجواب ابطال الابطال سرد التاویل العلیل لنواب صدیق حسن خان) عربی، عقد الدرر (رد وہابیہ) عربی، فتح الاسلام علی الضلہ (عربی) وہابی نامہ (فارسی) معین الطالبین (رد وہابیت) فارسی، اصباح الحق الصریح عن احکام المحدث الحسن الصبیح (بجواب ایضاح الحق تالیف مولانا محمد اسماعیل دہلوی) اردو، تبصرہ (تحریک وہابیت کا پس منظر مع مسلک اہل سنت)، سنجہ رضیہ (در جواز محفل میلاد) صیانتہ الایمان عن قلب الاطمینان (در اثبات میلاد) اردو، ناصح مشفق (مثنوی در رد وہابیہ) اردو نصرة المجتہدین بر دہنوات غیر المقلدین (اردو)، نتیجہ (رد وہابیہ بزبان اردو) کا موضوع ہی رد وہابیہ ہے۔

اس طرح فکر جدید کے علم بردار سر سید احمد خان کے خلاف بھی مولانا سکندر پوری نے عربی میں ارشاد المرغاد الی مسلک حجتہ احبار الآحاد (سر سید کے تہذیب الاخلاق کا جواب) اس کے علاوہ فارسی میں افادہ علی جرح العبادۃ (یہ بھی سر سید احمد خان کے تہذیب الاخلاق کے رد میں ہے)، تہذیب الاخلاق ہی کے جواب میں مولانا سکندر پوری نے اردو میں محدود لہجات المجد و تالیف کی تھی، یہ تینوں کتابیں کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔

ان کتب کے علاوہ عربی میں صامت (بجواب میر باقر داماد)، شمس الضحیٰ (نعت) مراۃ الراۃ بشرح الاقراری شرح بوجز اقاری، ازالۃ الحمن عن اکسیر البدن، تفع المامون بدفع الطاعون، نور العینین فی تفسیر ذی القرنین، فارسی زبان میں مسابق الاطباء بیرہ تنبول، تذکرۃ اللیب فیما متعلق بالطب والطیب، تریاق فاروق، رافع الوہاب، یاقوتی، ماقوتی، کتاب اسرار، منہج شایگان، لذت الوصال، رسالہ انبہ، تقریر دلپذیر، خاتم سلیمانی، معیار الصرف، مغفرت نامہ (جواب اعتراضات مولانا محمد باقر آگاہ بہ سلسلہ اعتراضات بر مولانا عبد العلی بحر العلوم)، مناجات، مکاتیبہ حاشیہ کشف المکتوم، (مولانا سعد اللہ لکھنوی اور مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی کے مابین تصوف کے موضوع پر مباحث)

اردو زبان میں مولانا سکندر پوری نے مندرجہ ذیل کتب یادگار چھوڑی ہیں:

آئینہ چینی (ترجمہ تاریخی چینی) اخبار نجات، اعتماد بخطای اجتہاد، تحقیق (در مسئلہ ایمان یزید) تذکرہ العشار (مولانا سکندر پوری نے اپنے اجداد کے حالات لکھے ہیں)، جلاء العیون ترجمہ الشفاء الغیون، شام عنبر یہ در مدح خیر البریہ، رسالہ چچک، دستور العمل، عماد الاسلام در ذکر امیر شام، لمعہ نور، مہر انور فقہ اکبر، مقدمہ مہر انور (اس میں بہ تحقیق ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ دوسرے ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، نقل مجلس (روداد مناظرہ مابین مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی و مولانا مفتی اسد اللہ الہ آبادی) وسیلہ جلیلہ (توسل کے جواز میں بہترین کتاب ہے)، ہدایا (ترجمہ و صیائے امام ابو حنیفہ) یا قوت الرمانی شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی، فیصلہ عدالت شرعی فتاویٰ عالمگیری، مرانجہ (معانقہ اور مصافحہ کا اسلامی طریقہ) عمدۃ المطالب (در بحث ایمان حضرت ابوطالب) تنبیہ مخالفین (مسائل اہل سنت اور طریقہ حنفی کے مطابق نماز کے موضوع پر ہے) تنقیح البیان (در حمایت تعلیم نسوان)، علم النفس، سوانح حیات (مولانا سکندر پوری نے اس میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں) طبع نہیں ہو سکی، اعتماد بخطاء اجتہاد، ان کتب کے علاوہ عربی میں حد العرفان (فلسفہ تصوف)، ہدیۃ العرفان، تخریج احادیث گلستان و بوستان، شرح فقہ الاکبر، عقد الدرر (وہابی تحریک کے خلاف)، تبصرۃ الشیخ والشاب (افکار شیخ اکبر ابن عربی پر تبصرہ)، اردو کتب میں رسالہ تحقیق (در مسئلہ طعن بر یزید) بھی آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی دیوان ۱۳۰۶ھ کو لکھنؤ سے طبع ہوا تھا جو دراصل نواب صدیق حسن خان کے دیوان نفع الطیب کے جواب میں ہے نواب صاحب کے دیوان کا موضوع عربی و فارسی ادب کی بجائے رائے، خرد، اجماع اور تقلید کی مذمت ہے، مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ہر نظم کا ترکی بترکی جواب دیا ہے اور بہت ہی مزے لے لے کر طنز و مزاح کیا ہے ان کے بعض دیگر منظوم رسائل کے علاوہ فارسی میں خوان یغما (مثنوی بجواب من و سلویٰ مصنف مفتی عباس شوستری) بھی طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ عمدۃ الکلام بجواز کلام الملوک ملوک الکلام، ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، ابطال الاباطیل برد التاویل العلیل، ارشاد العنود الی طریق ادب عمل السلوٰۃ، الکلام المقبول فی اثبات اسلام آباء الرسول، تحسید السبانی بالکراج الثانی، دافع الشقاق عن اعجاز الانشاق، ادحاضات شرح ایماضات، ازوجار بجواب اشتہار، بصائر ترجمۃ الاشباح و النظائر کا ذکر صاحب نزہۃ الخواطر (۵۱۸ / ۸) نے کیا ہے اور آپ کے معاصر مولانا محمد ادریس نگرانی نے آپ کی تصانیف کا سب سے زیادہ ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کے نام بھی لکھے ہیں:

ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، تقویم الاسلام، تنقیح البیان، بجواز تعلیم کتابۃ النساء، تصحیح فتاویٰ علماء زمان
بجواز تعلیم کتابۃ النساء، رسالہ اذان، زبدۃ التحریر، (تذکرۃ علمائے حال ۹۷-۹۸)

مولانا ذکیل احمد سکندر پوری نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳-۱۶۲۳ء) کے دفاع میں تین ضخیم اور معرکہ آرا کتابیں تصنیف کی تھیں اول ہدیہ مجددیہ دوم انوار احمدیہ اور سوم الکلام المنجی جن کی تفصیل اس طرح ہے:

ہدیہ مجددیہ

یہ کتاب دراصل حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، شیخ محدث کو حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاشفات و عرفانی مندرجات پر شکوک و شبہات پیدا ہو گئے وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مرید حسن خان افغان کسی بات پر آپ سے ناراض ہو گیا اور آپ کے مکتوبات کے بعض اجزاء اپنے ساتھ لے گیا اس نے قصداً ان میں تحریف کر کے اس وقت کے مقتدر علماء کے پاس بھیج دیے وہ دہلی بھی آیا اور نقشبندی سلسلہ کی مرکزی خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) اور حضرت شیخ محدث کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ محرف مکتوبات دکھائے، یہ دونوں بزرگ بغیر تحقیق احوال کے حضرت مجدد الف ثانی سے کبیدہ خاطر ہو گئے، حضرت شیخ محدث نے باقاعدہ ایک طویل مکتوب بصورت اعتراضات لکھا جسے اس وقت مخالفین نے خوب شہرت دی، جب حضرت مجدد الف ثانی نے اصل مکتوبات ان حضرات کو ارسال کیے تو ان کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور آپ نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا، اور صفائی باطن پر باقاعدہ خط لکھ کر اظہار کیا آپ کا یہ مکتوب آپ کی کتاب اخبار الاخبار کے آخر میں شامل ہے اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ حسام الدین احمد مذکور کو ایک خط (۱۲۱ / ۳) لکھ کر باقاعدہ برادرانہ شکوہ کیا ہے کہ شیخ محدث نے مجھے خط لکھنے کی بجائے میری بدنامی کی اور اس قسم کا خط دوسروں کو لکھا حضرت شیخ محدث کی صفائی باطن اور رجوع کے باوجود کئی اصحاب نے اس رسالہ اعتراضات کے جواب میں مدلل رساں لکھے جن ملا معین

ٹھٹھوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی اور آخری رسالہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا ہدیہ مجددیہ ہے، ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اس کے مقدمہ میں کی ہے۔

مولانا سکندر پوری کی دوسری اہم کتاب انوار احمدیہ فارسی میں ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے اسباب بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

ایک شخص سبجراتی، جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام معارف نظام کا انکار کرتے ہوئے لب کشائی کی اور اپنے خرافات کے ذریعہ آپ پر سب و شتم کی..... وہ اتنا مجہول اور غیر معروف آدمی ہے کہ اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے

اور نہ کسی عالم کی زبان سے سننے میں آئے اس نے اپنی شہرت کی بنیاد اولیاء کاملین کی تنقیص

پر رکھی ہے..... سبجراتی نے بارہ ہزار روپے بطور نذرانہ مدینہ منورہ کے ایک عالم سید محمد

برزنجی کی خدمت میں ارسال کیے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارات کا

عربی ترجمہ کر کے برزنجی صاحب سے فتویٰ طلب کیا کہ ایسی باتیں لکھنے والے کے بارے میں

اپنی رائے تحریر کریں..... برزنجی نے اس عطیہ کو بہت غنیمت جانا اور قدح الزند کے نام

سے بہت جدوجہد کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں حضرت مجدد الف ثانی کی توہین و تکفیر

میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا..... جب برزنجی نے مدینہ طیبہ کے قاضی و مفتی سے اس

پر مہر تصدیق کی درخواست کی تو وہ ان کی منت سماجت کے باوجود راضی نہ ہوئے تو پھر برزنجی

مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں کے حرم محترم کے مفتی و قاضی سے اس پر تصدیق کے لیے التجا کی تو

ان میں سے کسی ایک نے بھی مہر و دستخط نہ کیے..... اب ناچار انہوں نے غیر معروف

”سوقیوں“ سے اس رسالہ پر مہر لگوا کر سبجراتی کو بھیج دیں، اس نے ان شبہات کا ترجمہ کیا

اور چند امور کا اس پر اضافہ کر کے خود ایک کتاب مکاشف الاسرار کے نام سے لکھ کر حضرت

امام ربانی مجدد الف ثانی پر ”زشت و تکفیر و تفسیق و اضلال“ سے اپنے ”لب و دہان“ کو آلودہ

کیا ہے..... اس پر طرفہ یہ ہے کہ سبجراتی موصوف تصوف سے واقف ہی نہیں تھا مگر وہ

اپنے آپ کو عارف سمجھتا تھا، وہ صوفیہ کرام کی اصطلاحات سے بھی واقف نہیں تھا.....

چونکہ مؤلف (مولانا وکیل احمد سکندر پوری) خود نقشبندی ہے اس لیے اس قسم کے سخنان

تضلیل و تکفیر کے خلاف لکھنے پر تیار ہوا.... (انوار احمدیہ ص ۲-۶)

ہمارا قیاس ہے کہ کاشف الاسرار کے مؤلف گجراتی نے اپنا نام اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ اس وقت کا حاکم

اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) خانوادہ نقشبندیہ کا معتقد خاص بلکہ حضرت خواجہ محمد معصوم

سربندی قدس سرہ (۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مرید مخلص تھا، اگر گجراتی اپنا نام لکھتا تو اس پر حکومت کی طرف سے

گرفت کا قوی امکان تھا۔

بہر حال اس وقت یعنی گیارہویں صدی ہجری گجرات اورنگ آباد (دکن) میں سلسلہ مجددیہ کی

مخالفت اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کے اسباب اس سلسلہ کے بزرگ افراد کی معاشرہ میں بے حد توقیر و

احترام تھا پھر حکومت کی طرف سے ان کے اعزاز و اکرام نے دیگر علماء و مشائخ کو حسد کا شکار کر دیا تھا۔

شیخ سید محمد بن عبدالرسول برزنجی (۱۰۴۰-۱۱۰۳ھ / ۱۶۳۰-۱۶۹۱ء) جو سلسلہ مجددیہ کے عرب

مخالفین میں پیش پیش تھے، کی اولاد اورنگ آباد آکر مقیم ہو گئی تھی، محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی

برزنجی مذکور کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا، اس نے اپنے دادا کے رسائل کی نقول کر کے انہیں

یہاں مشہر کیا جن کے خطی نسخے اس وقت کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ (فہرست بعضی کتب نفیسہ قلمیہ

جلد دوم ص ۳۳۷-۳۵۰، ۳۵۶، ۳۶۳) علامہ برزنجی نے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف ایک مستقل رسالہ

الناشرة الناجرة للفرقة الفاجرة عربی میں لکھی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مجدد الف ثانی نے

نبوت کا دعویٰ کیا تھا (فہرست محولہ بالا ۲ / ۳۶۳ نمبر ۲۲۳ فن کلام) یہ ساری مخالفت جو عربستان میں ہوئی کے

محرم سید محمد برزنجی تھے جن کا پورا نام سید محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید حسنی برزنجی ہے، فقہائے شافعیہ میں

سے تھے، شہر زور میں ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو متولد ہوئے، ہمدان، بغداد، دمشق، قسطنطنیہ اور مصر میں رہے، آخر

مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء کو فوت ہوئے، کئی کتابوں کے مؤلف تھے ان میں سے حل

مشکلات ابن العربی بھی ہے جو انہوں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کی تھی (الاعلام ۶ / ۲۰۴) اس کتاب سے

موصوف کے صوفیانہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے مکتبہ فکر سے قریبی لگاؤ تھا، ہمارا یہ بھی

قیاس ہے کہ جب مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں شیخ ابن عربی کے مکتوبات اور ان کے نظریہ وحدت الوجود

کے خلاف مواد نظر آیا تو وہ مخالفت پر آمادہ وہ گئے، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حرمین الشریفین میں ان کے شاگرد سے تحصیل کر چکے تھے انہی سید محمد برزنجی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشکی موجود تھی۔ (انفاس العارفین ۱۸۴)

حرمین الشریفین میں افکار حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف یہ مہم حدود ۱۰۹۰-۱۰۹۶ھ میں ہوئی علامہ محمد بیگ مذکور کار سالہ عطیہ الوہاب ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا (مقامات مظہری ۲۸۲ طبع دوم) مذکورہ سنین کے دوران اس مخالفت کے آثار ہندوستان میں بھی نمایاں ہوئے اور اورنگ آباد اس کا مرکز بنا رہا، سید محمد برزنجی کی اولاد ان دنوں اورنگ آباد میں مقیم اور برزنجی کی تصانیف کی نقول کرنے میں مصروف تھی ان میں سے محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا اپنے پردادا کے رسائل کی کتابت اور اشاعت پر مامور تھا، اس نے العصب الہندی لاستیصال کفریات احمد سرہندی تالیف ابو علی حسن علی کی عجی (تالیف سال ۱۰۹۳ھ) کی کتابت ۱۱۵۷ھ کو یہیں اورنگ آباد میں کی تھی اس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۳۷)

سید محمد برزنجی کی اپنی تصنیف قدح الزند و قدح الہمد فی رد جہالات اہل سرہند کی کتابت بھی اسی مذکورہ پڑپوتے نے ۱۱۷۷ھ کو یہیں کی جس کا خطی نسخہ مذکورہ کتابخانہ میں ہے (ایضاً ۲ / ۳۵۰)

الکلام السنخی بردایر اداۃ البرزنجی

مولانا دکیل احمد سکندر پوری نے علامہ سید محمد البرزنجی کے رسالہ قدح الزند کا عربی میں رد لکھا، مؤلف بزرگ اس کے دیباچہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

محمد صالح اورنگ آبادی اور گجراتی اور ان کے متبعین محمد عارف اور عبداللہ سورتی نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا جو انصاف سے بہت دور اور محرف تھا، انہوں نے یہ ترجمہ سید محمد البرزنجی کو مدینہ منورہ بھیجا اور ان سے ان افکار و خیالات کے حامل کے بارے میں جواب طلب کیا، انہوں نے اس کے ساتھ کچھ رقم بھی ارسال کی، جس کے جواب میں علامہ برزنجی نے ایک رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات کے رد میں لکھا جس میں آپ کو فاسق اور کافر قرار دیا، اس رسالہ پر انہوں نے مدینہ منورہ کے قاضی اور مفتیوں سے

وکیل احمد سکندر پوری نے برزنجی کے ساتھ ہی محمد صالح اور تنگ آبادی کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے، برزنجی نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے پہلے محمد صالح مذکور شیخ احمد سرہندی کے رد میں کئی رسائل لکھ چکا ہے۔ (الناشرہ، مذکور، خطی بحوالہ فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۶۳) ہم نے اور تنگ آباد کی مذکورہ سنین کی اس مخالفانہ فضا کا قدرے تفصیل سے تذکرہ اپنی کتاب احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری میں کیا ہے (۱۵۹-۱۶۳)

ہمیں ان بہت سے مخالفانہ رسائل کے رد میں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دفاع میں لکھے جانے والے رسائل کی ایک مفصل اور طویل فہرست بنانے کی سعادت بھی نصیب ہو چکی ہے، یہ فہرست رسالہ نور اسلام شرق پور کے حضرت مجدد الف ثانی نمبر میں شامل ہے کتاب الکلام المنہجی ایک مقدمہ، پانچ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، حضرت مؤلف نے مقدمہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مناقب، آپ کی تصانیف اور خلفاء کا مختصر مگر بہت ہی جامع تعارف کر دیا ہے، اس کے بعد ہجرات اور دکن وغیرہ میں جو مخالفانہ سرگرمیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے پھر کس طرح ایک غیر معروف مجہول ہجراتی نے بارہ ہزار روپے کی رقم جمع کر کے سید محمد برزنجی کے پاس بھیجی اور انہوں نے اس رقم کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے سہارے کس طرح حرمین الشریفین میں مخالفت کا آغاز کیا، پھر اس دوران ایک ترکستانی عالم شیخ نور الدین محمد بیگ وہاں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس مکرر فضا کو کس طرح بدلا اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی اصل عبارات کا کامل ترجمہ عربی میں کر کے انہی علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا اور فتویٰ طلب کیا جس کے بعد اس مخالفت میں کمی واقع ہوئی..... مولانا سکندر پوری نے باقی پانچ ابواب میں سید محمد برزنجی کے مخالفانہ اقوال کی بہت ہی بھرپور طریقہ سے تردید کی ہے، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو جدید عربی ٹائپ میں کمپوز کر کے ایک مفصل عربی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

ماخذ

- ۱۔ محمد ادریس نگرانی: تذکرہ علمائے حال (تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان)، لکھنؤ ۱۸۹۷ء
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر / ج ۸، طبع عکسی کراچی
- ۳۔ امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری، ۱۹۶۷ء
- ۴۔ عبد المجید کتاب: سمات الاخیار، جونپور، ۱۳۴۳ھ

- ۵۔ کاظم ہاشمی: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۳ء
- ۶۔ آسی، عبد العظیم ظہور الحق غازی پوری: عین المعارف مرتبہ شاہد علی رشیدی، کراچی / ۱۹۸۸ء
- ۷۔ عبد الحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قرالاقمار، دہلی ۱۳۲۳ھ
- ۸۔ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف، مقالہ مشمولہ نذر مقبول، جونپور، ۱۹۷۰ء
- ۹۔ وکیل احمد سکندر پوری: انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، الکلام المنجی، دہلی ۱۳۱۱ھ
- ۱۰۔ صفرا احمد معصومی: مقامات معصومی تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال، لاہور ۲۰۰۴ء
- ۱۱۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری، تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۱ء (طبع دوم)
- ۱۲۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، کتابخانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ
- ۱۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاء المنین بالقاء المحن، بھوپال، ۱۳۰۵ھ
- ۱۴۔ ضیاء، محمد یعقوب: اکمل التاریخ، بدایون، ۱۹۱۶ء
- ۱۵۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: انفاس العارفین، دہلی ۱۳۲۳ھ
- ۱۶۔ زرکلی، خیر الدین: الاعلام، بیروت، ۲۰۰۵ء
- ۱۷۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبد اللہ خویشی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۸۔ علی شیر خان: اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات، غازی پور، ۱۹۹۸ء

(رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی، مقدمہ، لاہور، ۱۲۰۱ء)

حکیم اعظم خان رام پوری

حکیم محمد اعظم خان رام پوری چودھویں صدی ہجری کے نامور طبیب، عالم اور شاعر تھے۔ حکیم محمد اعظم خان بن حکیم اعظم خان بن رضی خان بن اسماعیل خان کا تعلق افغانوں کے قبیلہ اکوزی (Akozaie) سے تھا۔ اس خاندان کے سارے افراد سلاطین و امرا کے ہاں عمدہ منصبوں پر فائز تھے۔ کئی بڑے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔

اس خاندان میں سے رضی خان عرف روزی خان سوات سے آئے اور جمعدار (Jamadar) کا عہدہ ملا۔ پھر نواب سید فیض اللہ خان کی ملازمت میں آگئے، رام پور میں انہیں سوگند زمین ملی ۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درانی کی طرف سے مرہٹوں سے مقابلہ کیا جس کے صلے میں کئی گاؤں بطور جاگیر ملے۔ اس کے علاوہ بھی رضی خان کئی معرکوں میں پیش پیش رہے۔ اور ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء کو انتقال کیا۔ (تذکرہ کالملاں رام پور ۳۳-۳۴) رضی خان کے آٹھ فرزندوں میں سے حکیم شاہ اعظم خان ہی حکیم محمد اعظم رام پوری کے والد تھے۔ حکیم اعظم خان ابتدائی تعلیم کے بعد دیگر علوم و فنون کی تحصیل کے لیے مولوی عبدالرحیم خان بن حاجی محمد سعید (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) اور مفتی شرف الدین رام پوری (ف ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ (تذکرہ کالملاں رام پور ۳۴، نزہۃ الخواطر ۸/۳۰۹)

ملازمت کا آغاز ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء کو بھوپال (Bohpal) جا کر نواب جہانگیر خان عرف نواب دولہا (Dolha) سے کیا۔

نواب دولہا جو ان دنوں قدسیہ بیگم کی قید میں تھے حکیم اعظم خان کی کوشش سے رہا ہوئے ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو قدسیہ بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے معزول ہوئیں تو ریاست نواب دولہا کو ملی۔ نواب نے حکیم اعظم خان کی دو سو روپے ماہوار تنخواہ اور سو روپے ماہوار خرچ کے لیے مقرر کیے۔ اور دو گاؤں بھی بطور

جاگیر عطا کیے۔ نواب کے خصوصی معالج کی حیثیت سے کئی بار انعامات سے نوازے گئے۔ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۳ء کو نواب دولہا کا انتقال ہو گیا۔ بڑودھ (Barodaha) سے انہیں زیادہ تنخواہ کی پیش کش ہوئی لیکن نواب سکندر بیگم نے جانے نہیں دیا۔ ایک بار حکیم اعظم خان لکھنؤ گئے تو سلیمین (William Henry Sleemann) سے بھی ملے جو لکھنؤ کے ۱۸۴۹-۱۸۵۶ء تک ریذیڈنٹ (Resident) تھے۔ (Dictionary of Indian Biography, P.112)

سلیمین سے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات معلوم ہوئے۔ وہاں حکیم صاحب کو کئی طرح سے نوازا گیا۔ راجہ مان سنگھ چاہتا تھا کہ حکیم صاحب کو سلون (Saloon) کا ناظم مقرر کر دیا جائے مگر انہوں نے وہاں کے ابتر حالات سے واقفیت کی بنا پر انکار کر دیا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۵)

اس دوران واجد علی شاہ نے اپنے علاج کے لیے روکنا چاہا تو انکار کرنا پڑا۔ اور آپ اندور (Andor) چلے گئے۔ کچھ عرصہ اجین (Ujeen) میں بھی رہے۔ (ہمانجا ۴۵)

مہاراجہ تگوجی راوہکر نے اپنے ہاں بصد احترام ملازم رکھ لیا۔ اب مہاراجہ کے طبیب خاص تھے جہاں چند سال صدر کوٹ کے جج بھی رہے۔ نواب کلب علی خان رام پوری اور مہاراجہ کے مابین خوشگوار تعلقات بھی حکیم صاحب ہی کی بدولت قائم ہوئے تھے۔ (ہمانجا ۴۵-۴۶)

نواب کلب علی خان نے حکیم صاحب کو رام پور بلایا وہاں زمین دی جہاں آپ نے اپنے کئی رہائشی مکانات تعمیر کروائے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۶)

ریاست اندور (Andor) نے آخری عمر میں حکیم اعظم خان کی پنشن بھی مقرر کر دی جو اڑھائی سو روپے ماہوار تھی۔ آپ کا بیٹا حکیم محمد افضل خان آپ کے حین حیات ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء کو انتقال کر گیا۔ ان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان عرصہ تک اندور میں رہے اور وہ طبابت کے فن میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم محمد اعظم خان رام پور کے مشہور شیخ طریقت میاں محمد امیر شاہ (ف ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء) سے بیعت تھے۔ اور تعلیم سلوک سے بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۴۷، ۶۰)

حکیم محمد اعظم نے ۴ محرم ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء انتقال کیا۔ (ہمانجا ۴۷، نزہۃ الخواطر ۸/۴۰۹)

حکیم محمد اعظم خان شاعر بھی تھے اور اعظم تخلص کرتے تھے لیکن دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔

حکیم اعظم کی تمام تر کتب فارسی نثر میں اور علم طب کے موضوع پر ہیں، اس فن میں ان کی وسیع النظری ان کی تالیفات سے عیاں ہے۔ معالجات میں قدیم ترکیبیں مد نظر رہتی تھیں اور قدما کے تجربات سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کے معاصر آغا سنجیرانی نے ان کے فن طب میں تبحر کے پیش نظر انہیں ”بوعلی سینا ہند“ کہا ہے۔ (تذکرہ کمالان رام پور ۳۶-۴۷) ان کے والد کا لقب ملک الاطباء تھا (اکسیر اعظم۔ برگ اول) ان کی بعض کتب پر ان کا لقب ناظم جہان بھی لکھا ہوا ہے۔ (اکسیر اعظم، سرورق) حکیم اعظم خان کی طبی تالیفات کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

۱۔ اکسیر اعظم

یہ کتاب فارسی نثر میں چار ضخیم اور قطع کلاں میں طبع ہوئی ہے۔
لکھنؤ ۱۸۸۳ء (دوبار) ایک اور ایڈیشن ۱۲۸۶ھ بھی نظر سے گذرا ہے۔
پہلی جلد کے ۵۳۸، دوسری کے ۵۶۹ اور تیسری جلد کے ۷۷۴ صفحات ہیں۔ اس کی چوتھی جلد کانپور سے ۱۲۹۸ھ میں چھپی تھی۔
یہ کتاب معالجات پر ہے۔

جلد اول:

مقدمہ، منابع، شرح علامات و علاج بیماریہای مزاجی و سرد صورت و چشم و گوش و بینی، بیماریہای عصبی و روانی، اقسام مزاجہا۔۔۔ انتہاؤں انف۔۔۔

جلد دوم:

بیماریہای لب و کنج و ہن، صورت، دہان، زبان، حنک، دندان، مری، صفرا، حلق و حنجرہ، ریہ، قلب۔۔۔

جلد سوم:

بیماریہای کبدی، مرارہ، طحال، امعاء، مقعد، کلیہ، مثانہ، اعضاء تناسلی، امراض صفاق، امراض رحم

جلد چہارم:

امراض ظہر و اطراف، حمیات، اعراض تابع۔۔۔ امراض جلد، امراض ظفر،۔۔۔ سموم۔۔۔۔ معدنیہ، نباتیہ، مشروبہ۔۔۔۔
خاتمہ۔۔۔ در بیان اوزان ادویہ، فہرست ادویہ در موقع نسخہ نویسی طبیب احتیاج داشتہ باشد۔۔۔

رموز اعظم:

یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں فارسی نثر میں ہے۔

جلد اول طبع دہلی ۱۹۲۵ء

یک مقدمہ، کلیات، امراض و معالجات آہا

جلد دوم:

یہ جلد بھی دہلی سے ۱۳۴۳ھ میں چھپی تھی۔ مشتمل بر امراض و معالجات آہا

قرا بادین اعظم:

یہ کتاب فارسی نثر میں مرکبات کے موضوع پر ہے اور حدود ۷۲۰ صفحات میں ۱۹۴۷ء سے قبل تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

حکیم اعظم خان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان نے اس میں اضافات کر کے ایک ضمیمہ بنام قرا بادین اعظم واکمل دہلی سے ۱۸۹۸ء میں شائع کی۔ جو ایک مقدمہ، فہرست ادویات، امراض کہ در قرا بادین مسطور اند متنب بہ ترتیب حروف تہجی۔۔۔۔ (فہرست کتابہای چاپی فارسی طبعی ۶۰۸)

نیر اعظم:

یہ کتاب علم نبض شناسی کے موضوع پر ہے۔ فارسی نثر میں دہلی سے ۱۲۱۷ھ اور کانپور سے بھی ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی۔

مقدمہ، فوائد متقلد بہ نبض،۔۔۔ نبض ہای امزجہ، اجناس، فصول و بلدان، ریاضت، استفرافات، استحمام و اغتسال، ماکول و مشروب، نوم و یقظہ، امراض نفسانی، مطلق اوجاع، امراض سر، امراض صدر، امراض قلب، معدہ، جگر، اعضای تناسل، پشت، نبض حیات، بحران، اورام و ثورہ، امراض جلد، سمومات۔
(فہرست کتابہای چاپی طبی ۷۹۰-۷۸۹)

رکن اعظم:

یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے اور اس میں جسمانی بحران کا بیان ہے، دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں طبع ہو چکی

ہے۔

محیط اعظم:

یہ حکیم اعظم خان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب ہے جو چار بڑی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ علم مفردات پر ہے۔ حکماء اسے طب کے دائرۃ المعارف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔
اس کی چاروں جلدیں کانپور سے ۱۳۱۳ھ، میں طبع ہو کر نشر ہوئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست کتابہای چاپی طبی ص ۷۰۰)

قسطاس الاعظم:

یہ طبی لغات ہے، جس کا خطی نسخہ دو ضخیم جلدوں میں حکیم محمد اکمل خان ساکن رام پور کے پاس ہے۔
(تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۷)۔

مآخذ

- ۱۔ شوق، احمد علی خان: تذکرہ کالماتین رام پور مرتبہ شعائر اللہ خان۔ پٹنہ ۱۹۸۶ء
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء
- ۳۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہای چاپی فارسی طبعی۔ تہران ۱۳۴۲ش
- ۴۔ مشار، خان بابا: فہرست کتابہای چاپی فارسی۔ تہران ۱۳۵۲ش
- ۵۔ Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1960

۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبیر۔ قارہ، تہران

مولانا احمد شاہ رضوانی پشاور

قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاور، ہندوستان کے برطانوی عہد حکومت کے ایک تذکرہ نویس، شاعر اور صوفی تھے۔ ان کے والد قاضی میر اخوند عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ تھے۔

میر احمد رضوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اکبر پورہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور جسے ان کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے چلے گئے اکبر پورہ میں ان کی ولادت ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں ہوئی تھی۔ مزید تعلیم کے لیے چھ ہزارہ، پنجاب اور خراسان کا سفر کیا۔

۱۸۷۵ء میں لاہور گئے جہاں مختصر مدت میں مولوی عالم، منشی فاضل، مولوی فاضل، طب، قانون اور ریاضی کی سندیں حاصل کر لیں۔ انعام اور تمغہ بھی پایا۔

۱۸۷۹ء میں نور مل کالج امرتسر میں علوم شرقیہ کے استاد مقرر کیے گئے اور تقریباً چار سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۸۳ء کے آغاز میں وائٹ کنگ (سیکریٹری فنانس کشن پنجاب) نے انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا۔ اور ان کے ہمراہ طویل دورہ بھی کیا اس ہمراہی میں موصوف سیکریٹری کو پڑھاتے رہے۔ یہ سفر پنجاب، سرحد، افغانستان، راجپوتانہ، میسور، مالوہ، مدراس، بنگال اور کشمیر وغیرہ کا تھا۔ کلکتہ میں عربی، فارسی اور اردو کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۸۸ء میں واپس اپنے مستقر میں آئے یہ مسافرت تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

۲۹ سال کی عمر میں نور مل سکول راولپنڈی میں نومبر ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۶ء تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس

سال یعنی ۱۸۹۶ء کو سنٹرل ماڈل سکول میں بحیثیت استاد تقرر ہوا جہاں تقریباً سات سال تک ملازمت کی۔

۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو قیصر ہند کی سالگرہ کی تقریب میں ان کو ”شمس العلماء“ کا خطاب مع خلعت اور ایک تمغہ

بھی ملا۔

۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں اورینٹل ٹیچر (استادِ علوم شرقیہ) مقرر ہوئے۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء تا ۹ جولائی ۱۹۰۶ء آپ پنجاب ٹیکسٹ بک رویژن کمیٹی میں ملازم ہوئے اور اپنے فرائض

ادا کیے۔

تالیفات:

۱۔ میر احمد رضوانی کی تالیفات میں سے سب سے اہم کتاب تحفۃ الاولیاء ہے جو صوبہ سرحد کے مشہور صوفی اخون پنجو پشاوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) کے حالات، مناقب اور ان کے خلفاء کے احوال پر فارسی نثر میں ہے کتاب کی نثر نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں جب کہ اجیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر محکف تھے، لکھنے کا آغاز کیا۔ وہیں حضرت خواجہ کی شان میں عربی اور فارسی میں قصائد لکھے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ اور یہ کتاب لاہور سے ۱۳۲۱ھ میں اس وقت شائع ہوئی جب آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں علوم شرقیہ کے مدرس اعلیٰ تھے۔ (سرورق کتاب مذکور)

۲۔ ریڈر جدید عربی گریجویٹ و بک گرائمر، برائے سیکنڈری سکولز

یہ نصابی کتب چار عدد ہیں جو آپ نے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے مابین مرتب کر کے شائع کروائیں۔ جبکہ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی میں اعادہ کرنے والی کمیٹی کے ممبر تھے۔

۳۔ دیوان اشعار:

میر احمد رضوانی کا مجموعہ کلام ہے۔ جس میں عربی، فارسی اور اردو کی منظومات ہیں۔ کلام میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ قصائد کا حصہ بھی قابل توجہ ہے۔ جس میں کئی اہم قطعات تاریخ اور تاریخی قصائد بھی شامل ہیں۔

میر احمد شاہ رضوانی کی تالیفات کی تعداد حدود ۳۵ ہے لیکن دست بردِ زمانہ سے ان کے مسودات محفوظ نہیں رہ سکے۔ میر احمد رضوانی ادا اکل ۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔

مآخذ

- ۱۔ رضوانی، میر احمد شاہ پشاورى: تحفۃ الاولیاء، لاہور، مطبع مفید عام ۱۳۲۱ھ
- ۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹۶۳-۱۹۷۲ء
- ۳۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیہ سرحد، لاہور ۱۹۶۶ء
- ۴۔ فاکلز اینڈ رپورٹس سنٹرل ٹریڈنگ کالج، لاہور۔ مملوکہ دفتر کالج، لاہور
- ۵۔ فیوض الرحمن: علماء سرحد کی تصنیفی خدمات۔ لاہور (سن۔ن)

۱۲۷ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیر قاری

صوفیہ گرام

بابا رتن بن کرپال

بابا رتن ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی، محدث اور راویانِ حدیث میں سے تھے۔

بابا رتن بن کرپال بن رتن بترمذی، ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں نام کے اول میں بھی اختلاف ہے۔ رتن اور رطن دونوں طرح آیا ہے۔ (الاصابہ ۲ / ۲۷۵۳ / ۲۲۵) ان کی نسبت البترمذی (Al-Badtrandi) ہے جو ہندو سے ماخوذ ہے۔ جو ہندوستان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے (تاج العروس ۹ / ۲۱۲) یہ شہر اب بٹھنڈہ (Bhatinda) کے نام سے معروف ہے۔ جو تحصیل گوہنڈ گڑھ (Gobind garh) مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں ہے۔ اسی شہر میں حاجی بابا رتن کی ولادت ہوئی (آئین اکبری ۲ / ۲۰۷)

بابا رتن کے متعلق متضاد بیانات ملتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمر ہندوستانی ولی تھے (القاموس، مادہ البترمذی)، دوسری روایت ان کے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، تیسری روایت ہندوؤں کی ہے جس میں انہیں ہندو ثابت کیا گیا ہے۔

صوفیہ کی کتابوں فصل الخطاب، لطائف اشرفی، نجات الانس اور گلزار ابرار وغیرہ میں انہیں طبقہ صوفیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ بعض اکابر علماء و مشائخ نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔

خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء) نے بابا رتن کے صحابی اور صوفی ہونے کی تصدیق کی ہے (فصل الخطاب ۲۳۱)، شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ / ۱۳۳۷ء) کو شیخ موئی بن محلی صوفی کے واسطے سے بابا رتن سے روایت کرنے کی اجازت تھی (سلوة العاشقین ۲۹۷) شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی (ف ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء) ۱۲۲۳ھ کو ہندوستان آئے تو بابا رتن سے ملاقات کی (گلزار ابرار ۲۶، نجات الانس ص ۴۳۳)۔ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے مکتوبات اور ملفوظات لطائف اشرفی (۱ / ۳۷۸) میں بابا رتن سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے جو یقیناً الحاقی ہے کیوں کہ بابا رتن کی وفات کے بعد شیخ اشرف جہانگیر کی ولادت ہوئی تھی (حیات اشرف جہانگیر ۱۲۶-۱۱۶) گویا صوفیہ نے انہیں طبقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔

دوسرا بیان بابا رتن کے صحابی ہونے کے بارے میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی، غزوہ خندق میں بھی حاضر تھے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیے درازی عمر کی دعا کی، حضرت سیدہ فاطمہ کے نکاح کے وقت بھی موجود تھے اور ان سے احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ احادیث ”الرتنات“ کہلاتی ہیں۔ (تاج العروس، مادہ البترندی، الاصابہ ۲ / ۲۲۵ و بہ بعد)

اس معاملہ میں بھی محدثین کی دو آراء ہیں اول تو محدثین نے ان کے صحابی رسول ہونے کی روایت کو محض افسانہ قرار دیا ہے کہ بابا رتن کا ذکر پہلی پانچ صدیوں تک کہیں نہیں ملتا، اچانک چھٹی صدی ہجری میں ان کی شہرت ہو گئی اور ان سے روایات بیان کی جانے لگیں اس سلسلے میں حافظ شمس الدین محمد ذہبی (ف ۷۴۸ھ) نے بابا رتن اور رتنیات کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ”کسروشن رتن“ لکھ کر دلائل دیے ہیں (الذہبی و منہجہ ۱۳-۲۱۴ سیر اعلام النبلاء ۲۲ / ۳۶۷) لیکن محدثین کے دوسرے طبقے نے حافظ ذہبی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے وجود سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان مرویات و احادیث کو ضعیف اور وضعی قرار دیا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ احادیث ان سے منسوب کر دی گئیں (الوافی بالوفیات ۱۴ / ۹۹-۱۰۲، تاج العروس۔۔۔۔۔ مادہ البترندی، مرقات۔۔۔۔۔ باب ۱۲۔۔۔۔۔)

جن اصحاب نے بابا رتن کو دیکھا اور ان سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

موسیٰ بن محلی، حسن بن محمد حسینی خراسانی، کمال شیرازی، اسماعیل عارفی، ابو الفضل عثمان
ارملی، داؤد بن اسعد، شریف علی بن محمد خراسانی ہروی، معمر ابو بکر مقدسی، ہمام مہرکندی
(الاصابہ ۲ / ۲۲۶۔۔۔۔۔ و بہ بعد)

بابا رتن کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ ۵۵۹۶، ۵۶۰۸، ۵۶۱۲، ۵۷۰۰ اور ۵۷۰۹ بھی درج ہوا ہے، حافظ ذہبی نے ۵۶۳۲ / ۱۲۳۵ء لکھا ہے (سیر اعلام النبلاء ۲۲ / ۳۶۸)
بابا رتن کی اولاد میں سے دو بیٹوں محمود اور عبد اللہ (ہمانجا، الاصابہ ۲ / ۲۲۸) اور دونوں سے روایت بھی کی گئی ہے۔

بابا رتن کی مرویات کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تھا جس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیکھا تھا جو ۷۱۰ھ کا مکتوبہ تھا ان احادیث کے راوی ابو الفتوح موسیٰ بن محلی صوفی ہیں۔ شیخ موسیٰ صوفی کے مرتبہ مجموعہ میں سے تاج الدین محمد بن احمد خراسانی نے چالیس حدیثوں کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا اس میں سے اٹھارہ حدیثیں الاصابہ میں شامل ہیں۔ یہ روایات شیعہ اور علوی رجحانات کی مظہر ہیں (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۰ / ۱۹۲) اس

کے خطی نسخے کتابخانہ ہای لائینڈن اور برلن وغیرہ میں موجود ہیں۔ (عمانجا) یہی احادیث صاحب قاموس نے بابارتن کے اصحاب سے سنی تھیں (قاموس، رواہ البترندی۔۔۔)

چہل حدیث کے اس انتخابی مجموعہ کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا تھا جس کے دو خطی نسخے پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۵۴۵)

ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں بابارتن کے دعاؤں کی خوب شہرت ہونے لگی۔ بعد میں ان کی باتوں کو افسانوی رنگ دے دیا گیا۔ مقامی روایت کے مطابق بابارتن بٹھنڈے کے ہندو راجہ وینہ پال (Raja Vena Pal) کے وزیر تھے۔ شہاب الدین غوری (محمد بن سام) نے بٹھنڈے کا قلعہ فتح کیا (طبقات ناصری ترجمہ و تعلیقات راورٹی ص ۱۱۸) تعلیقات ۳۵۷، ۳۶۰) تو بابارتن نے غوری کا ساتھ دیا۔

دوسری مقامی روایت یہ ہے کہ بابارتن کا اصل نام رتن ناتھ تھا وہ ایک سادھو (Sadho) اور فرقہ درشن (Darshan) سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔ وفات کے بعد ان کی سادھی بنائی گئی چونکہ انہوں نے حرمین کا سفر کیا تھا اس لیے ناتھ (Nath) کی بجائے حاجی کہلائے اور ان کی سادھی کو خانقاہ بنا لیا گیا۔ بابارتن کا معمول جیس دم کا تھا جس کی وہ باقاعدہ مشق کرواتے تھے۔ وہ گوگا (goga) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بابارتن اصل میں جوگی ہوں ان کی زندگی کے دورخ نظر آتے ہیں وہ ہندوؤں کے سامنے معمر جوگی اور مسلمانوں کے روبرو صحابی بن جاتے تھے۔

(Journal of the Punjab Historical Society, 2: 113)

بابارتن کا مزار قصبہ بٹھنڈہ (Bhatinda) میں ہے جو اس وقت مشرقی پنجاب ہندوستان میں ہے (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵) غوثی مانڈوی نے بابارتن کا مزار جزیرہ سراندیپ میں بتایا ہے (گلزار ابرار ۲۷) جو دیگر تذکروں اور مقامی روایات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

بابارتن کے مزار پر کچھ کتبات بھی ہیں۔ ایک کتبہ راجہ ٹوڈر مل (Todermal) کا مورخ ۱۰۰۲ھ دوسرا بدی چند (Badhichand) مورخ ۱۰۲۳ھ تیسرا نواب جباری خان ۱۰۱۱ھ، چوتھا نواب شہداد خان مورخ ۱۱۳۱ھ، ایک کتبہ سکریت میں سے اور آخری کتبہ پنجاب کے انگریز گورنر کا مورخ ۱۸۸۰ء ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے ایک وقف نامہ برای درگاہ بابارتن بھی ہے جو خادموں کے لیے بطور مدد معاش دیا گیا تھا۔ اس میں بابارتن کا سال وفات ۷۲۲ھ درج ہے۔ (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵-۲۶۶)

پنجابی ادب میں بھی بابارتن کا تذکرہ ملتا ہے ان کے گوگا (goga) داستان سے تعلق کی تفصیل کے لیے دیکھیے (Glossary of the Tribes and Casts of the Punjab 1/175)

مآخذ

- ۱۔ ابوالفضل، علّامی: آئین اکبری، لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ ابن حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، کلکتہ ۱۸۵۳ء، چاپ عکسی بیروت (سن)
- ۳۔ جامی، نور الدین عبدالرحمن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی، تہران، ۱۳۷۰ ش
- ۴۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء، (ج ۲۲) مرتبہ بشار عواد معروف، بیروت، ۱۹۸۵ء
- ۵۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی: تاج العروس بہ تحقیق عبدالستار احمد فراج، بیروت، ۱۹۷۱ء
- ۶۔ سمنانی، علاء الدولہ: مصنفات فارسی (رسالہ سلوۃ العاشقین و سکتۃ المشتاقین) مرتبہ نجیب ماکل ہروی، تہران ۱۳۶۹ ش
- ۷۔ صفدی، صلاح الدین: الوافی بالوفیات مرتبہ دیدرینج (Dedering)، بیروت ۱۹۸۲ء
- ۸۔ غوثی، محمد بن حسن: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد، لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۹۔ گیلانی، مناظر حسن: ایک ہندوستانی صحابی بابارتن ہندی کے حالات، دیوبند (سن)
- ۱۰۔ محمد پارسا بخاری: فصل الخطاب، تہمکنہ، ۱۳۳۱ھ
- ۱۱۔ محمد شفیع لاہوری: رتن (بابا) حاجی ابوالرضا، مقالہ مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور
- ۱۲۔ معروف، بشار عواد: الذہبی و منہجہ فی کتابہ تاریخ الاسلام، قاہرہ، ۱۹۷۶ء
- ۱۳۔ مولانا بخش: تذکرۃ المشائخ (آخرین فصل راجع بہ مدفونین شیعہ)، فیروز پور، ۱۸۸۷ء
- ۱۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، ج سوم اسلام آباد ۱۹۸۳ء
- ۱۵۔ نظام غریب یحییٰ: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۹ھ

۱۶۔ وحید اشرف: حیات سید اشرف جہانگیر بہمنانی، کچھو چھو ۱۹۷۵ء

16. Horslitz, J: Baba Ratan Saint of Bhatinda, (Selection from Journal of Punjab Historical society), Lahore, 1982. Vol.1
17. Ibbetson, Rose: Glossary of Tribes and castes of Punjab and North-West Frontier province, (rep) Lahore, 1978.

۸ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارو

شیخ احمد زنجانی اور ان کا تذکرہ (تحفۃ الواصلین)

راقم الحروف عرصہ دراز سے زیب عنوان تذکرے کی تلاش میں ہے، لیکن تلاشِ بشار کے باوجود ابھی تک کسی کتاب خانے کی فہرست میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، بہت سے اربابِ علم و تحقیق سے بھی دریافت کیا، مگر کسی سے پتہ نہ چلا، یہاں اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے متعلق کچھ کہنا ہے، ممکن ہے اس کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں۔

رائے بہادر کنھیالال اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:

”شیخ احمد زنجانی نے رسالہ تحفۃ الواصلین ۴۳۵ھ عہدِ سلطان مسعود غزنوی میں بمقام لاہور

اس شہر (لاہور) کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے۔“

کنھیالال کے اس بیان پر بھروسہ کرتے ہوئے، ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس تذکرے کو ۴۳۵ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔

تعجب ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس بیان پر کس طرح اعتماد کر لیا، یہ بیان نہ صرف غیر تحقیقی بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

کنھیالال حضرت ذکی کے حالات کے زمرے میں لکھتے ہیں۔

”تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے، کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا، اور اس دروازے (ذکی) کی حفاظت اس کے ذمے تھی۔“

لاہور پہلی مرتبہ ۶۳۹ھ م ۱۲۴۱ء میں ملک معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں منگولوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا، شہر پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا، اس قتل و غارت میں وہ شہداء بھی شامل

۱۔ تاریخ لاہور، ص ۱۸۸، نوٹ ۱۰

۲۔ ملاحظہ ہو مقالہ ”لاہور کی ادبی فہرست“ لاہور فہر

۳۔ تاریخ لاہور، ص ۱۹۷

ہیں، جن کی قبریں ”مزارات شہید گنج“ محلہ سادھواں میں واقع ہیں، ان کا ذکر بھی ”تحفۃ الواصلین“ میں موجود ہے۔^۱

”تحفۃ الواصلین“ میں حضرت ذکی کی شہادت کا ذکر (قریباً ۶۳۹ھ) اس کی بین دلیل ہے کہ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کی تصنیف ہے۔

لاہور کے مشہور محقق مفتی غلام سرور لاہوری نے جن کے پاس یہ تذکرہ موجود تھا، اپنی تصانیف میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے، انہوں نے سید فتح عزیز الدین مکی ثم لاہوری کے حالات تحفۃ الواصلین ہی سے نقل کیے ہیں، جن کی وفات ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے۔^۲ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تذکرہ ۶۱۲ھ کے بعد لکھا گیا، خزینۃ الاصفیاء ہی میں سید اسحاق گازیرونی لاہوری کے حالات کے ضمن میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

”اس قطعہ درج رسالہ ”تحفۃ الواصلین“ است، قطعہ

سید اسحاق دلی کریم گشت چوڑیں دہر بخت مقیم
سال وصالش عجب آور ز دل بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۷۸۶

اس قطعہ کے ”تحفۃ الواصلین“ میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں آٹھویں صدی ہجری کے بزرگوں کا ذکر بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ۴۳۵ھ کی تصنیف نہیں کہا جاسکتا، رہا یہ سوال کہ اس تذکرے کا مصنف کون ہے؟ اس باب میں کچھ کہنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو، عہد حاضر کے مشہور محقق جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

”میرا پنا خیال ہے کہ شیخ احمد زنجانی کی طرف یہ تصنیف منسوب کرنا صحیح نہیں“

معارف، (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) ج ۱۰۰ ش ۵ (نومبر ۱۹۶۷ء)

۱۔ لاہور مطبعت امیری (انگریزی) حرم انجلی۔ بی۔ مارڈل، جلد اول ص ۶۵۵، سندھ یعنی سرہندی کی جہاد سہدک شہی ص ۱۵۵ مطبوعہ نکتہ ۱۳۵۱ء

۲۔ یہ تذکرہ لاہور، مفتی غلام سرور لاہوری ص ۱۵۳ مطبوعہ نوکثر کتب خانہ ۱۸۷۷ء

۳۔ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۲۵۵

۴۔ جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرا اقبال پوری، عمر ۱۱۵۰ھ یعنی ۱۷۶۶ء

حضرت پیر بلخی

پیر بلخی ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور مجاہد بزرگ تھے۔

پیر بلخی کا اصل نام لاہور کی مقامی کتب تاریخ اور تذکروں میں مذکور نہیں ہے۔ خوارزم شاہی سلسلہ کا آخری فرمانروا سلطان جلال الدین منکبرنی (۶۱۷-۶۲۸ھ / ۱۲۲۰-۱۲۳۱ء) پیر بلخی کا معتقد تھا، چنگیز خان (۶۰۳-۶۲۳ھ / ۱۲۰۶-۱۲۲۷ء) نے جب خراسان اور افغانستان پر پے درپے حملے کر کے مسلمانوں کے ان علمی و روحانی مراکز کو نیست و نابود کر دیا تو پیر بلخی اپنے مستقر بلخ (افغانستان) سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۶۸)

لاہور میں بھی وہ حسب معمول عبادت و ریاضت اور دعوت و ارشاد میں مصروف رہے۔ یہاں ان کی عوام میں بہت مقبولیت ہوئی۔ اس سے آگے لاہور کے مورخین نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ معاصر کتب تاریخ کی روشنی میں محض داستان گوئی معلوم ہوتی ہے، سلطان جلال الدین منکبرنی چنگیز خان کے خوف سے چھپتا چھپاتا لاہور آ گیا تو چنگیز خان اس کے تعاقب میں لاہور پہنچا، سلطان وہاں سے فرار ہو کر دہلی چلا گیا، جب چنگیز خانیوں کو لاہور میں سلطان نہ ملا تو انہوں نے اس شہر پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت نے فوج بھیج کر مقابلہ کیا مقامی لوگ بھی اس معرکے میں شریک ہوئے، پیر بلخی بھی اپنے مریدین سمیت کفار منگولوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے (تاریخ لاہور ۱۶۸، حدیقتہ الاولیاء ۲۵۱)

لاہور کے عجائب گھر میں ایک ایسا کتبہ موجود ہے جو پیر بلخی کی لوح مزار معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتبہ عربی زبان میں ہے جو نسخ آمیز کوئی خط میں ہے، کتبے کی مختصر سی عبارت اس طرح ہے:

”هذا مقبرة الشهيد الشيخ ابو المحامد الحسين بن محمد الحسين ابو بكر
الذكري البلخي رحمة الله و قد عاش ثمانية و تسعين سنة وفاته في يوم الجمعة
التاسع من ذى الحجة و هي يوم عرفه من ثلثة و اربعين و ستمائة“
اس کتبے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ یہ ایک شہید کا مزار ہے۔

۲۔ ان کا نام ابو المجاہد حسین تھا

۳۔ ان کے والد کا نام محمد حسین ابو بکر تھا۔

۴۔ ان کی نسبت ذکری بلخی ہے۔

۵۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۹۸ سال تھی۔

۶۔ ان کی وفات (شہادت) ۹ ذی الحج ۶۳۳ھ کو ہوئی۔

۷۔ ان کا سال ولادت بحساب عمر ۵۴۵ = (۶۳۳ - ۹۸) ہے۔

اگر اس عہد کی معاصر کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کتبے کے مندرجات صحیح معلوم ہوتے ہیں۔
شہاب الدین نسوی سلطان ینکبری کا معاصر اور اس کا سوانح نگار تھا اس کے بیان کے مطابق چنگیز خان
سلطان ینکبری کا تعاقب کرتا ہوا۔ دریائے سندھ تک آیا تھا جو ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء کا واقعہ ہے، وہاں سلطان کو شکست
ہوئی اس میں سلطان کی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، چنگیز خان وہیں سے واپس لوٹ جاتا ہے (سیرت جلال الدین
ینکبری فی ۱۱۰-۱۱۳) اس کتاب میں چنگیز خان کے لاہور پر حملہ آور ہونے کا سرے سے ذکر ہی موجود نہیں ہے، البتہ
سلطان ینکبری کا لاہور پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے نقد خراج پر دینے کے وعدے پر چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے (حمانجا
۱۱۹-۱۲۲)

گویا پیر بلخی لاہور میں چنگیزی حملے میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ علاء الدین مسعود شاہ ۶۳۹-۶۴۴ھ /
۱۲۴۲-۱۲۴۶ء کے عہد حکومت میں لاہور پر ہونے والے منگولوں کے حملوں میں ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء کو شہید
ہوئے اور یہی مذکورہ کتبے کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ شیر خان کے لاہور کا عامل مقرر ہونے کے بعد بھی یہ
حملے جاری رہے تھے (Lahore, p. 15)، پیر بلخی کا مزار لاہور میں گزر رڑہ (Guzar Rarah) میں واقع ہے یہ

علاقہ آج کل کشمیری بازار کہلاتا ہے۔ مزار ایک کمرے کے اندر واقع ہے۔ جس پر چاروں طرف سبز رنگ کر دیا گیا ہے۔ دہلی دروازے سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے یہ مزار بائیں ہاتھ واقع ہے۔ اس سے قبل یہ مزار یقیناً وسیع و عریض تھا ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء کو جب نواب سید بھکاری خان (S.Bhikari Khan) نے سنہری مسجد تعمیر کروائی تو مسجد کی زینت بڑھانے کے لیے اس نے بازار سیدھا کر دیا (تاریخی مساجد لاہور ۱۰۴) تو پیر بلخی کا یہ مزار سر راہ آ گیا۔ مزار کا بہت سا حصہ توڑ کر گرا دیا گیا۔ صرف مزار رہنے دیا باقی ملحقہ عمارت گرا دی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس توڑ پھوڑ میں پیر بلخی کے مزار کا اصل اور قدیم کتبہ ادھر ادھر ہو گیا اور کسی نے اسے محفوظ رکھا اور جب لاہور میں عجائب گھر بنا تو یہ کتبہ یہاں پہنچ گیا جس پر منسل بحث گذر چکی ہے۔

مآخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، ۱۸۶۸ء
- ۲۔ چغتائی، عبداللہ: تاریخی مساجد لاہور، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۳۔ غلام سرور لاہوری مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تطبیق، محمد اقبال مہمدی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء
- ۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۶۔ نقوش لاہور نمبر، شاہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء
- ۷۔ نسوی، شہاب الدین محمد خرمذی زیدری: سیرت جلال الدین یسکبرنی ترجمہ فارسی از مترجم مجہول در قرن ہفتم ہجری بہ تصحیح مجتبیٰ مینوی، تہران، ۱۳۶۵ش

8- Muhammad Latif: Lahore, its Hisotry, Architectural Remains, Lahore, 1892.

۲۳ جولائی ۱۹۹۸ء

بزرگانی ذوالشعبہ شیعہ قارہ

حضرت پیر مکی لاہوری

شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ اور مدرس تھے۔

شیخ عزیز الدین مکی کا تعلق سادات کے خانوادے سے تھا موصوف اکابر علماء و صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔

ان کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ ان کا سلسلہ طریقت صرف چند واسطوں سے شیخ جنید بغدادی (ف ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء) سے ملتا ہے۔ بغداد سے حرین الشریفین گئے اور وہاں بارہ سال تک قیام کیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ میں مستکف رہے اور انہیں اس بنا پر پیر مکی کے خطاب سے پکارا گیا۔ عالم مکاشفہ میں انہیں ہندوستان جانے کا حکم ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

سلطان شہاب الدین غوری (حکومت در غزنہ ۵۶۹-۵۹۹ و در ہند ۵۹۹-۶۰۲ھ) کے ورود لاہور سے قبل پیر مکی لاہور پہنچ کر دعوت و ارشاد میں مصروف ہو چکے تھے اور ان کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں لاہور کے مقامی مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملوں کی جو تاریخیں دی ہیں وہ قیاسی اور غلط ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق سلطان غوری ملتان و اوج فتح کرتا ہوا ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء کو گجرات پر حملہ آور ہوا لیکن اسے یہاں شکست ہوئی اور وہ واپس غزنی چلا گیا۔ سندھ اور پنجاب پر اس وقت غزنوی سلطنت کا آخری حکمران تاج الدولہ خسرو ملک (۵۵۵-۵۸۲ھ / ۱۱۶۰-۱۱۸۶ء) حکومت کر رہا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری پشاور تک فتح کرتا ہوا ۵۷۶ھ / ۱۱۸۱-۸۰ء کو لاہور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو ملک میں مقابلہ کی تاب نہیں تھی اور وہ تنگ بھی آچکا تھا اس نے شیخ عزیز الدین پیر مکی کی خدمت میں جا کر دعاء کرنے کے لیے کہا پیر مکی نے جواب دیا کہ اس سال وہ واپس چلا جائے گا۔ اور تیری یعنی غزنوی حکومت مزید کچھ سال قائم رہے گی پھر اس پر تقدیر الہی سے غوری سلطنت کا غلبہ ہو جائے گا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان غوری کو لاہور میں کامیابی ہوئی اور اس نے خسرو ملک سے صلح کر لی اور اس کے خرد سال فرزند کو بطور یرغمال غزنی لے گیا۔ (غوریان ۲۱۶)

اگلے سال سلطان غوری پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے دریائے سندھ تک قبضہ کر لیا۔ ۵۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء کو پھر حملہ آور ہوا اور لاہور پر قبضہ کر کے خسرو ملک کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ اس طرح پیر کی کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور غزنوی سلطنت کو صرف پانچ سال مزید حکومت کرنے کی مہلت مل گئی۔ پھر سلطان غوری نے ۵۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء کو لاہور پر تیسرا حملہ کر کے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ (غوریان ۲۱۵-۲۱۶)

مفتی غلام سرور لاہوری نے سلطان غوری کے لاہور پر پہلے حملے کا سنہ ۵۵۷۳ھ / ۱۱۷۸ء دیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس سنہ میں اُسے گجرات میں شکست ہوئی تو اور وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ (خزینۃ ۲ / ۲۵۶) اس طرح مورخین لاہور کے نوشتہ دیگر سنیں بھی صحیح نہیں ہیں۔ محمد دین فوق نے جو سنیں درج کیے ہیں ان میں بھی سقم ہیں۔ (نقوش لاہور نمبر ص ۱۷۰)

کنہیا لال (Konahia Lal) نے پیر کی کا اصل نام جلال الدین لکھا ہے (تاریخ لاہور ۳۲۰) لیکن کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا جبکہ مفتی غلام سرور نے ایک قدیم تذکرہ تحفۃ الواصلین کے حوالے سے ان کا نام عزیز الدین کی بتایا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

نور احمد چشتی نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ بے خبری کا اظہار کیا ہے اور محض سماعی باتیں لکھ کر آگے بڑھ گئے ہیں اور تحفۃ الفقراء کے حوالے سے پیر کی کا سال وفات ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء درج کر دیا ہے (تحقیقات چشتی ۶۰۶-۶۰۷) گذشتہ مذکورہ واقعات کی روشنی میں نور احمد چشتی کا بیان بے بنیاد ہے۔ کہاں غزنوی اور غوری سلاطین اور کہاں ۱۰۴۸ھ شاہ جہان کا زمانہ۔

مفتی غلام سرور کا درج کردہ سال وفات ۶۱۲ھ / ۱۵-۱۶۱۶ء ہے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور جب تک کوئی قدیم دستاویز یا ماخذ سامنے نہ آئے یہی سنہ وفات صحیح سمجھا جانا چاہیے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) گویا پیر کی کا اگر درود لاہور کا سنہ ۵۷۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو وفات تک ان کے لاہور میں قیام کی مدت ۳۶ سال بنتی ہے۔ ان سالوں میں پیر کی نے لاہور میں درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور صد ہا طالبانِ خدا

آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور تعلیم و تربیت پا کر کامل ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶، تاریخ لاہور ۳۲۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۸۹، بزرگان لاہور ۱۹۹، مدینۃ الاولیاء ۳۹۶، نقوش لاہور نمبر ۱۷۱)

سلطان شمس الدین ایلکیش (۶۰۷-۶۳۳ / ۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کے زمانے میں لاہور اور سارے ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور مفسدین دب گئے۔ اس کے عہد میں علماء و صوفیہ کا بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی خود سلطان علماء و صوفیہ بہت معتقد تھا اسی عہد میں لاہور میں پیر کی نے درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا مثالی مدرسہ قائم کیا اور صدہا اصحابِ علم نے علمی تفتلی بجانے کے لیے اس مدرسے کی طرف رجوع کیا۔ (لاہور کے قدیم دینی مدارس ۲۵)

ان ایام میں پیر کی کا مزار بیرون بھائی دروازہ پیر کی روڈ پر ہے۔ آج ان کے وصال کو آٹھ سو سال ہو گئے ہیں لیکن زائرین کا ہجوم بدستور ہے۔

۱۹۴۴ء میں جب محمد دین فوق نے لاہور کے مزارات پر کتابچہ لکھا تو پیر کی کے مزار کے کچھ قدیم آثار موجود تھے انہوں نے اس مزار کے واقعی عہد سلاطین دہلی میں تعمیر ہونے کا مشاہدہ کیا تھا (نقوش لاہور نمبر ۱۷۸) مزار کا موجودہ انتظام محکمہ اوقاف حکومت پنجاب کے ذمہ ہے۔ مقبرہ بہت عالی شان ہے۔ اور جدید فن تعمیر کے اعتبار سے بھی قابل ستائش ہے۔ اس میں مردانہ اور زمانہ حصے الگ الگ ہیں۔ مزار کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ جس کی کچھ عرصہ ہوا توسیع کی گئی ہے۔ مقبرہ کا اندرونی حصہ زیب و زینت اور مینا کاری کا بہتر نمونہ پیش کرتا ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ہے۔ اس کے گرد لاہور کا قدیم قبرستان ہے۔ اس کی حدود میں ملا احمد ٹھٹھو کی (مرتب تاریخ الفی) کی قبر بھی تھی جس کا اب کوئی نشان نہیں ملا۔ انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں قبرستان کے بڑے حصے کو مسمار کر کے اسے گوروں کا قبرستان بنا دیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ مزار پیر کی کی حدود میں لاہور کے پہلوانوں کی بہت سی قبور ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ پڑواک، عتیق اللہ: غوریان، کابل ۱۳۳۵ ش
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۳۔ ایضاً حدیقتہ الاولیاء تحقیق و تطبیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۵۔ ایضاً: لاہور کے قدیم مدارس، مشمولہ رسالہ عرفات لاہور ۱۹۸۱ء
- ۶۔ ایضاً: سوانح حیات پیر کی لاہوری، لاہور، ۱۹۸۲ء
- ۷۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۳ء
- ۸۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۹۔ نقوش لاہور، نمبر، ش ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء
- ۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء
- 11- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural Remains and..... Lahore, 1892.

۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دال شامہ شبہ قارہ

شیخ بدیع الدین شاہ مدار

شاہ مدار نویں صدی ہجری کے نامور صوفی تھے۔

سید بدیع الدین نام، قطب المدار لقب، شاہ مدار عرف اور ابو تراب کنیت تھی (تذکرۃ المتقین ص ۳۸) شاہ مدار حسنی حسینی سادات جعفریہ میں سے تھے ان کے والد سید علی حلبی بھی ایک عالم بزرگ تھے۔ شاہ مدار کی ولادت حلب (ملک شام) میں ۷۱۵ھ / ۱۵-۱۳۱۶ء کو ہوئی۔ (مرآۃ مدارۃ ص ۳۹-الف)

حلب ہی میں تعلیم اور علم کی یادگیری میں ہی سیر و سیاحت کے لیے چل پڑے، طویل سفر کے آنحضرت ﷺ کے روحانی اشارے پر ہندوستان آئے، وہ اویسی الشرب تھے اور طریقہ اویسیہ کو پاکستان و ہند میں متعارف کروانے والے ہی بزرگ تھے۔ (حمانجہ ص ۱۴-۱۵) معروف صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی شاہ مدار کے معاصر اور کئی اسفار میں ان کے ہم سفر تھے (لطائف اشرفی، لطیفہ ۱۲ ج اول)

شاہ مدار گجرات کے راستے ہندوستان آئے اجیر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت و مودت کا اظہار کیا۔ (مرآۃ مدارۃ ص ۱۹-۲۰) اجیر سے کالپی (Kalpi) گئے وہاں بھی قبول عام حاصل ہوا وہاں سے قنوج (Kanoj) میں داخل ہوئے تو خواص و عام نے استقبال کیا، مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) کے خلیفہ شیخ اخئی جمشید (۸۰۱ھ / ۱۳۸۹ء) نے بہت تکریم کی اور شاہ مدار نے قنوج کے مضافات میں طرح اقامت ڈال دی وہ قصبہ مکن پور (Makanpur) کہلاتا تھا۔ (حمانجہ ص ۲۵)

شاہ مدار جونپور (Jaunpur) بھی گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا وہاں کے معروف عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۳۹ھ / ۱۴۴۵ء) کے ساتھ ان کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے، قاضی صاحب نے شاہ مدار سے مراسلت کی اور کئی اختلافی مسائل میں مباحثہ رہا، (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۸۰-۱۸۱، نجات الرشید ۱۷۳) آخر شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے خود شاہ مدار کے پاس جا کر صلح کروائی (مرآۃ مدارۃ ص ۵۵-الف) اس کے بعد قاضی

اور شاہ مدار کے مابین قریبی تعلقات کی ابتداء ہوئی اور قاضی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ (حمانجا ۳۶۔ الف)

مشہور صوفی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (Muneri) (ف ۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) نے عوارف المعارف شاہ مدار کی خدمت میں پڑھی (مرآۃ مدار ۳۰۔ الف) شاہ مدار کے تقریباً سترہ خلفاء پاکستان و ہند کے مختلف اضلاع میں معروف کار رہے (حمانجا ۴۶) ان خلفاء میں سے قاضی شہاب قدوائی، قاضی مطہر، سید جمال الدین عرف سید جُمن (Jumman)، میر سید احمد جونپوری، جودن مداری، شیخ شمس الدین ثابت لکھنوی، شیخ بڈھن صدیقی بہرائچی، شاہ بھیکا قنوجی (مرآۃ مدار ۴۶۔ ۴۵) سید ابو محمد ارغون شاہ مدار کے جانشین ہوئے (تذکرۃ المتقین ۶۵۔ ۶۹) بعض دیگر خلفاء کے اسماء گلزار مدار اور سیر مدار میں ملاحظہ فرمائیے شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی شاہ مدار سے خرقہ خلافت حاصل کیا (لطائف اشرفی، لطیفہ ۱۴)

سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴ھ۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۰۱۔ ۱۴۴۰ء) شاہ مدار کا بہت عقیدت مند تھا کئی بار شاہ مدار سے ملاقات کے لیے آیا اور اصرار کر کے اپنے حدود مملکت میں قیام کے لیے کہا (مرآۃ مدار ۳۶۔ الف، ۳۹۔ الف، ب)

شاہ مدار کے سال وفات میں اختلاف ہے شیخ عبدالرحمن چشتی نے یہ تحقیق ۱۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء درج کیا ہے (مرآۃ مدار ۴۹۔ ا، ب)

شاہ مدار کا مزار کن پور (Makanpur) واقع ۲۵ کلومیٹر از کانپور (Kanpur) میں ہے جسے سلطان ابراہیم شرقی مذکور کے ایک فرزند نے تعمیر کروایا تھا۔

(Sharqi Sultanate of Jaunpur, pp. 276-277)

مآخذ

- ۱۔ ابوالفضل، علای: آئین اکبری، لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ اطہر مبارکپوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء
- ۳۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، ۱۳۲۹ھ
- ۴۔ بدایونی، عبدالقادر: نجات الرشید مرتبہ معین الحق، لاہور، ۱۹۷۱ء
- ۵۔ دارالشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء
- ۶۔ ظہیری، ظہیر احمد: سیر المدار، جلد اول لکھنؤ، ۱۹۰۰ء، دوم بدایوں، ۱۹۲۰ء
- ۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الانبیاء، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ مدار، خطی مخزنہ نیشنل لائبریری۔ اسلام آباد
- ۹۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۰۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۱۱۔ مائل، محمود علی: گلزار مدار عرف شمشیر بدیع، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۱۲۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند جونپور، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، نصرت المطالع، ۱۲۹۸ھ
- ۱۴۔ وحید اشرف: حیات اشرف، کچھوچھ، ۱۹۷۵ء
- 15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

مولوی امیر حسن مداری

مولوی محمد امیر حسن مداری چودھویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور تذکرہ نویس تھے۔

محمد امیر حسن بن سید شاہ آخون قصبہ مکنپور (کانپور Cawnpur) سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک موضع مکنپور (Makanpur ہے)

وہ نسلاً فنسوری (Fansuri) تھے ان کے جد اعلیٰ سید ابوتراب فنسور (ف ۸۹۹ھ / ۱۴۹۳ء) شاہ مدار کے خلیفہ تھے انہی سے خاندانی نسبت کے باعث فنسوری کہلاتے تھے (تذکرۃ المتقین ۲۲-۳۱)

مولوی امیر حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سید شاہ آخون کی خدمت میں حاصل کی۔ پھر قصبہ مذکور میں شاہ مدار کی خانقاہ۔ ملحقہ مسجد و مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھا پھر سید شاہ فضل عظیم فنسوری کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ اس کے بعد انہیں سے سلسلہ مداریہ کے اشغال سکھے۔ (ہانجام ص ۳)

سید آل حسن معروف بہ اچھے میاں (Achy Mian ف ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) برادر کلاں شاہ فضل عظیم مذکور سے سلسلہ مداریہ میں بیعت ہوئے۔ (ہانجام ص ۳)

مولوی امیر حسن کے والد سید حسین بخش عرف شاہ آخون بھی اسی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ گویا ان کا سلسلہ طریقت مشہور صوفی اور سلسلہ مداریہ کے موسس شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء، مراۃ مداری ۴۲) سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ خود مرتب کیا ہے (تذکرۃ المتقین ص ۹۳)

امیر حسن مداری کے سنہ وفات کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے ان کا سلسلہ شاہ مدار کے خلیفہ سید ابو محمد ملقب بہ خواجہ ارغون کی وساطت سے شاہ مدار سے واصل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا سلسلہ مداری ارغونی کہلاتا ہے (ہانجام ص ۶۳)

امیر حسن مداری کو فارسی زبان و ادب پر کس درجے کا عبور تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی زیادہ شواہد نہیں ہیں ان کی تالیفات میں سے صرف ایک کتاب تذکرۃ المتقین کا ہمیں علم ہے۔

تذکرۃ المتقین:

یہ سلسلہ مداریہ سے وابستہ علماء و مشائخ کا تذکرہ ہے۔ جو شاہ مدار (ف ۵۸۴۰ / ۱۳۳۶ء) موسس سلسلہ مداریہ کے حالات و تعلیمات سے شروع ہو کر مؤلف کے مرشد شاہ اچھے میاں اور مؤلف کے والد شاہ اخون (ف ۱۳۰۱ / ۱۸۸۳ء) تک کے صوفیہ کے حالات کا مرقع ہے۔ اس تذکرے سے بعض ایسے اصحاب کے حالات بھی معلوم ہوئے ہیں جن سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد لاہوری کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ شاہ مدار کے خلیفہ تھے۔ (تذکرۃ المتقین ص ۴۹)

کاکوری (Kakori) کے سلسلہ قلندریہ کے اصحاب بھی سلسلہ مداریہ سے وابستہ تھے (ہانجا ص ۱۵۳، ۱۵۵،

(۱۵۸، ۱۵۷)

دور آخر کے مشہور چشتی صوفی حاجی امداد مہاجر کی (رک پاں) اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی سلسلہ مداریہ میں ارادت رکھتے تھے۔ (ہانجا ص ۱۳، ۱۶۹)

اس تذکرے سے بعض تاریخی حالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ خانقاہ شاہ مدار واقعہ ماکنپور (ضلع کانپور) میں سلاطین و امراء کی آمد اور مزار پر حاضری کے واقعات اور خانقاہ کے لیے وقف اراضی وغیرہ کے فرائین جو اس کتاب کی تالیف (۱۳۲۹ھ) تک موجود تھے سب کے متون بعینہ نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں، ان فرائین میں اسلام شاہ سوری، ہمایوں، اکبر، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ درانی، نواب محمد خان، نواب اسد خان وغیرہ کے فرائین قابل توجہ ہیں۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱۸۸ تا ۲۱۰)

اس تذکرے کے مآخذ کی فہرست خاصی طویل ہے چند غیر معروف اسماء حسب ذیل ہیں:

ملفوظات سید ابو محمد ارغون، ملفوظات سید ابوتراب منصور، مکتوبات قاضی مطہر، مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری، ملفوظات شاہ مدار، رسالہ حالیہ مؤلفہ قاضی محمود، رسالہ مولوی عبدالباسط قنوجی، ملفوظات شیخ عین الدین، مکتوبات مولانا فخر الدین صوفی، بحر المعارف، مکتوبات شاہ ابو علی مدنی، مخزن الاسرار، نور الاخیار فی مناقب

قطب المدار، شوارق الولايت (مؤلفہ ملا وجدی)، خزینۃ الابرار مؤلفہ قاضی مسعود شبانی، مکتوبات مولانا ظہور الاسلام، کنز الحقیقۃ۔۔۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱)

تذکرۃ المتقین فارسی نثر میں ہے جا بجا اشعار بھی نقل کیے ہیں زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ تذکرہ کانپور سے مطبع قیومی میں ۱۳۲۹ھ کو طبع ہوا۔ جسے مؤلف نے خود بڑے اہتمام اور تصحیح سے شائع کروایا۔
مؤلف نے آخر کتاب میں ایک اعلان کے ذریعہ یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اس تذکرے کا ایک اور حصہ بھی لکھیں گے جس میں اس سلسلہ کے اذکار، اشغال اور ادعیہ ہوں گی لیکن تاحال ہمیں اس کا بھی مذکورہ حصہ ہی دستیاب ہوا ہے حصہ دوم کی طباعت کا علم نہیں ہے۔

مآخذ

- ۱۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، مطبع قیومی ۱۳۲۹ھ
- ۲۔ عبدالرحمن چشتی: ثواب الانوار لمطالع قطب المدار اردو ترجمہ مرآۃ مداری از محمد عبدالرشید ظہور الاسلام فرخ آبادی، فرخ آباد ۱۹۱۰ء
- ۳۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۱۲، اسلام آباد ۱۹۹۱ء
- 4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۰ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سلسلہ چشتیہ

حضرت خواجہ جمال الدین احمد خطیب ہانسوی

شیخ جمال الدین احمد، شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء) کے نامور خلیفہ، معروف عالم اور چشتی سلسلہ کے صوفیہ مت سے تھے۔

شیخ جمال الدین کا تعلق پنجاب کے مشہور تاریخی قصبہ ہانسی (Hansi) سے تھا، آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے اولین خلفاء میں سے تھے، شیخ اور مرید کے مابین بڑی موانست تھی، حضرت گنج شکر ان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے (سیر الاولیاء ۱۷۸، اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو فی کی اولاد میں سے تھے (اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴) شیخ جمال الدین بہت ذی علم بزرگ تھے ان سے کئی علمی حکایات و احادیث شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) نے اپنے ملفوظات میں روایت کی ہیں (نوائد الفوائد ۷۸، ۹۱، ۹۲، جوامع الکلم ۲۳۳)۔

شیخ جمال الدین جو ایک بڑے خطیب بھی تھے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے منسلک ہونے کے بعد مال و اسباب و خطابت سب کچھ ترک کر دیا اور ریاضت و مجاہدہ میں معروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۶۸) آپ سات مرتبہ ہانسی سے اپنے شیخ سے ملاقات کے لیے پاک پٹن (اجودھن) (Ajodhan) گئے (نوائد الفوائد ۷۸) حضرت گنج شکر کے ساتھ محبت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ آپ جس کو خلافت نامہ دیتے تو کہتے کہ اس کی تصدیق شیخ جمال الدین احمد سے کروالو۔ (سیر الاولیاء ۱۷۹)

حضرت گنج شکر اکثر فرماتے تھے کہ ”جمال جمال ماست“ (ایضاً ۱۷۸) ایک مرتبہ معروف شیخ طریقت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت گنج شکر سے کہا کہ میرے سارے مرید لے لو اور شیخ جمال الدین ہانسوی مجھے دے دو، لیکن شیخ نے انکار کر دیا (گلزار ابرار ۵۴)

شیخ جمال الدین احمد کا سال وصال معلوم نہیں ہے اور نہ ہی معاصر و قریب العہد تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے تھا، شیخ جمال الدین اپنے شیخ حضرت گنج شکر کے وصال ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء

سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (سیر الاولیاء ۱۸۲-۱۸۳)، حدود ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء کو (خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۸۶) ان کا مزار ہانسی میں ہے۔

شیخ جمال الدین احمد کے دو فرزند تھے اول مجذوب تھے اور دوسرے مولانا برہان الدین صوفی اپنے والد کے وصال کے وقت جواں سال تھے لیکن اس کے باوجود حضرت گنج شکر نے انہیں خلافت سے نوازا اور شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے کی ہدایت کی۔ (سیر الاولیاء ۱۸۳)

معروف شیخ طریقت شیخ قطب الدین منور (ف ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء) انہی مولانا برہان الدین صوفی کے صاحبزادے تھے، جن کی خانقاہ ہانسی میں مرجع خلافت اور عوام کی رشد و ہدایت کا منبع تھی، سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۳۵-۱۳۵۱ء) نے دو گاؤں (Doganun) کا علاقہ بطور مدد معاش ان کو دیا جو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (سیر الاولیاء ۳۵۰-۳۵۱) سلطان ہانسی گیا تو انہیں اپنے دربار میں طلب کیا، پھر دہلی حاضر ہونے کا حکم دیا، ملاقات ہونے پر بادشاہ ان سے متاثر ہوا اور انہیں ایک لاکھ تکہ بطور نذر بھیجا، شیخ نے ان میں سے صرف دو ہزار رکھ لیے باقی واپس کر دیئے (ایضاً ۲۵۵، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۷۰-۳۷۲) شیخ قطب الدین منور کے ایک فرزند نور الدین بھی تھے جو سلطان سے ملاقات کے وقت ان کے ہمراہ تھے۔ (ایضاً ۳۷۱)

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی کی ایک عربی تصنیف ٹہمات ہے جو صوفیانہ اقوال اور نصائح پر مشتمل ہے۔ ہر قول "یا احمد" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ کو الور سے پھر دہلی سے ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی، تیسرا ایڈیشن مع احوال و آثار سردار علی احمد نے مرتب کیا جو لاہور سے ۱۹۸۵ء کو طبع ہوا۔

شیخ جمال الدین فارسی کے شاعر بھی تھے اور جمال تخلص کرتے تھے، موصوف صاحب دیوان شاعر تھے آپ کا دیوان دو ضخیم جلدوں میں مطبع چشمہ فیض، دہلی سے ۱۸۸۹ء میں طبع ہوا تھا۔ جلد اول غزلیات اور دوم رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا ایک عمدہ خطی نسخہ ایسالاہ یونیورسٹی (University of

Uppsala) میں محفوظ ہے۔ (Life and Times of Sh. Farid ud din p 70)

صاحب ہفت اقلیم نے ہانسی کے اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ جمال الدین خطیب کا بھی ذکر کیا ہے (۳۴۹/۱)، شعراء کے دوسرے تذکروں میں سے مولف مخزن الغرائب (۵۰۱/۱) اور مولف روز روشن (ص ۱۷۹) نے شیخ جمال کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

ماخذ

- ۱۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، تصحیح جواد فاضل، تہران، (سن)
- ۲۔ امیر خور: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ
- ۲۔ امیر حسن بجزی: فوائد القواد، مرتبہ محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۳۔ جمال، جمال الدین احمد ہانسوی: لمہات، الور، مطبع یوسفی، ۱۳۰۶ھ
- ۴۔ ایضاً: دیوان قطب جمال الدین، دہلی، مطبع چشمہ نفیس، ۱۸۸۹ء
- ۵۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۶۔ خادم، احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب، مرتبہ محمد باقر، لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۷۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء
- ۸۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، تہران، ۱۳۳۳ش
- ۹۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ
- ۱۰۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ سید محمد گیسو دراز، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۶ھ
- ۱۱۔ نظامی، سیتق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء
- ۱۲۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ادارۃ ادبیات دلی، ۱۹۸۰ء
- ۱۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، مطبع شرم ہند، ۱۸۷۳ء

۱۴۔ غوثی مائٹھوی: گلزار ابرار اردو ترجمہ فضل احمد جیوری، لاہوری، ۱۳۵۹ھ

- 15- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid ud Din Ganj Shakar, Aligarah, 1955
- 16- Ibid: Some Aspects of Religion and Politics in India During thinteenth century, Dehli 1974
- 17- Anjum, Tanwir: Chishti Sufis in the Sultanate of Dehli (1190-1400), Karachi, 2011

۱۲۲ اکتوبر ۲۰۰۳ء

برائی دال شامہ شہید قارہ

حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

شیخ بدر الدین غزنوی ساتویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ بدر الدین کا تعلق افغانستان کے مردم خیز خطہ غزنی سے تھا۔ ان کے والد بھی ایک صوفی بزرگ تھے

اور اس عہد کے معروف صوفی شیخ محمد اجمل شیرازی کے مرید تھے (سیر الاولیاء ۴۷۷)

ان کے اجداد اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ بدر الدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ غزنی سے لاہور چلے

آئے۔ جوانی میں بہت آباد اور بارونق تھا۔ (فوائد النواد ۴۳۲، سیر الاولیاء ۴۷۲)

شیخ بدر الدین غزنوی لاہور میں زیادہ عرصہ نہیں رہے ان کا دل چاہا کہ واپس غزنی چلے جائیں اور کبھی دہلی

جانے کا سوچتے تھے جہاں ان کا داماد رہتا تھا۔ آخر دہلی منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو خبر ملی کہ منگولوں

نے غزنی کو تاخت و تاراج کر دیا ہے اور قتل عام میں ان کے والدین و اقربا سب شہید ہو گئے ہیں (ہما نجا۔۔)

دہلی میں ان دنوں چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

(ف ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) دعوت و ارشاد میں معروف تھے، شیخ بدر الدین غزنوی بھی ان کے حلقہ ارادت میں شامل

ہو گئے۔ اور اپنے شیخ سے جب تک وہ زندہ رہے جدا نہ ہوئے (سیر الاولیاء ۶۱)

دہلی میں چشتی سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدر الدین غزنوی نے انجام

دیا۔

سلطان شمس الدین التمش (Altutnish) (۶۰۷-۶۳۳ھ / ۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کے عہد میں دہلی علماء

و مشائخ کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کی وفات کے بعد علم پروری کا سلسلہ باقی نہ رہا، شیخ بدر الدین غزنوی خواجہ قطب

الدین بختیار کے خلیفہ کی حیثیت سے بہت مقبول تھے ہی لیکن دہلی کے ان حالات میں جو سلطان کی وفات کے بعد

پیدا ہو گئے تھے شیخ بدر الدین غزنوی اپنے آپ کو جادہ توکل پر قائم نہ رکھ سکے اور جلد ہی نظام الدین خریطہ دار

(kharitahdar) سے منسلک ہو گئے جو چشتی بزرگوں کے طریقے کے خلاف تھا۔ اس نے شیخ کے لیے دہلی میں خانقاہ بنوائی جس میں شیخ کچھ عرصہ مصروف کار رہے لیکن جو نہی خریطہ دار پر گرفت ہوئی تو خانقاہ کی مالی امداد بند ہو گئی جس سے شیخ پریشان ہو گئے۔ (فوائد الفواد ۳۵۲-190, Religion and Politics in India, pp. 190-191)

چونکہ ان کا زیادہ وقت دہلی کی دعوتوں اور امر کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا تھا اس لیے سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ (فوائد الفواد ۳۵۳)

شیخ بدر الدین بڑے عالم اور واعظ تھے۔ دہلی میں ان کی مجلس وعظ میں شیخ فرید الدین گنج شکر، قاضی حمید الدین ناگوری، سید نور الدین مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین اور قاضی منہاج سراج جوزجانی (مؤلف طبقات ناصری) شریک ہوا کرتے تھے۔ (سیر الاولیاء ۳۷۲، آثار الکرام ۱۱، تاریخ مشائخ چشت ۱/۲۱۰، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۹)۔

شیخ بدر الدین غزنوی کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اپنا دیوان بھی مرتب کر دیا تھا۔ (سیر الاولیاء ۳۵۱) شیخ فارسی میں شعر کہتے تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی مجالس میں شیخ کے اشعار پڑھا کرتے تھے، چند اشعار بھی نقل کیے ہیں (فوائد الفواد ۲۵۵ و بعد) لیکن ان کے دیوان کے کسی نسخے کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے۔

شیخ بدر الدین سماع کے بہت دلدادہ تھے قاضی منہاج سراج جوزجانی کے ساتھ مجالس سماع میں وجد و حال کی کیفیات کا تذکرہ ملتا ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۰۲، کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین غزنوی نے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۶ء کو انتقال کیا (خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۸۵) اور اپنے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کی کے روضہ واقع دہلی میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۱۶۶) تقریباً ایک سو سال عمر پائی (کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین کے ایک خلیفہ شیخ امام الدین ابدال دہلوی تھے جو شیخ ضیاء الدین دہلوی کے خواہر زادے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ارادت مند تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ گہرے مراسم رکھتے تھے

۱۳۸۷ھ / ۱۳۸۷ء کو انتقال ہوا (کلمات الصادقین ۳۱، مرآۃ الاسرار ۲۲۳-الف) شیخ شہاب الدین عاشق، شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے۔ شیخ عماد الدین دہلوی بھی شیخ امام الدین کے مرید تھے لیکن خرقہ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے ملا تھا (مرآۃ الاسرار ۲۲۳، گلزار ابرار ۲۲، ۱۲۴)

شیخ عماد الدین مذکور کے ایک خلیفہ تھے شیخ تاج الدین امام، انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ”رسالہ حال خانوادہ چشت“ کے نام سے لکھی اس میں اس سلسلے کے صوفیہ خصوصاً شیخ بدر الدین غزنوی سے لے کر شیخ عماد الدین تک کے حالات تحریر کیے ہیں اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس خانوادے کے ایک اہم فرد کی تالیف ہے جس کے پاس تمام تر معلومات موجود تھیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے (تاریخ مشائخ چشت ۱ / ۲۱۲)

مآخذ

- ۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، اُردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور، ۱۹۸۰ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی (۱۱۵۰ھ) مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء
- ۵۔ حسن، امیر حسن بجزی دہلوی: فوائد الفوائد مرتبہ ملک محمد لطیف مع اُردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی، دہلی،

۱۹۹۱ء

- ۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- ۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان
- ۹۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دکن، ۱۹۶۲ء
- ۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۱۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

- ۱۲۔ محمد بلاق چشتی: روضۃ الاقطاب، دہلی، مطبع محب ہند (سن۔ن)
- ۱۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشتیہ ج اول، دہلی، ۱۹۸۰ء
- ۱۵۔ ایضاً: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء
- ۱۶۔ ایضاً: بدرالدین غزنوی، شیخ، مقالہ مشمولہ دانش نامہ جہان اسلام۔ تہران، ۱۳۷۵ ش
- 17- Nizami, K.A: Some Aspects of Religion and Politic in India, Dehli, 1974.
- 18- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in the Sultanate of Delhi, (1190-1400), Karachi, Oxford University Press, 2011.

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا شیخ بدر الدین اسحاق اور آپ کی کتاب اسرار الاولیاء

اسرار الاولیاء شیخ فرید الدین گنج شکر (۵۷۱-۶۶۳ھ / ۱۱۷۵-۱۲۶۵ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

جسے موصوف کے خلیفہ اور داماد مولانا بدر الدین اسحاق نے جمع کیا۔

ملفوظات کے اس مجموعہ میں کل ۲۲ فصلیں ہیں:

فصل اول، سخن در ذکر اسرار عشق اولیاء	فصل دوم در احوال معبدان و رویشان
فصل سوم سخن در علم لدنی	فصل چہارم سخن در ذکر توبہ و جزاں
فصل پنجم در ذکر خدمت بزرگان	فصل ششم سخن در ذکر توبہ، خرقہ و تلاوت قرآن
فصل ہفتم سخن در فضیلت سورۃ اخلاص	فصل ہشتم سخن در ذکر خرقہ فقر
فصل نہم سخن در ذکر کلیم و صوف	فصل دہم سخن در ذکر محبت و جزاں
فصل یازدہم در ذکر خوف و توکل	فصل دوازدہم سخن در ذکر طاقہ
فصل سیزدہم سخن در ذکر درویشی	فصل چہار دہم سخن در ذکر محبت و عداوت دنیا
فصل پانزدہم سخن در ذکر عقیدہ بزرگان	فصل شانزدہم سخن در ذکر رسیدن دست بزرگان
فصل ہفت دہم سخن در ذکر ایس طائفہ	فصل ہر دہم سخن در ذکر علماء و مشائخ و جزاں
فصل نوزدہم سخن در اساک باران	فصل بستم سخن در کشف و کرامت
فصل بست و یکم سخن در ذکر تعظیم پیر	فصل بست و دوم سخن در ذکر رنج و مشقت

اس مجموعہ ملفوظات میں بعض سنین بھی ملتے ہیں مثلاً پہلا ملفوظ ۱۸ شعبان ۶۳۱ھ کا ہے۔ اور اس میں

۶۴۳ھ تک سنہ ملتے ہیں یعنی اسی سال یہ مجموعہ مکمل ہو گیا۔

اسرار الاولیاء کے جامع مولانا بدر الدین اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی، دہلی کے ایک ذی علم بزرگ تھے انہوں نے مروجہ علوم کی تحصیل بطریق احسن کی تھی اور ذہن میں ایسے سوالات رکھتے تھے جن کا جواب ہندوستان کے علماء کے پاس نہیں تھا موصوف ان کے حل کے سلسلہ میں بخارا کے لیے رخت سفر باندھے جا رہے تھے کہ اجودھن پہنچے جہاں خواجہ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات ہوئی اور ان کے گرویدہ ہو گئے (سیر الاولیاء ۱۸۰-۱۸۱) خواجہ کی خدمت میں رہے خلافت یاب ہوئے اور پھر دامادی کا شرف بھی ملا جماعت خانہ میں خدمت کے علاوہ شیخ فرید الدین کے دیے ہوئے خلافت ناموں کی تحریر و تیاری کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ (ایضاً ۱۷۵)

شیخ فرید الدین کی وفات کے بعد ان کے تعلقات شیخ بدر الدین سلیمان کے ساتھ اچھے نہیں رہے تھے۔ اس لیے موصوف اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے جہاں۔ بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ (ایضاً ۱۷۱-۱۷۲) شیخ بدر الدین اسحاق نے عربی گرامر کی ایک عالمانہ کتاب تصریف بدری کے نام سے لکھی تھی۔ (ایضاً ۱۸۳) خواجہ نظام الدین اولیاء کے پاس اس کا ایک ایسا نسخہ تھا جو بخط مؤلف تھا (نظامی، خلیق احمد: لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۷۲)

شیخ بدر الدین اسحاق کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء نے جنہیں ان سے بڑی محبت تھی اور خواجہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے ان کے پس ماندگان کو دہلی بلا لیا جہاں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کروائی (سیر الاولیاء ۱۸۸)

شیخ بدر الدین اسحاق ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۲۰) اور اجودھن (پاک پتن) کی قدیم جامع مسجد کے صحن میں دفن ہوئے (اخبار الانبیاء ۶۷)

حقیقت یہ ہے اسرار الاولیاء کا شمار مشائخ چشت کے ملفوظات کے ان مجموعوں میں ہوتا ہے۔ جو غیر معتبر وضعی اور جعلی ہیں۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۷۵ھ / ۱۳۵۶ء) نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ (خیر المجالس ۵۲) اسی طرح اس سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز (ف ۸۲۵ھ / ۱۳۲۲ء) جب اجودھن پہنچے تو انہیں مولانا بدر الدین اسحاق کا مرتب کردہ یہ مجموعہ ملفوظات (اسرار الاولیاء) دکھایا گیا جسے دیکھ اور پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ مولانا بدر الدین اسحاق نے اس کو جمع نہیں کیا یہ محض "افترا" ہے۔ (جوامع الکلم ۱۳۴)

خواجہ گیسو دراز کی رائے سامنے آ جانے کے بعد اس میں کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ملفوظات محض وضعی ہیں۔ تاہم عہد حاضر کے بعض محققین نے اس بحث کو بہت طول دیا ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

سید عبد الباری معنی اجمیری نے ۱۹۲۳ء میں خواجگان چشت کے ان وضعی مجموعوں پر شدید تنقید کر کے انہیں جعلی ثابت کیا (تاریخ السلف ۶۳-۸۰)

پروفیسر محمد حبیب نے ۱۹۵۰ء میں اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ۱۹۵۵ء میں ان مجموعوں کو جعلی ثابت کیا۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۸-۱۲۰)

ڈاکٹر ثار احمد فاروقی اور اخلاق احمد دہلوی نے بھی اس طرف توجہ دلائی (نقد ملفوظات اور آئینہ ملفوظات) اس طرح ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک صباح الدین عبدالرحمن مرحوم اس جعل سازی طرف توجہ دلاتے رہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۰ء کے بعد اپنی رائے بدل لی اور معارف کے ذریعہ اور پھر بزم صوفیہ کے چوتھے ایڈیشن میں ان وضعی ملفوظات کے اصلی ہونے پر اصرار فرمانے لگے۔ (ص ۶۳۱، ۲-۶۹۶) ان کے دلائل خاصے کمزور اور قیاسی نوعیت کے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے سب سے زیادہ وقیع ہے کہ خواجہ گیسو دراز کے اس قول کے سامنے آ جانے کے بعد کہ اسرار الاولیاء کا شیخ فرید الدین گنج شکر اور مولانا بدر الدین اسحاقی سے انتساب محض افترا ہے۔ بحث کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اسرار الاولیاء کی طرف توجہ کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۹)

اسرار الاولیاء کا فارسی متن کئی بار مطبع نوکسور سے چھپ چکا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی لاہور سے ملک فضل الدین نے شائع کیا تھا۔

ماخذ

۱- امیر حسن بجزی: فوائد الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء

۲- میر خور دکرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ

- ۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی، دہلی ۱۲۹۵ھ
- ۴۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین، دہلی ۱۳۱۱ھ و اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۸۳ء
- ۵۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ گیسو دراز) حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ
- ۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ چراغ دہلی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء
- ۷۔ بدر الدین اسحاق: اسرار الاولیاء۔ نوکشتور، لکھنؤ
- ۸۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الانبیاء، دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۹۔ علی اصغر: جواہر فریدی، لاہور ۱۸۸۳ء
- ۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۲۷۵ھ
- ۱۱۔ معنی، عبدالباری اجمیری: تاریخ السلف، آگرہ ۱۳۴۳ھ
- ۱۲۔ فاروقی، ثناء احمد: نقدِ ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء
- ۱۳۔ اخلاق حسین دہلوی: آئینہ ملفوظات، دہلی ۱۹۹۰ء
- ۱۴۔ صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۸۳ء
- 15- Habib, M: Chishti Mystics Records of the Sultanate period, Medieval India, Quarterly, Aligarh, Vol.I no. 2, 1950 (oct)
- 16- Ibid: Politics and Society During the early Medieval period (collected works of Prof. Muhammad Habib) ed. K.A Nizami, Delhi, 1981.
- 17- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid-ud-din Ganj-i-Shakar, (rep) Lahore, 1980.
- 18- Lawrence, B: Notes from a Distant Flute, Tehran, 1978.
- 19- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in The Sultanate of Delhi, (1190-1400) Karachi, 2011.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

امیر خرد اور سیر الاولیاء

پاکستان و ہند کے بیشتر مورخین ایرانی نظریہ تاریخ سے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخوں میں صرف بادشاہوں کے حالات اور جنگی مہمات کی تفصیل ملتی ہے۔ عوام کی زندگی اور ان کے مسائل کی کہیں کوئی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ مشائخ کے تذکرے، مکتوبات اور ملفوظات ہمارے تاریخی مآخذ کی اس تکلیف دہ کمی کو ایک حد تک پورا کر دیتے ہیں ان سے نہ صرف صوفیہ کی زندگی اور ان کے افکار و نظریات ہی پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ اس دور کی ذہنی فضا، معاشی حالات، ادبی تحریکات اور سماجی رجحانات کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے ان مآخذ میں عوام کے دلی جذبات، ان کی پوشیدہ آرزوئیں کشمکش حیات میں ان کی ہارجیت، ان کی مایوسیاں اور پریشانیاں سب ہی محفوظ ہو گئی ہیں، روزمرہ کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے کے متعلق ان مشائخ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ گویا ملفوظات میں جگہ جگہ اس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے اس دور کی بڑی دلچسپ تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے، تصوف کے اس لٹریچر کو غور سے پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان و ہند میں تصوف کی تحریک کن حالات میں اور کن دائروں میں رہ کر آگے بڑھی اور اس نے کیا کیا نتائج پیدا کیے۔

بادشاہوں، شہزادوں اور امراء کی زندگی کے بعض گوشوں سے متعلق بھی اس لٹریچر میں دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔ ان کے مشائخ و علماء سے روابط اور ان تعلقات کی نوعیت بھی معلوم ہو جاتی ہے جو سلاطین و مشائخ کے مابین تھے۔ دوسرے الفاظ میں سلاطین کے مذہبی رجحانات کا اندازہ صرف اسی لٹریچر سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ مختلف زبانوں کی نشوونما میں جو کردار صوفیہ کرام نے ادا کیا ہے وہ شعراء سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ جس کی تفصیل تصوف کے اس لٹریچر سے ملے گی صوفیہ کرام نے عوامی زبانوں سے واقفیت پر خاص زور دیا ہے۔ اس کے بغیر ان کی تحریک عوام تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔

صوفیہ نے سماج کے صحت مند عناصر کو ابھارنے اور اخلاقی قدروں کی فضیلت دل نشین کرانے کے سلسلہ میں جو جدوجہد کی، احترام انسانیت کی تلقین، مساوات و اخوت کی تعلیم، ترویج علم کی فکر، خدمتِ خلق کے لیے بے چینی کی تفصیلات ملفوظات کے ہر صفحے پر ملتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک (خصوصاً پاکستان و ہند) کی کوئی سماجی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی، جب تک صوفیہ کے تذکرے اور ملفوظات سے پورے طور پر استفادہ نہ کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ عہدِ حاضر کے مورخین کو اس اہم مواد کی اہمیت معلوم ہو گئی ہے۔ اس باب میں جس جدید مورخ نے صوفیہ کے لٹریچر سے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے وہ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی^۱ ہیں، جنہوں نے کما حقہ اس کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے مثبت نتائج اخذ کیے ہیں، جو عہدِ حاضر کے مورخین کے لیے خاصے قابلِ توجہ اور پرکشش ہیں، ان کی تقلید میں نہ صرف پاکستان و ہند بلکہ یورپ میں بھی اس سے استفادہ کیا جانے لگا ہے۔ پاک و ہند میں مشائخِ کرام کے ملفوظات جمع کرنے کی تاریخ کا آغاز ۱۷۰۷ء / ۱۳۰۷ء میں فوائد الفوائد (ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) سے ہوا۔ امیر حسن بھڑی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کامیاب تجربے نے دوسرے معاصرین کو اس طرف متوجہ کیا۔ اور آج سے لے کر ٹئیز (بہار) تک ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گویا رفتہ رفتہ ملفوظ نویسی خانقاہی نظام تعلیم و تربیت کا ایک اہم جز بن گئی۔

ملفوظات کے بعد پاک و ہند میں مشائخ کے جو باقاعدہ تذکرے لکھے گئے ان کا آغاز مولانا محمد بن مبارک کرمانی کے تذکرہ سیر الاولیاء سے ہوتا ہے اس کے بعد عرصہ تک جو تذکرے مرتب ہوتے رہے ان کے مصنفین نے انہیں فقط ایک سلسلہ طریقت کے مشائخ کے حالات پر مرکوز کیے رکھا۔ پھر حدود ۱۸۳۰ء / ۱۳۲۶ء میں

۱۔ خلیق احمد: "ملفوظات کی تاریخی اہمیت" مقالہ مطبوعہ نذر مرثیہ۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء۔ ص ۳۵-۳۷۔ یہ تمام معلومات (چہ تحریر قلمی) اسی گراں بہا مقالہ سے لے لی گئیں۔

۲۔ پروفیسر خلیق احمد خلیفہ مدظلہ کا تعلق مسلم راجہ، راجپوتی علی گڑھ (بھارت) سے ہے۔ موصوف حدود تحقیقی تاالیفات کے مالک ہیں۔ ان میں ملاطین دہلی کے مذہبی معاملات، تاریخ

مشائخ چشت، حیاتِ فیض مہد الحق محدث دہلی، غیر الہامی (تحقیقی و تنقیدی متن قدسی)، ہانڈریڈ (انگریزی) اور ان پر اردو و انگریزی میں حدود تحقیقی مقالات بھی موصوف شائع کر

چکے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خلیق احمد خلیفہ صاحب کا مذکورہ مقالہ "ملفوظات کی تاریخی اہمیت"۔

لطائفِ اشرفی (ملفوظات و حالات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنائی) میں ایک مستقل باب کے ذریعہ تمام مروجہ سلاسل کے صوفیہ کے حالات لکھ کر متعارف کرایا گیا۔ جس سے پاکستان و ہند کی تاریخ میں عمومی تذکرہ نویسی کا آغاز ہوا۔ جس کا پہلا نقش مولانا جمالی کی سیر العارفین (حدود سے ۱۳۷۷ھ / ۱۵۳۰ء) کی صورت میں ابھرا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اخبار الاخیار (۱۳۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لکھ کر تذکرہ نویسی کے حق میں جس انقلاب، تبدل، تجدّد اور تحقیق کی طرح ڈالی، اس سے اس علم کو باقاعدہ سائنسی علم کا درجہ حاصل ہو گیا۔

آئیے اس پس منظر میں کتاب حاضر یعنی سیر الاولیاء کی اہمیت و افادیت کی ایک جھلک ان اوراق میں دیکھیں۔

امیر خورد

سیر الاولیاء کے مؤلف کی حیثیت سے دنیائے تصوف میں نیک نامی اور شہرت رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ سیر الاولیاء میں مختلف مقامات پر اپنے بارے میں جو اشارات ملتے ہیں ہم انہیں یک جا کر کے ان کی زندگی کا خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امیر خورد نے لکھا ہے:

”کاتبِ حروف بندہ و بندہ زادہ و پدر و جدِ این بندہ در سلکِ خدمتِ گارانِ این مشائخ کبار منسلک، بودہ اندو بہ نعتِ دینی و دنیاوی از حضرتِ این پاکانِ مخصوص گشتہ اند“

یعنی میں میرا بیٹا اور باپ دادا حضرت خواجہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ) کے

خدمت گاروں میں سے تھے۔

فرماتے ہیں کہ جب میری ولادت ہوئی تو میرے جد پدر سید محمد کرمانی جو کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں سے تھے اور مولانا شمس الدین دامغانی جو کہ میرے نانا اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہم سبق تھے، میرا نام تجویز کروانے کی غرض سے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں

گئے۔ سید محمد کرمانی نے کہا کہ اس بچے کا نام آپ رکھیں۔ آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے۔ اور ان کے دادا کا نام بھی محمد۔ اس لیے ہم اس خرد سال کا نام محمد تجویز کرتے ہیں۔

خود لکھتے ہیں کہ جب میں سن بلوغت کو پہنچا تو اپنی والدہ کی سعی جمیلہ اور جدِ مادر کی شفقت سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا:

”چوں بندہ بحد بلاغت رسید بسی جمیلہ والدہ بزرگوار رحمہ اللہ علیہا و بواسطہ شفقت جدِ مادر مولانا شمس الدین دامغانی رحمۃ اللہ علیہ بشرف ارادت حضرت سلطان المشائخ۔۔۔ بشرف گشت۔“

مصنف جب حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے دو بھائی سید لقمان اور سید داؤد بھی ہمراہ تھے۔ مولانا شمس الدین نے حضرت خواجہ سے عرض کی کہ سید مبارک کے فرزندوں کو اپنے کے حلقہ ارادت میں شامل کر لیں تو حضرت نے فرمایا کہ یہ میرے ہی فرزند ہیں:

”خدمت مولانا شمس الدین بندہ ربابہ و برادر سید لقمان و سید داؤد پیش برد۔۔۔ و ذکر این بندگان مولانا شمس الدین بدین عبارت کرد کہ پسران سید مبارک، دُعا گوزادگان مخدوم می خواہند کہ در سلک بندگان مسلک شوند و بہ شرف ارادت مشرف گردند حضرت سلطان المشائخ فرمود کہ مولانا مرا اینہا فرزندان اند۔“

بیعت کے بعد حضرت نے ان کے سر پر کلاہ باندھا اس وقت حضرت پر گریہ اس قدر غالب تھا کہ انہیں تلقین نہ کر سکے۔ لیکن ان کا اصل مقصد اپنے آباؤ اجداد کی سنت کے مطابق حضرت کے سایہ شفقت میں پرورش پانا تھا سودہ انہیں حاصل ہو گیا، لکھتے ہیں:

۱ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کا واسطہ گرامی اس طرح ہے۔ خواجہ محمد بن احمد بن خواجہ علی الحسینی بخاری ہمدانی (میناس ۳۵۶)

۲ میناس ۳۵۷

۳ میناس ۳۵۷

۴ میناس ۳۵۸

دستِ ارادت بندہ کمینہ رادا و کلاہ بر سر این بندہ نہاد فاما درین حالت حضرت سلطان المشائخ را گریہ چنان غالب شد کہ تلقین نہ کردند المقصود این بندہ در سایہ دیوار سلطان المشائخ بر سنت آباد اجداد پرورش می یافت

پرورش کا یہ زمانہ مصنف کا خاصا ابتدائے جوانی سے معلوم ہوتا ہے جبکہ وہ حضرت کی مجالس کے سخنان سمجھنے کا ادراک بھی نہیں رکھتے تھے، لکھتے ہیں:

”اگرچہ درک معانی در آں ایام چنداں نبود“

مؤلف حضرت سلطان المشائخ کے مدرسہ میں معروف علماء سے علم حاصل کرتے رہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”الغرض خدمت مولانا سراج الدین در کبر سن تعلم کرد و برابر کاتب حروف در آغاز تعلم میزاں و تصرف و قواعد و مقدمات او تحقیق کرد۔۔۔۔۔ و پیش مولانا رکن الدین اندہی برابر کاتب حروف کانہ و متصل و قدوری و مجمع البحرین تحقیق کرد و بمرتبہ افادت رسید“

دکن جانے سے پیشتر مؤلف سے کہا گیا کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے بیعت کر لو تو مؤلف نے جواب دیا کہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوں انہوں نے میرے سر پر کلاہ بھی باندھا تھا۔ لیکن مؤلف اس وقت ان سے بیعت نہ ہوئے، بعد میں حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

”مؤلف کے ایک معاصر و مستند تذکرہ نویس خواجہ نظام غریب یمنی لکھتے ہیں:

کہ در آوان جوانی و زمان غفوانی بامور اشغال روزگار و اعمال دیار اشتغال نمودہ ہمدراں ہنگام از اعلیٰ مراتب جاہ و جلال اعراض کردہ طریق مجاہدہ و سبیل مشاہدہ سپردہ وہ بہ حضرت سلطان المشائخ شرف حضور یافتہ و از اصحاب کبار و احباب نامدار مشارالہ و موی الہ گشتہ و خدمتی شایستہ و ملازمتی ہایستہ از وی برآمدہ“

۱۔ بیہام ۳۵۸

۲۔ بیہام ۳۵۹

۳۔ بیہام ۳۵۹

۴۔ بیہام ۳۶۱

۵۔ کام غریب یمنی: لائف اثری مطبوعہ مصرہ المطبعہ الدلی ۱۲۹۹ء ص ۳۶۵

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات کے بعد مؤلف نے حضرت خواجہ نظام الاولیاءؒ کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چرخیؒ دہلی سے تربیت حاصل کی:

بعد از دو (وفات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) در خدمت خلفاء او بودہ و از شیخ نصیر الدین محمود تربیت یافتہ“

مؤلف کے دیگر اعزہ بھی حضرت نظام الدین سے منسلک تھے۔ سید قطب الدین حسین کرمانی اور سید کمال الدین کرمانی انکے چچا تھے۔ جنہیں محمد بن تغلق نے مختلف عہدے دے کر مرکز سے منتشر کر دیا۔

سلسلہ چشتیہ کے حضرات کو جب جبراً دہلی سے باہر مثلاً دکن وغیرہ بھیجا گیا تو صاحب سیر الاولیاء بھی دولت آباد میں نظر آتے ہیں۔

پروفیسر محمد حبیب نے مؤلف کے پریشان کن بیانات سے اور غالباً ان کے نام کے ساتھ لفظ ”امیر“ کی مناسبت سے قیاس آرائی کی ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد کی سنت کے خلاف بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی، وہ لکھتے ہیں:

“Whether my conclusion that Amir Khurd's sin consisted in entering government service be correct or not, he insists that he returned to Delhi in a condition of mental worry and distraction”.

نیز ان کا خیال ہے کہ مؤلف نے دکن سے پہلے خواجہ نصیر الدین محمود کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف نو جوانی میں دہلی سے دکن گئے تھے۔

۱۔ عبدالحق محدث دہلویؒ: ائمہ و مشائخ، ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰

۲۔ تفصیل کے لیے پروفیسر ظفر احمد عسکری کی کتاب سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات کا مطالعہ کرنا چاہیے ص ۱۶۱، ۱۶۲

۳۔ محمد حبیب پروفیسر: محمد سلاطین میں مشائخ چشت کے طوکلکات، مقالہ شمول میڈیول انڈیا، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۹

۴۔ جینا

۵۔ بینا ص ۷

سال وفات

مؤلف کی زندگی کا یہ وہ خاکہ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب سیر الاولیاء میں خود پیش کیا ہے۔ اس کے بعد کی زندگی پر مکمل پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ مؤلف کا سال وفات بھی کسی معاصر یا قریب العہد تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔ کم از کم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الانبیاء کے لیے جن مآخذ سے استفادہ کیا ہے وہ ان کے سال وفات سے خالی ہیں۔ صرف مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم نے ایک نایاب کتاب شجرہ چشتیہ کے حوالے سے جس کا سال تصنیف بھی ہمیں معلوم نہیں ہے، صاحب سیر الاولیاء کا سال وفات ۷۷۰ھ لکھا ہے 'ایرانی فاضل سعید نفیسی نے ۱۳۴۴ ش / ۱۹۶۵ء میں اپنی کتاب تاریخ نظم و نثر در ایران و زبان فارسی کی جلد دوم میں ایک نکتہ کا اضافہ کیا ہے جس میں مؤلف سیر الاولیاء کا مختصر حال بھی لکھا ہے۔ 'ہمارا قیاس ہے کہ سعید نفیسی نے یہ حالات ستوری کی کتاب پر شین لٹریچر^۲ سے بغیر حوالہ ترجمہ کر کے شامل کتاب کر لیے ہیں۔ ستوری نے اس باب میں دو سنیں ۷۷۱ھ اور ۷۷۰ھ لکھے ہیں لیکن دونوں سنیں میں مرنے والوں کے نام کی بجائے

He died in 711/1311-12.....

..... He died in 770/1368-9.....

اب اگر سیاق و سباق کے ساتھ غور کیا جائے تو پہلے سال وفات سے مراد مؤلف کے والد سید مبارک اور آخر سنہ وفات خود صاحب سیر الاولیاء کا ہے دونوں سنیں میں چونکہ مرنے والوں کے نام درج نہیں تھے اس لیے نفیسی صاحب کو سہو ہو گیا اور انہوں نے موخر الذکر ۷۷۰ھ کو (جو غالباً طہاعت کی غلطی سے ۷۹۰ھ بن گیا ہے) لایعنی طور پر حالات کے درمیان لکھ دیا اور ۷۷۱ھ کو مؤلف کا سال وفات سمجھ لیا۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ مفتی غلام سرور کا درج کردہ سال وفات ۷۷۰ھ نفیسی کے مقابلہ میں زیادہ معتبر

ہے۔

۱۔ غلام سرور، مطلق لاہوری: تاریخ الانبیاء / ۳۶۶

ستوری: پرشین لٹریچر، ج ۱، حصہ دوم ص ۹۳۴-۹۳۱

۲۔ سعید نفیسی: تاریخ نظم و نثر در ایران، جلد دوم، مطبوعہ جہان ۱۳۴۴ ش / ۱۹۶۵ء

۳۔ ستوری کی پرشین لٹریچر کا جلد ۱، حصہ ۱، ۱۹۵۳ء میں لندن سے شائع ہوا تھا، نفیسی نے زبیر بخش عماد ۱۹۶۵ء میں لکھا۔

سیر الاولیاء

کتاب سیر الاولیاء دس ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تک اور باقی ابواب حضرت خواجہ کے خلفاء کے احوال و ملفوظات سے مملو ہیں۔ باب ششم تا دہم میں تصوف کے مختلف امور پر بحث و تحقیق ہے۔ یہ کتاب مؤلف نے کس سنہ میں لکھنی شروع کی اور پایہ تکمیل تک کب پہنچی اس کا مؤلف نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ تاہم انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی تالیف کے وقت میری عمر پچاس سال تھی۔ لیکن یہ حتمی ہے کہ انہوں نے اس کی تالیف کا آغاز فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ - ۷۹۰ھ، ۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) کے عہد میں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ وفات ۷۷۰ھ تک اس میں اصلاح و اضافہ کرتے رہے۔

آئیے ان مختصر تعارفی سطور کے بعد اس کا قدرے مفصل جائزہ لیں:

مشائخ چشت کے تذکروں اور ملفوظات میں سے فوائد الفوائد یا درر نظامی اور خیر المجالس کے بعد سیر الاولیاء کو خاص اہمیت حاصل ہے، مشائخ چشت کے مختلف ادوار میں سے دور اول کی سب سے زیادہ تفصیلات اسی سیر الاولیاء میں ملتی ہیں۔ صوفیہ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے اسے سند کے طور پر استعمال کیا ہے۔ معاصر اور قریب العہد تذکرہ نویسوں میں سے بعض کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

صاحب لطائف اشرفی جو حضرت اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی حدود ۸۳۰ھ) کے ملفوظات پر مشتمل ہے اس کے جامع حضرت نظام غریب یعنی ہیں۔ اس میں انہوں نے سیر الاولیاء سے استفادہ کیا ہے اور اسے ملفوظات کے دوسرے مجموعوں پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کم گشتگان کے لیے دل جمعی، مقصود کی رہنمائی کے لیے آئینہ اور معرفت کشائی کا جام ہے، لکھا ہے:

الفاظ متبرکہ و اقوال متوثرہ را جامع آمدہ اگرچہ اکابر دیگر و اماثر اصحاب ملفوظات شریف راجع بہترین ازین دست ندادہ کہ مقبول ہمہ طوائف و مامول ہمہ ظرائف شد و سبب ہدایت جمعی کم گشتگان بادیہ ضلالت و موجب رعایت زمرہ راہ نابر دگان وادیہ زلالت شدہ، بلکہ مقصد

اصحاب عرفان و موجد ارباب وجدان آمدہ آئندہ روی نمائی مقصود و جام معرفت کشای معبود گشتہ!

مولانا جمال دہلوی نے سیر العارفین میں جو ۹۳ھ کی تصنیف ہے۔ میں جابجا بجا سیر الاولیاء سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کے اقوال شامل کتاب کیے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنہوں نے اخبار الانبیاء خاصہ تحقیق و تنقید نقطہ نظر سے لکھی ہے، مشائخ چشت کے احوال کے لیے انہوں نے اس سے خاصا مواد نقل و اقتباس کیا ہے، بعض مقامات پر اس کے مندرجات کو ناقص بھی قرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت شیخ علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ جن کی شخصیت تذکرہ نویسوں کے ہاں متنازعہ فیہ ہے حضرت شیخ محدث نے سیر الاولیاء میں مندرج حالات شیخ صاحب کے بارے میں وضاحت کی ہے:

ذکر اور سیر الاولیاء اصلاً نہ کردہ وانچہ کردہ ہمیں شیخ صابر را کردہ براں نہی کہ در عنوان مذکور شد و ترک ذکر او خالی از غرابت نیست و تواند کہ مراد از شیخ صابر ہمیں شیخ علی صابر باشد؟

مولانا عبدالحق حسنی صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ مشائخ کے تذکروں میں سیر الاولیاء ایک بے نظیر کتاب ہے۔

لہ ارادہ نظیرا فی طبقات المشائخ۔۔۔۔۔

مؤلف اپنی دکن کی پریشان کن زندگی سے پورے ذہنی سکون کے ساتھ پاک و ہند کے چشتی صوفیہ کا تذکرہ لکھنے کے لیے قلم سنبھالتے ہیں۔ وہ اس باب میں خود خواجہ نظام الدین اولیاء کے بہت سے نجی کاغذات حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں اپنے ابتدائی ایام جوانی میں حضرت خواجہ کے بہت سے خلفا کی صحبت میسر آئی تھی۔ جب انہوں نے سیر الاولیاء لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کے والدین، اور چچا نے جو کہ حضرت خواجہ کے ”نزدیکان“ میں سے تھے، اور

۱۔ کام لیب مین: طائف، شری ۱/۳۵

۲۔ عبدالحق، محدث دہلوی، اہلہ و عہدہ ص ۶۶

۳۔ عبدالحق، صلی: نزہۃ الخواطر، ص ۱۶۰۔ دکن ۱۹۶۶ء، جلد ۱ ص ۳۵

اس عہد کی خاص یادداشتیں ان کے پاس تھیں جو انہوں نے مؤلف کے حوالہ کر دیں۔ اس طرح مکمل تیاری کے بعد امیر خورونے اپنا کام شروع کیا۔۔۔۔

فوائد الفوائد اور خیر المجالس سے تقابل کیا جائے تو سیر الاولیاء اپنی سادگی، سہل نویسی اور آسان پیرائیہ بیان کے اعتبار سے ان پر فائق ہے لیکن بیانات کی مضبوطی اور تقدم زمانی کے اعتبار سے سلسلہ چشتیہ کے دور اول کی تاریخ کے سلسلہ میں اول الذکر مآخذ زیادہ معتبر ہیں۔

مؤلف ہمیں بہت سی ایسی معلومات بہم پہنچاتے ہیں جو قابل اعتماد اور چشم دید گواہوں کے بیانات پر مبنی ہیں وہ حضرت خواجہ کے کئی جانشینوں اور خلفاء کو جانتے ہیں جن کے بیانات انہوں نے نہ صرف شامل کتاب کیے ہیں بلکہ بہت سے اضافات بھی کیے ہیں کہ انہوں نے دوسروں سے اس واقعہ کو اس طرح سنا ہے۔ انہوں نے فوائد الفوائد کا بہت سا مواد شامل کتاب کر لیا ہے۔

مؤلف کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات خیر المجالس سے واقفیت نہیں تھی۔ اگرچہ وہ سیر الاولیاء سے قبل مکمل ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے جامع مولانا حمید شاعر قلندر سے کبھی نہیں ملے۔ انہوں نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود کے جو ملفوظات سیر الاولیاء میں درج کیے ہیں وہ براہ راست ان کی اپنی شنید ہے۔ وہ خیر المجالس سے ماخوذ نہیں ہیں۔

گویا حضرت چراغ دہلی کے حالات و ملفوظات پر خیر المجالس کے بعد دوسرا معاصر ماخذ سیر الاولیاء ہے۔ سیر الاولیاء میں عہد سلاطین کے بہت سے سیاسی، سماجی اور معاشی اشارے ملتے ہیں۔ یہ نکات تاریخی اعتبار سے شک و شبہ سے پاک ہیں۔ وہیں سیاسی کتب تاریخ وہ سماجی زندگی کے آثار اور علماء و صوفیہ کے حالات سے کلیہً خالی ہیں۔ دراصل تذکرہ نویسوں نے تذکرہ نویسی کے فن کو بلاوجہ نہیں اپنالیا اور یہ خیال بھی خام ہے کہ صوفیہ نے اپنی مدح سرائی کے لیے اپنے ملفوظات مرتب کروائے اور اپنے حالات پر تذکرے لکھوائے۔ بلکہ تذکرہ نویس شعوری طور پر سیاسی کتب تاریخ کی اس ناانصافی کو محسوس کر چکے تھے کئی تذکرہ نگاروں نے واضح الفاظ میں اس کی

شکایت بھی کی ہے مثلاً محمد غوثی شطاری نے گلزار ابرار (۱۰۲۳ھ) میں قاضی منہاج سراج کی طبقات ناصری میں اس وقت کے علمی اور مذہبی حالات سے کلیۃً اجتناب کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

سیر الاولیاء میں جو بہت اہم سیاسی نکات درج ہوئے ہیں ان میں محمد بن تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کی دکن پالیسی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ محمد بن تغلق کی اس پالیسی سے دہلی کے علماء و مشائخ کی مرکزیت و اجتماعی حیثیت کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ خصوصاً سلسلہ چشتیہ کی مرکزیت ختم کرنے کے لیے اس نے اس سلسلہ کے اکابر کو جبراً سیاست میں آلودہ کر کے دور دراز مقامات پر بھیج دیا جس سے سلسلہ چشتیہ کا ابتدائی دور مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گیا، سلسلہ چشتیہ کے صوفیہ کے تذکروں میں اس کے اس رویہ پر بڑی کڑی تنقید کا سبب بھی یہی ہے۔ پیش نظر کتاب سیر الاولیاء میں بھی اس قسم کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ جن کا مطالعہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے لطف سے خالی نہیں ہو گا۔

سیر الاولیاء کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں جن کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔

مسٹر سی اے سٹوری کی کتاب پرشین لٹریچر^۱۔
سیر الاولیاء کا فارسی متن ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں پہلی مرتبہ چرنجی لال کے اہتمام سے مطبع محب ہند دہلی سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن متن کی ان گنت غلطیوں سے بھرا ہوا ہے، کئی جگہ مطلب کی تہ تک پہنچنا اسی لیے دشوار ہو جاتا ہے کہ اسے بغیر کسی تنقیدی نظر سے اور متن کو ایک ماہر زبان کی تصحیح کے بغیر ہی شائع کر دیا گیا تھا۔۔۔ ۱۹۷۸ء میں اسی مذکورہ ایڈیشن کو مکتبہ المعارف لاہور نے عکسی صورت میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے تعاون سے شائع کر دیا ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اہم کتاب کا ایک تحقیقی و تنقیدی ایڈیشن مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

اس کا ایک اردو ترجمہ جو اسی مذکورہ اشاعت اول پر مبنی ہے۔ اب اس کو مکتبہ الکتاب لاہور نے بصورت عکس ۱۹۸۲ء میں شائع کر دیا۔ اس کا دوسرا اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی نے کیا جو اردو سائنس بورڈ، لاہور سے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا گیا۔

۱. قاضی، غلیظ احمد، سلاطین دہلی کے مذہبی و علمی حالات۔ دہلی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۶

۲. جلد اول حصہ دوم ص ۳۳ مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء

سیر الاولیاء کا ایک تکملہ بھی لکھا گیا تھا۔ جو خاصا اہم ہے۔ یہ ذیل فارسی میں خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے۔ جو مطبع رضوی دہلی سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوا۔

۲۷ جون ۱۹۷۸ء

(مقدمہ سیر الاولیاء، اردو ترجمہ از غلام احمد بریاں)

دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت شیخ انخی سراج

شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ انخی سراج، شیخ نظام الدین اولیاء کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ مرکز دہلی کے بعد چشتی سلسلہ کی جو شاخیں صوبوں میں قائم ہوئیں ان میں مرکز بنگال میں سلسلہ چشتیہ کے موسس یہی خواجہ انخی سراج تھے۔

شیخ انخی سراج اپنے آبائی قصبہ لکھنؤ مشہور بہ گور سے دہلی گئے تھے (اخبار الاخبار ۸۶) لکھنؤ کی گور کا قدیم نام ہے (امپریل گزیٹر آف انڈیا ۲/۱۸۸) اس گور کے قصبہ پنڈوہ سے شیخ انخی سراج کا تعلق تھا، پنڈوہ انگلش بازار سے ۱۱ میل دور گور سے ۲۰ میل پر واقع ہے۔ (چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ۸۳) کنگھم نے اسے حضرت پنڈوہ اس لیے لکھا ہے کہ اسے پنڈوہ واقع ہنگلی ڈسٹرکٹ سے ممتاز کیا جاسکے (پبلیکیشن جیو گرافی آف انڈیا) پنڈوہ کو یروز آباد میں بھی کہا جاتا ہے۔ پنڈوہ ناصر الدین محمود شاہ (۱۳۴۲-۱۳۵۹ء) کے عہد تک بنگال کا صدر مقام رہا ہے۔ (میمورز آف گور اینڈ پنڈوہ ص ۹۴)۔

دہلی میں غنواں شباب سے ہی شیخ انخی سراج حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسلک ہو گئے تھے ان کی تعلیم و تربیت خانقاہ خواجہ نظام الدین میں ہی ہوئی۔ مولانا فخر الدین زراوی کی خدمت میں تحصیل علم کے بعد مولانا رکن الدین اندہتی کے حضور غیاث پور میں کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ مولانا زراوی نے شیخ انخی سراج کے لیے صرف کی کتاب تالیف کی اور ان کے نام کی نسبت سے اس کا نام عثمانی رکھا (اخبار الاخبار ۸۷، مرآۃ الاسرار ۱۷۹ الف) جب شیخ انخی سراج زیور علم سے ایسے آراستہ ہوئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے انہیں آمینہ ہندوستان کا لقب دیا (مرآۃ الاسرار ۱۷۵ اب)

شیخ انخی سراج کے زمانے یعنی چودھویں صدی عیسوی میں بنگال میں سیاسی بے چینی پورے عروج پر تھی بنگال کا تعلق سلاطین دہلی سے نہ تھا (طبقات اکبری ۳/۶۲-۶۱) ۱۳۳۸ء میں دہلی کی حکومت سے جب اس

کا تعلق منقطع ہوا تو الیاس شاہ (۱۳۳۲-۱۳۵۷ء) نے لکھنؤ کی اور سنار گاؤں پر قبضہ کر لیا اور الیاس شاہی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کا محمد بن تغلق کے ساتھ معاہدہ بھی ہو گیا تھا۔ الیاس شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ (۱۳۵۷-۱۳۸۹ء) جانشین ہوا اسی سال یعنی ۱۳۵۷ء میں انخی سراج انتقال کر گئے (۵۷۸ھ/۱۳۵۷ء) (خزینۃ الاصفیاء/۳۵۸)

بنگال کی اس عہد کی بدلی ہوئی فضا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (ریاض السلاطین، سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال ۲ جلد)

ان حالات میں جب سلطان محمد بن تغلق نے علماء و مشائخ کو دہلی سے دور دراز مقامات پر بھیجنا چاہا تو شیخ انخی سراج نے اپنے آبائی علاقے پنڈوہ کی طرف سفر اختیار کیا (مرآۃ الاسرار ۷۵ اب)۔ اس سیاسی و سماجی فضا میں شیخ انخی سراج نے سلسلہ چشتیہ کی ترویج کا آغاز کیا۔ موصوف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا اجازت نامہ اور ان کے کتب خانہ سے چند کتابیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ بقول امیر خور و بنگال میں نہ صرف چشتیہ سلسلہ بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن اور تبلیغ انہی کے ذریعے ہوئی اور ان کے مریدین کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا کہ بنگال کے سلاطین بھی ان کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے (سیر الاولیاء ۲۸۹-۲۹۰ مرآۃ الاسرار۔ برگ ۷۶ اب)

کئی نامور اصحاب ان کے خلفاء میں شمار ہوئے ان میں سب سے زیادہ مشہور شیخ علاء الحق بن اسعد بنگالی ہیں۔ وہ صاحب ثروت بزرگ تھے شیخ انخی سراج سے اتنے متاثر ہوئے کہ پنڈوہ میں ایک ایسی عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی جس میں دور دراز سے لوگ کھینچے چلے آتے تھے۔ شیخ علاء الحق کے بعد ان کے خلفاء خصوصاً شیخ نور قطب عالم اور سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس سلسلے کو بہت ترقی دی۔

اس عہد میں بنگال کی سیاسی صورت حال بڑی کشیدہ تھی راجہ کنس (ضلع راج شاہی کا جاگیر دار) بنگال کے تخت پر قابض ہو کر عوام پر ظلم و ستم کرتا تھا۔ شیخ نور قطب عالم نے خود اور پھر سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملے کی دعوت دی۔ شیخ سمنانی کے مکتوبات میں اس عہد کی سیاسی کشیدگی کی جو تفصیلات ملتی ہیں وہ عوامی زندگی کے کرب کی آئینہ دار ہیں (مکتوبات اشرفی۔ خطی نسخہ برٹش میوزیم اسی طرح لطائف اشرفی (ملفوظات شیخ اشرف جہانگیر) خاص طور پر ان حضرات کی مساعی جیلہ کی عکاسی کرتی ہے۔

شیخ نور قطب عالم کے مکتوبات کا مجموعہ بھی مرتب ہوا تھا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس مجموعہ کی بہت تعریف کی ہے۔ (اخبار الاخیار ۷۵)

اگر بنگال میں شیخ نور قطب عالم کی تبلیغی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ان کا مشن اسلام بھگتی تحریک کے مقابلہ میں زیادہ موثر معلوم ہوتا ہے ضرورت ہے کہ چیتنیا روپا، سناتن، جہواگو سوامی کے افکار سے ان حضرات کی تعلیمات کا تقابلی خاکہ عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ کہ کس طرح بھگتی تحریک کے مقابلہ میں ان حضرات نے اسلام کی لازوال تعلیمات اور مساوات کا نمونہ پیش کر کے اسلام کی سر بلندی کے لیے اقدام کیا۔ (چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ص ۸۳-۸۴)

شیخ انجی سراج اپنی خانقاہ پنڈوہ میں مدفون ہیں (اخبار الاخیار ۸۶، چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ص ۸۳)

ماخذ

- ۱- نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی۔ دہلی ۱۲۹۵ھ
- ۲- عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۳- مانڈوی، محمد غوثی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار۔ لاہور ۱۳۹۵ھ
- ۴- عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار۔ خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کونسل پاکستان
- ۵- امیر خور و کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ
- ۶- نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۵ء
- ۷- سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین، کلکتہ ۱۸۹۰ء
- ۸- غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۲۹۰ھ
- ۹- خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت۔ جلد اول، دہلی ۱۹۸۰ء
- 10- Ghulam Rasool: Chishti Nizami Sufi Order of Bengal, Delhi, 1990
- 11- Imperial Gazetteer of India, Oxford, 1990
- 12- Cunningham: Ancient Geography of India, Calcutta 1924
- 13- Abid Ali: Memoris of Gaur and Pandua, Calcutta. (N.D)
- 14- M. Abdur Rahim: Social and Cultural History of Bengal, Karachi 1963.
- 15- Nizami, K.A: life and Times of Sh. Nizamuddin Aulya, Delhi, 1993.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

مولانا جمال الدین دہلوی

مولانا جمال الدین دہلوی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے مرید و خلیفہ تھے، مولانا جمال الدین کے حالات عمومی اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، سیر الاولیاء میں صرف اس قدر منقول ہے کہ وہ بہت عابد، زاہد اور متقی صوفی تھے، علوم ربانی میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، توجہ باطنی میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ مولانا جمال الدین پر ایسا وقت اور لحاظ بھی آتے کہ انہیں حق کے سوا کچھ یاد نہ رہتا۔۔۔ (سیر الاولیاء ۳۰۵، مرآۃ الاسرار، خطی برگ ۲۷۸ ب)

شیخ جمال الدین کمال درجہ کے استغراق و استہلاک کی صفت سے موصوف تھے (کلمات الصادقین ۷۲) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں صرف ایک بار ۱۵ ذی قعدہ ۷۰۷ھ کی مجلس نیم میں مولانا جمال الدین کا ذکر آیا ہے (فوائد الفوائد ۱۸) جس میں آپ کے مریدین کی ایک جماعت جن میں مولانا وجیہ الدین پٹلی، مولانا حسام الدین حاجی اور مولانا تاج الدین بھی حاضر خدمت تھے، اس کے بعد حضرت خواجہ کی کسی مجلس میں مولانا جمال الدین کا ذکر نہیں آتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا اسی سال ۷۰۷ھ / ۱۳۰۸ء کے حدود میں فوت ہو گئے ہوں گے۔

سیر الاولیاء سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ مولانا جمال الدین حضرت خواجہ کے حین حیات ہی وصال فرما گئے تھے (سیر الاولیاء ۳۰۵) اس روایت کو بغیر کسی حوالے کے عبدالرحمن چشتی نے بھی بیان کیا ہے (مرآۃ الاسرار، ورق ۲۷۸ ب) مولانا محمد صادق دہلوی اور حبیب اللہ نے بھی یہی لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کی ہے کہ شیخ جمال الدین کا مدفن درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار (دہلی) میں ہے (کلمات الصادقین ۷۲، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۵۸)

پروفیسر خلیق احمد نظامی جنہوں نے سلسلہ چشتیہ کی تاریخ اور افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہے، حضرت خواجہ کے خلفاء کی تین اقسام بتائی ہیں ان میں دوسرے درجہ کے خلفاء کی فہرست میں مولانا جمال الدین کا نام درج کیا ہے۔
(Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya p. 164)

ماخذ

- ۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد القواد مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ
- ۳۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۴ء
- ۴۔ عبدالرحمن چشتی: مراۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان
- ۵۔ محمد صادق دہلوی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- 6- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya, Delhi, 1991.

۱۹ مارچ ۲۰۰۳ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین غریب ہانسوی

شیخ برہان الدین غریب آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور صوفی تھے۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود ہانسوی ۶۳۵ھ / ۱۲۵۶ء کو ہانسی (Hansi ضلع ہریانہ Haryana) میں پیدا ہوئے، حدود ۶۹۳ھ / ۱۳۹۳ء کو خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۲۲۵ء) سے بیعت ہوئے۔ آغاز شباب سے ہی ذکر اور عبادت کی طرف رجحان تھا، ان کے ساتھیوں اور قریبی دوستوں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، امیر خسرو اور امیر حسن (جامع فوائد الفوائد) نے ان کی تعلیم و تربیت اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے حضور باریابی میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنے شیخ کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔ ایک بار ان کے مرشد ان سے ناراض ہوئے تو ان دوستوں نے معافی دلوائی اور انہیں کی سعی سے انہیں خواجہ نظام الدین اولیاء سے خلافت ملی (سیر الاولیاء ۷۹۹-۲۸۰، لطائف اشرفی ۱ / ۳۵۷، سیر العارفین ۱۲۸، اخبار الاخبار ۹۷، مرآۃ الاسرار ۲۷۲ ب)

خواجہ نظام الدین اولیاء نے ان کی دنیا سے بے رغبتی کے باعث انہیں غریب کا خطاب دیا تھا۔ (روضۃ

الاولیاء ص ۱۱، مرآۃ الاسرار ۲۷۳-الف)

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۰-۷۲۵ھ / ۱۳۲۰-۱۳۲۵ء) نے دہلی کے علماء و مشائخ کو حکم دیا کہ وہ

ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں جا کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیں اور وہیں بس جائیں (سلاطین دہلی کے مذہبی

رجحانات ۳۵۴-۳۷۳) اس سلسلے میں جن مشائخ نے دکن کا رخ کیا ان میں شیخ برہان الدین غریب بھی شامل ہیں۔

وہ دکن کے معروف قصبہ دیوگیر (Dewgir) میں جا کر بس گئے وہاں ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور دعوت و ارشاد کا

سلسلہ شروع کیا۔ یہ پہلے چشتی بزرگ تھے جنہوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا تھا (تاریخ مشائخ چشت ۱ / ۲۶۰)

ان کے دم قدم سے اس سلسلہ کو دکن میں بہت فروغ ہوا۔

خواجہ حماد کاشانی نے احسن الاقوال کے علاوہ حصول الوصول، منافع المسلمین اور اسرارِ طریقت بھی تالیف کی تھیں۔ (نقدِ ملفوظات ۹۳)

احسن الاقوال نہ صرف چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔ بلکہ اس میں عہدِ سلاطینِ دہلی کے معاشرے کی مذہبی اور سماجی تصویر کشی بھی بطریق احسن کی گئی ہے۔ (On sources and source material, p. 69-73)

احسن الاقوال کا فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ مطبع جہانگیر سہری، بمبئی سے ۱۳۴۲ھ کو شائع ہوا تھا۔ اس کے دو فارسی خطی نسخے ملتے ہیں ایک جامعۂ عثمانیہ کی لائبریری حیدر آباد، دکن میں اور دوسرا نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے۔ (Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya, p. 203)

۲۔ نفائس الانفاس:

خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا یہ مجموعہ فوائد القواد (ملفوظاتِ خواجہ نظام الدین اولیاء) کے تتبع میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں تاریخ و سنہ وار شیخ کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز رمضان ۷۷۲ھ سے ہوتا ہے اور شیخ حماد بن عماد کاشانی مذکور کی وفات ۷۶۱ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (روضۃ الاولیاء ص ۹)

اس مجموعہ کے جامع خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی (برادر شیخ حماد مذکور) ہیں انہوں نے شیخ غریب کے احوال و ملفوظات پر ایک اور کتاب شامک الاتیقاء کے نام سے بھی مرتب کی تھی۔ نفائس الانفاس فارسی نثر میں ہے۔

نفائس الانفاس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے۔ (On sources and source material, p. 70)

۳۔ شامک الاتیقاء:

یہ بھی شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع بھی خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی (برادر خواجہ حماد مذکور) ہیں یہ مجموعہ چہار اقسام پر مشتمل ہے۔ ہر قسم میں چند ”بیان“ باب ہیں۔

قسم اول افعال حسنہ اصحابِ طریقت و مقاماتِ سالکان (درہ نگاہ و یک بیان)

دوم در بیانِ اربابِ حقیقتہ از انبیاء و بالخصوص اولیاء (درسی بیان)

سوم در اوصاف و کیفیت الوہیت۔۔۔۔۔

چہارم در صفات مہتر آدم و فضائل آدمیان۔۔۔

شماکل الاتقیاء فارسی نثر میں ہے۔ جاہجافارسی اشعار بھی نقل ہوئے ہیں۔ اس کا متن اشرف پریس، حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۷ھ کو چھپا تھا۔ پاکستان میں موجود خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فہرست مشترک ۳/

۱۶۶۷

مولانا برہان الدین غریب کے ملفوظات و مناقب پر دو اور کتابوں یعنی غرائب الکرامات و عجائب الکاشفات اور بقیۃ الغرائب کے نام بھی ملتے ہیں یہ دونوں کتابیں مولانا حماد مذکور کے ایک اور بھائی مولانا محمد الدین کاشانی نے مرتب کی تھیں۔ (روضۃ الاولیاء ص ۹)

مآخذ

- ۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی: روضۃ الاولیاء (تذکرہ مدفونین خلد آباد)، مطبع خیر، اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکز تحقیقات، فارسی، ۱۹۷۸ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۷۶ء
- ۴۔ دبیر، رکن الدین کاشانی: شماکل الاتقیاء، حیدر آباد، دکن، اشرف پریس، ۱۳۳۷ھ
- ۵۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۶۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ
- ۷۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن ج ۳ ۱۹۵۹ء
- ۸۔ عصامی: فتوح السلاطین مرتبہ محمد یوشع، مدراس، ۱۹۳۸ء
- ۹۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۰۔ غوثی مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۱۱۔ قاروقی، ثار احمد: نقد ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء
- ۱۲۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ج ۳، ۱۹۸۴ء

- ۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی: دہلی، نصرت المطالع، ۱۲۹۹ھ
- ۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی، ۱۹۵۸ء
- ۱۵۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، ج اول۔ دہلی، ۱۹۸۰ء
- 16- Nizami, K.A: On sources and source material Vol. I, Delhi, 1995.
- 17- Ibid: Life and times of Sh. Nizamuddin Auliya, Delhi, 1991.

۲۰ مئی ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

شیخ سید احمد کرمانی

سید احمد کرمانی آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور منصب دار تھے۔

سید کمال الدین احمد بن سید محمد بن محمود کرمانی علوی کا آبائی وطن کرمان تھا۔ اس خاندان کے سب سے پہلے فرد جو کرمان سے بغرض تجارت لاہور آئے وہ سید احمد کے والد سید محمد کرمانی تھے اور شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء) کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں اجودھن (Ajodahan) حاضر ہوئے۔ تجارت کا پیشہ جلد ہی ترک کر کے ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو کر خلافت یاب ہوئے (سیر الاولیاء ۳۴۲) ان کے خواجہ نظام الدین اولیاء سے بھی مراسم تھے انہیں کی سرپرستی میں سلوک کی تعلیم مکمل کی (ہمانجا ۳۴۳) سید محمد کرمانی نے ۷۱۱ھ / ۱۲-۱۳۱۱ء میں انتقال کیا اور دہلی میں دفن ہوئے (ہمانجا ۳۴۳، ۲۱۶، کلمات الصادقین ۶۶-۶۸، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۳۰-۳۱)

اس خاندان کے دیگر افراد کی طرح سید احمد کرمانی کی تعلیم و تربیت بھی خواجہ نظام الدین اولیاء کی نگرانی میں ہوئی (سیر الاولیاء ۲۲۳)

ابتداء میں سید احمد کرمانی ملتان کی نکال کے افسر تھے (ہمانجا ۳۴۲) ان کی ایک بیٹی بی بی رانی خواجہ فرید الدین گنج شکر کی مرید تھیں۔ (ہمانجا)

سلطان محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) نے سید احمد کرمانی کو تلنگانہ (Telagoon ضلع امروتی Amraoti براہ میں ایک قصبہ) میں لشکر کا "خان" بنایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد معتبوب ہوئے اور قید میں ڈال دیئے گئے، دوران قید ان سے کچھ کرامات سرزد ہوئیں جن سے سلطان متاثر ہوا اور انہیں رہا کر کے اپنے پاس بلا لیا، ملازمت ترک کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ لباس فقیرانہ اختیار کر لیا اس کے باوجود سلطان نے عہدہ دے کر اپنا مشیر بنالیا۔ (سیر الاولیاء ۲۲۳-۲۲۵)

آخری ایام حیات میں کچھ عرصہ لشکرِ لاہور میں بھی رہے۔ یہیں جمادی الآخر ۱۲۸۷ھ / ۱۳۲۸ء کو انتقال کیا۔ نعش لاہور سے دہلی لا کر خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے جوار میں چوتراہ باراں پر مدفون ہوئے (سیر الاولیاء ۲۲۵، کلمات الصادقین ۶۹، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۴۳)

سید احمد کرمانی کے دو فرزند تھے ایک سید عماد الدین اور دوسرے سید نور الدین (سیر الاولیاء ۲۲۵۔ ۲۲۶) سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے مشہور تذکرہ نویس امیر خورد (رک باں) سید احمد کرمانی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرہ سیر الاولیاء میں کئی روایات اپنے اس چچا کی زبانی نقل کی ہیں۔ اسی طرح ان کی بیٹی بی بی رانی سے بھی جو مؤلف کی دادی تھیں کئی اہم روایات بیان کی ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۸ء
- ۲۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک ۱۹۸۸ء
- ۳۔ ہدائی، محمد صادق دہلوی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد ۱۹۸۸ء

۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ جنید حصاری

شیخ جنید حصاری چشتی سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے نویں صدی ہجری کے مشائخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ شیخ جنید، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء) کی اولاد میں سے تھے کتابت کے فن سے بخوبی واقف تھے اس فن میں فوق العادت قسم کی مہارت رکھتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کا قول ہے کہ موصوف صرف تین دن میں پورا قرآن شریف اعراب سمیت کتابت کر لیتے تھے (اخبار الاخیار ۵۶۵)

شیخ جنید کا تعلق پنجاب ایک قصبہ حصار (Hisar) سے تھا جسے برطانوی دور میں ضلع کا درجہ حاصل تھا (Imperial gazetteer of India. Vol. xiii, p155)

شیخ جنید حصاری نے تصوف کے اسرار و رموز پر بعض رسائل بھی لکھے تھے، جن میں بقول شیخ عبدالحق مذکور انہوں نے ایسے ”غرائب و نوادر عالمی کہ از عوالم خداوندی بہ روی نمودہ، نوشتہ است کہ از حد و ہم و فہم خارج است، خداوند کہ آں چہ تاویل کردہ است۔۔۔ وچہ اور ابریں داشتہ است“ (اخبار الاخیار ۲۸۳)

ان رسائل میں سے اب کوئی رسالہ بھی دستیاب نہیں ہے نہ ہی دنیا کے مختلف کتب خانوں کی شائع شدہ فہرست مخطوطات میں ان میں سے کسی رسالہ کے وجود کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے ان اسرار کے انشاء پر خلقت کی طرف سے طعن کے خدشہ سے انہیں دھوکہ ختم کر ڈالا تھا (ایضاً ۲۸۳)

شیخ جنید حصاری کا سال وفات بقول مفتی غلام سرور لاہوری ۹۰۰ھ / ۱۳۹۴ء ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۰۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وہ معاصر تھے انہوں نے اخبار الاخیار میں ان کا سال وصال ۹۰۱ھ دیا ہے جو معاصر شہادت ہے۔

شیخ جنید کا مزار ان کے مستقر حصار میں واقع ہے (اخبار الاخیار ۲۸۳، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۰۷)

ماخذ

- ۱- عبدالحق، شیخ: اخبار الاخیار، مرتبہ علم اشرف خان، تہران ۱۳۸۳ ش
- ۲- غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء
- ۳- میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۰۲ھ
- 4- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Frid-ud-Din Ganj-i-Shakar, Laore, 1975.
- 5- Imperial Gazetteer of India, London, 1905.

۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء

دانشامہ شبہ قارہ

حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز اور آداب المریدین

آداب المریدین شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی (ف ۵۶۳ھ / ۱۱۶۸ء) کی عربی زبان میں معروف کتاب ہے۔ جو آداب سلوک پر منفرد اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے اس کے کئی تراجم فارسی زبان میں ہوئے ہیں۔

ان تراجم میں سید محمد حسینی گیسو دراز (۷۲۱-۸۲۵ھ / ۱۳۲۱-۱۴۲۲ء) کی شروح بہت مقبول ہوئیں۔ خواجہ گیسو دراز چشتی سلسلے کے نامور شیخ طریقت اور خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۸ء) کے خلیفہ تھے حدود ۱۲۵ کتابوں کے مؤلف (تبرۃ الخوارخات ۳۹، ۱۰۲) اور ضد ہا اصحاب نے ان سے سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی (رک تاریخ حبیبی، سیر محمدی، جوامع الکلم)

خواجہ گیسو دراز نے عربی اور فارسی میں آداب المریدین کی تین شرحیں لکھیں اور ترجمہ بھی کیا۔ آخری ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ وہ دو تین مرتبہ اس سے پہلے بھی اس کا ترجمہ مفصل اور پھر مجمل طور پر کر چکے ہیں لیکن ہر مرتبہ ایسا ہوا کہ ترجمہ جس معتقد کی درخواست پر کیا گیا وہ اسے ہمراہ لے گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اس طرح یہ تراجم ناپید ہو گئے اور یہ ترجمہ جو تھی مرتبہ کیا جا رہا ہے (ترجمہ ص ۳)

مترجم وضاحت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ ترجمہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء کو گلبرگہ (Gulbarga) (یکی از قدیم اماکن دکن) میں کیا۔ (ترجمہ آداب المریدین ص ۳)

مترجم اپنے زمانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں طالب سلوک بہت ہی کم رہ گئے ہیں (ایضاً)

آداب المریدین کا فارسی ترجمہ ۴۲ فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول در بیان صفات حق تعالیٰ فصل سوم در بیان آنکہ قرآن سخن خدا است۔۔۔۔۔

ترجمہ کی زبان شستہ، صاف اور سادہ ہے۔ ترجمہ کے دوران مترجم نے کئی مقامات پر مشروح ترجمہ کیا ہے لیکن عام طور پر فقط عربی سے فارسی ترجمے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

یہ ترجمہ سید عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد دکن میں ۱۳۵۸ھ کو شائع ہوا اس میں آداب المریدین کا عربی متن بھی شامل ہے۔

خواجہ گیسو دراز نے آداب المریدین کی جو شرحیں لکھی تھیں ان میں سے کسی ایک شرح کا ذیل یا خاتمہ بھی تالیف کیا تھا، زیر نظر ترجمہ آداب المریدین کے آخر میں خود ہی وضاحت کرتے ہیں کہ مطالب سلوک کے ان امور کی شرح کے لیے ہمارا ”خاتمہ“ ملاحظہ کریں (ترجمہ آداب المریدین ص ۳۷۰)

خواجہ گیسو دراز نے اپنی کسی شرح کا یہ ذیل بطور خاتمہ تالیف کیا تھا؟ اس کی انہوں نے خود کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ ایک بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ خاتمہ ۸۰۷ھ / ۱۴۰۴ء میں تالیف کیا۔ (خاتمہ ص ۱۱۳، فقرہ ۱۹۴)

خواجہ کے سوانح نگار عبدالعزیز داغی نے آپ کی کل تالیفات کو سنہ تالیف کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اس اعتبار سے یہ ذیل گلبرگہ میں تالیف ہوا تھا (تاریخ جنبی ص ۶۷)۔

یہ خاتمہ دراصل آداب المریدین کے بعض تشریح طلب امور کی شرح کے لیے تالیف کیا گیا ہے۔ لیکن اس تسلسل اور وضاحتی طرز بیان کی صورت میں کہ یہ بذات خود ایک جداگانہ تالیف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس میں ایک طالب یا صوفی کو روزمرہ پیش آنے والے حوادث اور ان سے بچنے کے طریقے اس طرح بتائے گئے ہیں کہ صوفیہ کے لیے یہ خاتمہ آداب المریدین ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

خاتمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ کے سوا وصول الی اللہ کی تمام راہیں مسدود کر دی گئی ہیں جس سے اس نظریہ پر سخت ضرب لگائی ہے کہ قلندر، برہمن اور جوگی جو یہ کہتے ہیں کہ تمام راستے خدا کی طرف جاتے ہیں غلط و افترا ہے۔ (خاتمہ ص ۸۲ فقرہ ۱۲۳)

یہ شرح یا خاتمہ آداب المریدین بھی عام فہم اور سادہ اسلوب بیان میں لکھی گئی ہے۔ کئی الفاظ ہندوستانی زبان کے اس میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً اور سماع باید کسی راضی اندہ و چناں نرود کہ دھکے بکس رود (خاتمہ، فقرہ ۴۸)، در سماع باید میر خورد و بناشد و کذا لک پیاز و گنا (ایضاً) ان فقرات میں دھکے، پیاز، گنا تمام الفاظ ہندی ہیں۔

خاتمہ ۳۴۴ فقرات پر مشتمل ہے۔ ہر فقرہ جداگانہ مطلب کا حامل ہے۔ یہ کتاب خاتمہ یا خاتمہ ترجمہ آداب المریدین کے نام سے سید عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد، دکن سے ۱۳۵۶ھ میں چھپ چکی ہے۔ مصحح نے آخر میں بہت مفید تعلیقات کا بھی اضافہ کیا ہے اور ستائس صفحات کی مکمل فہرست مندرجات بھی مرتب کر دی ہے۔ آداب المریدین کا عربی متن عمر شیرکان کے فارسی ترجمہ کے حصہ دوم کے طور پر نجیب مایل ہروی کی تصحیح کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ (تہران ۱۳۶۳ ش)

مآخذ

- ۱۔ سامانی، شاہ محمد علی: سیر محمدی۔ گلبرگ، سید محمد گیسودراز اکادمی ۱۹۸۳ء
- ۲۔ سہروردی، ضیاء الدین ابو نجیب: آداب المریدین (عربی متن مع فارسی ترجمہ عمر شیرکان) طبع نجیب مائل ہروی۔ تہران ۱۳۶۳ ش
- ۳۔ قادری، احمد ادریس: حیات بندہ نواز، کراچی ۱۹۶۵ء
- ۴۔ گیسودراز، سید محمد: ترجمہ آداب المریدین، طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۵۸ھ
- ۵۔ ایضاً: خاتمہ ترجمہ آداب المریدین معروف بہ خاتمہ، طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ
- ۶۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم، طبع محمد حامد صدیقی، کانپور ۱۳۵۶ھ
- ۷۔ من اللہ حسینی: تبصرة الخوارقات، طبع مبارز الدین رفعت۔ حیدر آباد دکن ۱۹۶۶ء
- ۸۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخ حبیبی اردو ترجمہ مشتاق یار جنگ، حیدر آباد دکن ۱۳۶۸ھ

Khusro Hussaini, S.S: Sayyid Muhammad Al-Husayni-i-Gisudaraz on Sufism, Delhi, 1983.

۲۹ جون ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

سید محمد حسینی گیسو دراز اور اسرار الاسراء

اسرار الاسرار خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی ملقب بہ خواجہ گیسو دراز ۵۷۲۱ھ - ۵۸۲۵ھ / ۱۳۲۱ء - ۱۳۲۲ء کی تالیف ہے۔

خواجہ گیسو دراز پاکستان و ہند کے نامور صوفی عالم اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ دہلی میں ولادت ہوئی سات سال کی عمر میں بسال ۵۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء اپنے والدین کے ہمراہ بحکم محمد بن تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ / ۱۳۲۵ء - ۱۳۵۱ء) دکن کے لیے روانہ ہوئے اور دولت آباد میں قیام کیا۔ جوانی میں دہلی تشریف لائے اور چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) سے بیعت ہوئے اور پھر اس سلسلے کے نامور شیخ طریقت کے درجے پر پہنچے۔

ان کی تالیفات میں سے اسرار الاسرار کو بہت شہرت حاصل ہے۔ کیوں کہ یہ تصوف کے تقریباً تمام موضوعات و امور سے بحث کرتی ہے۔ مؤلف کو خود اس پر فخر تھا (اسرار ص ۱، ۳) موصوف اپنے مریدین کو خود یہ کتاب پڑھاتے اور پڑھنے کی تلقین کرتے تھے (واعظی عبدالعزیز: تاریخ حبیبی ص ۶۶، ۶۹)

مؤلف نے اسے قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے مطابق ۱۱۳۔ سمروں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر سمر آیات قرآنی اور احادیث کے حوالوں سے مزین ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے اسرار کو مؤلف نے اپنے مشاہدات و مکاشفات سے وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسرار الاسرار کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ابن عربی کے افکار کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں بہت سے مقامات پر انہوں نے شیخ اکبر ابن عربی کے بیانات پر سخت تنقید بھی کی ہے۔ مؤلف کی سوانح تاریخ حبیبی میں درج ہے کہ اسرار الاسرار گلبرگہ میں تالیف ہوئی لیکن سال تالیف درج نہیں کیا گیا۔ (ص ۶۶) لیکن ہمیں اس کا سال تالیف متعین کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوگی کیونکہ مؤلف نے خود وضاحت کی ہے کہ وہ

اس کتاب کی تالیف کے وقت نوے سال کے ہو چکے ہیں (اسمار۔ سمر ۸۰ ص ۲۴۶) خواجہ گیسو دراز کا سال ولادت ۱۷۲۱ھ ہے۔ (سامانی، محمد علی: سیر محمدی ص ۳-۴) اسمار الاسرار کے پہلے شارح خواجہ گیسو دراز کے فرزند سید اکبر حسینی ہیں جو والد کے حین حیات ۸۱۲ھ میں فوت ہوئے (ایضاً ص ۱۳۰) گویا شارح کی وفات کے سے چند ماہ پہلے ہی اسمار مکمل ہوئی۔ اس طرح ہم بہ یقین یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسمار الاسرار کا سال تالیف ۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء ہے۔

مؤلف نے اس کی تالیف کے مقاصد اور دیگر امور کی خود ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:

در خاطر افتاد اگر سر گویم بارے اسمار اسرار بحتمل بعض مردم احرار را آن طرف لحظہ شود و قوفی بر بعض خفایا البیات یا بند۔۔۔۔۔ ان کتابنا هذا المسوی باسمار الاسرار کتاب لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ولا یختلفہ احد من خلقہ لیس فیہ الا تجرید التوحید و افراد التفرید۔۔۔۔۔

اصحاب اس قدر بد اند کہ از خود چیزی نہ نبشته ایم ہر چہ مارا ملا کہ دندما بر مستملی خویش ہماں چیز را بلا زیادت و نقصان حکایت کردیم۔۔۔۔۔ شمر از جوامع الکلم و لمحہ از گفتار او کہ نور الہدیٰ و بیان سر القرب والدنی است نصیبہ او گردد۔۔۔۔۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسمار الاسرار کے متعلق لکھتے ہیں:

حقائق و معارف بزبان بر مز و ایماد الفاظ و اشارات بیان کردہ (اخبار الاخیار ص ۱۳۶)

اسمار الاسرار کا فارسی متن سید عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد دکن میں طبع ہو کر خانقاہ خواجہ گیسو دراز سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس وقت تک اسمار الاسرار کی مندرجہ ذیل شرح ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ تبصرة الاصطلاحات الصوفیہ تالیف سید اکبر حسینی بن خواجہ گیسو دراز (ف ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء)

طبع عطا حسین، گلبرگہ، کتب خانہ روضتین ۱۳۶۵ھ

۲۔ اسمار الاسرار۔ شارح نامعلوم بسال ۸۷۷ھ / ۱۴۷۲ء

عطا حسین (صحیح اسمار الاسرار) کا خیال ہے کہ یہ شرح سید ید اللہ حسینی کے کسی خلیفہ کی تالیف ہے۔

(دیباچہ اسمار ص ۴) یہ بعض مغفل مقامات (اسمار) کی شرح ہے۔

جس کا خطی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے نمبر ۱۴۶۴

۳۔ شرح از شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی، کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور، پاکستان نمبر ۱۹۴۹ / ۲ / ۴۹۶۱

یہ صرف ایک سمر کی شرح ہے۔

۴۔ شرح اسماء الاسرار از عبدالرحیم، قلمی مخزنہ کتب خانہ سید ارشاد شاہ، قصور، پاکستان

ماخذ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ

۲۔ گیسودراز، خواجہ: اسماء الاسرار طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۰ھ

۳۔ تبصرة الاصطلاحات الصوفیہ، گلبرگہ ۱۳۶۵ھ

۴۔ سامانی، محمد علی: سیر محمدی۔ گلبرگہ ۱۹۸۳ء

۵۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخ حبیبی (اردو ترجمہ) حیدر آباد دکن ۱۳۶۸ھ

۶۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم مرتبہ حامد صدیقی، کانپور ۱۳۵۶ھ

۷۔ من اللہ حسینی: تبصرة الخوارقات طبع مبارز الدین رفعت، حیدر آباد، دکن ۱۹۶۶ء

۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، جلد اول، دہلی ۱۹۸۰ء

۹۔ میر ولی الدین: خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔ دہلی ۱۹۶۶ء

10- Khusro Hussaini: S. Muhammad Al Husayni-i-Gisodirarz on Sufism, Delhi, 1983.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

سید شیخ اکبر حسینی بن سید محمد گیسو دراز

سید محمد اکبر حسینی نویں صدی ہجری کے صوفیہ اور مولفین میں سے تھے۔

سید اکبر بن حضرت سید محمد گیسو دراز (۷۲۱-۸۲۵ھ / ۱۳۲۱-۱۴۲۲ء) کی ولادت کا سال معلوم نہیں

ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ خواجہ سید محمد گیسو دراز چالیس سال سے متجاوز تھے کہ متاہل ہوئے اس اعتبار سے ان کے فرزند اکبر یعنی سید محمد اکبر کا سال ولادت حدود ۷۶۲ھ / ۱۳۶۱ء قرار دیا جاسکتا ہے۔ (تبصرہ اصطلاحات ص ۲) ان کا نام مخدوم سید حسین معروف بہ سید اکبر حسینی مشہور بہ سید بڑے رکھا گیا (ہامنجا ۲-۳)

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد تحصیل علم میں مصروف ہوئے اس وقت کے اکابر علماء قاضی عبدالمقتدر کندی (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء)، مولانا خواجگی خٹکی دہلوی (ف ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء)، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے تحصیل مکمل کی یہ تمام تر علماء دہلی کے تھے۔ (سیر محمدی ۱۲۷)

سلوک کی تعلیم اپنے والد گرامی کی خدمت میں شروع کی۔ (ہامنجا ۱۲) مولانا علاء الدین گوالیاری اور مولانا بہاء الدین امام جیسے اکابر و معروف صوفیہ سے بھی ان کی صحبت رہتی تھی (ہامنجا ۱۲۸)

سید اکبر حسینی تمام عمر اپنے والد کے ہمراہ رہے حدود ۸۰۰ھ / ۱۳۹۷ء کو اپنے والد کے ہمراہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ اواخر ۸۰۳ھ / ۱۴۰۲ء میں گلبرگہ (Gulbarga) پہنچے۔ ۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء میں خواجہ گیسو دراز نے انہیں خلافت دی اور جماعت خانہ میں اپنے روبرو نہالچہ پر ان کو بٹھایا، سید اکبر حسینی کا نکاح ملک چھجو (Chajow) کی بیٹی سے ہوا جو سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی حاتم خان کا نواسہ تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا میاں سفیر اللہ اور ایک لڑکی تولد ہوئی (سیر محمدی ۱۳۱، تبصرہ الخوار قات ۱۱۵)

مخدوم محمد اکبر حسینی کا انتقال اپنے والد کے صحن حیات ۱۵ ربیع الآخر ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء میں ہوا عمر کل پچاس سال تھی (سیر محمدی ۱۳۹، تبصرہ الخوار قات ۱۱۵، تاریخ جیبی ۵۶) گلبرگہ ہی میں مدفون ہیں۔

ان کے والد ان کے تبحر علمی اور معارف و حقائق میں ان کے کامل ہونے کے قائل تھے۔ (حظائر القدس ۱۸۵-۱۸۶) خواجہ گیسو دراز نے اپنے اس ذی علم فرزند کی وفات پر نہایت بلیغ اور درد سے بھرپور خط لکھے ہیں (مکتوبات خواجہ گیسو دراز ۸۹-۹۲، ۱۰۳-۱۰۴)

سید محمد اکبر حسینی نے فارسی زبان میں علم تصوف پر بلند پایہ کتب تالیف کی تھیں ان میں سے صرف حسب ذیل کتابوں کا ہمیں تا حال علم ہو سکا ہے:

- ۱۔ معارف (در علم نحو)
- ۲۔ شرح تفسیر ملقط (تصنیف خواجہ گیسو دراز)
- ۳۔ رسالہ اباحت سماع
- ۴۔ رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد
- ۵۔ مقامات صوفیان (بزبان عربی)
- ۶۔ تشریف مالکی
- ۷۔ شرح رسالہ فارسی در علم صرف
- ۸۔ شرح سوانح امام احمد غزالی
- ۹۔ کتاب العقائد
- ۱۰۔ تبصرة الاصطلاحات الصوفیہ (سیر محمدی ۱۳۱)

ان مذکورہ کتب میں سے موخر الذکر صرف تین کتابوں کے علاوہ باقی ناپید ہیں۔ ان کے علاوہ اپنے والد کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے تھے۔ ایک مجموعہ دہلی میں لکھا گیا دوسرا گجرات میں مرتب ہوا جس کا نام جوامع الکلم ہے۔ ان میں سے بھی فقط موخر الذکر ہی دستیاب ہے۔ سیر محمدی میں ملفوظات کے صرف دو مجموعوں کا ذکر ملتا ہے۔ (لیکن تبصرة الخوارقات ص ۱۱۶) میں تین بتائے گئے ہیں۔

۱۔ تبصرة الاصطلاحات الصوفیہ

اس کتاب کی فصل نہم (ص ۱۲۴-۱۲۵) میں مؤلف نے اصطلاحات تصوف کی کچھ تشریح کی ہے۔ باقی فصول مؤلف نے اپنے والد کی ایک اہم عرفانی کتاب اسرار الاسرار (رک باک) کی شرح و توضیحات کی ہیں۔ اس کے معلق مقامات کی شرح نہایت اجمال کے ساتھ بیان کی ہے۔ فصل ششم میں اولیاء کی شطیحات بھی بیان کی ہیں۔ اس کی فصل ششم حضرت آدم اور ابلیس کے واقعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا فارسی متن سید عطا حسین کی تصحیح کے ساتھ۔ خانقاہ خواجہ گیسو دراز گلبرگہ سے ۱۳۶۵ھ میں

شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ کتاب العقائد:

یہ کتاب اہل سنت کے عقائد پر مشتمل ہے اور سوال و جواب کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ تمام ضروری مسائل عام فہم فارسی نثر میں لکھ دئے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے دقیق مباحث سے احتراز کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے عقائد پر بہت کم بحث کی گئی ہے۔ بجز عقائد معتزلہ جن کا جا بجا رد کیا گیا ہے۔ عقائد اہل سنت کی جملہ بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں متکلمانہ طریقہ استدلال کی بجائے عام فہم صوفیانہ طریقہ افہام و تفہیم اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں علوم اسلامیہ خصوصاً علم فقہ کی تقریباً ۴۱ بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب گلبرگہ میں ۸۰۵ سے ۸۱۰ھ / ۱۴۰۲-۱۴۰۷ء مابین تالیف ہوئی۔ یہ تعجب ہے کہ مولف کے معاصرین جن کی کتب اس کتاب کی تالیف سے بہت کم عرصہ پہلے مرتب کی ہوئی تھیں ان سے بھی مولف نے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً شرح عقائد نسقی از علامہ تفتازانی (تالیف در خوارزم ۷۸۶ھ) شرح مقاصد (در سمرقند ۷۸۰ھ) شرح مقاصد اسی زمانے میں شیراز میں تصنیف ہوئی۔ گویا یہ کتابیں تالیف ہوتے ہی شمالی ہندوستان بلکہ جنوب میں گلبرگہ تک میں پہنچ گئیں۔ جن سے مولف نے استفادہ کیا (کتاب العقائد ص ۳ مقدمہ)

کتاب العقائد کا فارسی متن سید عطاء حسین کی تصحیح کے ساتھ کتابخانہ روضتین گلبرگہ سے ۱۳۶۶ھ میں شائع ہوا۔

شرح سوانح:

امام احمد غزالی کی سوانح (کتابی عرفانی) سید محمد اکبر نے اپنے والد سے سبھا پڑھی تھی۔ اس کے بعد اپنے والد کی اجازت سے اس کی شرح لکھی۔ یہ شرح مختصر ہے۔ اثنائے تالیف اور تکمیل کے بعد بھی اپنے والد گرامی کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کی۔ (تبرۃ الاصطلاحات ص ۹۔ مقدمہ)

جوامع الکلم:

سید محمد اکبر حسینی نے اس میں اپنے والد کے ملفوظات ۸۰۲ھ۔ سے ربیع الثانی ۸۰۳ھ / ۱۴۰۰ء تک کے سخنان جمع کیے ہیں۔ اس کی ترتیب فوائد الفوائد کی طرح سال بسال اور ماہ بہ ماہ اور یوم بہ یوم ہے۔ اس میں بہت سے

دینی مسائل کا ذکر بھی آیا ہے اور خواجہ گیسو دراز کی زندگی کے کئی اہم گوشے بھی سامنے آ گئے ہیں۔ جامع نے وضاحت کی ہے کہ ہر روز کے ملفوظات لکھنے کے بعد خواجہ گیسو دراز کو دے دیا کرتا تھا وہ ملاحظہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح بھی کر دیتے تھے۔ کئی بار خوش ہو کر کہا کہ سید اکبر ملفوظات اس طرح لکھ رہا ہے گویا کہ میں خود لکھ رہا ہوں۔ (جوامع الکلم ص ۲۷۱) آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی تاریخ ہند کے بعض اہم سیاسی اور معاشرتی نکات بھی ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔

جوامع الکلم کا فارسی متن محمد حامد صدیقی کی تصحیح سے کانپور میں ۱۳۵۶ھ کو طبع ہوا۔ پوری کتاب کا اردو ترجمہ معین الدین وردائی نے کیا جو کراچی سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

ماخذ

- ۱۔ اکبر حسینی، سید: تبصرة الاصطلاحات الصوفیہ مرتبہ حافظ سید عطاء حسین۔ گلبرگہ کتابخانہ روشین ۱۳۶۵ھ
- ۲۔ ایضاً: کتاب العقائد مرتبہ سید عطاء حسین، گلبرگہ کتابخانہ روشین ۱۳۶۶ھ
- ۳۔ ایضاً: جوامع الکلم (ملفوظات سید محمد گیسو دراز) مرتبہ حامد صدیقی۔ کانپور ۱۳۵۶ھ
- ۴۔ سامانی، محمد علی: سیر محمدی، فارسی متن مع اردو ترجمہ از شاہ نذیر احمد قادری سکندر پوری، گلبرگہ، گیسو دراز ادکامی ۱۳۴۷ھ
- ۵۔ گیسو دراز، سید محمد حسینی: حظار القدس مرتبہ سید عطاء حسین، حیدر آباد دکن ۱۳۵۹ھ
- ۶۔ ایضاً: مکتوبات، جامع رکن الدین ابوالفتح علاء قریشی بسال ۸۵۲ھ مرتبہ سید عطاء حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۲ھ
- ۷۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخ حبیبی، اردو ترجمہ مشتاق یار جنگ، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۸ھ۔ فارسی متن مبنی بر عکس نسخہ خطی، مرتبہ سید نفیس حسینی، لاہور، ۲۰۰۵ء
- ۸۔ من اللہ حسینی: تبصرة الخوارقات مرتبہ سید مبارز الدین رفعت۔ گلبرگہ، بندہ نواز اکیڈمی ۱۹۶۶ء

۹۔ ولی اللہ حسینی: تذکرہ مخدوم زادہ خرد سید یوسف معروف بہ محمد اصغر حسینی، گلبرگہ، بزم معراج

العاشقین ۱۳۹۸ھ

۱۰۔ نفیس الحسینی: شائلم سید محمد گیسو دراز، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۱۔ ایضاً: شجرۃ الاشراف، لاہور، ۲۰۰۲ء

12- Khusro Hussaini: Sayyid Muhammad Al-Husyani-i-Gisodiraz on Sufism, Delhi, 1983.

۱۹ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ پیارا

شیخ پیارا نویں صدی ہجری کے سلسلہ چشتیہ کے ایک صوفی بزرگ تھے۔ شیخ پیارا چشتی سلسلہ سلوک کے نامور شیخ طریقت حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز (ف ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) کے نمبرے سیدید اللہ حسینی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۶ء) کے مرید تھے۔ لیکن ان کی تعلیم و تربیت خود خواجہ گیسو دراز نے کی تھی۔ جب پہلی بار خواجہ گیسو دراز کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ کبھی عشق کا کوئی درود ہوا ہو تو بتاؤ؟ شیخ پیارا جواب سال تھے ہچکچاہٹ محسوس کی بالآخر بتا دیا کہ وہ ایک ہندو لڑکی پر فریضہ ہوئے تھے، اس کے عشق میں زنا تک پہنچ کر مندر میں رہنے لگے۔ یہ حکایت سن کر خواجہ گیسو دراز ان کی صاف گوئی پر خوش ہوئے اور کہا کہ ہم تمہیں عشق حقیقی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد اللہ تعالیٰ کے عشق کے اسباق سیکھ کر سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ وہ انہیں دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رک باں) کے مزار پر لے گئے وہاں بابا شیخ فرید الدین گنج شکر کے حجرۂ اعتکاف میں لے گئے اور وہاں انہیں عبادت میں مصروف کر دیا۔ (اخبار الاخبار ۱۷۲-۱۷۳، معارج الولايت، خطی برگ ۳۰۹۔ الف)

خواجہ گیسو دراز اپنے مریدین کی تربیت کا آغاز عشق الہی کے سبق سے کرتے تھے۔ اور بتدریج عشق حقیقی کی منازل طے کرتے ہوئے سلوک کی دیگر منزلیں یکے بعد دیگرے طالب کے سامنے آتی تھیں (جوامع الکلم ۴۱۴)

شیخ پیارا کی تمام تر تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی اور انہیں خواجہ گیسو دراز کا دہلی میں اشغال سلوک میں مصروف کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ خواجہ گیسو دراز کے دکن جا کر سکونت اختیار کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے ورنہ خواجہ انہیں اپنی خانقاہ گلبرگہ میں مصروف کرتے، خواجہ گیسو دراز اپنے شیخ کی رحلت (۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء)

کے بعد دہلی سے نکلے اور دکن پہنچے۔ (اخبار الاخیار ۱۳۱-۱۳۲) اس لیے شیخ پیارا کا ان سے اتصال ان کے ابتدائی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔

شیخ پیارا کا انتقال ۸۶۵ھ / ۶۰-۱۴۶۱ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۹۸) ان کی اولاد یا خلفاء کا حال معلوم نہیں ہے۔

مآخذ

- ۱- عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۲- غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۳- محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ گیسو دراز) مترجم معین الدین وردائی، کراچی ۱۹۸۰ء
- ۴- محمد علی سامانی: سیر محمدی (حالات و ملفوظات خواجہ گیسو دراز)، گلبرگہ، ۱۳۴۷ھ
- ۵- نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۱- دہلی، ۱۹۸۰ء
- 6- Khusro, Hussaini: Syid M. Al-Hussaini-i-gisudaraz on Sufism, Delhi, 1983.

۱۷ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ احمد مجد شیبانی

شیخ احمد بن قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی، جو امام ربانی محمد بن حسن شیبانی کو فی (ف ۱۸۹ھ / ۸۰۴ء) (صاحب امام اعظم ابو حنیفہ کو فی) کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ احمد شیبانی علم شریعت و طریقت میں یکتا زمانہ اور امر معروف و نہی منکر میں اپنے عہد کے فرد و حید تھے۔ خواجہ حسین ناگوری سلطان التارکین کے شاگرد و مرید تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم رسمہ دینیہ کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ ان کی ولادت نارنول میں ہوئی۔ اپنے سات بھائیوں میں شیخ احمد سب سے زیادہ دانشمند، متقی اور متدین تھے۔ آغاز شباب میں امر معروف اور نہی منکر کے لیے بادشاہوں اور امراء کی مجالس میں جاتے تھے۔ لیکن جلد ہی شیخ حسین ناگوری سے بیعت کرنے کے بعد ان اغنیا کی صحبت ترک کر دی، اٹھارہ سال ہی کی عمر میں نارنول سے اجیر گئے اور خواجہ معین الدین چشتی اجیری کی درگاہ میں معتکف ہو گئے، جہاں اپنی عمر کے ستر سال ریاضت اور درس و تدریس میں گزار دیئے۔ (اخبار الاخبار ۱۸۴)

خرد سالی میں اپنے اقربا کے لیے مدد معاش کے لیے ماندو گئے تو وہاں شیخ الاسلام شیخ محمود دہلوی جو صدارت کے منصب پر فائز تھے بحث کی اور انہیں نماز دوبارہ ادا کرنے پر مجبور کیا۔ ماندو کے حکمرانوں نے سلام کرنے کا غیر اسلامی طریقہ رائج کر رکھا تھا شیخ احمد اور قاضی ادریس دہلوی بادشاہ کے پاس گئے اور سلام کے ان کے قاعدہ کے خلاف السلام علیکم کہہ کر بادشاہ کے برابر بیٹھ گئے۔ بادشاہ خوش ہوا اور قاضی ادریس کو اجیر کا قاضی اور شیخ احمد کو جوان کے خاندان میں فتویٰ نویسی کا طریقہ رائج تھا جاری کیا یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔ شیخ احمد کو حضور ﷺ کے اہل بیت سے خصوصی محبت تھی اور یوم عاشور میں خاص اہتمام کے ساتھ وظائف اور اظہار محبت کے لیے اقدام کرتے تھے (ایضاً)

سماع بہت ہی ذوق سے سنتے تھے لیکن اس دوران رقص اور وجد بالکل نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً ۱۸۵)

مانڈو کے حکمرانوں کا دربار چشتی صوفیہ کے اثر و نفوذ سے خالی نہیں تھا۔ سلطان محمود غلامی کے جانشین غیاث الدین (۱۳۶۹-۱۵۰۱ء) کے عہد میں بھی تذکروں میں اسی قسم کی حکایات ملتی ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو طبقات اکبری ۳/۳۵۳)

شیخ احمد شیبانی کی زندگی کا زیادہ حصہ اجمیر میں بسر ہوا جہاں اعتکاف، اوراد، علوم دینیہ کا درس اور خصوصاً اپنے مشائخ کی اتباع میں تفسیر مبارک کا بیان ان کی مجالس کا امتیاز تھا (اخبار الاخیار ۱۸۶)

شیخ احمد کی عمر نوے سال تھی کہ ۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء میں جب اجمیر پر رانا سائگانے حملہ کر کے اسے اپنے تصرف میں لے لیا اور بکثرت مسلمانوں کو شہید کیا۔ اس سے سات روز پہلے ایک بشارت ملنے پر شیخ احمد اجمیر سے ناگور چلے گئے جہاں ۲۵ صفر ۹۲۷ھ / فروری ۱۵۲۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں اپنے شیخ سلطان التارکین شیخ حسین ناگوری کے مقبرے میں دفن کیے گئے (اخبار الاخیار ۱۸۶، اذکار ابرار ۲۲۹)

شیخ احمد شیبانی کے شاگردوں اور مریدوں میں نارنول کے معروف شاعر و تاریخ گو ملا محمد نارنولی (اخبار الاخیار ۱۸۶)، شیخ بایزید بن شیخ طاہر بن بایزید بن قیام الدین اجمیری معروف برصغیر (نزہۃ الخواطر ۴/۴۸) اور ملا عبدالرحمن اخون زادہ نارنولی (طبقات شاہ جہانی، طبقہ تاسع ص ۶۴) کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں۔

ماخذ

- ۱۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۲۔ محمد غوثی مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، آگرہ ۱۳۲۶ھ
- ۳۔ محمد صادق کشمیری ہمدانی: طبقات شاہ جہانی، طبقہ تاسع مرتبہ محمد اسلم خان۔ دہلی ۱۹۹۳ء
- ۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء
- ۵۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لکھنؤ
- ۶۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۴ء
- ۷۔ رحمن علی: تذکرہ علماء ہند تحقیق و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۲۵ اپریل ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

سید شاہ تاج الدین شیر سوار

سید تاج الدین شیر سوار آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی تھے۔

شیخ تاج الدین شیر سوار خواجہ قطب الدین منور ہانسوی Hansavi (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے معروف خلیفہ تھے جو مشہور چشتی شیخ طریقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے اجازت یافتہ تھے۔

سید تاج الدین شیر سوار پنجاب کی معروف ریاست (موجودہ ضلع) پٹیالہ (Patiala) کے ایک قصبہ نارنول (Narnaul) کے باشندے سے تھے۔

ابتداء میں محنت شاقہ اور سخت ریاضت کی۔ حیوانات کے دل مسخر کر لیے۔ سید تاج الدین شیر سوار کرتے تھے اور زندہ سانپ کو ہاتھ میں تازیانہ کے طور پر رکھتے تھے۔ اکثر اپنے شیخ خواجہ قطب الدین منور ہانسوی کے خدمت میں جاتے تو اسی حالت میں سوار ہو کر جاتے شہر کے قریب پہنچ کر شیر کو چھوڑ دیتے۔ ایک مرتبہ عالم بی خودی میں اسی شیر سوار کی حالت میں شیخ میں خدمت میں حاضر ہو گئے تو شیخ نے دیکھ کر فرمایا کہ تاج الدین جانداروں اور حیوانات کو تابع کر لینا کوئی کام نہیں ہے مردانِ خدا تو بے جان دیوار اور پتھر کو حرکت کا حکم دیں تو وہ متحرک ہو جائیں۔ (اخبار الانبیاء ۱۳۹)

سید تاج الدین کے ایک فرزند شیخن ابدال بھی تھے جو تارک الدنیا تھے اور ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے تھے، صرف قوتِ لایموت کے طور پر تناول کرتے تھے (ہما نجا ۱۳۹)

سید تاج الدین کے مریدین کے اسماء تک معلوم نہیں ہیں۔ تذکروں میں ان کی صرف کرامات ہی کا ذکر

ملتا ہے۔

شیخ تاج الدین قصبہ نارنول ہی میں تولد ہوئے اور عمر کا بیشتر حصہ اُسی گاؤں میں گزرا، وہیں یادِ خدا میں مصروف رہ کر شدید ریاضات کر کے منازلِ سلوک پر درجہ بدرجہ گامزن رہے۔ (اخبار الاخیار ۱۳۹)

سید تاج الدین شیر سوار کی وفات ۸۷۴ھ / ۶۹-۱۳۷۰ء کو ہوئی اور اپنے آبائی علاقہ نارنول میں دفن ہوئے۔ (ہمانجا ۱۳۹، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۶۷) ان کا مزار شہر نارنول سے باہر لیکن آبادی سے قدرے قریب ہے (اخبار الاخیار ۱۳۹)

مآخذ

- ۱۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محبِ ہند، ۱۳۰۲ھ
- ۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبیائی، ۱۳۳۲ھ
- ۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۴۔ غوثی مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار مترجم فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ
- ۵۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۰ء (جلد اول)
- 6- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nizamudin Auliya, Delhi, 1991.

۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابریؒ

شیخ احمد عبدالحق ردولوی سلسلہ چشتیہ صابریہ کے معروف شیخ طریقت تھے۔

حضرت شیخ احمد ردولوی بن شیخ عمر بن شیخ داؤد کانسب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، شیخ احمد کے دادا شیخ داؤد ہلاکو خان (۶۵۳-۶۶۳ھ / ۱۲۵۶-۱۲۶۵ء) کے حملے کے دوران بلخ سے بچ کر سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آ گئے۔ سلطان نے اودھ کے مستعدی (حسابدار Accountant، ستینگاس: فرہنگ فارسی، فرہنگ معین) کو لکھا کہ ان کو مدد معاش کے طور پر جاگیر دے دیں۔

شیخ داؤد روحانی ذوق رکھتے تھے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے مرید تھے، انہوں نے ردولی (Rudauli) قصبہ جو لکھنؤ شہر سے تقریباً ایک سو کلومیٹر مشرق میں واقع ہے) میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے صرف ایک فرزند تھے شیخ عمر جن کے دو بیٹے ہوئے بڑے شیخ تقی الدین اور دوسرے شیخ احمد، شیخ داؤد اور شیخ عمر ردولی میں ہی دفن ہیں (مرآۃ الاسرار۔ خطی برگ ۳۶۱ ب)

شیخ احمد عبدالحق کی ولادت بھی ردولی میں ہی ہوئی (اخبار الاخبار ۱۸۷، مرآۃ الاسرار ۳۶۱ ب) شیخ احمد کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شیخ احمد کو جو کم سن تھے، حصول علم کے لیے برادر بزرگ کی خدمت میں دہلی بھیجا گیا لیکن ان کا تعلیم کی طرف میلان نہیں تھا، شیخ تقی الدین نے بہت کوشش کی کہ کچھ اسباق پڑھ لیں لیکن بے سود، دیگر علماء نے بھی سعی کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان پر باطنی علم اور سلوک حاصل کرنے کا جذبہ غالب ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ (الوار العیون ۱۳-۱۷)

شیخ احمد عبدالحق مرشد کامل کی تلاش میں پھرتے رہے حتیٰ کہ پانی پت میں شیخ جلال الدین محمود پانی پتی (ف ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء) سے ملاقات ہوئی بیعت کے بعد شدید ریاضت کی اور خلافت یاب ہوئے (ہما نجا ۱۹-۲۳)

اس طرح آپ سلسلہ چشتیہ کی مشہور شاخ صابریہ سے یوں منسلک ہو گئے یعنی شیخ جلال الدین پانی پتی خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اور وہ خلیفہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری (سیر الاقطاب ۱۵۶)

شیخ احمد عبدالحق اپنے آبائی قصبہ ردولی چلے گئے اور وہاں انہوں نے اس سلسلہ کی ایک ایسی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جسے بجا طور پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کا پہلا مرکز قرار دے سکتے ہیں۔ انہوں نے ایسے دور میں وہاں خانقاہ قائم کی جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا اور اس سلسلے کے مشائخ گجرات، مالوہ، دکن اور بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے۔ دہلی اور اس کے نواح کے علاقے اس سلسلے کے بزرگوں سے خالی ہو چکے تھے۔ شیخ احمد عبدالحق نے طویل سیاحت کی تھی اور بھکر سے پنڈوہ تک کا سفر کیا تھا (انوار العیون ۹۱) اور ان حالات کا جائزہ لیا تھا ردولی میں ان کی خانقاہ رشد و ہدایت کا مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ بکثرت حاضر ہونے لگے۔ (ہمانجا ۳۹-۵۵، ۱۲۴)

شیخ احمد عبدالحق نے نہایت متوکلانہ زندگی بسر کی سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۳-۸۴۴ھ / ۱۴۰۱ء-۱۴۴۰ء) نے خانقاہ کے لیے جاگیر وقف کرنا چاہی تو صاف انکار کر دیا (ہمانجا ۴۲-۴۶، ۴۹، ۸۸) ردولی کا حاکم قاضی خان بھی آپ کا معتقد تھا اس سے بھی کبھی کچھ قبول نہیں کیا (ہمانجا ۱۱۵) اودھ اور ردولی کے دیگر امراء فیروز خان، تاتار خان اور محمد خاں اکثر خانقاہ میں حاضر ہوتے اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے (ہمانجا ۳۹، ۴۹، ۸۸) مریدین و خلفاء بھی خاصی تعداد میں تھے ان کے شیخ جلال الدین پانی پتی کی اولاد بھی انہی سے منسلک ہو گئی تھی (انوار العیون ۱۲۳) خاص خلفاء میں سے شیخ بختیار، شیخ بہرام، شیخ برہان اور میاں فرید کے نام ان کے ملفوظات میں بار بار آئے ہیں، شیخ احمد عبدالحق کا وصال ۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء میں ہوا۔ اپنی خانقاہ ردولی میں ہی دفن ہوئے (ہمانجا ۱۳۶)۔

شیخ احمد عبدالحق کے صرف ایک ہی فرزند شیخ احمد عارف بقید حیات رہے اور وہی آپ کے جانشین بنے تھے جو چالیس سال کی عمر میں ۸۵۹ھ / ۱۴۵۴ء کو فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۹۷) شیخ احمد عارف کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمد سجادہ نشین ہوئے ان کے خلفاء میں جس شخصیت نے شہرت حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کی صحیح معنوں میں تاسیس کی وہ شیخ عبد القدوس گنگوہی (ف ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) تھے، ان کے جانشین ان

کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ہوئے جن سے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے والد مخدوم عبدالاحد نے سلسلہ چشتیہ میں فیض پایا۔ (زبدۃ المقامات ۹۲)

شیخ احمد عبدالحق ظاہری علم کے مقابلے میں باطنی علم کے حصول پر زور دیتے تھے (انوار العیون ۹۴) غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی تالیف اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہے، صرف ان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے انوار العیون کے نام سے ان کی وفات ۸۳۷ھ کے پچاس سال بعد ان کے پوتے شیخ محمد اور دیگر خلفاء سے سن کر جمع کیے تھے، جس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اودھ ۱۲۸۴ھ، ردولی ۱۹۰۳ء (مع خاتمہ و ضمیر)، علی گڑھ ۱۹۰۵ء، مطبع مجتہائی دہلی سے درمکنون کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

شیخ کے ملفوظات انوار العیون سے وحدت الوجود میں ان کی گہری نظریاتی وابستگی کا علم ہوتا ہے، بعض ہندی دوہڑے بھی ان سے منسوب ہیں (انوار العیون ۴۵، ۶۰)

اس میں لکھا ہے کہ ایک طویل ریاضت کے بعد شیخ احمد کو الہامی طور پر عبدالحق کا خطاب ملا تھا، شیخ خود ان کے خلفاء اور بعد کے مریدین بھی السلام علیکم اور الحمد للہ کی بجائے حق حق حق تین مرتبہ کہتے تھے۔ (ہمانجا ۱۲۴) کئی اصحاب کو اس پر اعتراض تھا کہ یہ خلاف سنت ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ طریقہ خلاف شرع تھا اس لیے اب ترک ہو چکا ہے۔ لیکن اس سلسلے کے اصحاب اپنے خطوط کے آغاز میں تین مرتبہ ”حق“ لکھتے ہیں (اخبار الاخبار ۱۸۹)، شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مجموعہ مکاتیب میں تقریباً ہر مکتوب کے آغاز میں یہی لکھا ہوا ہے۔

شیخ احمد عبدالحق کے معاصر مشائخ کے ساتھ خوشگوار تعلقات تھے، ان میں سے شیخ جمال الدین اودھی، شیخ فتح اللہ اودھی، شیخ زین الدین اودھی، شیخ زکریا بن سلیمان اور شیخ نور الدین ابدالی کا آپ کے ملفوظات میں کئی بار ذکر آیا ہے۔ (انوار العیون ۳۹-۴۱، ۶۱، ۶۵) شیخ احمد پانی پت سے سنام گئے لیکن اس دوران ہندوستان پر تیمور کے حملے (۹۹-۱۳۹۸ء) کی وجہ سے شیخ بنگال چلے گئے جہاں چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ شیخ نور قطب عالم سے ملاقات ہوئی ان کی خدمت میں مختصر قیام رہا (ہمانجا ۳۱-۳۵) شیخ نور قطب عالم نے پنڈوہ (Pandua) میں اس سلسلے کی ایک عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی تھی، شیخ احمد عبدالحق ان سے متاثر ہوئے اور خود اسی طرز کی خانقاہ ردولی جا کر بسائی۔

ماخذ

- ۱۔ الہدیہ چشتی: میر الاقطاب، لکھنؤ، مطبع نو لکھنور ۱۸۸۱ء
- ۲۔ رکن الدین: لطائف قدوسی (ملفوظات شیخ عبدالقدوس گنگوہی) دہلی، مطبع مجتبیائی ۱۳۱۱ھ
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، جلد ۳، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۸ء
- ۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبیائی، ۱۳۳۲ھ
- ۵۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فرای، کوئٹہ، پاکستان
- ۶۔ عبدالقدوس گنگوہی: انوار العیون۔ ردولی، خانقاہ ردولی، ۱۹۰۳ء
- ۷۔ عبدالقدوس گنگوہی: مکتوبات قدوسیہ جامع بدہن بن رکن معروف بہ میاں قوام الملک، دہلی، مطبع احمدی، ۱۸۷۰ء
- ۸۔ قدوسی، اعجاز الحق: شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۹۔ کشمی، محمد ہاشم: زبدۃ المقامات، لکھنؤ، مطبع نو لکھنور، ۱۳۰۷ھ
- ۱۰۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ، ۱۸۹۵ء
- ۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۱ء (جلد اول)
- 12- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nasir-ud-din Chiragh-i-Dehli, Dehli, 1991.

۱۰ اگست ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ سعد اللہ دہلوی

شیخ سعد اللہ دہلوی دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے مشائخ میں سے تھے۔

شیخ سعد اللہ کے جد اعلیٰ آغا محمد ترک بخاری (ف ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء) بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۶-۷۱۶ھ / ۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) نے انہیں معزز عہدوں سے نوازا اور انہیں فتح گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا فتح کے بعد انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی، کثیر اولاد ہوئی ایک حادثہ کے باعث تارک دنیا ہو کر دہلی میں گوشہ نشین ہو گئے، ان کے فرزند ملک معز الدین اور پوتے ملک موسیٰ کا بھی اہم کردار تھا۔ ملک موسیٰ کے فرزندوں میں سے شیخ فیروز خاص صلاحیتوں کے مالک تھے فن سپاہ گری کے ساتھ شعری ذوق بھی رکھتے تھے، انہوں نے بہرائچ (Behraich) کے ایک معرکہ میں ۸۶۰ھ / ۱۴۵۵ء کو شہادت پائی (اخبار الاخیار ۵۹۵-۵۹۸)۔

شہادت کے وقت ان کی زوجہ محترمہ حاملہ تھیں، شہادت کے بعد ان کے جس فرزند کی ولادت ہوئی وہ یہی شیخ سعد اللہ دہلوی تھے، گویا موصوف حدود ۸۶۰ھ کو متولد ہوئے۔ (ایضاً ۵۹۸)

شیخ سعد اللہ میں اپنے والد گرامی کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے، ان کے ابتدائی حالات نہیں ملتے تحصیل کے بعد عبادت و ریاضت میں وقت گزارنے لگے اور اس وقت کے مشہور شیخ طریقت شیخ محمد منگن ملقب بہ مصباح العاشقین (ف ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) سے بیعت ہوئے وہ بہت متقی بزرگ تھے سلطان سکندر لودھی (۸۹۴-۹۲۳ھ / ۱۴۸۹-۱۵۱۷ء) ان کا عقیدت مند تھا ان کی خانقاہ ملاوہ (حدود قنوج) میں تھی شیخ سعد اللہ نے ان کی خدمت میں رہ کر سلوک کی مشق کی شدید ریاضتیں کیں۔ شیخ سعد اللہ کا ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ / ۱۵۲۱ء کو وصال ہوا، (ایضاً ۵۹۹) ان کا قیام دہلی میں تھا وہ دہلی میں اپنے اتقاء کے باعث بہت معزز تھے۔

شیخ سعد اللہ کے فرزندوں میں سے دو کو دہلی میں بہت شہرت ملی اول فرزند بزرگ شیخ رزق اللہ متخلص بہ مشتاقی (۸۹۷-۹۸۹ھ / ۱۳۹۱-۱۵۸۱ء) بڑے عالم اور عارف تھے انہوں نے سلوک کی تعلیم شیخ محمد منگن مذکور اور شیخ بدھن شطاری سے حاصل کی انہیں ہندی زبان اور کتب ہنود پر کامل عبور تھا، لودھی عہد کی تاریخ پر ان کی کتاب واقعات مشتاقی کا فارسی متن اور انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

شیخ سعد اللہ کے دوسرے فرزند مولانا شیخ سیف الدین (۹۲۰-۹۹۰ھ / ۱۵۱۳-۱۵۸۲ء) اپنے عہد کے بلند پایہ صوفی تھے، شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی، شیخ امان اللہ پانی پتی (ف ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء) سے بیعت تھے۔ (ایضاً ۳۸۸-۵۰۰)

انہی شیخ سیف الدین کے صاحبزادے مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ھ / ۱۵۵۱-۱۶۳۲ء) جو بر عظیم پاکستان و ہند کے سب سے بڑے محدث تھے، اپنے تقویٰ اور کثیر تصانیف کے باعث بین الاقوامی شہرت کے مالک ہوئے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد قادری: تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پٹنہ، ۱۹۵۰ء۔
- ۲۔ برکت علی، غنشی: مرآۃ الحقائق (احوال شیخ عبدالحق محدث)، رام پور، ۱۳۲۲ھ۔
- ۳۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء۔
- ۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۰ش۔
- ۵۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء۔
- ۶۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۳ء۔
- ۷۔ حارثی، محمد بن رستم، تاریخ محمدی ۲ / ۳ مرتبہ غار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۵ء۔

۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

شاہ بہاء الدین باجن

شاہ بہاء الدین باجن نویں صدی ہجری کے مشہور صوفی اور شاعر تھے۔

شاہ بہاء الدین باجن بن حاجی معز الدین مولانا احمد مدنی کی اولاد میں سے تھے۔ (خزان رحمت ص ۱۱، اذکار ابرار ۲۱۲) جو قرشی خطابی نسب سے منسلک تھے، مولانا احمد مدنی معروف صوفی شیخ ابو مدین (ف ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳ء) کے مرید اور تفسیر و حدیث میں کمال و تبحر حاصل تھا۔ (اذکار ابرار ۲۱۲) موصوف طویل سیاحت کے بعد دہلی بھی آئے اور وہاں چند سال حدیث کا درس دیا ان کے فرزند شیخ عبد الملک بھی ہمراہ تھے۔ مولانا احمد واپس جاتے ہوئے اپنے اس فرزند کو دہلی میں ہی چھوڑ گئے (خزان رحمت ۵۹، محبوب ذی المنن ۱۸۸)

انہی شیخ عبد الملک کے بیٹوں میں ایک حاجی معز الدین بھی تھے جو شاہ بہاء الدین باجن کے والد تھے۔ حاجی معز الدین مخدوم جہانیاں جہان گشت کے مرید تھے۔ (محبوب ذی المنن ۱ / ۱۸۸ اذکار ابرار ۲۱۳) سفر حجاز پر جاتے ہوئے حاجی معز الدین گجرات (احمد آباد) میں ٹھہرے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ وہیں شادی کی اور عیال داری نے مزید سفر کی مہلت نہ دی۔ (شاہ بہاء الدین باجن ص ۳)

شیخ بہاء الدین باجن کی ولادت حدود ۸۳۵ھ / ۱۴۳۱ء کو احمد آباد (گجرات) میں ہوئی، عربی و فارسی کے علاوہ انہیں ہندوی زبان پر بھی خوب عبور تھا۔ (ہمانجائے)

شیخ بہاء الدین باجن چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت شیخ رحمت اللہ (ف ۸۷۷ھ / ۱۴۷۳ء) بن شیخ عزیز اللہ متوکل (ف ۸۵۱ھ / ۱۴۴۷ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔ (اذکار ابرار ۲۱۲) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ باجن نے ابتداء میں شیخ رحمت اللہ کے والد شیخ عزیز اللہ متوکل سے بھی استفادہ باطنی کیا تھا (اخبار الاخبار ۲۷۹) لیکن سلوک کی تکمیل شیخ رحمت اللہ کی خدمت میں رہ کر کی اور اکیس برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ پھر سیاحت کے لیے نکلے طویل سفر کے بعد واپس گجرات آئے تو شیخ رحمت اللہ کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے جانشین شیخ احمد

عطاء اللہ سے بھی باطنی استفادہ کیا۔ شیخ باجن نے عمر کا بڑا حصہ سیاحت میں گزارا سندھ سے خراسان تک اور دکن سے سیلون (Seloon) تک سفر کر چکے تھے (خرائن رحمۃ ۲۷)، شیخ جیون (جانشین شیخ برہان الدین برہانپوری) سے بھی اجازت و خلافت ملی تھی (ہمانجا ۷۶-۷۷)۔

آخر میں شیخ باجن نے برہان پور (Burhanpur از بلاد دکن) میں قیام کیا۔ (ہمانجا ۷۷) شیخ منجھلے (Manjahaly) جو شیخ مسعود بک کے خلیفہ تھے کے ساتھ بھی ارادت تھی۔ برہان پور میں حاکم وقت نے ان کے لیے جامع مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کروائی (اذکار ابرار ۲۱۴) درس و تدریس کے ساتھ مریدین کی روحانی تربیت میں بھی مصروف رہے۔ جہاں تقریباً چالیس سال تک انہوں نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور یہیں ۹۱۲ھ / ۱۵۰۷ء کو انتقال ہوا۔ ایک سو دو سال عمر پائی (گلزار ابرار ۱۹۳، تاریخ برہانپور ۱۰۳)۔

شاہ باجن کا روضہ ایک وسیع احاطہ کے شمال مشرقی گوشہ میں خانقاہ سے متصل ہے۔ (شاہ بہاء الدین باجن ۱۱-۹)

شاہ باجن کے جانشین ان کے فرزند شاہ عبد الحکیم تھے۔ جو بڑے عالم اور صوفی تھے ان کی تالیفات میں سے ایک حاشیہ تلخیص المفتاح کتب خانہ درگاہ شاہ برہان الدین راز الہی (برہانپور) میں ہے۔ شاہ باجن کے پوتے شیخ فرید بھی ذی علم اور شاعر تھے۔ (اذکار ابرار ۶۰۳) شاہ باجن کے ایک نبیرے عزت اللہ خان کی فقہ حنفی پر ایک مبسوط کتاب مرآۃ المسائل قابل توجہ ہے۔ شاہ باجن کے مقبرہ کے لیے شاہ جہان، اور نگزیب اور شاہ عالم ثانی نے زمینیں دی تھیں (شاہ بہاء الدین باجن ۱۱)۔

شیخ بہاء الدین کا لقب باجن (Bajan) تھا جو ان کے مرشد نے انہیں دیا (خرائن رحمۃ ۷۵) اور اسے انہوں نے اپنے ہندوی (گجراتی) زبان میں شاعری کرتے ہوئے بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ جو خرائن رحمۃ میں متعدد بار آیا ہے۔

باجن کے معنی موسیقی ساز یا باج ہے (مقالات شیرانی ۱ / ۱۶۳) یہ ہندی زبان کا لفظ ہے باج بمعنی بجنے کی آواز اور باجن آلات موسیقی کو کہتے ہیں (ہندی اردو لغت ۱۰۵)۔

باجن بیک وقت فارسی اور ہندوی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی تحریرات میں فارسی زبان زیادہ تر ہندی طرزِ تخیل و تکلم کے تابع معلوم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر میں ہندی محاورات اور اسلوب کا پر تو موجود ہے۔

ہندوستانی فارسی اسی قسم کی تھی۔ خزانہ رحمت میں بعض بالکل ہندی محاورے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً دب کردن بہ معنی دفن کردن۔ اسی طرح لفظ رہائش بمعنی رہائی استعمال ہوا ہے۔ شیخ باجن کوئی بلند مرتبہ فارسی شاعر نہیں تھے۔ اور نہ ہی ان کی شاعری بلند پایہ ہے۔ تاہم انہوں نے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار اشعار کے ذریعہ کیا ہے (مقالات شیرانی ۱/ ۱۶۷)

خزانہ رحمت اللہ:

اس کتاب میں شیخ دسٹے نے اپنے مرشد شیخ رحمت اللہ کے حالات، مناقب اور ملفوظات جمع کیے ہیں۔ اس کے کل سات خزانے (ابواب) ہیں۔
خزانہ اول: در حالات و مناقب شیخ رحمت اللہ، مناقب شیخ عزیز اللہ متوکل، مناقب شیخ لطیف الدین دریا نوش، مناقب خواجہ محمد بن زاہد یوسف چشتی۔

خزانہ دوم: حضرات اہل طریقت کے افعال کا ذکر۔ ہر عنوان کو مفتاح کا نام دیا ہے۔۔۔۔۔
خزانہ سوم: اہل حقیقت کے حالات بیان کیے ہیں جس میں ۱۹ عنوانات ہیں ہر عنوان کو فتح کا نام دیا ہے۔
خزانہ چہارم: در اسرار توحید جلی و علی اور مبداء و معاد انسان کے ذکر میں ہے۔۔۔۔۔
خزانہ پنجم: در بیان اوراد، دعوت وادعیہ، حرزیات، ضربیات۔۔۔۔۔
خزانہ ششم: ہیں ایسے اوراد و اشغال کا بیان جن میں نماز اور دعاؤں کے مہینے، اور اوقات مشائخ سلف کی کتب سے منقول ہیں۔

خزانہ ہفتم: در ذکر اشعار گو مقولہ اس فقیر (باجن) است بزبان ہندوی، چکری خوانند و قوالان ہند آں را در پردہ ہا و سرودی نوازند۔۔۔۔۔ (شاہ بہاء الدین باجن ۴۱-۴۴)

خزانہ رحمت کا سال تالیف کہیں مذکور نہیں ہے لیکن مندرجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنے شیخ رحمت اللہ کے وصال ۸۷۷ھ / ۱۴۷۳ء کے بعد برہانپور میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد شروع کیا۔ تکمیل کے سنہ کی بھی کہیں وضاحت نہیں ہے۔

خزائن رحمت فارسی نثر میں ہے مؤلف کا بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ انداز بیان، میں وعظ و نصیحت کا غلبہ ہے۔ مؤلف نے جاہجا فارسی اشعار اور مقامی زبان (گجراتی و قدیم اردو) کے دو ہڑے بھی نقل کیے ہیں۔

شاہ باجن اپنے کلام کو جگری بزبان ہندوی کہتے ہیں (خزائن رحمت، خزائن ہفتم) قدیم اردو یا گوجری کی اس صنف سخن کی ابھی تک تشفی بخش وجہ تسمیہ سامنے نہیں آئی ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اسے ذکر یا ذکر کی ہندوستانی اثرات میں بگڑی ہوئی شکل قرار دیا ہے۔ (مقالات شیرانی ۱/ ۱۷۷) اور یہ تاویل عام طور پر مانی جاتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی کی تاویل زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ لفظ دراصل چکری (چ۔ ک۔ ر۔ ی) ہے جو کاتبوں کے ہاتھوں بگڑتا ہوا کئی صورتیں اختیار کر گیا۔ اس لفظ کا تعلق فارسی یا عربی سے نہیں بلکہ ہندوی سے ہے۔ صوفیہ کے بعض سلاسل میں مزامیر کے ساتھ صوفیانہ کلام گایا جاتا ہے۔ اسے سن کر حلقے بنائے ہوئے یہ حضرات بے اختیار وجد میں آکر رقص کرتے گول گول گھومتے ہیں جسے چکر لگانا کہا جاتا ہے۔ اس حالت کو فارسی میں ”بہ چرخ آمدن“ کے محاورے سے ادا کیا جاتا ہے۔ خود شاہ باجن نے اپنے پیر کے خرقہ کے حصول کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اسی قسم کے وجد اور چکر کا ذکر کیا ہے۔ (خزائن ۶۵) اس طرح شاہ باجن کا یہ کلام نہ تو جگری، جگری، ذکر، ذکر ہے بلکہ دراصل یہ چکری ہے (مقدمہ دیسائی بر شاہ باجن حیات اور گجری کلام ۱۳-۱۵)

خزائن رحمت ایک اہم ترین تذکرہ بھی ہے جس میں مؤلف کے مرشد شیخ رحمت اللہ گجراتی، شیخ عزیز اللہ متوکل، شیخ لطیف الدین دریانوش اور خواجہ محمد بن زاہد یوسف چشتی کے حالات معاصرانہ روایات و مشاہدات پر مبنی ہیں اور ان حضرات کے حالات سے آگہی کا مستند ترین ذریعہ یہی تذکرہ ہے۔

اس کتاب کی کئی اعتبار سے تاریخی اہمیت بھی ہے۔ ایک مقام پر سلطان قطب الدین گجراتی (۸۶۳ھ / ۱۳۵۹ء) کی مجلس میں علماء و مشائخ کی موجودگی کا بڑے دلنشین انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ سلطان محمود بن محمد شاہ گجراتی، شاہ باجن کا مرید و معتقد تھا۔ (ہمانجا ۳۱-۳۲) مؤلف نے سلطان غیاث الدین (۸۷۳-۹۰۵ھ / ۱۳۶۸-۱۳۹۹ء) کے عدل و انصاف، معارف پروری اور فقراء دوستی کی بڑی تعریف کی ہے۔ (شاہ باجن حیات اور گجری کلام ۱۷-۱۹)

اس کتاب میں بعض تاریخی انکشاف بھی پائے جاتے ہیں مثلاً مولف نے لکھا ہے کہ شیخ عزیز اللہ متوکل کے مزار واقع مانڈو (Mando) کے پایاب روضہ میں سلطان احمد شاہ گجراتی کے فرزند مبارک خان کا چوترا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس گجراتی شہزادے کے نام سے نا آشنا ہیں چہ جائے کہ اس کے مدفن کا ذکر کہیں ملے۔ لیکن چند سال قبل شہزادے کے وجود کا گجرات کے سابر کانتھا ضلع قصبہ پرائیج کی ایک مسجد کے کتبے کے ذریعہ معلوم ہوا جو اس وقت تعمیر ہوئی تھی جب شہزادہ مبارک خان اس نواح کا حاکم یا گورنر تھا۔ اس کے علاوہ اس شہزادے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ (مقدمہ دیسائی بر شاہ باجن حالات و کلام ص ۱۲-۱۳) خزانے سے پہلی مرتبہ معلوم یہ ہوا کہ یہ شہزادہ نہ صرف دانشمند اور درویش تھا بلکہ وہ حافظ قرآن اور قاری سبع قرأت بھی تھا۔ (ہما نجا ۱۳) اسی طرح اس کتاب کے ذریعہ گجرات کے مشہور وزیر امیر ملک عماد الملک ملک شعبان کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ وہ بھی شیخ رحمۃ اللہ کا مرید تھا۔ (ہما نجا ۱۳)

خزانے رحمت کے خطی نسخے ذخیرہ شیرانی کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور (نمبر ۲۲۸۲ / ۵۲۸۹)، نیشنل میوزیم کراچی (ذخیرہ انجمن ترقی اردو) اور کئی نسخے برہان پور (ہندوستان) میں بھی موجود ہیں اب تک اس کا فارسی متن شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کی تلخیص اردو میں ڈاکٹر شیخ فرید نے شاہ بہاء الدین باجن حیات اور گجری کلام کے عنوان سے گجرات ۱۹۹۲ء میں شائع کی۔

شاہ باجن کی ایک مثنوی جنگ نامہ کے نام سے قدیم اردو میں ہے۔ جس کا خطی نسخہ نیشنل میوزیم کراچی میں ہے۔ اس مثنوی کا مکمل متن بھی شیخ فرید نے اپنی مذکورہ کتاب کے آخر میں مرتب کر کے شامل کر دیا ہے۔ شاہ باجن کے خلفاء میں ایک امیر قدسی بھی تھے جو فارسی کے شاعر تھے۔ معروف عالم دین و محدث شیخ علی بن حسام الدین متقی برہانپوری ثم کئی (ف ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) نے سات آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن سے بیعت کی اور پھر شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن سے سلسلہ چشتیہ میں خلافت حاصل کی تھی (اخبار الاخبار ۲۵۷)

مآخذ

۱۔ اصغر، راجیسور راد: ہندی اردو لغت، حیدر آباد، دکن ۱۹۳۸ء

۲۔ جالبی، جمیل: تاریخ ادب اردو، لاہور، ۱۹۸۴ء

- ۳۔ خلیل الرحمن: تاریخ برہانپور، دہلی ۱۳۱۷ھ
- ۴۔ دیبائی، ضیاء الدین: مقدمہ بر شاہ باجن، حیات اور کلام مرتبہ شیخ فرید، گجرات، ۱۹۹۲ء
- ۵۔ راشد، مطیع اللہ برہانپوری: برہانپور کے سندھی اولیاء۔ کراچی ۱۹۵۷ء
- ۶۔ شیرانی، حافظ محمود: مقالات شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور ج اول، ۱۹۶۶ء
- ۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الانبیاء، دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۵ء
- ۹۔ غلام مصطفیٰ خان: علمی نقوش، حیدر آباد، سندھ (س۔ن)
- ۱۰۔ غوثی مانڈوی: اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار، از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ، فارسی متن مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۱۱۔ فرید، شیخ: شاہ بہاء الدین باجن حیات اور گجری کلام، گجرات احمد آباد، ۱۹۹۲ء
- ۱۲۔ ملکپوری، عبدالببار خان: محبوب ذی المنن، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۹ھ
- ۱۳۔ مدنی، سید ظہیر الدین: گجری مثنویاں، گجرات، ۱۹۹۰ء
- ۱۴۔ جعفر، سیدہ، گیان چند جین: تاریخ ادب اردو، دہلی ۱۹۹۸ء

۱۹ اپریل ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

جہانگیر بادشاہ نے کہا کہ جب دہلی سے اجمیر زیارت کے لیے آئیں تو مجھ سے ملاقات کریں چنانچہ ان کی جہانگیر سے اجمیر ہی میں ملاقات ہوئی۔ ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء میں جب جہانگیر احمد آباد آیا تو سید احمد قادری کے توسط سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات میں آپ نے کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا البتہ جہانگیر کے کہنے پر ایک گاؤں اپنے فرزندوں کے لیے مدد معاش کے طور پر قبول کر لیا۔ (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۷۸ اسی سنہ میں جہانگیر نے سید محمد سجادہ نشین شاہ عالم اور دیگر مشائخ احمد آباد سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے) (جہانگیر نامہ ۲۳۸، مآثر جہانگیری ۲۳۵)

شیخ نے ۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو انتقال کیا اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کیے گئے (خاتمہ مرآۃ احمدی ۷۸)

شیخ محمد چشتی کے چار فرزند تھے ۱۔ حسن محمد ۲۔ شیخ محمود ۳۔ شیخ سراج الدین (ف ۱۰۵۰ھ) ۴۔ شیخ عزیز اللہ (ایضاً ۷۹)

شیخ محمد نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے برادر زادے شیخ یحییٰ جانشین بنیں یہ شیخ یحییٰ مدنی سلسلہ چشتیہ کے بہت ہی نامور شیخ طریقت ہوئے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی انہی کے خلیفہ تھے۔ ان کے دیگر خلفاء اور افکار کے لیے دیکھئے تاریخ مشائخ چشت (۵ / ۷۱-۹۸۲)

شیخ محمد چشتی کے مختلف موضوعات پر بہت سے رسائل ہیں۔ خانقاہ تونسہ کے کتب خانہ میں ایک ضخیم مجموعہ رسائل ہماری نظر سے گزرا ہے جس کی فہرست حسب ذیل ہے:

- ۱۔ تقسیم الامداد ۲۔ چہار برادران ۳۔ مجالس حسنیہ ۴۔ آداب الطالبین ۵۔ رفیق الطلاب ۶۔ الہامات ۷۔ ہدایات مشیخہ ۸۔ توحید ثلاثہ ۹۔ رسالہ لب ۱۰۔ معرفت ۱۱۔ لذت المستہین ۱۲۔ راحت المریدین ۱۳۔ صبر در شدت ۱۴۔ موجب الرکۃ ۱۵۔ الجمع بین الدنیا والآخرۃ ۱۶۔ مراجعین العشاق ۱۷۔ تحفۃ الملوک ۱۸۔ الحیرۃ ۱۹۔ الناس باللباس ۲۰۔ السفر والاقامۃ ۲۱۔ نکات الاخوان ۲۲۔ نیت ۲۳۔ ایمان ۲۴۔ اذکار و مراقبات ۲۵۔ روح اعظم ۲۶۔ جواہر العلوم ۲۷۔ جہاد اصغر ۲۸۔ فوائد الاصول ۲۹۔ قصہ زن گل فروش ۳۰۔ قصہ جماعت مسافران ۳۱۔ جہاد اکبر ۳۲۔ چند افسانہ ۳۳۔ دریاء شہادت ۳۴۔ فضل کسب ۳۵۔ طلب حلال ۳۶۔ مساعلہ در معاملہ ۳۷۔ عجوبہ عشق ۳۸۔ خلوت و جلوت ۳۹۔ مسجد و کعبہ واقصیٰ ۴۰۔ علم ۴۱۔ قرآن ۴۲۔ نہایت و بدایت

دیگر مختلف خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے، فہرست مشترک ۳ / ۱۲۱۴

ان رسائل میں سے صرف آداب الطالبین اور رفیق الطلاب ایک ہی مجموعہ میں مطبع مجتبائی دہلی سے

چھپ چکے ہیں اور مجالس حسنیہ (مذکورہ رسالہ نمبر ۳) میں مؤلف نے اپنے ۴۱ رسائل کے نام خود لکھے ہیں۔ ان رسائل میں مؤلف نے تصوف کے اسرار و رموز کے علاوہ چشتی مشائخ کے بارے میں بہت ہی اہم معلوم مہیا کی ہیں۔ بعض مشائخ کی تاریخ اور سنین وفات کا بڑے اہتمام سے تذکرہ کیا ہے یہاں بعض معاصرین کے قطعات تاریخ وفات بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً شیخ سراج الدین محمد (از بزرگان خانوادہ خود) مذکور کی تاریخ وصال یکم جمادی الاول ۱۰۱۷ھ دی ہے اور ساتھ ہی ان کے ایک مرید مولانا حمزہ ناگوری کا نظم کردہ سال وفات بھی نقل کیا ہے (ص ۷۷-۷۸)

ان رسائل میں سلسلہ چشتیہ کے اکابر کے افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے سلسلہ میں کئی اہم روایات بھی اپنے رسائل میں نقل کی ہیں۔ جو مروجہ تذکروں میں نہیں ملتیں لیکن شیخ محمد سبجراتی چونکہ اس سلسلہ کے ایک ایسے باخبر بزرگ تھے کہ ان کی درج کردہ روایات کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مآخذ

- ۱۔ احمد آبادی، محمد چشتی: مجموعہ رسائل، خطی، مخزنہ کتابخانہ تونسہ، R.No. 287
- ۲۔ محمد اسماعیل چشتی: مجمع الکمال، خطی، مخزنہ کتابخانہ عمومی خیرپور، سندھ، پاکستان
- ۳۔ جہانگیر بادشاہ: جہانگیر نامہ طبع محمد ہاشم، تہران، بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۵۹ ش
- ۴۔ کامگار حسینی، خواجہ: آثار جہانگیری طبع عذرا علوی، بمبئی ۱۹۷۸ء
- ۵۔ مرزا محمد حسن علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ طبع نواب علی، بڑودھا ۱۹۳۰ء
- ۶۔ ایضاً: تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) از ابو ظفر ندوی، احمد آباد ۱۹۹۳ء
- ۷۔ احمد منزوی: فہرست مشترک، اسلام آباد ۱۹۸۴ء
- ۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۱، ۵، دہلی ۸۰-۱۹۸۳ء
- ۹۔ رحمن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء
- ۱۰۔ عبدالحی حسنی: یادایام (تاریخ گجرات)، لکھنؤ ۱۹۸۳ء

۱۲۸ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دلشامہ شبیر قادری

میاں شیخ عبد الوہاب جیلانی پشاور

شیخ عبد الوہاب جیلانی معروف بہ اخوند پنجو پشاوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی، عالم اور مدرس تھے۔

مقامی روایات کے مطابق شیخ عبد الوہاب کی ولادت ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء کو علاقہ یوسف زئی پشاور میں ہوئی، آپ سید غازی بابائے نوسلجی کے صاحبزادے اور حسینی سادات سے تعلق رکھتے تھے جن کے اسلاف عرب سے ہندوستان آکر آباد ہو گئے (تحفۃ الاولیاء ۴، ۱۰) شیخ عبد الوہاب مع متعلقین وہاں سے پشاور کی ایک مضافاتی بستی اکبر پورہ میں آکر آباد ہو گئے، یہ حدود ۹۱۰ھ / ۱۵۸۲ء کا واقعہ ہے۔ ان ایام میں بایزید انصاری مشہور بہ پیر تاریک کا ایک خلیفہ سرمست رہتا تھا اور ہر وقت نشہ آور چیزیں استعمال کرتا تھا اور اباحتی افکار کا پرچار کرتا رہتا تھا، اخوند عبد الوہاب نے وہاں مسجد تعمیر کروائی اور پانچ وقت نماز پر زور دیا جس کے باعث آپ کو تحقیر کے طور پر ”اخوند پنجو“ کہا جانے لگا لیکن جب آپ نے یہ طعنہ سنا تو اسے اپنے لیے احکام اسلام کی پابندی کے سلسلہ میں افتخار جانتے ہوئے اپنالیا (ایضاً ۱۶)۔

اخوند پنجو پشاوری، اخوند درویشہ کے افکار اور بایزید انصاری کے مقابلہ میں ان کی تحریک احیاء دین سے متاثر تھے، انہی ایام میں شیخ جلال الدین تھانیسری (ف ۹۸۹ھ / ۱۸۵۱ء) کے خلیفہ شیخ ابو اللہ کماچی (مؤلف سبع سما) اکبر پورہ تشریف لائے تو اخوند پنجو عبد الوہاب جیلانی ان کے مرید ہو گئے، شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبد القدوس گنگوہی (ف ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) کے خلیفہ تھے، گویا اب اخوند پنجو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں منسلک ہو کر شیخ طریقت بن چکے تھے۔ (ایضاً ۸، ۱۶، ۱۷، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹) شیخ عبد الوہاب جیلانی اخوند پنجو پشاوری درس و تدریس کا شغل بھی فرماتے تھے، تقریباً تین سو علماء نے آپ سے تحصیل کی (تحفۃ الاولیاء ۱۶)۔

شیخ عبدالوہاب پنجو پشوری کے مریدین و خلفاء کثیر تعداد میں تھے جن میں سے شیخ میاں علی خان، شیخ عبدالغفور عباسی، شیخ رحمکار عرف کا کا صاحب، اخوند سالاک کابلی، چنبل بیگ خیر آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں (ایضاً ۲۸-۳۳)

اکبر بادشاہ (حکو ۹۶۳-۱۰۱۳ھ / ۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) اخوند شیخ عبدالوہاب سے عقیدت رکھتا تھا (ایضاً ۳۲-۳۶)

شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو پشوری کا ۲۷ رمضان ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۱ء کو وصال ہوا اور اکبر پورہ (من مضافات پشاور) میں دفن کیے گئے جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے (تحفۃ الاولیاء ۳۹-۴۰) سال وفات میں اختلاف ہے صاحب خزینۃ الاصفیاء (۱/ ۴۸۰) نے ۱۰۷۳ھ درج کیا ہے۔

مآخذ

- ۱۔ ابوالفضل علّامی: آئین اکبری، لکھنؤ، مطبع نو لکھنؤ، ۱۸۶۹ء
- ۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، پشاور، ۱۹۶۳ء
- ۳۔ رضوانی، احمد شاہ: تحفۃ الاولیاء (مناقب شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو)، لاہور، ۱۳۳۰ھ
- ۴۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵ء
- ۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع شرمند، ۱۸۷۳ء
- ۶۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیہ سرحد، لاہور، ۱۹۶۶ء
- 7- Abul-Fazl: Ain-i-Akbari, tran. by H. Blochmann, (rept.) Lahore, 1975..
- 8- Abdul Qadir Badauni, Muntakhab-ul-Tawarikh, (rept.) Karachi, 1976.

۱۵ نومبر ۲۰۰۴ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شاہ محب اللہ الہ آبادی

شاہ محب اللہ الہ آبادی گیارہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف تھے۔

شاہ محب اللہ بن شیخ مبارز کا سلسلہ نسب شیخ فرید الدین گنج شکر سے واصل ہوتا ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۵ /

(۳۲۳)

شاہ محب اللہ کی ولادت خیر آباد (Kherabad) کے ایک قصبہ صدر پور (Sadarpur) میں ۲ صفر

۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور چلے آئے۔ جہاں معروف عالم مفتی عبدالسلام لاہوری (ف

۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء) کی خدمت میں تحصیل کی آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں سعد اللہ خان (بعد اوزیر شاہ جہان)

بھی تھا۔ (ہامجا ۳۲۳)

شاہ محب اللہ نے اپنی ابتدائی زندگی اور حصول علم کے حالات اپنی کتاب انفاس الخواص کے دیباچے میں

اس طرح لکھے ہیں۔ غفوانِ شباب میں انہیں ظاہری علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک استاد نے پاس انفاس کی

تعلیم میں بھی دی۔ اسی دوران ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی شادی کر دی گئی اس کے باوجود حصول علم کے لیے

لاہور آئے، تحصیل علم کے بعد اپنے موطن صدر پور واپس آئے تو فکرِ معاش دامن گیر تھی ملازمت کی تلاش میں

احمد آباد گجرات گئے لیکن ملازمت کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن پہنچے اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔

(کواکب ۵۵-۵۶)

بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے دہلی کا سفر کیا اتفاق سے نواب سعد اللہ خان سے ملاقات ہو گئی

اس نے شاہ جہان سے ملوایا اور منصب کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔ اور واپس اپنے وطن چلے گئے۔ (ذکر

العارف ۲۲-۲۵)

اس وقت چشتی صابری سلسلہ کے معروف بزرگ شیخ ابو سعید گنگوہی (رک باں) کی روحانیت کا شہرہ تھا آپ ان کی خدمت میں گنگوہ (Gangoh) حاضر ہوئے اس سفر میں ان کے دوست عبدالرحمن چشتی صاحب مرآۃ الاسرار بھی ہمراہ تھے، شیخ نے تربیت کے فرائض بخوبی انجام دیئے اور جلد ہی خلافت سے نوازا (مرآۃ الاسرار، خطی، برگ ۳۷۸ ب) اپنے مستقر صدر پور میں کچھ عرصہ قیام کیا پھر بحکم مرشد الہ آباد (Allahabad) چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے اور تادم حیات دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ الہ آباد میں قیام کی مدت حدود بیس ۲۰ سال بنتی ہے۔ جہاں ۹ رجب ۱۰۵۸ھ / ۱۶۳۸ء کو وصال ہوا وہیں دفن کیے گئے۔ (مرآۃ الاسرار ۳۷۹ الف)

آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے تھے تاج الدین۔ (ہمانجا)

شاہ محب اللہ کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے ان میں سے قاضی گھاسی (Ghasi)، شیخ محمد رسولدار، قاضی یوسف، قاضی عبدالرشید، میر سید محمد قنوجی، شاہ محمد فیاض اور شیخ احمد مشہور ہوئے۔

آپ حقائق و معارف کے بیان میں مہارت تامہ رکھتے تھے تقریر ایسی مؤثر اور دل نشین ہوتی تھی کہ وحدت الوجود جس کے آپ علمبردار تھے کے منکر علماء بھی آپ کی محبت سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے۔ اور یہی مسلک اختیار کر لیا۔ (مرآۃ الاسرار ۳۷۸ ب)

شاہ محب اللہ الہ آبادی نظریہ وحدت الوجود کے علمبردار اور تصانیف ابن عربی کے بہترین شارح اور مروج تھے۔ (تذکرہ علماء ہند ۴۰۴)

شاہ محب اللہ کے جس رسالے پر اس وقت کی مذہبی زندگی میں ہلچل مچ گئی وہ ان کا رسالہ تسویہ تھا جس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے بارے میں ایسی بحث کی تھی جو علماء کے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ یہ رسالہ جب اورنگزیب عالمگیر (۱۰۵۸-۱۱۱۸ھ) کی نظر سے گذرا تو اس وقت ان کا وصال ہو چکا تھا۔ اورنگزیب نے آپ کے مریدوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شاید یہ عملی طور پر ممکن نہیں تھا ان کے صرف دو خلفاء میر سید محمد قنوجی اور شیخ محمدی کے حاضر ہونے کا ذکر ملتا ہے، میر سید محمد قنوجی نے کہا کہ میں ان سے اپنا سلسلہ بیعت منقطع کرتا ہوں لیکن شیخ محمدی نے جرأت مندانہ جواب دیا کہ میں اس کی شرح اور تادیل کرنے کے قابل نہیں ہوں تم اسے جلانا چاہو تو تمہارے مطبخ میں آگ بہت ہے۔ (تأثر الکرام ۸۳)

اس قسم کی شورش شاہ محب اللہ کی زندگی میں بھی ہوئی تھی وہ اتنی شدید تھی کہ عوام ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے آخر شیخ محمد رشید جوپوری نے ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے کلام کی توضیح کی تو لوگوں کے جذبات فرو ہوئے (معارج الولايت برگ ۴۳۲)

شاہ محب اللہ کی مخالفت میں ان کے معاصر علامہ محمود جوپوری (ف ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء) پیش پیش تھے۔ انہوں نے حرز الایمان کے نام سے رسالہ تسویہ کا رد بھی لکھا تھا۔ داراشکوہ کے ساتھ شاہ محب اللہ کے خصوصی مراسم تھے شاہ محب اللہ تصوف کے جس حلقہ فکر کی ترجمانی کر رہے تھے داراشکوہ کو اس سے خاص عقیدت تھی۔ (تاریخی مقالات ۱۳۹) انہوں نے جب فصوص الحکم کی شرح فارسی میں لکھی تو اس کا ایک نسخہ داراشکوہ کو بھی ارسال کیا۔ دارا کی ان کے ساتھ مراسلت بھی تھی جب انہوں نے دارا کے طویل سوالنامے کا جواب دیا تو دارا نے لکھا کہ مجھے آپ کے ساتھ اپنی ہم مشربی کا علم ہو گیا ہے (رقعات عالمگیر ۳۲۹) جب داراشکوہ کو شاہ محب اللہ کے آخری مستقر الہ آباد کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا تو اس وقت ان کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے اور عرفانی اسرار و رموز پر اکثر گفتگو ہونے لگی اس نے اسے اپنی خوش نصیبی تصور کیا۔ (ہما نجا ۳۲۰، تاریخی مقالات ۱۳۹-۱۵۰)

شاہ محب اللہ کے افکار و نظریات کے اثرات ان کے مریدین پر بہت گہرے تھے انہوں نے ان کی تبلیغ جاری رکھی (مقاصد العارفین، مفتاح الخزان، انوار العارفین، انوار العاشقین)

شاہ محب اللہ الہ آبادی نے عربی و فارسی میں بہت سے کتابیں تالیف کیں جن کا مرکزی نقطہ نظر وحدت الوجود اور شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات و افکار کی توضیحات ہے۔ عربی کتب کے نام یہ ہیں

- ۱۔ تجلیۃ الفصوص (شرح فصوص الحکم) ۲۔ ترجمۃ الکتاب ۳۔ منہیات ترجمۃ الکتاب ۴۔ رسالۃ التسویہ ۵۔ عقائد الخواص ۶۔ المغالطۃ العامہ ۷۔ تفسیر القرآن ۸۔ حاشیہ ترجمۃ القرآن۔ انفاس الخواص یعنی شرح فصوص الحکم فارسی تالیفات کا مجمل تعارف کروایا جا رہا ہے۔

۹۔ غایت الغایات:

شیخ ابن عربی کی تصانیف میں اہل اللہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُسے بعض احباب کی درخواست پر یک جا کر دیا ہے۔ اس کے پانچ ابواب ہیں:

اول: در بیان آل کہ مناظر اہل اللہ در حق غیر عقائد اہل کلام و علماء۔۔۔

دوم: در بیان آل کہ وجد و حال نقص است نہ کمال

سوم: در بیان معرفت حق و اسماء و صفات او

چہارم: در بیان سبب بدء عالم

پنجم: در بیان بدء خلق روحانی و جود انسانی

اس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (کواکب ۱۱۸-۱۱۹)

۱۔ عبادات الخواص:

یہ کتاب ۱۵ تنبیہات ۵۳۷ فصول، نو ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا باب کلمہ طیبہ کے بیان میں دوسرا جہنم تیسرا جنت چوتھا اصول فقہ پانچواں طہارت چھٹا نماز ساتواں زکوٰۃ آٹھواں روزہ اور نواں حج کے بیان میں ہے۔ خاتمہ نوافل، سنتوں اور فرض نماز کے بیان میں ہے۔

یہ کتاب خاصی ضخیم اور ۱۳۷۷ صفحات پر مشتمل ہے سال تکمیل ۱۰۵۳ھ ہے۔ اس کا ایک نسخہ ذخیرہ

دہلی کتابخانہ دیوان ہند لندن میں ہے (1.0.D.P. 170)

۱۱۔ شرح فصوص الحکم:

یہ شرح ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء کو مکمل کی۔ پاکستان و ہند میں لکھی جانے والی شروح میں یہ اپنی نوعیت کی عجیب شرح ہے۔ اس میں دیگر شارحین فصوص سے نقل و اقتباس کی بجائے شارح نے زیادہ تر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

دو نسخے کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اور ایک نسخہ کتابخانہ نیشنل میوزیم کراچی میں ہے۔ لکھنؤ سے

مع اردو ترجمہ چھپ چکی ہے۔

۱۲۔ ہفت احکام:

یہ رسالہ مندرجہ ذیل سات احکام پر مشتمل ہے۔

اول: علم بہ حقائق است، دوم علم۔ تجلی حق تعالیٰ در اشیاء، ثالث۔ علم بخطاب حق تعالیٰ

پنجم۔ علم انسان بنفس خود از جہت حقائق آں۔۔۔۔۔

ششم علم بخیال و عالم آں۔ ہفتم علم بہ علل و ادویہ آں۔

حقائق و معارف پر مشتمل ایک مقدمہ بھی ہے۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی

گڑھ میں ہے (کواکب ۱۲۱) دوسرا نسخہ ذخیرہ دہلی کتابخانہ دیوان ہند، لندن میں ہے (نمبر 1.0.D.P. 1024)

۔ رسالہ سہ رکنی:

اس رسالے میں مؤلف نے وحدت الوجود کے تین بنیادی اصولوں سے بحث کی ہے۔ جو اس نظریہ کے

قائل کے لیے تین ستونوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ دہلی، کتابخانہ دیوان ہند، لندن

میں ہے (نمبر 1.0.D.P. 1002)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل بھی شاہ محب اللہ نے تالیف کیے تھے۔

سز الخواص، طرق الخواص، عبادات الخواص، رسالہ وجود مطلق، مراتب الوجود، رسالہ سیر الہی،

رسالہ اعانۃ الاخوان، مناظر الخواص، رسالہ توحید، امالۃ القلوب۔

۱۰۔ مکتوبات:

شاہ محب اللہ الہ آبادی کے مکتوبات مکتوبات کا مکتبہ ہیں ان میں ان کا مرکزی نقطہ نظر وحدت

الوجود ہے۔ اس میں کل ۱۸ مکاتیب ہیں۔ داراشکوہ کے نام مکتوبات میں اس عہد کے سیاسی امور کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

مثلاً داراشکوہ نے ان سے دریافت کیا کہ حکومت کے معاملات میں ہندو مسلمان کی تفریق جائز ہے یا نہیں، انہوں

نے جواب دیا کہ یہ تفریق ناجائز ہے۔ مکتوبات کے کئی خطے نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ کتابخانہ

مرکزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (تاریخی مقالات ۱۳۷-۱۵۱) دوسرا ذخیرہ دہلی کتابخانہ دیوان ہند لندن

نمبر ۱۱۹۲ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ ذکر المعارف میں ان مکتوبات کے طویل اقتباسات پائے جاتے ہیں (کواکب ۶۶)۔

رسالہ تسویہ کی شرح:

اس رسالے کی کئی شرحیں عربی و فارسی میں لکھی گئیں، خود مؤلف نے اس کا مشروح فارسی ترجمہ بھی کیا تھا، حرز الایمان از ملا محمود جونپوری (تردیدی شرح)، القول السدید (تردیدی شرح) از خواجہ خرد بن خواجہ باقی باللہ (دہلوی)، شرح از شیخ حبیب اللہ ساکن پٹنہ بجواب شرح خواجہ خُرد، اس شارح نے حرز الایمان از ملا محمود جونپوری کا بھی رد لکھا تھا۔ (تسویہ کی شروح و جروح ۳۸-۴۴) شرح از محمدی فیاض، شرح از شیخ امان اللہ بناری ۱۱۳۳ھ، شرح از محمد افضل الہ آبادی، شرح بزبان عربی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، شرح از علی اکبر دہلوی فیض آبادی۔ تصفیہ شرح تسویہ (فارسی) از شاہ علی انور قلندر کاکوری (ف ۱۹۰۶ء) مطبوعہ، رسالہ تسویہ بخط شاہ محب اللہ الہ آبادی کتابخانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری (Kakori) لکھنؤ میں موجود ہے (کواکب ۱۲۵)

ماخذ

- ۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام مرتبہ محمد عبدہ، لاہور ۱۹۷۱ء
- ۲۔ رحمن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء
- ۳۔ شاہ نواز خان، مصمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۶۹ء
- ۴۔ بشیر احمد خان غوری: تسویہ کی شروح و جروح (مشمولہ تصوف بر صغیر میں، پٹنہ، خدا بخش لاہوری، ۱۹۹۲ء)
- ۴/۲۔ داعی، عبدالرحمن شاہ محب اللہ آبادی، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (برہنمائی پروفیسر آرویری) کیمبرج یونیورسٹی، کیمبرج (غیر مطبوعہ)
- ۵۔ شوکت حسین الہ آبادی: ذکر المعارف، الہ آباد، رضوی پریس، ۱۳۴۲ھ
- ۶۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۵، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۵ء
- ۷۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ

۸۔ عبدی، عبد اللہ خویشگی قصوری: معارج الولايت خطی، مخزنہ کتابخانہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ذخیرہ آذر نمبر

H-25

۹۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ شہار احمد فاروقی، ٹونک، ۱۹۸۳ء

۱۰۔ مسعود انور علوی کاکوروی: کواکب (مقالات راجع بہ علماء ہند)، کاکوری، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ نجیب اشرف ندوی: رتعات عالمگیر، اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین، ۱۹۳۰ء

۱۲۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی، ۱۹۶۶ء

۱۳۔ مشتاق احمد امینوی: انوار العاشقین، حیدرآباد، دکن

14- Yusuf Hussain Khan: Shah Muhibullah of Allahabd, and his Mystical thought, Islamic Culture, Hyderabad, Vol. 38, Oct. 1964.

۱۹ جون ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد بن محمد حسینی کالپوی

شیخ احمد حسینی کالپوی گیارہویں صدی ہجری کے معروف چشتی صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ احمد بن محمد بن ابی سعید ترمذی کالپوی بن۔۔۔ (نزہۃ الخواطر ۵ / ۳۲۷) کے اجداد میں سے شیخ

احمد کے والد محمد بن ابی سعید ہندوستان آئے اور میر ابو العلاء اکبر آبادی (رک باں) سے بیعت ہو کر ان کے اکابر

فلقاء میں شمار ہوئے ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء میں انتقال ہوا (ہانجا ۵ / ۳۲۸، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۵۸)

شیخ احمد حسینی کی ولادت کالپی (Kalpi) (ضلع جالون یوپی میں ایک تاریخی قصبہ ہے) Imperial

Gazetteer of India, Vol. xiv pp. 318-19) میں ہوئی تعلیم کا آغاز اپنے والد کی خدمت میں کیا پھر

شیخ محمد افضل الہ آبادی (رک باں) سے باقی کتب پڑھیں۔ اپنے والد سے بیعت ہوئے صرف ۲۳ سال کی عمر میں

فراغت کے بعد اپنے والد کی مسند درس و ارشاد کو رونق بخشی (تاثر الکرام ۷۷، نزہۃ الخواطر ۵ / ۶۱) اجیر سے

واپسی کے بعد سماع سے رغبت ہو گئی تھی (ہانجا) سماع ہی کے موضوع پر شیخ محمد افضل الہ آبادی سے طویل مراسلت

بھی ہوئی (ہانجا ۷۷-۷۹)

رسالہ تسویہ مؤلفہ شاہ محب اللہ الہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۳۸ء) پر مباحث کے سلسلہ میں

اور تکذیب نے جن علماء و مشائخ کو دربار میں طلب کرنے کی فہرست مرتب کروائی تھی ان میں شیخ احمد حسینی کالپوی کا

نام بھی شامل تھا لیکن موصوف اس حاضری سے قبل ہی فوت ہو گئے (ہانجا ۷۹) یعنی شیخ احمد حسینی کا انتقال ۱۹ صفر

۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۳ء کو ہوا اور کالپی میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔ (تاثر الکرام ۷۹، نزہۃ الخواطر ۶۲)

ان کے تین فرزند تھے شاہ فضل اللہ (ف ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء)، سید سلطان مقصود اور سلطان مسعودیہ

تینوں اصحاب صاحب علم و فضل تھے (نزہۃ الخواطر ج ۵، ۶، تاثر الکرام ۷۹-۸۳)

سید احمد حسینی کالپوری کی صرف تین تالیفات کا ہمیں تا حال علم ہے۔

۱۔ مشاہداتِ صوفیہ:

یہ کتاب اربابِ شہود کے مشاہدات پر مشتمل ہے۔ تصوف کے عمومی مسائل کی بجائے دقیق امورِ عرفانی سے بحث کی گئی ہے۔ روش عموماً ”مشاہدہ“ صوفیہ کے مطابق ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے لیکن بکثرت رباعیات بھی نقل کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ دمی احمد بلگرامی کے کتب خانہ کراچی میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۹۲۳)

اس کا ایک اور قلمی نسخہ مولانا آزاد لاہوری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (مرآۃ التصوف ص ۳۷، الثقافۃ الاسلامیہ فی الهند ۱۹۵)

۲۔ جوامع الہدایت:

یہ بھی تصوف و سلوک پر ایک اہم کتاب ہے۔ مؤلف نے متعدد کتبِ صوفیہ کے حوالے سے عرفانی مسائل و عملیات بیان کیے ہیں۔ اپنے خانوادے کے بعض بزرگوں کے اشغال بھی شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ ۱۷۰۔ اوراق کا یہ مخطوطہ بھی آزاد لاہوری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے (مرآۃ التصوف ص ۳۷، تصوف بر صغیر میں، فہرست ص ۸۸)

۳۔ شرح علی عقائد النسفیہ:

سید احمد حسینی کالپوی نے عقائد النسفیہ جیسی دقیق کتاب کی یہ شرح صرف ۱۴ دنوں میں تالیف کی تھی (نزہۃ الخواطر ۵/ ۶۲)، اس کے کسی خطے نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

۴۔ دیوان:

سید احمد کالپی صاحب دیوان شاعر تھے، ان کے اس فارسی دیوان کے کسی قلمی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے۔ (ہانجہ ۵/ ۶۲)

ماخذ

- ۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: آثار الکرام، لاہور، ۱۹۷۱ء
- ۲۔ احمد منزوی: فہرست مشترک ج ۳۔ اسلام آباد ۱۹۸۴ء
- ۳۔ تصوف بر صغیر میں (تصوف کے نادر مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار منعقدہ ۱۹۸۵ء کے مقالات) پٹنہ ۱۹۹۲ء
- ۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۵، حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: الثقافة الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء
- ۶۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۷۔ قیصر، محمود حسن امر دہوی: مرآۃ التصوف (آزاد لاہوری، مسلم یونیورسٹی کے مخطوطات تصوف کی فہرست) علی گڑھ ۱۹۸۵ء
- ۸۔ محمد کالپوی، سید: تحقیق روح، الہ آباد مطبع عینی۔
- ۹۔ ایضاً: عقائد صوفیہ، الہ آباد، مطبع عینی۔
- 10- Imperial Gazetteer of India (rep.) Delhi (n.d.)

۳ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شہید قاری

شیخ ابو سعید چشتی صابری گنگوہی

شیخ ابو سعید گنگوہی سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامور شیخ طریقت تھے۔ اس سلسلے کے معروف ترین بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے نبی تعلق بھی تھا۔

شیخ عبدالرحمن جن کی شیخ ابو سعید گنگوہی کے ساتھ ”محبت و یگانگی“ تھی لکھا ہے کہ شیخ ابو سعید، عبدالقدوس گنگوہی کے نبیرے اور ان کی والدہ معروف شیخ طریقت شیخ جلال الدین تھانیسری کی بیٹی تھیں۔ اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ شیخ ابو سعید کچھ عرصہ ”سپاہری“ بھی کرتے رہے پھر ملازمت ترک کر کے شیخ جلال تھا نیسری کی خدمت میں آ گئے۔ (مرآۃ الاسرار برگ ۷۸ ج ۱ الف) شیخ جلال تھانیسری (ف ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) نے کبر سنی کی وجہ سے شیخ ابو سعید کی تربیت کے لیے اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین تھانیسری ثم بلخی (ف ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۷ء) کے حوالے کر دیا تھا (اقتباس الانوار ۲۷۶)۔

۱۶۰۵ھ / ۱۶۰۱۳ء میں جب شہزادہ خسرو بن جہانگیر نے بغاوت کی تو اس کا گذر تھانیسری سے ہوا۔ شہزادہ شیخ نظام الدین کی زیارت و ملاقات کے لیے بھی گیا، شیخ نظام کے مخالفوں نے جہانگیر کو یہ باور کروایا کہ شیخ نے شہزادے کو سلطنت کی بشارت دی تھی، جہانگیر ان سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور انہیں ملک بدر کر دیا شیخ نے بلخ میں سکونت اختیار کر لی (مرآۃ الاسرار ج ۱ الف)۔

اس دوران شیخ ابو سعید کی تربیت ناتمام رہ گئی تھی چنانچہ وہ اس کی تکمیل کے لیے شیخ نظام کی خدمت میں بلخ گئے اور حدود بارہ سال تک بلخ میں رہ کر تکمیل کی (اقتباس الانوار ۲۷۷) شیخ نظام الدین تھانیسری نے انہیں خلافت دے کر آبائی قصبہ گنگوہ میں متعین کیا۔ (ایضاً ۲۸۰)

جب شیخ ابو سعید گنگوہ پہنچے تو شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے نبیرے شیخ حمید الدین نے بھی ان کو خلافت

دی (مرآۃ الاسرار ج ۱ الف، اقتباس الانوار ۲۸۰)

شیخ ابو سعید گنگوہی سے سلسلہ صابریہ کو بہت فروغ ہوا کئی اصحاب کے شجرات اس سلسلے میں انہی شیخ ابو سعید کی وساطت سے واصل ہوتے ہیں (کچکول نامہ مولفہ عبدالکریم گنگوہی، خطی)

شیخ ابو سعید کے خلفاء میں سے تین اصحاب خاص طور پر شہرت کے مالک ہوئے ہیں، شیخ محب اللہ الہ آبادی، شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ محمد ابراہیم راہپوری۔

شاہ محب اللہ الہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۳۸ء) ان میں معروف ترین بزرگ تھے انہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف پر کامل عبور تھا۔ فصوص الحکم کی عربی و فارسی میں شرحیں لکھی تھیں۔ موصوف کے تمام رسائل کا موضوع افکار ابن عربی کی تشریح و ترجمانی ہے انہیں بجا طور پر ابن عربی ثانی کہا جاتا ہے۔ داراشکوہ بن شاہ جہان کے ساتھ ان کے بہت قریبی مراسم تھے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے ساتھ داراشکوہ کی مراسلت بھی تھی ان کے مجموعہ مکتوبات میں کئی مکاتیب داراشکوہ کے نام ہیں جن سے اس عہد کی فکری فضا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں اور نگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں اس رسالے میں خلاف شرع امور پر گرفت کی اور اسے جلادینے کا حکم دیا۔ (مرآۃ الاسرار برگ ۳۸۰، معارج الولايت۔ خطی برگ ۴۳۲ ب)

شاہ محب اللہ الہ آبادی ہماری فکری تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ داراشکوہ اور شاہ محب اللہ الہ آبادی کی مراسلت اور رسالہ سوال و جواب سے بھی اس عہد کی ذہنی و فکری فضاء صوفیہ کے نظریہ وحدت الوجود کی طرف شدید میلان اور ان کے آپس کے اختلافات کا پس منظر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے (تاریخی مقالات ۱۳-۱۵۱، مقامات معصومی ۱/ ۷۲-۷۶)

شیخ ابو سعید کے دوسرے خلیفہ شیخ محمد صادق گنگوہی دراصل آپ کے جانشین تھے انہوں نے ہی شیخ کی وفات کے بعد مسند ارشاد کو سنبھالا اور سلسلہ صابریہ کو ترقی دی۔ ان کے تیسرے خلیفہ شیخ محمد ابراہیم راہپوری بھی اپنے وقت کے سرگرم عمل صوفیہ میں سے تھے (اقتباس الانوار ۲۸۱)

شیخ ابو سعید کے دو اور خلفاء شیخ ابراہیم سہارنپوری اور خواجہ شیخ پانی پتی بھی قابل ذکر ہیں۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۴۷۲)

مفتی غلام سرور لاہوری نے مرآۃ الاسرار کے حوالے سے شیخ ابو سعید کا سال وفات ۱۰۴۹ھ لکھا ہے۔
 (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۲) لیکن مرآۃ الاسرار میں سرے سے ان کا سال وفات درج ہی نہیں ہے۔ اقتباس الانوار
 (ص ۲۸۲) میں اتنا لکھا ہے کہ وفات کے بعد انہیں ان کے جد اعلیٰ کے مزار کے احاطہ میں دفن کیا گیا یعنی قصبہ
 گنگوہ میں، لیکن سال وفات نہیں لکھا۔ مشتاق احمد ایٹھوی نے بغیر کسی حوالے کے ان کا سال وفات ربیع الاول
 ۱۰۴۰ھ دیا ہے۔ (انوار العاشقین ۷۸)

مآخذ

- ۱۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار۔ خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی۔ کوئٹہ، پاکستان
- ۲۔ محمد سعید بن قطب الدین چشتی سرہندی: سراج العاشقین سال ۱۰۷۸ھ۔ قلمی مملوکہ خلیل الرحمن
 داودی مرحوم، لاہور، پاکستان
- ۳۔ عبدالکریم گنگوہی (نبیرہ شیخ ابو سعید) کچکول و ارشاد المریدین سال ۱۱۹۲ھ قلمی مملوکہ خلیل الرحمن
 داودی۔ لاہور
- ۴۔ غلام عبدالقدوس: حدائق داودی (حالات شیخ داود بن شیخ محمد صادق گنگوہی) سال ۱۱۳۲ھ
 خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی۔ کتابخانہ مرکزی دانشگاه۔ پنجاب لاہور، پاکستان۔ نمبر ۱ / ۸۷۶ / ۳۹۲۸
- ۵۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، مطبع اسلامیہ، لاہور ۱۹۰۸ء
- ۶۔ الہ دیہ چشتی: سیر الاقطاب۔ لکھنؤ ۱۸۸۱ء
- ۷۔ عصند الدین محمد چشتی صابری: مقاصد العارفین، طبع ثار احمد فاروقی۔ ٹونک ۱۹۸۳ء
- ۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء۔ لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۹۔ مشتاق احمد ایٹھوی: انوار العاشقین۔ حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ
- ۱۰۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی ۱۹۸۰ء
- ۱۱۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، ج ۱، دہلی، ۱۹۸۰ء

۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

حضرت شیخ داؤد گنگوہی، حدائق داودی کے آئینہ میں

”حدائق داودی“ کی اہمیت واضح کرنے سے پیشتر اس کے معاصر یا قریب العہد چند تذکروں (جن میں شیخ داؤد گنگوہی کے حالات پائے جاتے ہیں) کا مختصر تعارف کروایا جاتا ہے۔

مرآة الاسرار: مؤلفہ عبدالرحمن بن عبدالرسول چشتی المتوفی ۱۰۹۴ھ سال تالیف (ابتداء ۱۰۳۵ھ تکمیل ۱۰۶۵ھ) اس کتاب میں مؤلف نے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے حالات آغاز سے مخدوم شیخ عارف بن احمد عبدالحق تک مفصل اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی تا شیخ داؤد گنگوہی اجمالاً درج کیے ہیں۔ شیخ داؤد گنگوہی اس کتاب کی تالیف کے وقت زندہ تھے مؤلف لکھتا ہے:

”الحال حضرت شیخ داؤد بن شیخ محمد صادق صورتاً و معناً قائم مقام پدر عالی قدر خود است حق تعالی ذات بابرکات اور بجائے آبا و اجداد خود سالہا بسیار سلامت دارد“

معارج الولايت: مؤلفہ غلام معین الدین عبداللہ خوینگی قصوری سال تالیف ۱۰۹۴ھ۔ یہ کتاب قریباً ساڑھے چار سو مشائخ کے تراجم پر مشتمل ہے۔ چشتی مشائخ کے حالات مفصل اور دیگر تراجم قدرے اجمالاً تحریر کیے گئے ہیں۔ اس میں شیخ محمد صادق گنگوہی کے حالات کے باب میں ان کے صاحبزادے شیخ داؤد کا اجمالاً تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

”شیخ داؤد کہ پسر آن حضرت (شیخ محمد صادق گنگوہی) بود، و والی دہی اور رابقول مدعیان جس کرد و دی آنرا متحمل گشت تا آنکہ براءۃ ذمہ او ظاہر شد و از جس خلاص یافت۔“

۱۔ اقتباس الاولاد ص ۳۰، الاولاد ص ۱۲۴، الاسرار (مرآة الاسرار) کا کوئی قطعی نسخہ اس وقت پیش نظر میں ہے اس لیے مجبوراً اقتباس الاولاد کا سہارا لیا ہے اگرچہ اس کے کئی قطعی نسخے ملتے

کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً (۱) مائل ایشیاٹک سوسائٹی ملکو (۲) لاہور (۳) دہلا بھری (۴) کن جلاک آسٹریہ و غیرہ

اقتباس الانوار: مؤلفہ شیخ محمد اکرم البراسوی سال تالیف ۱۱۳۲ھ^۱

اقتباس الانوار، حدائق داؤدی کی قریب العہد تصنیف ہے اور اس میں شیخ داؤد گنگوہی کے حالات نہایت شرح و بسط سے ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اکثر واقعات دونوں کتابوں میں آپس میں منطبق ہیں۔ اس لیے اس کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مؤلف کے حالات تذکروں میں تفصیل سے مرقوم نہیں ہیں لہذا خود مؤلف نے اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ درج ذیل ہے:

اپنے سلسلہ نسب کے باب میں مؤلف لکھتا ہے^۲

”محمد اکرم بن محمد علی بن الہ بخش اسماعیل ثانی بن بہاء الدین بن فتح اللہ بن صدر الدین بن علیم الدین بن نجم الدین بن زین الدین بن محمد عاشق بن شیخ محمد بن قدوة الدین بن حمید الدین ثانی بن جمال الدین بن کمال الدین ہدایت اللہ بن نور الدین سلمان بن تاج الدین بران بن شیخ مسعود بن شیخ محمود بن شیخ احمد بن حمید الدین اول بن مولانا ضیاء الدین مولانا ناصر الدین بن اسماعیل اول بن سید نعمان بن ثابت“^۳۔

مؤلف شیخ سوندھاسفید دنی کا مرید تھا ۱۱۱۱ھ میں خرقہ خلافت ملا

”..... من الفقیر المرخص شیخ سوندھاساکن قصبہ سفیدوں“ کتبہ، و حررہ فی سنہ احدى عشرہ و مایۃ والف“^۴۔

۱۔ مدارج المولائت ورق ۷۳۔ الف خطی نسخہ ذخیرہ آئندہ ۲۵H عہدہ دہلی کا مہاراجا لاہور۔ ماقم الحرف کو مدارج المولائت کے اس وقت تک صرف تین قلمی نسخوں کا علم ہے (۱)

نوشترہ ملی (۲) قصص الاول (۲) نسخہ آذربائیجان کوہ کتبہ ۱۱۱۱ھ عہدہ دہلی کا مہاراجا لاہور ۶۵۳۔ طبری ورق ۱۹ تصنیف ۱۲۸۰ھ (۳) نسخہ پروفیسر ظلیق احمد علی مسلم پورہ رشی ملی گڑھ

۲۔ اقتباس الانوار کے سال تصنیف پر طبعی شک ہے مقام پر آئے گی۔

۳۔ اقتباس الانوار ص ۳۳۵

”قصبہ سفیدوں کو چھارہ کردہ ایرانی بہت چھب و چرب و چرب کردہ اندر اس کو موطن این فقیر است چھب و چھب در مین جنگ واقع است“ (اقتباس الانوار ص ۳۱۹)

اقتباس الانوار ص ۳۳۵ ص ۳۳۶ برائے شرح مال سوندھاس جرج کنبہ (۱) اقتباس الانوار ص ۳۱۸ ص ۳۳۴ (۲) حدائق داؤدی مؤلفہ نظام مہاراجا دہلی خطی نسخہ (۳) خزینۃ

الاصفیاء جلد اول ص ۳۸۷ (مطلق صاحب نے شیخ سوندھاس کے حالات ”اقتباس الانوار“ سے نقل کیے ہیں اور سال و وقت ۱۱۲۹ھ کو مطلق صاحب کا خود سامعہ معلوم ہوتا ہے کہ تک

اقتباس الانوار میں شیخ سوندھاس کے سال و وقت کا نشان تک نہیں بلکہ صرف ان کی عمر ۹۶ سال درج ہے)

مؤلف نے سہرند جا کر مولانا فرخ شاہ ابن محمد سعید بن شیخ احمد "مجدد الف ثانی سے علوم ظاہر حاصل کیے،

مؤلف لکھتا ہے۔

"پس بامر آنحضرت (شیخ سوندھا) بکسب علم ظاہر مشغول شدم در چہار و پنج سال بخدمت استادان کامل در شہر سہرند از تحصیل ہمہ علوم رسمیہ فراغ یافتم و فاتحہ بخدمت مولوی فرخ شاہ نمبرہ شیخ احمد سہرندی قدس رہ کہ در علم ظاہر ملا عبدالحکیم ثانی بود"

مؤلف نے اقتباس الانوار کے علاوہ اپنی دیگر تالیفات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"بعضے از تصانیف این فقیر مثل جوہرستہ و شرح وے مسمی بہ نشر اللآلی وحدائق المجالس ملفوظ این فقیر و ملفوظ دیگر این فقیر مسمی بہ بوارق الانوار و بحر الاسرار و اسرار عشقیہ و دو شرح الف و ب و مکتوبات این فقیر مشتمل واقع شدہ اند"

"جوہرستہ" کی شرح کا ذکر ایک اور مقام پر اس طرح کیا گیا ہے۔

"شرح جوہرستہ کہ تصنیف این کاتب حروف است"

اپنی ایک اور تالیف "اوراد چشتیہ" کا ذکر مؤلف اس طرح کرتا ہے:

"و بیان شجرہ ہا طریق این کاتب حروف ہمدین احوال خواهد آمد ان شاء اللہ تعالیٰ در "اوراد چشتیہ" ذکرے کند"

۱ مولانا فرخ شاہ (متولد ۱۰۳۸ھ - ۱۱۲۲ھ) صاحب زہدہ الخواطر نے مولانا موصوف کے ان چھ رسائل کا ذکر کیا ہے، (۱) القول القاسل بین الحق والباطل (۲) کشف الغلط من

اجود الخفا (۳) رسالہ فی لرمۃ اللہ (۴) رسالہ فی العقائد (۵) رسالہ الحقیقۃ الحمدیہ (۶) حاشیہ علی حاشیہ عبدالحکیم علی الخلیلہ (۶/۲۲۲)

مولانا موصوف کے سب سے پہلے وقت کے باب میں ذکرہ نو نمبروں کا تحت الکتاب ہے (۱) روضۃ القیومہ دکن ۱۱ھ ۳ فروال ۱۱۱۸ھ (۲) جہۃ القللیات ص ۲۰۲۳۸ ۲۰ فروال ۱۱۰۸ھ (۳)

ذکرہ انساب لفتاویٰ شہداء ہائی پٹی ۲ فروال ۱۱۲۲ھ (خواطر زہدہ الخواطر ۲/۲۲۲) (۴) مناقب احمدیہ و مناقب سعیدیہ ص ۷۷ ۲۰ فروال ۱۰۳۸ھ وقت (۵) دیہ احمدیہ

۱۱۲۲ھ (۶) خزینۃ الامنیہ ۱/۶۱۳ میں ۱۱۳۴ھ بظاہر مندرجہ صدر کتب کولہ میں روضۃ القیومہ قدیم ترافذ ہے لیکن اس کا مؤلف خود لکھتا ہے کہ میں بچپن میں سرحد سے شاد جہاں

پر چلا آیا تھا۔ اس لیے معرفت ہمدانی کے باب میں واقعیت نہیں رکھتا۔ اس لیے راقم الحروف نے اس سلسلہ کی آخری کتب میں ذکرہ انساب اور دیہ احمدیہ کے سین کو ترجیح

دی ہے۔

۲ اقتباس الانوار ص ۳۳۸

۳ بیناس ص ۵۰

۴ بیناس ص ۲۹

۵ بیناس ص ۲۲۳ سطر اول

بقول صاحب نزہۃ الخواطر مؤلف (محمد اکرم البراسوی) محرم ۱۱۵۹ھ میں دہلی میں فوت ہوا اور جوارِ قدم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوا۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے اپنا ماخذ نہیں بتایا اس لیے مذکورہ سنہ وفات کے تسلیم کرنے میں قدرے تاثر ہے۔

”اقتباس الانوار“ مشائخ چشتیہ صابریہ کا تذکرہ ہے چار اقتباسات پر مشتمل ہے اول ذکرِ نبی کریم ﷺ و خلفائے راشدینؓ وائمہ کرام، دوم خواجہ حسن بھریؒ تا خواجہ عثمان ہارونیؒ، سوم خواجہ معین الدین چشتیؒ تا شیخ عارف بن احمد عبدالحقؒ، چہارم شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ تا شیخ محمد علی پدر مؤلف۔۔۔۔۔

اس تذکرہ کے آخری ابواب (در ذکر شیخ محمد صادقؒ، شیخ داؤدؒ، شیخ سوندھاؒ، شیخ الہ بخش اور شیخ محمد علیؒ) نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر واقعات کا مؤلف خود راوی ہے اور شیخ داؤد گنگوہی کے حالات مؤلف نے اپنے پیر شیخ سوندھا سفیدونی سے سن کر تحریر کیے ہیں۔ اقتباس الانوار اور حدائق داودی ہمہ سال تالیف ہوئیں دونوں کتابوں کے اکثر واقعات (باب شیخ داؤد گنگوہی) آپس میں منطبق ہیں۔ مثلاً اور نگزیب عالمگیر کا تخت نشین ہوتے ہی شیخ داؤد کو امراء کے کہنے پر دربار میں بلانا، دارا شکوہ کی ارادت، واقعہ وفات وغیرہ۔

لیکن تعجب ہے کہ دونوں مؤلف ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں نہ تو حدائق داودی میں اقتباس الانوار یا اس کے مؤلف کا ذکر ہے اور نہ ہی اقتباس الانوار میں حدائق داودی یا اس کے مؤلف کا ذکر ہے۔

”اقتباس الانوار“ مطبع اسلامیہ لاہور سے بہ تصحیح شاہ اشفاق حسین رزاقی باہتمام مولانا کریم بخش ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔

اقتباس الانوار کا سال تصنیف:

کتب خانہ انڈیا آفس کے کیٹلاگ کا مرتب مسٹر ایٹھے لکھتا ہے۔

[M.Akram] “who commenced this work 1135/1722, at Delhi, and completed it after seven years labour, the 13th of Muharram 1142/1729 August 9. The chronogram for the beginning of the work is معتبر کتاب [1135] in a tarikh by

انیس العاشقین: ۱ مکتوبہ ۱۱۸۳ھ 'مؤلفہ شیخ گھاسی مرید شیخ محمد رامپوری چشتی، انیس العاشقین چشتی سلسلہ کے صوفیہ کا تذکرہ ہے۔ مؤلف نے اس میں شیخ محمد صادق اور شیخ داؤد گنگوہی کے مناقب اپنے مرشد شیخ محمد چشتی سے سن کر تحریر کیے ہیں جو زیادہ مفصل نہیں ہیں۔ یہ صرف مناقب ہیں سنین ولادت و وفات درج نہیں کیے گئے۔

فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم بن محمد حفیظ سال تالیف ۱۱۸۴ھ

یہ ہندوستان کی ۱۱۸۴ھ تک کی عام تاریخ ہے۔ اس کے خاتمہ کا باب التراجم علماء، مشائخ اور شعرائے عہد اور نگ زیب بہت اہم ہے جس میں مؤلف نے شیخ داؤد گنگوہی کا سال وفات پنجم جلوس عالمگیری درست لکھا ہے۔
حدائق داؤدی

مذکورہ بالا تذکروں کے اجمالی تعارف کے بعد "حدائق داؤدی" کا مفصل تعارف کرایا جاتا ہے "حدائق داؤدی" غلام عبدالقدوس بن محمد یوسف بن شیخ ابوالفتح کی تالیف ہے۔ جو شیخ داؤد گنگوہی کے دختر زادہ تھے۔ ان کے مفصل حالات اپنے مقام پر آئیں گے۔

حدائق داؤدی چار روضوں اور کئی حدائق پر مشتمل ہے۔

۱۔ روضہ اول، مشتمل بر حالات شیخ نظام الدین تھانیسری

۲۔ روضہ دوم، شیخ ابوسعید گنگوہی

۳۔ روضہ سوم، شیخ محمد صادق گنگوہی

۴۔ روضہ چہارم، مشتمل بر حالات شیخ داؤد گنگوہی

۱ انیس العاشقین رقی ۴۵-۴۸

۲ "انیس العاشقین" کا علی لڑخانہ محمد شیرانی مرحوم کے ذخیرہ کتب (محفوظہ رائل گاوینڈا لاہور) میں موجود ہے اس کے ورق ۱۰۴ لکھی گئی ہیں۔

۳ اصل کتابت ۱۲ شعبان ۱۱۸۳ھ ہے۔

۴ فرحت الناظرین کے قلمی نسخے کچھ رتھ اور بالین کے کتب خانوں میں موجود ہیں جن کے رد و کرلف رائل گاوینڈا لاہور میں مخطوط ہیں اس کا ہدف مشائخ و شعراء اور غزل کاغ

مکتوبہ لاہور میں ۱۹۲۸ء میں طبع ہو چکا ہے۔

اس کے پہلے تین روضوں کے تراجم مجملًا اور آخری روضہ یعنی حالات شیخ داؤد تفصیلًا بیان کیے ہیں اسی لیے کتاب کا نام حدائق داؤدی مؤلف نے تجویز کیا ہے۔

مؤلف نے ہر بزرگ کا بار بار نام لینے کی بجائے ان کے القاب اس طرح استعمال کیے ہیں۔

۱۔ شیخ نظام الدین تھانیسری کے لیے قطب المحققین

۲۔ شیخ ابوسعید گنگوہی کے لیے حجتہ العارفین

۳۔ شیخ محمد صادق گنگوہی کے لیے محبوب الہی اور طبیب حاذق

۴۔ شیخ داؤد گنگوہی کے لیے حجتہ الاولیاء

۵۔ شیخ محمد برادر خرد شیخ داؤد مذکور کے لیے قدوة الاولیاء

پیش نظر نسخہ میں کتاب کے مختلف نام درج ہیں (۱) حدائق داؤدی (۲) حدائق الاولیاء (۳) حدیقہ داؤدی (۴) حقائق داؤدی۔ یہ کتاب چونکہ چار روضوں اور ہر روضہ کئی حدائق پر مشتمل ہے اس لیے راقم الحروف نے اس کے مذکورہ ناموں میں سے ”حدائق داؤدی“ کو ترجیح دی ہے۔

خطی نسخے: حدائق داؤدی کے اب تک مجھے صرف دو ۲ قلمی نسخوں کا علم ہوا ہے مزید تلاش و جستجو سے اس کے اور نسخے بھی دریافت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ نسخہ مملوکہ محترم صوفی بشیر احمد قدوسی (کراچی) راقم السطور نے بار بار قدوسی صاحب کی خدمت میں ان کے نسخے کی کیفیت دریافت کرنے کی غرض سے عریضہ ارسال کیا لیکن جواب سے محروم رہا۔

۲۔ دوسرا قلمی نسخہ حضرت حافظ محمود خان شیرانی مرحوم و مغفور کے ذخیرہ ۱/ ۸۷۶ / ۳۹۲۸ کا ہے۔ جو اس وقت کتب خانہ دانش گاہ پنجاب میں محفوظ ہے۔

یہ نسخہ کرم خردہ اور بوسیدہ ہونے کے علاوہ خوش خط بھی نہیں ہے جس کے ایک ورق کا مطالعہ بھی محال ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۴۴۱ سطور فی صفحہ ۱۲ تقطیع ۸.۸ x ۹.۸ ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۲۸۰ھ اور کاتب سید جمال الدین کرمانی ہے۔ کاتب مذکور نے اس کا قلمی نسخہ علی احمد سجادہ نشین خانقاہ شاہ ابو المعالیؒ انیسٹھوی سے حاصل کر کے نقل کیا ہے۔

نسخہ مذکور علماء کے اغلاط سے پاک نہیں ہے۔ اور کئی جگہ عبارت غیر مربوط ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے راقم الحروف کو جا بجا وقت کا سامنا کرنا پڑا تاہم ربط قائم رکھنے کے لیے اپنی طرف سے جو اضافہ کیا گیا ہے اُسے قوسین میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ذخیرہ شیرانی کی جو فہرست شائع ہوئی ہے۔ اس میں ”حدائق داودی“ کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۵ھ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جس پر راقم نے اپنے ایک مضمون میں مفصل تنقید کی ہے۔

حدائق داودی کا سال تصنیف: حدائق داودی میں سنین کا بہت فقدان ہے۔ مؤلف نے اس کے سال تصنیف کی کہیں وضاحت نہیں کی دوسرے اس کا جو قلمی نسخہ اس وقت پیش نظر ہے یہ اس قدر کرم خوردہ ہے کہ اکثر حصے پڑھے نہیں جاسکتے۔ تاہم کتاب کے چند قابل مطالعہ مقامات کے پیش نظر اس کے سال تصنیف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

شیخ داؤد گنگوہی کا سال وفات ۱۰۷۳ھ (بروایت حدائق داودی) ہے۔

مؤلف ایک موقع پر شیخ داؤد کی وفات کے بعد اپنی عمر تریسٹھ سال بتاتے ہیں۔

”۔۔۔۔۔ نیز بعد پنج سال از رحلت آنحضرت ودیعت حیوة سپرد وین ناکس و ناسزا یعنی مؤلف این اوراق کہ دختر زاده آنحضرت ست و این نسبت دی آنجناب پاکش، ہچو نسبت سگ با مسجد است تا این مدۃ کہ عرش بحکم الہی از شصت سہ سال متجاوز شدہ (اند) است“۔

گویا مؤلف ۱۱۳۶ھ (سال وفات شیخ داؤد ۱۰۷۳ھ + عمر مؤلف تا این مدت ۶۳ سال = ۱۱۳۶ھ) میں

اس کتاب کی تالیف میں معروف نظر آتے ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل کتاب نہیں، بلکہ مؤلف کی ایک بیاض ہے جو واقعہ جس وقت کسی معتبر بزرگ سے عنائے قلمبند کر لیا شاہ محمد نامی کسی معتقد کی وفات کے ذکر میں تاریخ، وقت اور ماہ

مؤلف کی والدہ کی پرورش شیخ داؤد ہی نے کی اور ان کا عالم طفولیت بھی شیخ داؤد ہی کے یہاں گزرا جس کا مؤلف نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

”شیخ داؤد کفالت پرورش مادر مؤلف در خردی بوی تعلق داشته بودند“۔۔۔

شیخ داؤد مؤلف کے متعلق کہا کرتے تھے۔

”حجۃ الاولیاء در بارہ من چنین فرمودہ کہ این پیر شدنی ست“۔۔۔

مؤلف شاعر بھی تھا اور ایک دو فارسی غزلیں ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں لیکن افسوس کہ حدائق داؤدی کا پیش نظر خطی نسخہ اس قدر کرم خوردہ ہے کہ ایک شعر بھی درست نہیں پڑھا جاسکا نیز مؤلف نے شیخ داؤد کا شجرہ نسب کئی جگہ نظم کیا ہے لیکن تخلص کہیں بھی استعمال نہیں کیا۔

حدائق داؤدی کے مآخذ: اس کتاب کا زیادہ حصہ سماعی ہے تاہم کہیں کہیں کسی کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ ابو سعید گنگوہی کے حالات کے باب میں شیخ ابو سعید گنگوہی کے مصنفہ ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

این قصہ در رسالہ شیخ ابو سعید مجملًا منقوش است“۔

اس کے علاوہ لطائف قدوسی تالیف شیخ رکن الدین بدھن جو نیوری اور سیر الاقطاب کے حوالے بھی جا بجا ملتے ہیں۔

مؤلف حدائق داؤدی نے شیخ محمد صادق اور شیخ داؤد کے حالات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت معتبر اور مستند ہے کیوں کہ شیخ محمد صادق کے حالات مؤلف نے اپنے والد اور والدہ (دختر شیخ داؤد) سے سن کر تحریر کیے ہیں۔

اپنی والدہ سے روایت بیان کرنے کا ذکر مؤلف اس طرح کرتے ہیں:

”حکایت کہ از زبان احدی استماع نمود از جائی دیگر از یک بار و کس تصدیق۔۔۔۔۔ نرسیدہ
درین کتاب درج ساخت مگر بعضی احوال کہ از زبان مادر خود کہ دختر آن آفتاب برج
ولایت (شیخ داود) بود“۔

مؤلف نے ان گنت روایات اپنی والدہ محترمہ سے نقل کی ہیں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔
”مؤلف از والدہ خود و از غلام محمد ترکمان لکھنوی کہ اکثر بملازمۂ حجتہ الاولیاء (شیخ
داؤد)۔۔۔۔۔ و از عاشق باصفاء شیخ سوندھا و غیر ہم شنیدہ۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔“
مؤلف نے شیخ داؤد کے برابر خرد شیخ محمد سے بھی روایات نقل کی ہیں جس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔
۔۔۔۔۔ در اثنا تالیف این رسالہ۔۔۔۔۔ قدوة الاولیاء حضرت شیخ محمد قدس سرہ کہ بعضی
مناقب از وی نیز استماع نمودہ درین کتاب درج ساختہ ام^۲
مؤلف اپنے بیان کی تصدیق کے لیے ایک مقام پر ان بزرگوں کا حوالہ دیتا ہے۔
۔۔۔۔۔ ”مؤلف این سرگذشت از جامع فضل و کمالات شیخ محمد حیات گنگوہی و شیخ محمد
فاروقی التھانیسری، محمد جلال خان۔۔۔۔۔ و محمد صالح برادرش شیخ محمد کرمانی و از شیخ
محمد نقل میکردند شنیدہ بود“۔^۳

خواجہ محمد عاقل سے بھی کچھ روایات منقول ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔
”مؤلف این حکایت از زبان خواجہ محمد عاقل برادر زادہ قاضی بخارہ شنیدہ“۔^۴
غرض کتاب کا زیادہ حصہ سماعی ہے جو کہ اس زمانہ کی تذکرہ نویسی کی روش کی غمازی کرتا ہے۔

حدائق داودی کی اہمیت: یہ تذکرہ نہایت اہم ہے۔ بالخصوص اس کے دو آخری ابواب (تراجم شیخ
محمد صادق و شیخ داؤد گنگوہی) کیوں کہ اکثر واقعات مؤلف نے اپنے والد اور والدہ (دختر شیخ داود) اور شیخ محمد برادر

۱ حدائق داودی ص ۱۲۸

۲ میناس ۲۱۹

۳ میناس ۱۵۰

۴ میناس ۲۲۳

۵ حدائق داودی ص ۲۵۵

خُرد شیخ داؤد سے سن کر تحریر کیے ہیں۔ مؤلف نے شیخ محمد صادق اور شیخ داؤد کے جو سنین وفات درج کیے ہیں وہ نہایت معتبر ذرائع سے قلمبند کیے ہیں۔ جن کی تصدیق دیگر بیرونی ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔

نیز اس کتاب سے سلاطین و صوفیہ کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ داراشکوہ کی شیخ محمد صادق کی خانقاہ میں حاضری و اظہار عقیدت، اور نگزیب عالمگیر کا تخت نشین ہوتے ہی شیخ داؤد کو دربار میں بلا کر ان کے نظریات دریافت کرنا، سماع کے باب میں وزیر شاہ جہان سعد اللہ خان کے کہنے پر شیخ داؤد کا دربار شاہ جہانی میں بلایا جانا وغیرہ^۱۔

اگر کتاب کا پیش نظر نسخہ صحیح حالت میں ہو تا تو اس سے بہت سے عقدے داہو سکتے تھے۔ چند اقتباسات جو صحیح حالت میں مل سکے نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے کتاب کی اہمیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ عبدالجلیل الہ آبادی کی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ملاقات کا حال اس طرح درج ہے:

 ”حضرت شیخ عبدالجلیل الہ آبادی کہ ارباب علم و خلیفہ محبوب الہی (شیخ محمد صادق) بود بعد تحصیل علوم دیگر بنا بر سند علم حدیث تشریف بخند مت قدوة اہل کمال شیخ عبدالحق محدث دہلوی قیام داشت در ان اثنا صوفی فرشتہ منظر خورشید پیکر در عالم مثال دید کہ میفرماید شیخ عبدالجلیل سوئے من ای شیخ از نام نامیش پرسید فرمود کہ من صادق قم شیخ عبدالجلیل را ہوں وقت دل از علم درسی (بے زار شد) و میل بہ علم حقائق پدید آمد از شیخ عبدالحق محدث درخواست رخصت نمود شیخ فرمود کہ روزی چند دیگر باین علم باید پرداخت با کمالی میرسد التماس نمود کہ حالیا دلم ازین علم سیر شدہ و تعلیمی دیگر مایل است شیخ کہ صاحب باطن و عالم علم معرفت بود فرمودہ کہ این جاہم از علم حاصل تو اند شد شیخ عبدالجلیل عرض نمود کہ شخصے مرا بوی نمود کشیدہ دل من بجائے دیگر بسکے نمی دہد بعد ازاں شیخ عبدالجلیل در ہر

۔۔۔۔۔ چوں خلیفہ وقت شاہ جہان طاب ثراہ بعزم سیر متوجہ بمخلص پور شد بمقربان خود فرمود ہر گاہ مقام حضرت شیخ صادق قریب رسید بمن اطلاع دهند تا بملاقاتش شایم خان عالم کہ یکے از عمدہ امراء و مقرب خلیفہ بود۔۔۔۔۔

پس مناسب آن است کہ صاحب زادہارا ہمراہی کن بفرستند تا ملاقات بادشاہ نمایند در صورتی کہ ملاقات خلیفہ بمحضرت سیر شد و صاحب زادہا ہم ملاقات کند از مصلحت دور است محبوب الہی ملتس ویرا منظور داشته بود صاحب زادہا یعنی شیخ داود و شیخ محمد ہمراہ خان عالم فرستاد و در ان وقت حجۃ الاولیاء شیخ داود چہارودہ سالہ و قدوة الاولیاء شیخ محمد یازدہ سالہ بودند چوں بلخگر رسیدند خان عالم فرمودند کہ بخلیفہ ملاقات کنانند۔۔۔۔۔

حدائق داودی کی یہ روایت محل نظر ہے کیوں کہ عہد شاہ جہانی کے معاصر مآخذ سے ثابت نہیں کہ شاہ جہان شیخ محمد صادق گنگوہی کی زندگی میں کبھی مخلص پر گیا ہو۔ تاہم یہ بھی ثابت نہیں کہ عہد شاہ جہانی کے مورخین نے تمام واقعات قلم بند کیے ہوں۔ دربار شاہ جہانی میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اور شیخ داود کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کے ذکر سے بھی معاصر کتب تاریخ خالی ہیں۔ صوفیہ کے تذکروں میں سلاطین و صوفیہ تعلقات کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن کا کتب تاریخ میں ذکر تک نہیں کیا گیا۔

شاہ جہان کے اپنے آخری دور حکومت میں مخلص پور جانے کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

”کنارے جون متصل دمان کوہ شمالی کہ بکوہ سرموز نزدیک است چہل و ہفت کردہ دہلی موضع ست معروف بہ مخلص پور از مضافات سہارنپور۔ بخوش ہوائی و چندیں صفات شگرف موصوف از دار الخلافہ کشتی سوارہ در یک ہفتہ تو ان آمد در سال بیست و ہشتم حکم اساس عمارتے رفیع اصدار یافتہ بود در سال سی ام بصرف پنج لک روپیہ باتمام رسید و بقدم پادشاہی مور و سعادت گردیدہ بغیض آباد موسوم گشت“ (تآثر الامراء جلد دوم ص ۸۶۷ تا ص ۸۶۸) جلد سوم ص ۱۵۷ بسلسلہ حالات کیرت سنگھ، عمل صالح جلد سوم ص ۲۳۷

۱ یہ دہلی اس قدر گرم و مرطوب ہے کہ قابل بھی سہار نہیں۔

۲ حاکم دہلی ص ۱۴۱ تا ص ۱۴۲

گویا شاہ جہان ۱۰۶۷ھ (تیسویں جلوس) میں مخلص پور گیا اور شیخ محمد صادق گنگو می ۱۰۵۱ھ میں فوت ہو چکے تھے اس لیے ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غرض حدائقِ داؤدی میں شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے ایسے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جن سے دیگر مطبوعہ اور معروف کتب تاریخِ خالی ہیں۔

شیخ محمد صادق اور شیخ داؤد گنگوہی کے سنین وفات کے باب میں تذکرہ نویسوں کی غلطیاں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم مصنف خزینۃ الاصفیاء نے شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ داؤد گنگوہی اور بعد کے قریباً تمام تذکرہ نویس مفتی صاحب ہی کے اتباع میں غلطیوں کے مرتکب ہوئے صرف مذکورہ دو بزرگوں کے سنین وفات ہی نہیں بلکہ بے شمار مشائخ کے سال وفات کے اندراج میں مفتی صاحب مرحوم سے غلطیاں ہوئیں۔

مفتی صاحب نے خزینۃ الصغیاء، حدیقتہ الاولیاء اور گنجینہ سروری وغیرہ میں خاندانِ نوشاہیہ کے بزرگوں کے جو سنین و وفات لکھے ہیں سب غلط ہیں صرف دو بزرگوں یعنی سید عصمت اللہ نوشاہی اور سید حافظ جمال اللہ کے سنین و وفات درست درج کیے ہیں۔ نیز اس باب میں مفتی صاحب کی محولہ کتاب ”تذکرہ نوشاہیہ“ میں صرف حضرت شیخ حاجی محمد نوشتہ گنج بخش اور عصمت اللہ نوشامی اور سید حافظ جمال اللہ کے سنین و وفات ہی درج ہیں اور ان تین بزرگوں کے سوا کسی نوشامی بزرگ کا سال و وفات تذکرہ نوشاہیہ میں تحریر نہیں مفتی صاحب نے حضرات نوشاہیہ کے حالات تو ”تذکرہ نوشاہیہ“ مؤلفہ حافظ محمد حیات سے نقل کر لیے اور سنین و وفات کر لیے اور سنین و وفات محض اپنے قیاس سے درج فرمادیئے اور ان سب کو مستند بنانے کے لیے ”تذکرہ نوشاہیہ“ کا حوالہ دے دیا حالانکہ اس تذکرہ میں ان تاریخوں کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

حضرت شیخ علی ہجویری لاہوری کے سالِ وفات کے باب میں مفتی صاحب نے ”نغات الانس“ کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ نغات میں سرے سے شیخ علی ہجویری کا سالِ وفات مذکور ہی نہیں۔

لاحظ ہر ایک کو شامیہ سونے کا منہ اور جہت نوشامی محلی لوسیر ملی خورنہ دانی کہ بختاب لاورا لاکر نوشامی سونے سید شریف اور شریف نوشامی م ۳۸

مطار آفاق محمد ابي غنيمہ اور محلہ کالج بکری لڑھی ۱۹۶۰ء

بالکل یہی سلوک مفتی صاحب نے شیخ محمد صادق اور شیخ داود گنگوہی کے سین وفات کے متعلق کیا۔ مفتی صاحب نے ان دونوں بزرگوں کے حالات و اقتباس الانوار سے نقل فرمالیے لیکن سین وفات کے تعین میں قیاس آرائی سے کام لیا اور اپنے قیاس کو مصدقہ بنانے کے لیے اسی کتاب کے حوالے دے دیئے مفتی صاحب کی کتاب خزینۃ الاصفیاء طبع اول لاہور اور بعد کی اشاعتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ طبع اول میں شیخ محمد صادق کا سال وفات بحوالہ ”شجرہ“ چشتیہ ۱۰۳۶ھ لکھ کر دیا ہے اور یکایک دوسرے ایڈیشن میں بحوالہ سواطع الانوار (اقتباس الانوار) ۱۰۵۸ھ لکھ کر فرما دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ”سواطع الانوار“ میں شیخ محمد صادق کے سال وفات کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے۔

”وفات بندگی شیخ محمد صادق گنگوہی قدس سرہ، بتاریخ ہر دھم ماہ محرم الحرام واقع شدہ و سنہ وفاتش تا حال معلوم این احقر نہ شدہ کہ نوشتہ آید“۔

یعنی مفتی صاحب کی محولہ کتاب سواطع الانوار کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مجھے ہنوز شیخ محمد صادق کا سال وفات معلوم نہیں۔ لیکن مفتی صاحب نے اس کے باوجود ۱۰۵۸ھ رقم فرما دیا۔

ممکن ہے میری اس تنقید پر یہ اعتراض کیا جائے کہ خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف کے وقت مفتی صاحب کے پیش نظر سواطع الانوار کا جو قلمی نسخہ تھا اس میں شیخ محمد صادق کا سال انتقال مندرج ہو۔ اور میرا محولہ مطبوعہ نسخہ اس سے خالی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا انڈیا آفس لاہوری میں (مسٹر ایچ کے خیال کے مطابق) مصنف کا خود نوشت نسخہ موجود ہے۔ اور لاہوری کے کیٹلاگ میں اقتباس الانوار کی جو تلخیص پیش کی گئی ہے اس میں بھی وضاحت سے مرقوم ہے کہ مصنف کو شیخ محمد صادق کا سال وفات معلوم نہیں تھا۔

”حدائق داودی“ میں شیخ محمد صادق کے سال وفات کے باب میں یہ تصریح درج ہے۔

۲ سواطع الانوار (اقتباس الانوار) ص ۳۰۳

۳ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۷۶

۴۔ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم نے انوار العاشقین میں شیخ محمد صادق کا سال وفات درج نہیں کیا۔ لیکن ”تحفۃ السالکین“ میں بغیر کسی حوالہ کے ۱۷ محرم ۱۰۶۰ھ درج کر دیا ہے۔

۵۔ مشہور محقق مولانا عبدالحی لکھنوی مؤلف ”زہدۃ الخواطر“ نے بھی خزینۃ الاصفیاء کی تہذیب میں شیخ محمد صادق کا سال وفات ۱۰۵۸ھ لکھا ہے۔ حالانکہ مؤلف کی نظر سے اقتباس الانوار گذر چکی ہے۔

۶۔ مرزا محمد اختر دہلوی مؤلف تذکرہ اولیائے ہند نے بھی ۱۸ محرم ۱۰۵۸ھ لکھ کر اپنے بیان کو مصدقہ بنانے کے لیے اقتباس الانوار کا حوالہ دیا ہے۔

۷۔ متاخر تذکرہ نویس اعجاز الحق قدوسی صاحب جن کے پیش نظر حدائق داودی کا قلمی نسخہ (کراچی) موجود تھا۔ انہوں نے حدائق داودی ہی کے حوالہ سے شیخ کا سال وفات ۱۰۵۸ھ لکھا ہے۔ موجود واقعی تعجب خیز ہے۔ درج بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ محمد صادق گنگوہی کا سال وفات ۱۸-۱۹ محرم ۱۰۵۱ھ ہر لحاظ سے درست ہے۔

شیخ داؤد گنگوہی کا سال وفات

”حدائق داودی“ میں ہے۔

”روز یکشنبہ ششم از ماہ رمضان المبارک سنہ یکہزار و ہفتاد و سہ ۳ از ہجرت وقت چاشت بود۔ کہ آن آفتاب عالم تاب (شیخ داؤد) در ہمیں ازین عالم فانی (بہ عالم بقاء رحلت نمود)“
فرحت الناظرین میں ہے۔

(شیخ داؤد گنگوہی) ”در سنہ پنجم جلوس والا (اورنگ زیب عالمگیر) از دار محن بہ زہدہ گاہ جنت رحلت نمود“۔

۱۔ زہدۃ الخواطر / ۵۷۷

۲۔ تذکرہ اولیاء ہند جلد دوم ص ۱۰۱ اور فی

۳۔ فتح مہد احمد ص ۱۲۵ گنگوہی اور بن کی تعلیمات ص ۲۰۳

۴۔ حدائق داودی ص ۳۹۵ قلمی نسخہ راجہ لال کامپلٹ لاہور، نسخہ اپنی حدیث کرامت سے اس لیے بریکٹ کے علاوہ حدیث کے قائل کا ذکر کئے گئے لیے دہرائے گئے۔

۵۔ فرحت الناظرین مؤلف محمد اسلم (انتہاس شخصیت تراجم طابع مولیٰ و شعر اہل دار و محل کاغذ نیویں مئی ۱۹۲۸ء)

اورنگ زیب عالمگیر یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ ۲۱ اپریل ۱۶۵۸ء کو تخت نشین ہوا اس میں ایک سال رواں کے اشتراک سے پنجم جلوس عالمگیری ۱۰۷۳ھ کے مطابق ہو گا اور یہی شیخ داؤد کا سال وفات ہے۔

۱۰۷۳ھ (سال وفات شیخ داؤد) کے معتبر اور صحیح ترین ہونے کے قرائن حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اقتباس الانوار اور حدائق داودی معاصر اور ہمہ سال تالیف ہوئیں اور ان کے نقل کردہ ماہ وفات آپس میں منطبق ہیں۔ یعنی ششم ماہ رمضان (اقتباس) ششم از ماہ رمضان المبارک (حدائق)

۲۔ شیخ داؤد کی وفات کا واقعہ شیخ نے اپنی وفات سے تین روز قبل اپنے بھائی شیخ محمد کو تابوت مہیا کرنے کا حکم دیا دونوں کتابوں (اقتباس اور حدائق) میں باہم موجود ہے۔ فرحت الناظرین بھی اس سلسلہ کا قدیم اور مستند ماخذ ہے جس میں شیخ داؤد کا سال وفات ۱۰۷۳ھ درج ہے جو حدائق داودی کے مندرجہ سال کے درست ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

درج ذیل تذکرہ نویسوں کے بیانات بہت متضاد ہیں۔

۱۔ محمد حسن صابری صاحب تواریخ آئینہ تصوف نے بھی انہیں کتابوں کے حوالہ سے شیخ داؤد کا سال وفات ۶ رمضان ۱۰۸۰ھ نقل کیا ہے۔

۲۔ مرزا آفتاب بیگ مؤلف حنفیہ الابرار نے خزینۃ الاصفیاء کی تقلید میں شیخ داؤد کا سال وفات ۱۰۹۵ھ لکھ کر اقتباس الانوار، حدیقۃ الاولیاء سواطع الانوار تذکرۃ المشائخ کے حوالے محض اپنے بیان کو مستند بنانے کے لیے مزین کیے ہیں۔

۳۔ امام بخش بن پیر بخش مؤلف حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار نے بھی یہی سن لکھ کر اقتباس الانوار (سواطع الانوار) کا حوالہ دیا ہے جو فی الحقیقت خزینۃ الاصفیاء کی تقلید ہے۔

۴۔ مولوی مشتاق احمد انیسٹھوی نے انوار العاشقین میں شیخ داؤد کا سال وفات درج نہیں کیا۔ اور نہ ہی

حنفۃ السالکین میں تحریر کیا ہے۔

۲۔ حنفیہ الابرار (مکملات جلد اول) ص ۱۷۹، ص ۱۸۰ حصہ چشتیہ

۳۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار ص ۱۲۴

۴۔ انوار العاشقین ص ۱۰۱ حنفۃ السالکین ۱۸

۵۔ مولانا عبدالحی مرحوم مؤلف نزہۃ الخواطر نے بھی خزینۃ الاصفیاء کی تقلید میں شیخ داؤد کا سال وفات ۱۰۹۵ھ تحریر فرمایا ہے۔^۱

۶۔ مرزا محمد اختر دہلوی نے ۱۹۰۵ھ (جو غالباً کتابت کی غلطی ہے اصل میں ۱۰۹۵ھ ہو گا کیوں کہ ان کا تذکرہ تو مکمل خزینۃ الاصفیاء کا چہ بہ ہے) لکھا ہے۔^۲

۷۔ متاخر تذکرہ نویس اعجاز الحق قدوسی صاحب نے بھی خزینۃ الاصفیاء اور نزہۃ الخواطر کی تقلید میں شیخ داؤد کا سال وفات ۱۰۹۵ھ تحریر فرمایا ہے۔ نیز انہوں نے شیخ داؤد گنگوہی کے حالات اور سال وفات کے باب میں اخبار الاخبار مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخبار الاخبار ۹۹۹ھ میں تالیف ہوئی اور شیخ داؤد گنگوہی ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوئے۔

درج بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ محمد صادق گنگوہی کا سال وفات نوزدہم یا ہژدہم محرم ۱۰۵۱ھ اور شیخ داؤد گنگوہی کا سال وفات ششم رمضان ۱۰۷۳ھ مستند تصور کیا جائے۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے شیخ محمد صادق کا ایک رسالہ شہود یہ مرتب کر کے (رسالہ) بصائر، میں شائع کر دیا تھا بصائر، کراچی ج ۷، ش ۳-۴ (۱۹۷۰ء) اس رسالہ کا موضوع وحدت الشہود نہیں ہے بلکہ تصوف کے بعض عمومی مسائل پر مشتمل ہے۔

شیخ محمد بن محمد صادق گنگوہی برادر خرد شیخ داؤد

مولوی مشتاق احمد امیٹھوی نے شیخ محمد کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے۔

عبدالرحیم بن عبدالکریم بن نیاز علی بن شاہ علی بخش بن احسان علی بن شاہ علی بن غلام احمد بن شیخ محمد بن شیخ محمد صادق بن فتح اللہ بن عبد الحمید بن شیخ عبد القدوس گنگوہی^۳

مرزا آفتاب بیگ نے بحوالہ تذکرۃ العابدین لکھا ہے کہ شیخ محمد کی ولادت ۱۰۲۲ھ میں ہوئی۔^۴ یہ سن

ولادت غلط ہے جس کے قرائن حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نزہۃ الخواطر / ۱۳۴

۲۔ تذکرہ اولیائے ہند، علم الیہ، ص ۱۱۰

۳۔ انوار العارفین ص ۱۲۳

۴۔ تذکرہ اولیائے ہند، ص ۱۸۱

۱۔ حدائق داودی کی روایت کے مطابق شیخ داود اور شیخ محمد جب دربار شاہ جہان میں پہنچے تو اس وقت شیخ داود کی عمر چودہ سال اور شیخ محمد کی عمر گیارہ سال تھی۔

”شیخ داود و شیخ محمد ہمراہ خان عالم فرستاد و دران وقت حجۃ الاولیاء شیخ داود چہارہ سالہ و قدوة الاولیاء شیخ محمد یازدہ سالہ بودند“۔

۲۔ شیخ محمد کی ولادت بقول مرزا آفتاب بیگ ۱۰۲۲ھ ہے اور اس میں اگر بارہ سال (دربار شاہ جہانی میں شیخ محمد بارہ سال کی عمر میں پہنچے) جمع کیے جائیں تو ۱۰۳۴ھ سال برآمد ہو گا۔ گویا مرزا صاحب کے قول کے مطابق شیخ محمد ۱۰۳۴ھ میں دربار شاہ جہانی میں گئے۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ جہان ۱۰۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس لیے ۱۰۳۴ھ میں شیخ محمد دربار شاہ جہانی میں کیسے جاسکتے تھے۔ لہذا ثابت ہوا ہے کہ مرزا صاحب کا پیش کردہ سال ولادت شیخ محمد ۱۰۲۲ھ غلط ہے۔

مرزا آفتاب بیگ مرحوم نے شیخ محمد کا سال وفات ۲۲ ربیع الاول ۱۰۹۹ھ تحریر فرمایا ہے اور اس طرح مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ لیکن جب تک ہمارے پاس کوئی معاصر شہادت نہیں پہنچتی اس وقت تک اسے تسلیم کرنے میں تامل رہے گا۔

شیخ محمدؒ کے حالات مستند تذکروں میں نہیں ملتے اقتباس الانوار کے اس اقتباس سے مصنف کی عقیدت تو عیاں ہوتی ہے لیکن تاریخ کا پہلو تاریک ہو جاتا ہے۔

”شیخ محمد گنگوہی برادر خرد شیخ داود بود در تربیت مریدان قوتے باہر و در ہدایت مستفیدان تصرفی ظاہر داشت از محبت شامو فیہ در حال روساء چشتیہ بود و خلفاء بسیار داشت و از دامن تربیتش مردمان خوب و مستفیدان مرغوب برخاستند چنانکہ عالمے را بنور ہدایت خویش منور ساختند الغرض بندگی شیخ محمد قدس سرہ تمام عمر را در عشق و محبت و فقر و فناء و شغل باطن گذرانید چون خواست کہ جمال محبوب حقیقی را بے پردہ بیند مرغ روحش حجاب ہستی مجازی

حدائق داودی ص ۱۲۲ (مکمل اقتباس) حدائق داودی کی عبارت ”کے تحت نقل ہو چکا ہے“

انوار العاشقین ص ۱۳۳

مآخذ

۱۔ معارج الولايت مؤلفہ عبد اللہ خویگی خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۶۲۸۱

۲۔ معارج الولايت عبد اللہ خویگی خطی نسخہ ذخیرہ آذر مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۲۵H

۳۔ حدائق داودی مؤلفہ غلام عبد القدوس خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱/۸۷۶/۳۹۲۸

۴۔ مفتاح العارفین مؤلفہ عبد الفتاح بن محمد نعمان خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱۶۱۳/

۳۲۶۳

۵۔ تذکرۃ نوشاہیہ مؤلفہ محمد حیات نوشاہی خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب

۶۔ انیس العاشقین مؤلفہ گھاسی مرید فتح محمد چشتی رام پوری خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر

۱۹۶/۳۲۰۲

۷۔ طبقات الاولیاء سال تالیف ۱۰۶۸ھ خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱۰۳۵/۴۰۸۷

۸۔ اخبار الاولیاء مؤلفہ محمد امیر بسال ۱۱۳۰ھ (در حالت و ملفوظات شاہ علی محمد) خطی نسخہ شیرانی مخزونہ

دانش گاہ پنجاب نمبر ۲۰۹/۳۲۱۴

۹۔ فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم بن محمد حفیظ پسروری روٹوگرافی مخزونہ دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۰۔ شجرۃ الانوار فخری مؤلف مولانا رحیم بخش فخری مرید و خلیفہ شاہ فخر الدین دہلوی خطی نسخہ مملوکہ مولانا

شمس الدین مرحوم، لاہور (التوقیٰ ۱۱ جنوری ۱۹۶۸ء)۔

۱۱۔ ثمرات القدس مؤلف لعل بیگ لعلی سنہ کتابت ۱۲۷۸ھ خطی نسخہ مملوکہ جناب نصرت نوشاہی، شرقپور

پاکستان

۱۲۔ روضۃ القیومیہ (فارسی) مؤلفہ کمال الدین محمد احسان خطی نسخہ مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور

۱۳۔ اقتباس الانوار مؤلفہ محمد اکرم براسوی مطبوعہ مطبع اسلامیہ، لاہور ۱۸۹۵ء

۱۴۔ خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری مطبع شریعت، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

- ۱۵۔ حدیقتہ الاسرار فی اخبار الابرار مؤلفہ امام بخش بن پیر بخش مطبوعہ۔۔۔۔۔
- ۱۶۔ مکتوبات قدوسیہ جامع بدھن رکنی صدیقی جونپوری مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی ۱۲۸۷ھ
- ۱۷۔ منتخب مکتوبات قدوسیہ اہتمام مولوی مشتاق احمد ایٹھوی، مطبع مجتہائی ۱۳۱۲ھ
- ۱۸۔ عمدۃ المقامات مؤلفہ خواجہ محمد فضل اللہ مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ
- ۱۹۔ مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ مؤلفہ شاہ محمد مظہر بن شاہ احمد سعید مطبوعہ اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۲ھ
- ۲۰۔ ہدیہ احمدیہ مؤلفہ مولانا احمد ابوالخیر مکی مطبوعہ مطبع مجتہائی، دہلی ۱۳۱۳ھ
- ۲۱۔ قصر عارفان مؤلفہ مولوی احمد علی مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر مطبوعہ، لاہور ۱۹۶۵ء
- ۲۲۔ نزہۃ الخواطر (عربی) مؤلفہ مولانا عبدالحی لکھنوی مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد، دکن
- ۲۳۔ روضۃ القیومیہ ترجمہ (اردو) کمال الدین محمد احسان مطبوعہ، لاہور ۱۳۳۵ھ
- ۲۴۔ توارخ آئینہ تصوف مؤلفہ محمد حسن صابری مطبوعہ مطبع حسنی، راپور ۱۳۱۱ھ
- ۲۵۔ حقیقت گلزار صابری مؤلفہ محمد حسن صابری مطبع حسنی، راپور ۱۳۰۷ھ
- ۲۶۔ تحفۃ الابرار (کلیات جدولیہ) مؤلفہ مرزا آفتاب بیگ مطبع رضوی، دہلی ۱۳۲۳ھ
- ۲۷۔ انوار العاشقین مؤلفہ مولوی مشتاق احمد ایٹھوی مطبوعہ عثمان پریس، دکن ۱۳۳۲ھ
- ۲۸۔ تحفۃ السالکین مؤلفہ مولوی مشتاق احمد ایٹھوی
- ۲۹۔ اذکار نوشاھیہ از سید شریف احمد شرافت نوشاھی مطبوعہ، لاہور

- 30- Cat. India office by Ethe printed London 1882.
- 31- Persian literature by C.A Storey London, 1925-1953
- 32- Cat. Bankipur. Vol VIII, Bankipur.

(رسالہ) برہان، دہلی ج ۶۴۔ ش ۵ (مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت سید میراں بھیکہ

شیخ محمد سعید ملقب بہ میراں بھیکہ چشتی صابری سلسلہ کے معروف شیخ طریقت، عالم اور فقیہ بزرگ تھے۔
 شیخ میراں بھیکہ کا نام محمد سعید بن سید محمد یوسف بن سید قطب بن۔۔۔۔ تھا حسینی سادات، میں سے
 تھے آپ کے اجداد کا مسکن و مستقر علاقہ ترند تھا۔ آپ کی والدہ بی بی ملکوہ (Malikoh) بھی سادات میں سے تھیں
 (ثمرۃ الفوائد ۲۳، حنفۃ السالکین ص ۱۷۳)

آپ کے اجداد میں سے سید زید ترندی ایک روحانی اشارے پر ترند سے ہندوستان آئے اس وقت
 ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت استحکام پذیر ہو رہی تھی اور سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲-۶۰۷ھ /
 ۱۲۰۶-۱۲۱۰ء) حکمران تھا۔ سید زید نے قصبہ سیانہ (Sianah) میں قیام کیا جو علاقہ کہرام (Kuhram) من
 مضافات سرہند (Sirhind) ایک گاؤں ہے۔ وہاں کے ہندو راجہ سے مسلمانوں کے اس مختصر سے قافلہ کی لڑائی
 ہوئی۔ سید زید کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ (حنفۃ الصالحین ۱۷۳-۱۷۴، ثمرۃ الفوائد ۱۷-۲۲) سلطان نے
 راجہ کو سزا دی اور وہ قتل ہوا۔ سید زید شہید کی اولاد قصبہ کہرام میں بس گئی اور دعوت و ارشاد اور تبلیغ دین میں
 معروف ہو گئی (ہمانجا)

اسی خانوادے کے چشم و چراغ سید محمد سعید ملقب بہ میراں بھیکہ کی ولادت ۹ رجب ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء
 کو ہوئی۔

آپ کا لقب میراں بھیکہ تھا، بھیکہ سسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈرنے والا یعنی خدا کے
 خوف میں ہمیشہ رہنے والا بھیکہ (بکسر باد ہا خفی و یا ساکن معجمہ و کاف مفتوح دہا ی خفی) اس کے دوسرے معنی (باء
 بکسر و ہا خفی و کاف ساکن عربی و شین بغضم معجمہ یعنی بہکشن) زاہد و طالب کے ہیں۔ (ثمرۃ الفوائد ۲۶)

والد کی وفات کے بعد میراں بھیکہ نے اخوند فرید کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ اور کمال انہماک کے ساتھ علم حاصل کیا (ہجرت ۲۹-۳۱) حصول علم کے بعد قصبہ تلوی (Nalwi) کے ایک بزرگ شاہ قاسم کے پاس رہ کر سلوک کی مشق کرتے رہے (ہجرت ۳۲-۳۳)

بارہویں صدی ہجری میں چشتی سلسلہ کے ایک نامور شیخ طریقت شاہ ابو المعالی انبیشوی (Anbethavi) خاص شہرت رکھتے تھے اور پنجاب میں ان کے خلفاء دعوت و ارشاد میں مصروف تھے۔

میراں بھیکہ انہی شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی خدمت میں رہے اور ان سے خلافت یاب ہو کر واپس اپنے مستقر میں آکر مریدوں کی تعلیم و تربیت کرنے لگے۔ شاہ ابو المعالی نے ۱۱۱۲ھ / ۱۷۰۰ء کو انتقال کیا۔ (انوار العاشقین ۱۰۹، عقد اللآلی ۲۰-۲۱)

میراں بھیکہ تقریباً تیس سال دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ موصوف عالم، فقیہ اور قبیح شرع بزرگ تھے (نزهة الخواطر ۶ / ۳۱۱) آپ شعر فہم اور شعراء کے مربی تھے آپ کے کئی مرید فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ محمد سلیم کا طویل فارسی قصیدہ ان کے مناقب میں نقل ہوا ہے۔ خود میراں بھیکہ فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے انہوں نے اپنے شیخ شاہ ابو المعالی کی مدح میں ۱۱۹ اشعار کا ایک قصیدہ بھی لکھا جو شیخ لطف اللہ انبالوی نے من و عن نقل کر دیا ہے (ثمرۃ الفوائد ۳۴-۳۵) معتمد خان نے میراں بھیکہ کے نام کے ساتھ لفظ بصیر بھی لکھا ہے (تاریخ محمدی ص ۴۰) لیکن اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ یہ ان کا تخلص ہے۔

میراں بھیکہ کا شجرہ چشتی سلسلے کی معروف شاخ صابریہ سے ملتا ہے۔ یعنی میراں بھیکہ خلیفہ شاہ ابو المعالی مذکور خلیفہ شیخ داؤد، شیخ محمد صادق، شیخ ابو سعید گنگوہی، شیخ نظام الدین تھانیسری، شیخ جلال تھانیسری، شیخ عبد القدوس گنگوہی یہ پورا شجرہ اس سلسلہ کی متداولہ کتب مرآۃ الاسرار، سیر الاقطاب، اقتباس الانوار (ص ۳۳۹) میں درج ہے۔

میراں بھیکہ کا وصال ۵ رمضان ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء کو ہوا قصبہ کہرام میں دفن کیے گئے جو اس وقت پٹیالہ میں ہے موضع تھکہ عملہ پر گنہ تھانیسری کہ وطنش بود فوت شد (تاریخ محمدی ۲ / ۶ / ۴۰) جو اس وقت پٹیالہ میں ہے

ہندی میں میراں بھیکہ چشتی کے صحابہ کے مجموعے میں ہے (مرحومہ فاروق الحسن چشتی) کہیں پہلاں، سورہ کہ بھارتی اور ی حلیوں میں ہے، جن میں سے دو کے نمبر تراجم طبع ہوئے ہیں۔

(تحفۃ الصالحین ۲۰۳، ثمرۃ الفواد ۲۳ و باب ہفتم، تاریخ محمدی ۴۰، حدیقتہ الاولیاء ۱۰۱) میراں بھیکہ کے مریدین و خلفاء کثیر تعداد میں تھے ثمرۃ الفواد میں کئی اصحاب کے احوال و مناقب درج ہیں۔ لیکن ان میں سے مولانا بہلول گول برکی جالندھری (شارح دیوان حافظ و غیرہ)، شیخ لطف اللہ انبالوی مولف ثمرۃ الفواد اور شیخ علیم اللہ جالندھری مولف نزہۃ السالکین وغیرہ زیادہ مشہور ہوئے۔

میراں بھیکہ کے حالات و ملفوظات پر دو کتابیں مرتب ہوئیں ان میں ثمرۃ الفواد جسے آپ کے خلیفہ شیخ لطف اللہ انبالوی (ف ۱۱۸۰ھ) نے تالیف کیا یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جابجا فارسی اشعار سے بھی مزین ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور میں ہے۔ اس کا فارسی متن مع اردو ترجمہ دہلی سے ۱۹۲۵ء کو چھپ چکا ہے۔

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب مولانا علیم اللہ جالندھری حسینی (۱۱۰۹-۱۲۰۲ھ) مولف و شارح کتب درسیہ نے نزہۃ السالکین کے نام سے ۱۱۸۲ھ میں تالیف کی اس کتاب کے آخری ابواب میراں بھیکہ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہیں کتاب فارسی نثر میں ہے اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ذخیرۃ شیرانی، کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور (شمارہ ۶۲۱۱) میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ لاہور سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کی پروفیسر طاہرہ اس کا فارسی متن پی ایچ ڈی کے لیے مرتب کر رہی ہیں۔ اس کے مولف مولانا علیم اللہ جالندھری کے احوال و مناقب میں ایک رسالہ اسرار العلیم عبد اللہ شاہ قادری نے لکھا تھا جن کا عکس جناب فاروق الحسن چشتی (ملتان) کے پاس ہے۔

مآخذ

- ۱۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء
- ۲۔ عبدالحسین حسینی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دکن ۱۹۵۷ء
- ۳۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ
- ۴۔ علیم اللہ جالندھری: تحفۃ الصالحین ترجمہ نزہۃ السالکین، لاہور، ۱۹۳۵ء
- ۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقتہ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

- ۶۔ ایضاً: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۷۔ لطف اللہ انبالوی: ثمرۃ الفوائد (احوال و ملفوظات و مناقب میراں بھیکہ چشتی) دہلی، ۱۹۲۵ء
- ۸۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین۔ بریلی، ۱۲۹۰ھ
- ۹۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، ۱۸۹۵ء
- ۱۰۔ مشتاق احمد انبھٹوی: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ
- ۱۱۔ ایضاً: عقد اللآلی یعنی مناقب شاہ المعالی، ساڈھورہ، ۱۳۳۱ھ
- ۱۲۔ معتمد خان، میرزا محمد: تاریخ محمدی، تصحیح و تعلیقات امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء
- ۱۳۔ بھیکہ، میراں، سید: نور معرفت (ترجمہ و شرح گیان لہر) شارح فاروق الحسن چشتی، ملتان، ۲۰۱۱ء
- ۱۴۔ ایضاً: مورکھ سمجھاوتی ترجمہ از خلیفہ یونس صابری، ملتان۔
- ۱۵۔ ایضاً: سی حرفیاں مترجم خلیفہ یونس صابری، ملتان۔

۳ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبیر قازہ

شیخ فتح اللہ جالندھری

شیخ محمد فتح اللہ جالندھری حسنی حسینی چشتی (ف ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء) ایک عالم و عارف مؤلف تھے۔ وہ ہندوستانی پنجاب کے مشہور علاقہ جالندھر (Jalundhar) کے رہنے والے تھے۔

جالندھر کے مشہور بزرگ میر سید محمد سعید ملقب بہ میران بھیکھ (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) اور شاہ علیم اللہ چشتی جالندھری (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ شاہ فتح اللہ چشتی کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے۔

ان کے ایک مرید شیخ نور اللہ نے جو ان کے حین حیات ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۰ء کو انتقال کر گئے تھے ان کے ملفوظات کے تین مجموعے مرتب کیے تھے یعنی فتح الاسرار، در معارف، توحید، فتح الاخیار اور فتح العقائد۔

شاہ فتح اللہ چشتی کی دو تصانیف تصوف کے وجود کا ہمیں تاحال علم ہے۔ اول فتح المعارف یا رسالہ شرح کلمہ طیبہ ہے جو کلمہ طیبہ کی شرح اور اس کے معارف و مطالب پر مشتمل ہے۔ مؤلف کے ایک مرید شیخ محمد منیر الدین حضرات خواجگان چشتیہ سے ملاقات کے لیے دہلی گئے تو انہوں نے ان سے کلمہ شریفہ کے معنی کی تحقیق کی درخواست کی انہیں اس کا تسلی بخش جواب نہیں مل سکا، جس پر واپس آکر انہوں نے اپنے شیخ شاہ فتح اللہ سے کلمہ طیبہ کی ایک شرح لکھنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۱ء کو یہ کتاب مکمل کر لی۔ مؤلف نے اپنے مآخذ میں احادیث نبویہ، فصوص الحکم، مرآۃ العارفین، رسالہ اصطلاحات مؤلفہ شیخ عبدالرزاق کاشانی، تمہیدات عین القصص ہمدانی، لمعات عراقی، گنج الاسرار (منسوب بہ خواجہ معین الدین بجزی) اور نزہۃ الارواح مؤلفہ میر حسینی کے حوالے دیئے ہیں، ان کے علاوہ اپنے بیانات کو دلچسپ بنانے کے لیے مولانا روم اور حافظ شیرازی کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

اس رسالہ کا خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتابخانہ، مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور (شمارہ ۱۰۲) ایک مجموعہ میں

(برگ ۱۶۱-۳۲۳) موجود ہے۔

شاہ فتح اللہ چشتی کا دوسرا رسالہ فتح الاذکار بھی اسی مجموعہ میں ورق ۳۲-۶۶ دیکھا جاسکتا ہے۔

مؤلف نے اس رسالہ میں سلسلہ چشتیہ کی اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور اس میں خواجہ معین الدین

چشتی سجری کے بعض فیوضات بھی نقل کیے ہیں، یہ رسالہ مؤلف نے اپنے ایک عزیز دوست خواجہ محمد یحییٰ بن سید

مخدوم اعظم کی فرمائش پر ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں تالیف کیا اور ان کو اس سلسلہ کی اجازت بھی دی، اصطلاحات کے

علاوہ ذکر در بیان لطائف و مکان، در بیان تلقین و تعلیم مرید، لطیفہ سزى، لطیفہ خفی و اخفی، توحید و جود و شہود و اور

ولایت خمسہ کا بیان بھی قابل توجہ ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۳ / ۳۰۴-۳۰۶)

مؤلف اپنے ملفوظات و افکار کے اعتبار سے نظریہ وحدت الوجود کے پیروکار معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں

نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا بیان بھی طریقہ چشتیہ کے مطابق کرتے ہوئے اول الذکر کو ترجیح دی ہے۔

مؤلف نے چشتی سلسلہ کے بعض محض وضعی ملفوظات کے مجموعوں کا بھی سہارا لیا ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ کے

سرخیل خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی اس سے پہلے واضح طور پر فوائد الفواد کے علاوہ مجموعوں کو جعلی قرار دے چکے

تھے (خیر المجالس ص ۲۴۱)

ماخذ

- ۱۔ منزوی: احمد فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء
- ۲۔ بھیکھ، میران، سید: نور معرفت (ترجمہ گیان لہر) مترجم فاروق الحسن چشتی، لاہور، ۲۰۱۱ء
- حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء
- ۳۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد سوم، لاہور، ۱۹۷۷ء
- ۴۔ علی اصغر چشتی، ابو مظہر: شمیم جالندھر (تذکرۃ اولیائے جالندھر)، لاہور، ۱۹۹۹ء
- ۵۔ علیم اللہ جالندھری سید: تحفۃ الصالحین ترجمہ نزہۃ السالکین، لاہور (س۔ن)
- ۶۔ لطف اللہ انبالوی جالندھری: ثمرۃ الفوائد، دہلی، ۱۹۲۵ء
- ۷۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین، لاہور، ۱۹۷۸ء
- ۸۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الاسرار، لاہور، ۱۳۳۰ھ
- ۹۔ عبد اللہ قادری: اسرار العلیم (در مناقب شاہ علیم اللہ جالندھری)، خطی، عکس مملوکہ آقائی فاروق الحسن چشتی، ملتان۔

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ الہدیہ چشتی (مؤلف سیر الاقطاب)

الہدیہ چشتی گیارہویں صدی ہجری کے ایک چشتی سلسلہ کے صوفی اور تذکرہ سیر الاقطاب کے مؤلف کی حیثیت سے معروف ہیں۔

شیخ الہدیہ معروف چشتی صوفی شیخ جلال الدین محمود پانی پتی (ف ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء) کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم بن حکیم مینا بن۔۔۔۔۔ خواجہ عبدالقادر بن شیخ جلال الدین محمود پانی پتی عثمانی (سیر الاقطاب ۱۸۹)

شیخ الہدیہ (Diyah-diya) ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دیا ہوا، عطاء، بخشش یعنی اللہ تعالیٰ کی بخشش۔ (ہندی اردو لغت)

شیخ الہدیہ شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء) کے خلیفہ تھے۔ جن کا قیام کیرانہ (Kairanah) میں تھا۔ جو پانی پت (Panipat) (شرقی پنجاب) سے تقریباً بیس میل مشرق میں ایک قصبہ ہے اور ضلع کرنال میں ہے۔

(Ain-i-Akbari, tr. Blochmann 1/544, Imperial gazetteer of India, Vol XIV pp. 286-7)

شیخ الہدیہ چشتی کے سال ولادت و وفات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں ان کی کتاب سیر الاقطاب سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء تک بقید حیات اور معروف کار تھے (سیر الاقطاب ۲۵۱) ان کی تحریرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۸۵ء) سے متوسل اور وابستہ تھے ان کا منصب کیا تھا؟ یہ کتب تاریخ سے معلوم نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی درباری وقائع میں ان کا کہیں تذکرہ ملتا ہے۔

(Apparatus of Empire, by Athar Ali)

شیخ الہدیہ نے خود ذکر کیا ہے کہ وہ کتاب سیر الاقطاب کی تسوید سے فارغ ہو کر اس کی تصحیح میں مصروف تھے یعنی ۱۰۳۶-۱۰۵۶ھ / ۱۶۲۶-۱۶۴۶ء تو انہیں شاہ جہاں بادشاہ کے ہمراہ کابل کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب شاہی لشکر نے کابل کے قریب چار باغ میں پڑاؤ ڈالا تو اس کتاب کا زیر نظر مبیضہ مؤلف کے پاس تھا جسے شاہ جہاں اور دیگر اہل لشکر مؤلف سے مختلف جلسوں میں سنتے اور خوش ہوتے تھے (سیر الاقطاب ف ۲۵) اس سفر میں مؤلف کے برادر کلاں شیخ فضیل اور شیخ قاسم بھی ہمراہ تھے۔ (ہمانجا)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بعض علماء و صوفیہ کو دعا اور مذہبی امور کے سلسلے میں اپنے ہر کام رکھتے تھے شیخ الہدیہ بھی اسی حیثیت سے شاہ جہاں کے ہم سفر ہوں گے اور کوئی قابل ذکر منصب نہیں تھا۔

شیخ الہدیہ کے دادا شیخ مینا حکیم اکبر کے عہد کے قابل ذکر جراح تھے (منتخب التواریخ ۳ / ۱۶۹، آئین اکبری جلد اول انگریزی ترجمہ و تعلیقات بلوخان ص ۵۴۳) ان کے چچا شیخ حسن مخاطب بہ مقرب خان جہانگیر کے جراح تھے اور گجرات، بہار اور آگرہ کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ جن کا کیرانہ میں ۹۰ سال کی عمر میں ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء کو انتقال ہوا (توزک جہانگیری ترجمہ بیورج ص ۲۷۷ بعد تاثر الامراء ۳ / ۳۲۱-۳۲۲، فہرست مخطوطات فارسی موزہ برطانیہ ۳ / ۱۰۸۶)

مقرب خان نے پانی پت اور کیرانہ میں کئی عمارتیں تعمیر کروائیں (آئین اکبری بلوخان ۱ / ۵۴۳) حکیم مینا کیرانوی کے دوسرے بیٹے شیخ عبدالرحیم یعنی شیخ الہدیہ چشتی کے والد کی اولاد میں سے نامور عالم و مبلغ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء) تھے۔ (ایک مجاہد معمار ص ۱۵، آثار رحمت ۵۶)

شیخ الہدیہ چشتی کی صرف دو تالیفات سیر الاقطاب اور جواہر اعلیٰ کا ہمیں تاحال علم ہے۔

سیر الاقطاب:

یہ کتاب صوفیہ کے چشتی صابری سلسلے کے مشائخ کا تذکرہ ہے۔ بظاہر مؤلف نے صرف اپنے شجرہ طریقت کے اصحاب کا تذکرہ لکھا ہے لیکن آج اسے صوفیہ کے تذکروں میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہ تذکرہ ۱۰۳۶ھ / ۲۷-۱۶۲۶ء کو مؤلف نے مرتب کرنا شروع کیا اور ۱۰۵۶ھ / ۳۷-۱۶۴۶ء میں مکمل کر لیا۔ (سیر الاقطاب ص ۳)

(۲۴۹) مؤلف نے کتاب کے اختتام پر اپنے ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء کے سفر جمیر کا بھی ذکر کیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب پر ۱۰۶۹ھ تک نظر ثانی کرتے رہے (ہما نجا ص ۲۵۱)

اس تذکرے میں ۲۷ صوفیہ کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر اپنے شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ پانی پتی (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) تک تمام مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ان میں سے جن صوفیہ کے حالات کے سلسلہ میں مؤلف نے خاص اہتمام سے معلومات جمع کی ہیں ان میں شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء، شیخ احمد عبدالحق ردو لوی (رک پل) شیخ بہرام بیڈو لوی (Bedowlavi)، شیخ نظام سنائی، شیخ شبلی بن شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء، شیخ عبدالقدوس، شیخ عبدالکبیر اولیاء، شیخ عثمان زندہ پیر، شیخ نظام الدین اولیاء شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ (ف ۱۰۳۳ھ) کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر پانچ مشائخ کے حالات کے لیے تو یہ کتاب واحد ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے ان صوفیہ کے حالات اسی تذکرے سے نقل کیے ہیں۔ اقتباس الانوار جو سیر الاقطاب سے تقریباً ایک صدی بعد تالیف ہوئی، میں شامل اولیاء کے حالات لفظ بلفظ سیر الاقطاب سے ماخوذ ہیں۔

سیر الاقطاب بڑی متداول کتاب رہی ہے اس کے کئی خطی نسخے دنیا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ بعض نسخوں کی تفصیل سنوری نے دی ہے۔ (ادبیات فارسی ۱ / ۲ / ۱۰۰۴)

سیر الاقطاب کا فارسی متن ہندوستان سے کئی بار چھپ چکا ہے مطبع نو لکشور لکھنؤ نے ۱۸۷۷ء، ۱۸۸۱ء، ۱۸۸۹ء، ۱۹۱۳ء وہ بعد اسے شائع کیا۔

محمد علی جو یا کا اردو ترجمہ بھی مطبع نو لکشور لکھنؤ سے ۱۸۸۰ء، ۱۸۸۸ء اور پھر کئی مرتبہ طبع کیا۔ اس کا ملخص اردو ترجمہ از مصطفائی بیگم حیدر آباد دکن سے اور پھر لاہور ۱۹۷۷ء میں چھپا تھا۔

جواہر اعلیٰ

اس کتاب میں مؤلف نے اپنے شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ (سیر الاقطاب ۲۳۴) اور بتایا ہے کہ سیر الاقطاب میں شامل شیخ اعلیٰ کے ملفوظات اسی جواہر اعلیٰ سے منقول

ہیں۔ (ہمانجا ۲۳۴-۲۳۸)۔ اس کا ایک خطی نسخہ درگاہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید، دہلی میں کتابخانہ شاہ ابو الخیر مجددی میں ہے (ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطات تصوف ص ۲۲)

ماخذ

- ۱۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب۔ لکھنؤ، مطبع نوکشتور ۱۹۱۳ء
- ۲۔ امداد صابری: آثار رحمت (حالات مولانا رحمت اللہ کیرانوی)۔ دہلی ۱۹۶۷ء
- ۳۔ بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ج ۳، ۱۸۶۹ء
- ۴۔ مصمما الدولہ شاہ نواز خان: آثار الامراء اردو ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۶۹ء۔ ۱۹۷۱ء
- ۵۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ ۱۸۹۵ء
- ۶۔ محمد سلیم: ایک مجاہد معمار۔ کراچی، ۱۹۵۲ء

ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطات تصوف (شائع کردہ خدابخش لائبریری، پٹنہ۔ سن)

- 7- Athar Ali: Apparatus of Empire, Delhi, 1985.
- 8- Blochmann: Ain-i-Akbari, Lahore, (rep.) 1975.
- 9- Imperial Gazetteer of India (rep. ed.) Delhi (N.D)
- 10- Jahangir: Memoris of Jahangir, tr. Rogers and Beveridge, Lahore (rep.) 1974.
- 11- Rieu, Ch: Cat. of Persian MSS. in British Museum, London, 1895.
- 12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ اسماعیل چشتی اکبر آبادی

شیخ اسماعیل اکبر آباد (آگرہ) میں سلسلہ چشتیہ کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ آفاق بھی تھے۔ خلق کثیر نے ان سے ظاہری و باطنی علوم میں فیض پایا۔ سماع و وجد بہت ہی پسند کرتے تھے۔ مظہر الحق اکبر آبادی (ف ۱۱۰۵ھ / ۱۶۹۳ء) نے مخبر الواصلین میں شیخ اسماعیل چشتی اکبر آبادی کا سال وفات ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء نظم کیا ہے (ص ۶۱) مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ ان کا مزار اکبر آباد میں ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۷)

مآخذ

- ۱۔ مظہر الحق اکبر آبادی: مخبر الواصلین، مراد آباد، شمس المطالع ۱۹۰۹ء
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء
- ۳۔ محمد اختر: تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان، لاہور (سن)
- ۴۔ محمد سعید، منشی: مرقع اکبر آباد، آگرہ ۱۳۵۰ھ
- ۵۔ شہابی، انتظام اللہ: مشاہیر اکبر آباد، کراچی ۱۹۸۰ء

۹ مئی ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ ابو محمد فتہی

شیخ ابو محمد فتہی گیارہویں صدی ہجری کے چشتی مشائخ میں سے تھے۔ شیخ ابو محمد فتہی کی سعی جمیلہ سے پنجاب میں گیارہویں صدی ہجری میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ ہوا۔ خصوصاً قصور (Qusur) اور قصبہ فیروز پور (Ferozpur) میں ان کے مریدین تھے۔

شیخ ابو محمد ذکر جہر بہت ہی شدت سے کرتے تھے۔ قیام شب اور روزے کی حالت میں رہنا ان کا معمول تھا۔ کسی سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کو فسق و فجور میں وقت گزارنے کی بجائے عبادت و ریاضت کی تلقین کرنا ان کا شیوہ تھا۔ (اخبار الاولیاء، خطی برگ ۱۵۳، الف، ب)

شیخ ابو محمد فتہی کے ایک ہی فرزند تھے جن کا نام شیخ قطب تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ذکر جہر میں نہایت شدت سے کام لیتے تھے۔ ان سے ایسی شطھیات سرزد ہوئیں کہ علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔

(اخبار الاولیاء، برگ ۱۵۳، ب، معارج الولايت ب ۴۷۷)

شیخ ابو محمد فتہی کا مسکن صوبہ پنجاب (Panjab) کا مشہور قصبہ فیروز پور (Ferozpur) تھا وہیں انہوں نے عمر کا زیادہ حصہ عبادت و ریاضت میں گزارا آغاز گیارہویں صدی ہجری میں فیروز پور ہی میں انتقال ہوا اور اسی قصبہ کے ایک دیہ چیرہ (Deh Cherah) میں دفن ہوئے۔ (اخبار الاولیاء ۱۵۳، ب، اولیائے قصور ۱۷۴)

مآخذ

- ۱۔ عبدی، عبد اللہ خوینگی قصوری: اخبار الاولیاء (بسال ۱۰۷۷ھ)
خطی نسخہ مملوکہ مولانا محمد طیب ہمدانی، قصور
- ۲۔ عبدی، عبد اللہ خوینگی قصوری: معارج الولايت (بسال ۱۰۹۶ھ)
خطی نسخہ ذخیرہ آذر کتابخانہ مرکزی دانشگاه پنجاب لاہور نمبر H.۲۵
- ۳۔ محمد شفیع: اولیائے قصور (تلخیص و ترجمہ اردو اخبار الاولیاء)، لاہور ۱۹۷۲ء

۱۵ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شیعہ قارہ

شیخ پھوگی افغان عزیز زئی قصوری

شیخ پھوگی عزیز زئی گیارہویں صدی ہجری کے ایک افغان صوفی تھے جن کا تعلق پنجاب کے معروف قصبہ قصور سے ہے۔

شیخ پھوگی ظاہر اُکسی شیخ سے بیعت نہیں تھے بلکہ شیخ مودود چشتی (ف ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء) کے خلیفہ پیر و تو شوریانی قصوری (Watto Shoriani) ملقب بہ پیر کبار کی روحانیت سے ایسی طور پر فیض حاصل کیا تھا۔ (معارج الولايت، خطی، برگ ۵۴۰ ب) گویا اس اعتبار سے شیخ پھوگی کا چشتی سلسلہ سے تعلق ہوا۔

شیخ پھوگی عام طور پر گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے اور قصور سے آگرہ تک ان کی فروخت کے سلسلے میں جاتے رہتے تھے۔ (اخبار الاولیاء، خطی برگ ۴۱ ب) شیخ پھوگی کا تعلق پنجاب کے مشہور قصبہ قصور (Qusur) سے تھا۔ جہاں کے افغان اکابر اولیاء میں سے گذرے ہیں۔

شیخ پھوگی کو سماع سے بہت دل چسپی تھی۔ اس سلسلے میں ان کے معاصر علماء و صوفیہ سے مباحث بھی ہوئے تھے۔ (ہما نجا ۴۲ ب۔ ۴۴ الف)

عہد اکبری (۹۶۳-۱۰۱۴ھ / ۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) کا مشہور گویا تان سین (Tansen/ Tansain) ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) جسے مقامی روایات کے مطابق اکبر کی طرف سے قصور میں کچھ جائیداد ملی تھی اور کچھ عرصہ قصور میں بھی مقیم رہا تھا کے ساتھ شیخ پھوگی کے اچھے مراسم تھے، ایک بار شیخ نے اس سے کہا کہ کچھ سناؤ شیخ نے سنا اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔ اور خطیر رقم بطور ہدیہ پیش کی تان سین نے بھی اشرافیوں سے بھرا ہوا طبق شیخ کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا۔ (اخبار الاولیاء ۴۲ الف)

شیخ پھوگی کے معاصر صوفیہ سے اچھے تعلقات تھے خاص طور پر شیخ حسن بکزی (Batakzai) قصوری جو مشہور صوفی تھے اور ان سے گھوڑوں کی تجارت میں مشورہ کے علاوہ دعا کی بھی درخواست کیا کرتے تھے (اخبار الاولیاء ۳۱ ب)

تذکروں میں شیخ پھوگی کی محض کرامات ہی درج ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مریدین بھی خاصی تعداد میں تھے۔

شیخ پھوگی کا سال وفات ان کے ہم وطن اور قریب العہد تذکرہ نویس عبد اللہ عبدی خوینگی قصوری نے نہیں لکھا۔ لیکن مفتی غلام سرور لاہوری نے ایک مفقود الخبر کتاب شجرۂ چشتیہ کے حوالہ سے ان کا سال وفات ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹-۵۸ء تحریر کیا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۸)

جو عبدی کی درج کردہ حکایات کی روشنی میں کچھ زیادہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مذکورہ حکایت تان سین کی رو سے شیخ کو ان سے ملاقات کے وقت معمر نہیں تو درمیانی عمر یعنی پچاس سال کا ہونا لازم معلوم ہوتا ہے۔ اور تان سین کا سال وفات ۹۹۸ھ ہم درج کر چکے ہیں اس اعتبار سے اگر شیخ کا سال وفات ۱۰۶۹ھ صحیح مان لیا جائے تو ان کا تان سین کی موت کے بعد اکہتر (۷۱) برس مزید بقید حیات رہنا چاہیے جو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے مفتی غلام سرور کا نقل کردہ سال وفات ۱۰۶۹ھ درست نہیں ہے یقیناً شیخ پھوگی اس سے بہت پہلے انتقال کر گئے ہوں گے۔ شیخ پھوگی کا موطن و مدفن قصور ہے (اخبار الاولیاء)

ایک امر اور قابل توجہ ہے کہ شیخ کے ہم وطن اور قریب العہد مؤلف عبد اللہ خوینگی قصوری نے ان کا نام بھوگی (یعنی ب ھ) لکھا ہے (معارج الولايت ۳۷۷ الف۔ ب، اخبار الاولیاء ۳۱۔ الف) جبکہ مفتی غلام سرور لاہوری نے اس کے برعکس انہیں پھوگی (پ ھ) لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۸) مفتی صاحب کی محولہ بالا کتاب چونکہ مروج اور مشہور ہے اس لیے متاخرین نے بلا تحقیق ان کا نام پھوگی (پ۔ ھ۔ گ۔ ی) لکھ دیا ہے۔

مآخذ

- ۱۔ عبدی، عبد اللہ خویگی قصوری: معارج الولايت (۱۰۹۶ھ) خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاه پنجاب (ذخیرہ آذر نمبر H-25)
- ۲۔ ایضاً: اخبار الاولیاء (در احوال اولیاء قصور) بسال ۱۰۷۷ھ۔ خطی نسخہ مملوکہ مولانا سید طیب مجددی، قصور
- ۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۴۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبد اللہ خویگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۵۔ محمد شفیع لاہوری: اولیاء قصور، لاہور، ۱۹۷۲ء

۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ عبد اللہ خویشگی قصوری

عبد اللہ خویشگی قصوری شاہ جہان و عالمگیری عہد کا ایک کثیر التصانیف عالم، شاعر، اور تذکرہ نویس تھا، اس وقت تک اس کی چند تصانیف کا سراغ مل سکا ہے۔ اخبار الاولیاء اور معارج الولایت اس کی اہم ترین کتابیں ہیں۔

عبد اللہ خویشگی افغانوں کی اہم ترین شاخ خویشگی سے تعلق رکھتا تھا۔ قصور میں آباد ہونے والے خویشگی پیر و شور یانی متوفی ۵۵۰ھ / ۱۱۵۵ء کی نسل سے تھے (معارج الولایت قلمی، ورق ۵۴۱)۔ اس کا نام عبید اللہ تھا اور وہ عبد اللہ کے عرف سے معروف تھا۔ خواجگان چشت سے نہایت عقیدت کے سبب وہ اپنے نام کے ساتھ غلام معین الدین بھی لکھتا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں استاذ کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے ”خلیفہ جی“ کے لقب سے ملقب تھا۔ (معارج الولایت، اخبار الاولیاء قلمی) دیباچہ۔ اس کا تخلص عبدی تھا (معارج الولایت ورق ۳۸۴) عبدی تخمیناً ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو قصور میں پیدا ہوا (احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری مطبوعہ ص ۲۷) عبدی کا ایک لڑکا محمد مستقیم باللہ ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء میں پیدا ہوا (اخبار الاولیاء، ورق ۵۹) اس کے دادا مولانا احمد شوریانی قصوری متوفی ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء جید عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے (اخبار الاولیاء ۵۹، معارج الولایت ورق ۳۶۹-ب) عبدی نے ابتدائی تعلیم قصور ہی میں حاصل کی۔ اور پھر لاہور میں آکر میاں محمد صادق، میاں محمد سعید اور شیخ نعمت اللہ جیسے اساتذہ سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ (اخبار الاولیاء ورق ۱۶۰) ایک سال تک قصور میں درس بھی دیا۔ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶-۱۶۵۵ء (اخبار الاولیاء ۱۶۱) پھر جب معاش کے لیے قصور سے دہلی جا کر نواب دلیر خان کی ملازمت اختیار کر لی اور ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء تک اس کے ساتھ رہا اس دوران میں وہ کئی مشائخ سے ملا اور ان سے علمی و روحانی فیض حاصل کیا مثلاً شیخ فتح اللہ احمد آبادی، شاہ سراج الدین، شیخ عبدالرحمان رفیع احمد آبادی، شیخ پیر محمد لکھنوی متوفی ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء، مولانا خواجہ علی، شیخ محمد رشید جونپوری متوفی ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۳ء، شیخ عبداللطیف برہانپوری متوفی ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء، شیخ برہان الدین برہانپوری متوفی ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۳ء،

شیخ حبیب جنیری، شاہ دولہ دریائی گجراتی متوفی ۱۰۸۷ھ / ۱۶۷۶ء، میر سید احمد گیسو دراز کالپوی متوفی ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۴ء اور شیخ عبدالحق خوینگی قصوری۔

عبدی کی زندگی ایک طرف درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے عبارت ہے تو دوسری طرف وہ امراء و رؤساء اور ارکان دولت کی مصاحبت و ہم نشینی کرتا نظر آتا ہے، ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء میں جب اس نے بحر الفراستہ شرح دیوان حافظ لکھی تو اس کے دیباچہ میں شاہ جہاں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء تا ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء وہ نواب دلیر خان سے متصل رہا۔ اسی دوران میں وہ دکن کے محاذ پر دلیر خان سے ہمراہ رہا، مرزا راجہ بے سنگھ کو ۱۶۶۵ء میں عالمگیر نے بیجاپور کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو عبدی بھی مرزا راجہ کے ہمراہ تھا۔ (معارج الولايت ورق ۵۶۷) داؤد خان حسین زکی کی فرمائش پر اس نے جامع الکلمات مکتوبات شیخ عبداللطیف برہانپوری مدون کیے حسن خان اور سعید خان خوینگی کی فرمائش پر اس نے مثنوی مولانا روم کی شرح اسرار مثنوی و انوار معنوی کے نام سے تصنیف کی۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عبدی ایک کثیر التصانیف عالم تھا اس کی حسب ذیل ترین تصانیف کا سراغ مل سکا

ہے:

(۱) اخبار الاولیاء ۱۰۷۷ھ تصور کے افغان و غیر افغان مشائخ کا ایک مفصل تذکرہ ہے۔ اس کا چوتھا باب، تحقیق نسب افغاناں بھی بہت اہم ہے، گویا اخبار الاولیاء تصور کی، علمی، ثقافتی اور روحانی تاریخ کا قدیم ترین اور ناگزیر ماخذ ہے۔

عبدی کی دوسری اہم ترین تصنیف معارج الولايت ہے، یہ کتاب ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء میں مکمل ہوئی، یہ ہندوستان کے قدیم اور عبدی کے معاصر مشائخ کا ایک مفصل، ضخیم اور جہیم تذکرہ ہے، اس میں چار سو چھپن مشائخ کے تراجم شامل ہیں، اس کتاب میں عبدی کا انوکھا قابل قدر انداز تحریر ہے کہ اس نے مشائخ کے حالات کے ساتھ ان کی تصانیف کے ملخص متون اور بعض کے مکمل متون نقل کر دیئے ہیں جو آج تقریباً ناپید ہیں اس طرح معارج الولايت کی بدولت تقریباً ۳۵ کتب تصوف کے متون ہم تک پہنچے ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی خزینۃ الاصفیاء کا بنیادی ماخذ معارج الولايت ہی ہے، معارج الولايت پنجاب کی روحانی اور ثقافتی تاریخ کا ایک اہم ترین ماخذ ہے، اس کے علاوہ عبدی نے اس میں مجددی تحریک کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور مجدد الف ثانیؒ کے خلاف مخالف و

منفی آراء کو بالالتزام جمع کر دیا ہے۔ جس سے اس وقت کے مذہبی عوامل اور ذہنی پس منظر کو سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے، یہ کتاب ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ اس کے دو خطی نسخے کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں محفوظ ہیں۔

اس کے علاوہ عبدی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

- (۳) بحر فراستہ اللفاظ فی شرح دیوان حافظ (۴) خلاصۃ البحر قدیم و جدید (۵) جامع البحرین فی زوائد النہرین (۶) خلاصۃ البحر فی القاط الدُرر (۷) اسرار مثنوی و انوار معنوی (۸) تحقیق المحققین (۹) فوائد العاشقین (۱۰) بہارستانی شرح گلستان (۱۱) تحفہ دوستان شرح بوستان (۱۲) جامع الکلمات مکتوبات شیخ عبد اللطیف برہانپوری بنام یارانِ قصور (۱۳) تلقین المریدین (۱۴) تلقین الطالبین (۱۵) اوراد السادات (۱۶) اوراد النبیؐ (۱۷) مقصود السالکین (۱۸) حصول الوصول (۱۹) جامع الحقائق (۲۰) فوائد الطالبین (۲۱) مظہر الوجود و مظہر الشہود (۲۲) محرقة الرفضۃ (۲۳) محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیہ و الفقہاء (۲۴) راحة الاشباح فی شرح نزہۃ الارواح (۲۵) مہینات اشراق اللغات (۲۶) شرح کلمات وانیات (شرح مخزن الاسلام) (۲۷) شرح حروف عالیات (شرح اکہر دتی ملک محمد جانی) (۲۸) روائع شرح لوائح (۲۹) فوائد العارفین (۳۰) جامع البحرین شرح دیوان شیخ عبد القادر جیلانی (۳۱) مخزن الحقائق شرح کنز الدقائق (۳۲) بحر زخار شرح ہدایہ (۳۳) تحفہ قدسیہ شرح تحفہ بدریہ (۳۴) فوائد لاسی شرح قصیدہ لالی (۳۵) معجز شرح موجز (۳۶) شرح لوبہار (۳۷) اسرار الہی (۳۸) مزرعة الآخرة (۳۹) سلسلۃ الذهب (۴۰) مظہر العجائب (۴۱) مظہر الغرائب (۴۲) کفایت الاسرار (۴۳) کفایت الانوار (۴۴) مہینز (۴۵) ارشاد البحرلی (۴۶) ارشاد العالمین (۴۷) ہدایۃ المضلین (۴۸) بوارق خاطفہ (۴۹) فوائد الکسیر (۵۰) خلاصۃ الکسیر (۵۱) فوائد الکسیر (۵۲) فوائد خوردہ شرح قصیدہ بردہ (۵۳) دیوان عبدی

عبدی کا سال وفات ہنوز معلوم نہیں ہو سکا تاہم ۱۱۰۶ھ / ۱۶۹۳ء میں اس نے تحفہ دوستان تصنیف کی تھی جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۰۶ھ تک بقید حیات تھا۔ بایں ہمہ فضل و کمال جب ہم دیکھتے ہیں کہ عبدی ایک جانب ار تذکرہ نویس تھا ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ اس نے اپنے مرتبہ تذکروں میں ہر سلسلہ سلوک کے مشائخ کے تراجم قلم بند کیے ہیں لیکن مجددی سلوک کے حضرات کو نہ صرف نظر انداز کر دیا ہے۔ بلکہ اس معروف زمانہ اور مجددی تحریک کے خلاف اپنی کتاب معارج الولايت میں تمام منفی و مخالف آراء کو جمع کر دیا ہے۔ اس کی اس جانب داری اور مخالفت کے حسب ذیل اسباب ہماری سمجھ میں آتے ہیں۔

(۱) عبدی کے اجداد چشتی سلسلہ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲) اس کی جن صوفیائے کرام سے صحبت رہی ان میں سے اکثر غالی وحدت الوجودی تھے۔ وہ شیخ محمد رشید جونپوریؒ سے خاصا متاثر نظر آتا ہے۔ اور شیخ نے اپنی آخری عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ یکسر بند کر کے اپنی بقیہ زندگی حضرت ابن عربیؒ کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کی شرح لکھنے کے لیے وقف کر دی تھی۔ پیر محمد لکھنوی کی سماع اور وحدت الوجود سے نہایت درجہ رغبت مشہور ہے، شیخ برہا الدین برہان پوری شطاری کے نظریات و توجیہات وحدت الوجود بھی اس پر پوری طرح مسلط نظر آتے ہیں، اس لیے فطری طور پر اور جب عبدی کو حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں وحدت الوجود کی مخالفت نظر آئی تو اس نے مجددی تحریک کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا (۳) عبدی اپنے ایک معاصر بزرگ شیخ عبداللطیف برہانپوری سے بھی بہت متاثر نظر آتا ہے شیخ عبداللطیف، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ آدم بنوری سے نسبت رکھنے والے کو طہ اور زندقہ کہتے تھے اور ان کی اقتداء میں نماز ناجائز قرار دیتے تھے (معارف، ۶۴۶ ب)

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ عبدی نے اپنے مشائخ سے موروثی اور اکتسابی طور پر نظریہ توحید و جود پاپا تھا۔ مگر مشائخ کے کشفی و وجدانی مسائل میں اختلافات کو ادب سے برداشت کرنے کی توفیق رفیق نہ ہوئی تھی لہذا اس نے کشفی مشاہدات کے اختلاف کو ”خلاف“ کا رنگ دے کر حضرت شیخ مجددؒ کی مخالفت اختیار کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احوال و آثار عبداللہ خویشی قسوری ۱۲۵ تا ۱۶۵)۔

ماخذ

- ۱۔ عبدی عبداللہ خویشی قسوری: اخبار الاولیاء ۷۷۷ھ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۴ھ مملوکہ مولانا سید محمد طیب ہمدانی، قصور
- ۲۔ وہی مصنف: معارج الولايت ۱۰۹۶ھ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۱ھ ذخیرہ آذر، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور نمبر

H-25

۳۔ عبدی: اسرار مثنوی و انوار معنوی (قریباً) ۱۱۰۰ھ قلمی مخزنہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، نمبر ش ۸۷۱، ۵۲/ش۔ معین

۴۔ عبدی: بہارستان ۱۱۰۵ھ قلمی مملوکہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، لاہور، نمبر ۳۱۲

۵۔ عبدی: تحفہ دوستان ۱۱۰۶ھ قلمی مخزنہ کتب خانہ مولوی نبی بخش حلوائی، لاہور۔

۶۔ عبدی: بحر الفرائستہ (قبل ۱۰۷۷ھ) قلمی مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

۷۔ عبدالفتاح بن محمد نعمان بدخشی مجددی: مفتاح العارفین (حدود) ۱۰۹۶ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ، پنجاب، لاہور۔

۸۔ بختاور خان: مرآۃ العالم ۱۰۷۸ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ I 56/ PE

۹۔ مشتاق رام گجراتی لالہ: کرامت نامہ ۱۱۳۲ھ قلمی مملوکہ مولانا سید شرافت نوشاہی

۱۰۔ محمد عمر بن ابراہیم پشوری میاں: ظواہر ۱۱۱۲ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر ۳۸۸

۱۱۔ محمد شفیع، ڈاکٹر، مولوی: یادداشتہا متعلق بہ قصور قلمی حال بہ ملک احمد ربانی خلف موکف۔

۱۲۔ کاسر الخافین (بعد از ۱۰۸۸ھ) (در رد حضرت مجدد الف ثانی) قلمی مملوکہ محمد اقبال مجددی

۱۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۱۵۔ تصدق حسین موسوی: فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ، مطبوعہ حیدر آباد۔

۱۶۔ لباب المعارف العلویہ (فہرست مخطوطات اسلامیہ کالج پشاور)

۱۷۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبداللہ خویشی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۷۔ معتمد خان حارثی: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

18- Storey, C.A: Persian literature Vol. I part II London, 1953.

19- Marshall: Mughals in India, London, 1967.

20- Ross and Browne: Cat. Arbaic and Persian MSS. India office, London 1902.

21- Ethe: Cat. Persian MSS. India office, London

22- Metra, K.M. Cat. MSS. Kapurthala Library, Lahore 1921.

23- Abdullah Syed Cat. Arabic and Persian MSS. Panjab University, Lahore, 1948. Vol I Part II

- 24- Nadir Ahmad. Notes on important Arabic and Persian MSS in Various libraries in India. J. Asiatic Society of Bengal, Vol. xiii 1917. xiv. 1918.
- 25- Muhammad Shafi: An Afghan Colony at Qusur: Islamic Culture, Hyderabad Deccan, July 1929.

۹ فروری ۱۹۷۳ء

اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، لاہور

شیخ محمد اکرم براسوی (مؤلف اقتباس الانوار)

شیخ محمد اکرم براسوی بارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور مؤلف تھے۔

شیخ محمد اکرم براسوی امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ نسب بھی درج کیا ہے (اقتباس الانوار ۳۴۵) ان کے اجداد میں سے ان کے دادا شیخ الہ بخش بن شیخ اسماعیل ثانی اپنے والد شیخ اسماعیل کے مرید تھے اور ان کا سلسلہ طریقت امام اعظم سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الہ بخش کو میاں میر لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ انہیں اپنے شیخ کی طرف سے کرنال (Karnal) جانے کا حکم ہوا تو اس کے ایک مضافاتی قصبہ براس (Baras موجودہ مشرقی پنجاب، ہندوستان) میں طرح اقامت ڈال دی۔ وہیں دعوت و ارشاد اور تربیت مریدین میں مصروف ہو گئے، ان کے ہاں دو فرزند تولد ہوئے دوسرے بیٹے شیخ محمد علی، شیخ محمد اکرم کے والد تھے (اقتباس الانوار ۳۴۵-۳۴۶)

شیخ محمد علی براسوی نے علماء عصر سے تحصیل کی اور شیخ سوندھاسفیدونی (ف ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۷ء) کے مرید و خلیفہ ہوئے (ہما نجا ۳۴۷)

انہی شیخ محمد علی کے فرزند بزرگ شیخ محمد اکرم براسوی تھے۔ (ہما نجا ۳۴۹) ابتدائی تعلیم کے بعد ہی مؤلف اپنے روحانی ماحول کی وجہ سے جلد ہی تصوف و عرفان کی طرف مائل ہو گئے قیاس ہے کہ سب سے پہلے میاں میر لاہوری سے بیعت ہوئے، ان سے خلافت بھی ملی۔ اسی طرح مخدوم عبدالرشید، شیخ لقمان (خلیفہ شیخ نظام الدین تھانیسری) سے بھی بیعت کی۔ (اقتباس الانوار ۳۴۰-۳۴۱)

شیخ محمد اکرم کے مسکن قصبہ براس میں ایک معروف صوفی بزرگ شیخ سوندھاسفیدونی آئے تو وہ ان کی زیارت کے لیے سامانہ ہوئے۔ شیخ محمد اکرم کے والد انہی کے مرید و خلیفہ تھے اسی مناسبت سے وہ ان سے منسلک ہو گئے اور ان سے خلافت یاب ہوئے، ان کے مرشد نے انہیں مزید تحصیل علم کا حکم دیا تو وہ سرہند (Sirhind) کے

مدرسہ مجددیہ میں جا کر تکمیل کی غرض سے داخل ہو گئے وہاں ان کے استاد مولوی محمد فرخ مجددی (ف ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء) (نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی) تھے۔ تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ سوندھانے شیخ محمد اکرم کو براس میں اپنا جانشین مقرر کر کے خلافت سے نوازا اور ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء کو خلافت نامہ لکھ کر دیا (اقتباس الانوار ۳۴۰-۳۴۲) شیخ محمد اکرم اپنے آبائی مسکن براس میں مریدین کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ انہیں قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ سلاسل میں اجازت مطلقہ حاصل تھی ان کا سلسلہ طریقت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔ (ہامخا ۳۳۹-۳۴۲)

شیخ محمد اکرم براسوی کا سال وفات معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ وہ ۱۱۱۱ھ کے بعد تک بقید حیات رہے اور طویل عمر پائی ہوگی۔

شیخ محمد اکرم براسوی کی تالیفات سے دو تذکرے اور تین کتب تصوف کا ہمیں تاحال علم ہے۔

جواہر مودودی

یہ کتاب خواجہ مودود چشتی (ف ۵۲۷ھ / ۱۱۳۳ء) کے حالات، مناقب اور کرامات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ در ذکر چہار ہیر و چہارہ خالوادہ اصل۔۔۔

جوہر اول احوال نبی کریم ﷺ، ائمہ

جوہر دوم احوال خواجہ حسن بھری، خواجہ عبدالواحد، سلطان ابراہیم ادھم۔۔۔

جوہر سوم احوال خواجہ ابوالاحمد ابدال چشتی۔۔۔ خواجہ مودود چشتی۔۔۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہے (نمبر ۲۵۶۵)

(فہرست نسخہ ہائی خطی کتابخانہ گنج بخش ۲ / ۲۱۰۵)

معرفت النفس:

یہ معارف نفس پر ایک عمدہ رسالہ ہے، جس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ دہلی، کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں

ہے (نمبر ۱۰۱۳-p-۱-۵-۵)

اقتباس الانوار:

یہ چشتی صابری صوفیہ کا ایک مفصل تذکرہ ہے۔

ابتدا میں متقدمین چشتی صوفیہ کے حالات ہیں۔ یہ کتاب چار اقتباس (ابواب) پر مشتمل ہے۔ اقتباس سوم میں مخدوم احمد عبدالحق ردولوی اور دیگر مشائخ کا تذکرہ ہے۔

اقتباس چہارم میں شیخ عبد القدوس گنگوہی، شیخ جلال تھانیسری، شیخ نظام الدین تھانیسری، شیخ ابوسعید گنگوہی، شیخ محمد صادق گنگوہی، شیخ داور گنگوہی، شیخ سوندھاسفیدونی، شیخ الہ بخش براسوی (جد پداری شیخ محمد اکرم براسوی) اور شیخ محمد علی براسوی (والد مؤلف) کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ مؤلف نے آغاز کتاب میں ان کتب کی فہرست بھی درج کر دی ہے جو مؤلف کے مآخذ رہے ہیں۔ (ص ۳)

اقتباس الانوار فارسی نثر میں ہے، زبان عام فہم استعمال کی ہے، صوفیہ کے طویل القاب بھی لکھے ہیں۔ ایک نقص یہ ہے کہ مؤلف نے صوفیہ کے سنین ولادت و وفات درج نہیں کیے یہاں تک کہ اپنے دادا کا سال وفات مؤلف کو معلوم نہیں تھا۔ اپنے والد کا سال وفات بھی نہیں لکھا۔ مؤلف کی زیادہ توجہ مشائخ کے مناقب اور کرامات پر ہے۔

اقتباس الانوار مطبع اسلامیہ لاہور سے ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی اس کا اردو ترجمہ واحد بخش سیال نے کیا جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

جواہرستہ:

یہ کتاب تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ جس کے چھ جواہر (ابواب) ہیں۔

جواہر اول احتیاج بہ موصل الی اللہ در دو فصل

جواہر دوم طریق وصول پسوی حق در سہ فصل

جواہر سوم در اذکار و اشغال و طرق مراقبت و مشاہدہ در دو فصل

جواہر چہارم در لطائف باطنہ

جواہر پنجم در مشاہدات انوار مکاشفات اسرار در دو فصل

جوہر ششم در بیان تجلیات۔۔۔۔۔

مؤلف نے نشر اللآلی کے نام سے اس کی شرح خود لکھی تھی۔

جواہرستہ کے خطی نسخے شیخوپورہ اور سرگودھا میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۹۵)

نشر اللآلی

یہ جواہرستہ مذکور کی شرح ہے فارسی نثر میں مؤلف نے اس کے بعض مغلق مقامات کی شرح خود ہی لکھی

ہے۔ مؤلف کے بعض احباب اس کی شرح لکھنے کا تقاضا کر رہے تھے۔ اس شرح کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی

کتابخانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور میں ہے (نمبر ۶۳۰۰)

منہاج السالکین

یہ کتاب سلسلہ نقشبندیہ کے سلوک پر ہے۔ جو ایک مقدمہ اور تین منہج (ابواب) پر مشتمل ہے۔

مقدمہ در بعضی از مبادی سلوک و شرائط آل

منہج اول طریقہ خاصہ برخی از پیران سلسلہ خاص خواجہ باقی باللہ (رک باں)

منہج دوم در سلوک طریقہ نقشبندیان خاص شیخ آدم بنوری (رک باں)

منہج سوم در سلوک طریقہ نقشبندیہ خاص شیخ تاج الدین۔۔۔۔۔

منہاج السالکین کے چار خطی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳ /

۴۰۴۴)

(۲۰۴۴)

شیخ محمد اکرم براسوی کے کئی خلفاء تھے، شاہ محمد فاضل پانی پتی صوفیہ میں شہرت رکھتے تھے ان کے خلیفہ

حکیم سکھوا (Sukhwa) تھے یہ اتنے متقی اور عالم تھے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے وصیت کی تھی کہ میری نماز

جنازہ حکیم سکھوا پڑھائیں۔ (مجموعہ وصایا اربعہ ۱۵۷، انوار العاشقین ۱۰۵-۱۰۶)

مآخذ

- ۱۔ براسوی، محمد اکرم: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ، ۱۸۹۵ء
- ۲۔ شہداء اللہ پانی پتی، قاضی: وصیت نامہ (مشمولہ مجموعہ وصایا اربعہ مرتبہ محمد الیوب قادری) حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۴ء
- ۳۔ مشتاق احمد انیسٹیموی: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن، ۱۳۳۲ھ
- ۴۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ خطی کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء
- ۵۔ ایضاً: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۳ مئی ۱۹۹۷ء

برائی و الشامہ کشیدہ قارہ

شاہ ابو المعالی چشتی انبیٹھوی

شیخ ابو المعالی چشتی سلسلہ کی شاخ صابری سے تعلق رکھتے تھے اور اس سلسلے کے معروف مشائخ میں سے تھے۔

شیخ ابو المعالی کے والد سید محمد اشرف قصبہ انبیٹھ (امیٹھی ضلع لکھنؤ یوپی) میں رہتے تھے۔ شیخ ابو المعالی ابھی خرد سال ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ انہیں شیخ محمد صادق گنگوہی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۸۳ء) کی خدمت میں لے گئیں جہاں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ تعلیم کے بعد تکمیل سلوک وغیرہ کے لیے انہوں نے اپنے بیٹے شیخ داؤد کے سپرد کر دیا۔ شیخ داؤد گنگوہی اپنے والد شیخ محمد صادق مذکور کے جانشین اور مشہور شیخ طریقت تھے (رک حدائق داؤدی، خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی، دانشکادہ پنجاب لاہور)

شاہ ابو المعالی کے اپنے معاصر مشائخ کے ساتھ اچھے روابط تھے چنانچہ ان میں سے شیخ ابوالفتح سرہندی، شیخ سوندھا بہویری، شیخ بلاتی، شیخ محمد، شاہ محمد شاہ آبادی، محمد یوسف، شیخ عبدالقادر سنسوری، شاہ نصیر الدین گڈھی وال اور سید غریب کیرانوی کے ساتھ نشست و برخاست کے واقعات ملتے ہیں (ثمرۃ الفوائد ۳۸)

شاہ ابو المعالی کا ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء میں انتقال ہوا۔ مزار قصبہ مذکور انبیٹھی میں ہے۔ (انوار العارفین ۲۳۱، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۸۶) مشتاق احمد انبیٹھوی نے بغیر کسی حوالے کے ان کا سال وفات ۱۱۱۲ھ لکھا ہے (انوار العاشقین ۱۰۹)

- ثمرۃ الفوائد میں شاہ ابو المعالی کی اولاد کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن خاصے الجہاد کے ساتھ، ۱۳۳۲ھ تک موصوف کی اولاد میں سے شاہ محمد فخر الدین اور شاہ مسعود احمد ان کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے (انوار العاشقین ۱۰۹)

شاہ ابو المعالی چشتی کے خلفاء میں سے سید محمد سعید عرف میراں بھیکہ اور شاہ مدار (مدفون انبیٹھی) کے نام ملتے ہیں (ایضاً ۱۱۰)

ان میں اول الذکر میراں بھیکہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی جن کی ولادت ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۲ء اور وفات ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں ہوئی ان کے بہت سے خلفاء و مریدین تھے۔ موصوف کے ایک خلیفہ لطف اللہ انبالوی نے شاہ ابو المعالی اور میراں بھیکہ کے مناقب میں ایک ضخیم کتاب ثمرۃ القواد تالیف کی۔

مآخذ

- ۱۔ محمد سعید بن قطب الدین چشتی سرہندی: سراج العاشقین (تذکرہ مشائخ چشتیہ صابریہ) سال ۱۰۷۸ھ۔
خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمن داؤدی مرحوم، لاہور
- ۲۔ عبدالکریم بن رحمۃ اللہ گنگوہی، پکپول و ارشاد المریدین (۱۱۹۲ھ) خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمن داؤدی
مرحوم، لاہور
- ۳۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، مطبع اسلامیہ لاہور، ۱۹۰۹ء
- ۴۔ لطف اللہ انبالوی: ثمرۃ القواد، دہلی ۱۹۲۵ء
- ۵۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفين، مراد آباد، ۱۲۹۰ھ
- ۶۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: عقد اللالی فی مناقب شاہ ابو المعالی، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۰ھ
- ۷۔ ایضاً: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ
- ۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۹۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۶۔ حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء
- ۱۰۔ بھیکہ، میراں سید: گیان لہر (اردو ترجمہ و شرح بنام نور معرفت) از فاروق الحسن چشتی، ملتان ۲۰۱۱ء

۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء

برائی و انشامہ شبہ قارہ

حضرت حافظ محمد جمال ملتانی

بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید اہل علم و عمل ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ صفات سے بھی متصف تھے۔ مروجہ علوم پر دسترس حاصل کرنے کے بعد مہار میں حضرت نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) سے بیعت ہوئے اور ملتان پر ارشاد و تبلیغ کے لیے مامور کیے گئے، ملتان اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلہ کا مرکز رہا ہے، جس بزرگ نے چشتیہ سلسلے کا کام سب سے پہلے ملتان میں شروع کیا، وہ حافظ محمد جمال ملتانی تھے۔

حافظ صاحب ذی علم بزرگ تھے، دقیق سے دقیق مسائل کے نہایت شافی جواب دیتے تھے، مسئلہ وحدت الوجود سے خاص رغبت تھی شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور مولانا جامی کی تصانیف پر پورا عبور حاصل تھا۔ علامہ عبدالعزیز: پر حاروی لکھتے ہیں ”جب ہمیں کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ درپیش ہوتا، گو وہ کسی علم سے متعلق ہو، ہم ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ اس کی ایسی وضاحت کرتے، جس سے بہتر ممکن نہیں“ (عبدالعزیز: گلزار جمالیہ، ص ۷)۔ انہوں نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری (م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۴ء) مصنف نکلہ سیر الاولیاء نے دو سال تک اس مدرسے میں پڑھا تھا (گل محمد: نکلہ سیر الاولیاء، ص ۱۳۵) جس زمانے میں وہ ملتان میں تھے، پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا، سکھوں نے کئی بار ملتان پر بھی حملہ کیا، لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں وہ ملتان پر قابض نہ ہو سکے۔ (مناقب المحبوبین، ص ۱۲۴) حافظ صاحب عملی جہاد کے لیے بھی لوگوں کو تیار کرتے تھے۔ ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ تیر اندازی میں مہارت تھی اور اس کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ (ایضاً، ص ۱۳۴)

- ۵۔ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء کو وفات پائی۔ کوئی زینہ اولاد نہیں تھی، مزار بیرون دولت دروازہ ملتان میں ہے۔ ان کے خلیفہ مولوی خدابخش خیرپوری سجادہ نشین ہوئے، جنہوں نے توحید پر ایک رسالہ توفیقیہ لکھا تھا (تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۳۵)۔ حافظ صاحب کے اور بھی خلفاء تھے۔ ملفوظات کے مندرجہ ذیل مجموعے ہیں:
- ۱۔ خصائل الرضیہ مرتبہ عبدالعزیز پرہاروی (اس کا فارسی متن و اردو ترجمہ آگرہ سے ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکا ہے) ۲۔ انوار جمالیہ مرتبہ فشی غلام حسن شہید ملتانی (۳) اسرار الکمالیہ جامع، زاہد شاہ منٹھنی۔

ماخذ

- ۱۔ عبدالعزیز پرمہاروی: گلزار جمالیہ، مع اردو ترجمہ خصائل الرضیہ ترجمہ از محمد بر خوردار، آگرہ، ۱۳۲۵ھ
- ۲۔ تذکرہ: اعیان چاچڑان، مصنف نامعلوم، قلمی مملوکہ مولانا عبدالرشید سیالکوٹی، کتابخانہ رشیدیہ، لاہور
- ۳۔ نجم الدین شیمادانی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ
- ۴۔ نظام الملک غازی الدین: مناقب فخریہ، دہلی، ۱۳۱۵ھ
- ۵۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۲ھ
- ۶۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۷۔ وہی مصنف: حدیقۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء
- ۸۔ امام الدین: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، (سن)
- ۹۔ رکن الدین: مقابیس المجالس معروف بہ اشارات فریدی، حصہ دوم، آگرہ، ۱۳۲۱ھ
- ۱۰۔ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ج ۴، دہلی، ۱۹۵۳ء
- ۱۱۔ قیصر محمد الیاس: خیر البلاد (احوال خواجہ خدابخش خلیفہ حافظ محمد جمال)، بہاولپور، ۱۹۷۳ء
- ۱۲۔ نور احمد خاں فریدی: تاریخ ملتان، جلد دوم، ملتان، ۱۹۷۳ء

۲ جنوری ۱۹۹۸ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی فاروقی

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چودھویں صدی ہجری کے نامور شیخ طریقت اور موقوف تھے۔

حاجی امداد اللہ ابن حافظ محمد امین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی کی وساطت سے ان کا شجرہ نسب خلیفہ ثانی سے واصل ہوتا ہے۔ (امداد الشیخ ۴، شہانم امدادیہ ۶)

حاجی امداد اللہ کی ولادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ء یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو نانوتہ (Nanotah ضلع مظفر نگر) میں ہوئی۔ آپ کا تارنخی نام ظفر احمد ہے جس سے مذکورہ سال ولادت برآمد ہوتا ہے، قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں درسی کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن آپ کی تعلیم ادھوری رہ گئی فارسی کی ابتدائی کتب گلستان، بوستان اور زلیخا کے کچھ حصے پڑھے تھے۔ مثنوی مولانا روم کے ساتھ خصوصی شغف تھا۔ (مرقومات امدادیہ ۱۶)

اس کے علاوہ مولانا رحمت علی تھانوی اور مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے بھی بعض کتب فقہ کا درس لیا۔

(ہامانجا ۱۲ مقدمہ)

ابتداء میں حاجی امداد اللہ شاہ نصیر الدین دہلوی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے (امداد الشیخ ۱۰)

شاہ نصیر الدین دہلوی شاہ محمد آفاق مجددی (ف ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء) کے خلیفہ شاہ رفیع الدین دہلوی (مترجم قرآن

مجید) کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے داماد تھے۔ (مرقومات امدادیہ ۱۳ ج)

اس کے بعد آپ نے میاں جیو نور محمد ہمنجانوی (ف ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) (Janjanavi) سے سلسلہ

چشتیہ میں بیعت کی جو سید عبدالرحیم ولایتی فاطمی شہید (ف ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۱ء) کے خلیفہ تھے جو شاہ عبدالباری

چشتی (ف ۱۱۲۶ھ / ۱۸۱۱ء) کے خلیفہ اور مشہور چشتی بزرگ شاہ عبدالبہادی (ف ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء) کے جانشین تھے (ملاح الخزانہ ۱۲۷ نقش حیات ۱۹/۲)

حاجی امداد اللہ کی زندگی کے ۴۲ سال ہندوستان کے مختلف شہروں میں گزرے اور ۴۲ برس حرمین الشریفین میں بسر کیے۔ قیام ہندوستان کے دوران بہت سے نامور اصحاب نے ان سے باطنی فیض پایا آپ کے اکثر خلفاء ذی علم اور تعلیم و تعلم کے فن سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور اخلاقی و روحانی سرمائے کے تحفظ سے بہت دلچسپی تھی۔ قرآن مجید، کتب فقہ اور مثنوی مولانا روم کا درس دائمی طور پر جاری رکھا۔

قیام ہندوستان کے دوران آپ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ہے۔ جس میں آپ نے جہاد کیا اور امیر المجاہدین کا کردار ادا کیا۔

۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان کی برطانوی حکومت کے خلاف عوام صف آرا ہوئے تو کئی مقامات پر علماء و مشائخ نے اسے جہاد کا درجہ دے کر اس میں خود شمولیت کی ان میں سے تھانہ بھون (Thana Bahawan) اور شاملی (Shamili) کے علاقوں میں جو ضلع سہارنپور میں تھے جہاد کی کمان حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء نے کی تھی اس موقع پر علماء کیرانہ، شاملی، دیوبند گنگوہ اور نانوتہ وغیرہ سے تھانہ بھون پہنچے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں شامل بعض اکابر کے اسماء یہ ہیں۔

حاجی امداد اللہ، حافظ محمد ضامن، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی۔

حاجی امداد اللہ امیر جہاد منتخب ہوئے۔ انگریزی فوج کے ساتھ مجاہدین کا سخت مقابلہ ہوا، مجاہدین کو غلبہ نصیب ہوا۔ اس کے بعد جنگ کا دوسرا مرکز شاملی کے علاقے میں ہوا یہاں بھی برطانوی فوج کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا لیکن تازہ دم سرکاری فوج پہنچ گئی جس سے مجاہدین کی فتح شکست میں بدل گئی۔ انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولوی محمد منیر نانوتوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی روپوش ہو گئے حاجی امداد اللہ مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مولوی رشید احمد گنگوہی گرفتار ہو کر جیل میں رہے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء-۱۸۵۸ء خلاصہ)

اگرچہ مجاہدین کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور ان کے قلب و صدر میں آزادی کے شعور نے جنم لیا جس کا آخری نتیجہ ہندوستان کی ۱۹۴۷ء میں آزادی اور پاکستان کا قیام تھا۔

حاجی امداد اللہ نے بیت اللہ شریف کے محن میں بیٹھ کر مثنوی مولانا روم کے اس درس کا آغاز کیا جو ہندوستان میں ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسی دوران آپ نے اپنے سیکڑوں خلفاء ہندوستان، جزیرہ نمائے عرب، ترکی اور شمالی افریقہ میں روانہ کیے جس سے خانقاہوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔

حاجی امداد اللہ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کی پس ماندگی کا شدت سے احساس تھا۔ آپ نے اپنے خلفاء کو اپنے مکاتیب میں بار بار اس طرف متوجہ فرمایا جس کے نتیجے کے طور پر دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم الشان درس گاہ وجود میں آئی جہاں سے لاتعداد ہندوستانی مسلمان عالم بن کر نکلے اور طول و عرض میں اسلامی تعلیم و نشر و

اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا (مرقومات / امدادیہ ص ۸ مقدمہ و بعد Islamic Revival in British India, Deoband, P.76.77)

حاجی امداد اللہ ۸۳ سال کی عمر میں ۱۲ یا ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ / ۱۹، ۱۸ / اکتوبر ۱۸۹۹ء کو انتقال کر گئے جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا (امداد المشتاق ۲۰۵)

حاجی امداد اللہ کے مریدین و خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند اکابر خلفاء کے نام حسب ذیل

ہیں:

- ۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبدالرحمن کاندھلوی، مولانا محمد حسن پانی پتی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولوی محمد یوسف تھانوی۔ حکیم ضیاء الدین انصاری، مولانا عبدالسیح بیدل رام پوری، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، صوفی محمد حسین الہ آبادی، مولانا سید عبدالحی (مؤلف نزہۃ الخواطر) مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا کرامت اللہ خان دہلوی، مولانا احمد حسن محدث امر دہوی، مولانا احمد حسن کانپوری، شاہ سلیمان پھلواری، مولانا انوار اللہ فضیلت جنگ (مرقومات امدادیہ ۲۹-۳۰ مقدمہ) مولانا نور احمد امرتسری (مصحح و مرتب مکتوبات امام ربانی)، میر مہر علی شاہ گولڑوی (مہر منیر)

حاجی امداد اللہ مہاجر کی کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے چند فارسی میں ہیں۔ باقی اردو زبان میں

۱۔ حواشی مثنوی مولانا روم (فارسی)

۲۔ ضیاء القلوب (فارسی)

۳۔ وحدت الوجود (فارسی)

۴۔ مکتوبات (فارسی)

۵۔ ارشادِ مرشد (اردو) ۱۲۹۳ھ

۶۔ ہفت مسئلہ (اردو)

۷۔ گلزارِ معرفت (اردو نظم)

۸۔ تحفۃ العشاق (اردو مثنوی بسال ۱۲۸۱ھ)

۹۔ جہادِ اکبر (اردو مثنوی ۱۲۶۸ھ)

۱۰۔ غذائی روح (اردو نظم ۱۲۶۳ھ)

۱۱۔ درود نامہ غم (اردو نظم)

ان میں سے فارسی تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حواشی مثنوی مولانا روم

مثنوی کا درس ان کی زندگی کے معمولات کا حصہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں ۴۲ سال تک اس درس کو جاری رکھا اور ان کے پاس مثنوی کا ایک ایسا نسخہ تھا جس پر آپ نے خود حواشی تحریر کیے تھے۔ یہ عارفانہ حواشی دیگر شروح مثنوی سے استفادے سمیت مثنوی رحمت اللہ رعد نے اپنے مطبع نامی کانپور سے چھ دفاتر میں نہایت دیدہ زیب کتابت و طباعت سے شائع کر دیئے تھے اس کے پہلے تین دفتر مثنوی حاجی امداد اللہ کے صحن حیات طبع ہوئے تھے باقی دفاتر آپ کے وصال کے بعد چھپے۔

شرح کے دوران آپ نے حواشی میں ایسے عارفانہ نکات بیان کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر شروحِ مثنوی کا مطالعہ کیا تھا۔ حاجی امداد اللہ کے اس ایڈیشن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے حواشی میں جن شروحِ مثنوی کے اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ اکثر ہندوستانی شارحین ہیں۔

مذکورہ مطبع میں اس کی طباعت کا آغاز ۱۳۱۳ھ کو ہوا اور اس کا آخری دفتر ششم ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوا گویا آٹھ سال اس کی دیدہ زیب طباعت و تصحیح میں صرف ہوئے۔ (خاتمہ دفتر ششم)

۲۔ ضیاء القلوب

یہ کتاب ۱۲۸۲ھ کو مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی ”مرغوبِ دل“ اس کا تاریخی نام ہے۔ مؤلف نے یہ کتاب حافظ محمد یوسف بن حافظ ضامن شہید کی درخواست پر تالیف کی تھی۔ اس کتاب میں سلسلہ چشتیہ صابر یہ قدوسیہ کے اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ عام فہم زبان و بیان میں لکھے گئے ہیں، فارسی نثر کا یہ رسالہ سلوک کے طلبہ میں بہت مقبول اور متداول رہا ہے۔ کلیاتِ امدادیہ میں مع اردو ترجمہ شامل ہے۔

۳۔ وحدت الوجود

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور ۱۲۹۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ یہ دراصل آپ کا ایک طویل مکتوب ہے۔ جو بنام مولوی عبدالعزیز کا تحریر کیا گیا۔ سائل نے دریافت کیا تھا کہ آپ وحدت الوجود کے قائل ہیں جبکہ آپ کے خلفا مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا احمد حسن کانپوری اس کے قائل نہیں بلکہ اس کے مخالف ہیں۔ حاجی امداد اللہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے نظریہ وحدۃ الوجود کی تشریح کی ہے اور وضاحت کی ہے کہ میرے خلفاء بجا طور پر اس کے درست مفہوم کے قائل ہیں۔ یہ مختصر فارسی رسالہ بھی آپ کے مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔

۴۔ مکتوبات

آپ کے فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ المرقومات الالہادیہ کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ اسے مولانا وحید الدین رام پوری نے جمع کیا اس مجموعہ میں کل ۶۱ خطوط ہیں۔ ان کے مکتوب الیسیم گیارہ ہیں۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حکیم ضیاء الدین رام پوری، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حاجی عابد حسین شامل ہیں۔

اس میں اکثر مکتوبات فارسی میں ہیں جن کا اردو ترجمہ پروفیسر عبدالحی (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) نے کیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ان پر بعض مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے تھے۔

یہ مجموعہ امداد المشتاق کے ساتھ ہی ۱۳۳۷ھ میں تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے مفصل مقدمے کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے دوبارہ طبع ہوا۔

ایک اور مجموعہ مکتوبات امدادیہ کے نام سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی مرتب کیا تھا۔ رسالہ صد فوائد میں بھی کچھ مکاتیب شامل ہیں۔

ملفوظات

حاجی امداد اللہ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ کمالات امدادیہ کے نام سے مولانا اشرف علی تھانوی نے مرتب کر کے ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔

ایک اور مجموعہ شائے امدادیہ ہے۔ یہ فارسی نثر میں ہے اور نفحات مکیہ من آثار امدادیہ کے نام سے ہے اس کے اردو ترجمے پر مولانا تھانوی نے نظر ثانی کی تھی۔

یہ مجموعہ حاجی امداد اللہ کی زندگی میں ہی مرتب ہو کر متداول ہو گیا تھا۔ مولانا تھانوی نے حاجی امداد اللہ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق تالیف کی تھی جو ۱۳۳۳ھ / ۱۹۲۵ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر کی شاعر بھی تھے اور امداد تخلص کرتے تھے ان کے فارسی و اردو کلام کا مجموعہ گلزار معرفت کے نام چھپ چکا ہے۔ اس مجموعے میں مذکورہ منظوم رسائل کے علاوہ آپ کے ۹۳ فارسی اشعار بھی شامل ہیں۔ (حیات امداد ۱۳۶)

ماخذ

- ۱۔ ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحی، دہلی، ندوۃ المصنفین ۱۹۷۰ء
- ۲۔ اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق، تھانہ بھون ۱۹۲۵ء
- ۳۔ امداد اللہ مہاجر کی: مرقعات امدادیہ، بامقدمہ نثار احمد فاروقی۔ دہلی ۱۹۷۹ء

- ۴۔ امداد اللہ: کلیات امدادیہ، کراچی (سن)
- ۵۔ امداد صابری: سیرت حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی ۱۹۵۱ء
- ۶۔ انوار الحسن شیر کوٹی: حیات امداد، کراچی ۱۹۶۵ء
- ۷۔ ایضاً: انوار قاسمی، لاہور، ۱۹۶۹ء
- ۸۔ برکاتی، سید محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی۔ ۱۹۹۲ء
- ۹۔ حسین احمد مدنی: نقش حیات۔ لاہور ۱۹۸۷ء
- ۱۰۔ رحمن علی: تذکرہ علمای ہند ترجمہ و تعلیقات محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء
- ۱۱۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸، ۷ حیدر آباد دکن ۱۹۵۹-۱۹۷۰ء
- ۱۲۔ عزیز الرحمن: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی ۱۹۶۳ء
- ۱۳۔ عزیز الحسن و عبدالحق: اشرف السوانح، دہلی سہ جلد ۱۳۵۴ھ
- ۱۴۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء واقعات و شخصیات، کراچی ۱۹۷۶ء
- ۱۵۔ ایضاً: مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء
- ۱۶۔ محمد ثانی حسنی: حیات خلیل (سوانح مولانا خلیل احمد سہارنپوری)، لکھنؤ ۱۹۷۶ء
- ۱۷۔ ثار علی بخاری: مفتاح الخزان (حالات و ملفوظات شاہ عبد الہادی چشتی)، بمبئی ۱۳۳۶ھ و مرتبہ ثار احمد فاروقی، دہلی ۱۹۸۹ء
- ۱۸۔ نفیس رقم، انور حسین: شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ، لاہور، ۱۹۹۱ء
- 19- Metcalf, B.D: Islamic Revival in British India: Deoband (1860-1900) Princeton 1982

۱۳ فروری ۱۹۹۷ء

برائی و الشمامہ کد بیات فارسی شیعہ قارہ، تہران

شیخ امانت علی چشتی

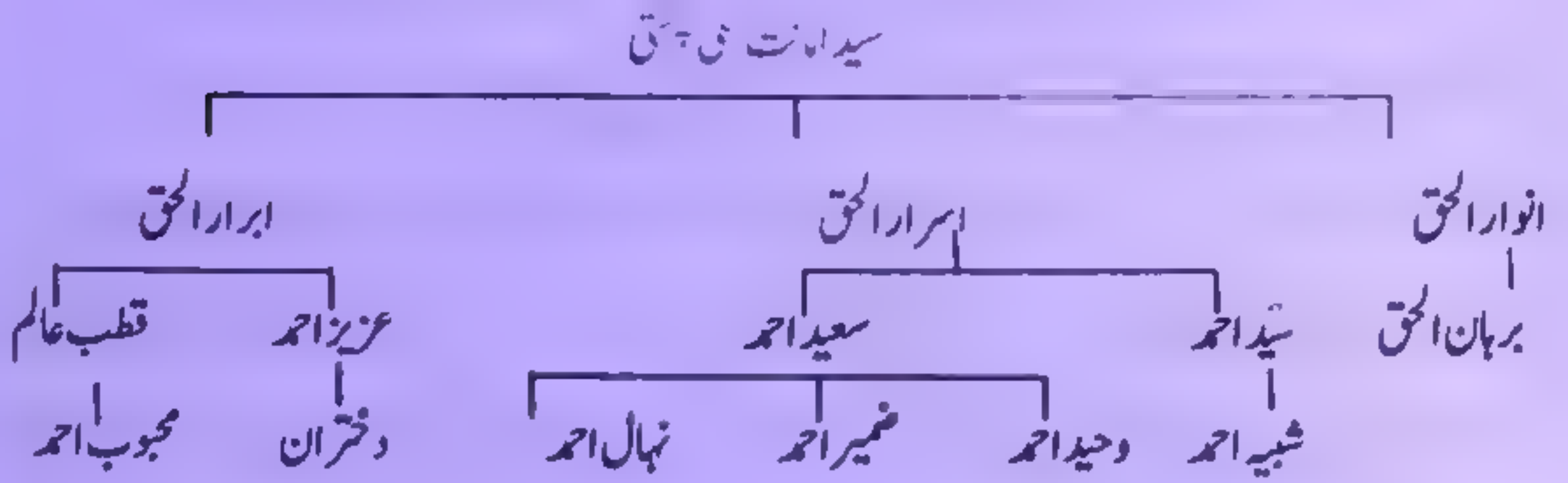
امانت علی تیرھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور سلسلہ چشتیہ کے صوفی تھے۔

شیخ امانت علی حنفی چشتی امرہوی بن سید حفیظ اللہ بن عزیز اللہ سنبھلی نے مروجہ درسی کتب اپنے مستقر مانک پور (Manikpur) اور دیگر مقامات پر پڑھیں سال ولادت معلوم نہیں ہے البتہ ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں ۱۲۸۰ھ کو ہوا (حدیقۃ الاسرار ۱۲۹) جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ موصوف کا سال پیدائش حدود ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء ہو گا (۱۲۸۰ - ۷۲ = ۱۲۰۲)۔ ابتداً میں شیخ محمد حسین مراد آبادی کی صحبت اختیار کی اور ان سے طریقہ چشتیہ میں بیعت ہوئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۷۸)

شیخ مراد آبادی کے وصال کے بعد شیخ کامگار خان سے بیعت کی کچھ عرصہ ان کی صحبت میں گزارا تھا کہ ان کا ۱۲۲۹ھ کو انتقال ہو گیا۔ شیخ کامگار خان کے وصال کے بعد دہلی کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اساتذہ سے درسی کتب کی تکمیل کی (مانجائے / ۷۸)

دہلی سے مانک پور واپس چلے گئے اور معروف شیخ طریقت حافظ موسیٰ چشتی مانک پور (ف ۱۲۳۷ھ / ۱۸۳۲ء) کی صحبت اختیار کی ان سے سلسلہ چشتیہ میں خلافت پائی اور مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر امرہہ (Amroha ضلع مراد آباد یوپی) میں جا کر دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ (نزہۃ الخواطر ۷ / ۸۷، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵) غالباً اسی دوران کشمیر بھی گئے اور شیخ احمد شاہ کشمیری سے فیض پایا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵) عرصہ دراز تک درس و تدریس اور دعوت و ارشاد میں زندگی بسر کی امرہہ میں ہی ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء کو انتقال ہوا (انوار العارفین ۲۰۷، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵، نزہۃ الخواطر ۷ / ۷۸)۔ (الاسرار ۱۲۹) محلہ تل لب سڑک دہلی میں مزار ہے (تاریخ امرہہ ۲ / ۱۹۰)

شیخ امانت علی چشتی سے بیعت ہونے والوں کی بڑی تعداد کے علاوہ کئی اصحاب نے ان سے خلافت بھی حاصل کی تھی چنانچہ بٹالہ (Batalah) مشرقی پنجاب کا ایک گاؤں کے تین اصحاب شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالرحمن اور شیخ سمیع اللہ کے اسماء ان کے خلفاء کی حیثیت سے مذکور ہیں (حدیقۃ الاسرار ۱۲۹) شیخ امانت علی چشتی کے تین فرزند تھے، حافظ اسرار الحق، مولوی انوار الحق اور مولوی ابرار الحق جو علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔ (تاریخ



مآخذ

- ۱۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار، ملتان (س ن)
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر۔ ج ۷ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۹ء
- ۳۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۴۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین، لکھنؤ ۱۸۷۶ء
- ۵۔ محمود احمد عباسی: تاریخ امروہہ (جلد دوم باسم تذکرہ الکرام)، دہلی، ۱۹۳۲ء
- ۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج ۵ دہلی ۱۹۸۴ء

۹ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبیبہ قارہ

شیخ ابوالحسن بن محمد حسن فرید آبادی

ابوالحسن فرید آبادی تیرھویں صدی ہجری کے صوفی، مؤلف اور فارسی شاعر تھے۔ شیخ محمد ابوالحسن متخلص بہ حسن و شیدائی بن محمد حسن فرید آبادی، فرید آباد (Faridabad) دہلی کے مضافات میں ایک قصبہ کے رہنے والے تھے۔ مروجہ علوم کی تحصیل دہلی میں کی اور پھر اکبر آباد (Akbarabad) آگرہ چلے گئے۔ جہاں انگریزوں کے بنا کردہ مدرسہ میں ملازمت کر لی (تذکرۃ اللہی ۸۴)۔ حدود ۱۸۲۰-۱۸۲۵ء کو ولادت ہوئی، دہلی آ کر امام بخش صہبائی (ف ۱۸۵۷ء) سے فارسی پڑھی، پھر دہلی کالج میں داخل ہوئے اور انہیں کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی موصوف اس کالج میں وظیفہ یاب متعلم تھے اور پانچ سال وہاں رہے حدود ۱۸۴۶ء کو فارغ ہوئے۔ شیرنگر (۱۸۱۳-۱۸۹۳ء) کا قرب حاصل رہا اور اس کی سفارش سے آگرہ کالج میں فارسی کے مدرس اول ہوئے وہاں انہوں نے عرصہ تک ملازمت کی (قدیم دہلی کالج از چغتائی ۳۵۹)

اکبر آباد میں ہی شیخ ابوالحسن فرید آبادی معروف قادری صوفی سید مظفر علی شاہ اللہی (۱۲۲۷-۱۲۹۹ھ / ۱۸۱۲-۱۸۸۲ء) سے بیعت ہوئے، سید مظفر علی امام جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے والد سید منور علی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء) اور ان کے دادا سید امجد علی (ف ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء) عالم، صوفی اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ خود سید مظفر علی کئی اہم کتابوں کے مؤلف اور فارسی گو شاعر تھے۔ (تذکرۃ اللہی ۸۴، ۸۳)

ابوالحسن انصاری قادری چشتی، فرید آبادی شیخ مظفر علی سے دس سال تک منسلک رہے گویا ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے (ہانجا ۸۴، ۸۳، ۱۲۹۹-۱۰ = ۱۲۸۹ھ)

اپنے شیخ کی وفات (۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء) کے بعد شیخ ابوالحسن فرید آبادی کسب معاش کے سلسلے میں اودھ (Awadh) چلے گئے جہاں کچھ عرصہ رہے (ہانجا ۸۴)

تذکرۃ اللہی کی طباعت ۱۸۸۷ء سے قبل مولوی ابوالحسن فرید آبادی مطبع نوکسور واقع لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے تھے جہاں سے ان کو باقاعدہ وظیفہ (تنخواہ) ملنے لگا۔ (ہما نجا ۸۴) موصوف اس مطبع میں مستقل ملازم ہو گئے تھے (منشی سوانح نوکسور ص ۹۱ حاشیہ)۔

منشی نوکسور جس نے عربی، فارسی اور اردو میں مسلمانوں کی بہت سی کتب شائع کیں اپنے مطبع میں کئی ایک عالم بحیثیت معتمد ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ان میں مولوی ابوالحسن فرید آبادی بھی شامل تھے۔ (ہما نجا ۸۴) ابوالحسن فرید آبادی فارسی و اردو میں شعر بھی کہتے تھے حسن تخلص تھا (ہما نجا ۲۷) انہوں نے تذکرۃ اللہی میں جا بجا اپنے اشعار نقل کیے ہیں، تذکرہ کے خاتمے میں طویل نظمیں انہی کی ہیں۔ برطانوی فرمانروا کے ایک جشن تاجپوشی میں شرکت کے لیے اکبر آباد سے دہلی کا سفر کیا تھا اور اس واقعے کو انہوں نے فارسی میں نظم بھی کیا (ہما نجا ۳۳-۳۴)

ابوالحسن حسن کا کلام عوام و خواص میں مقبول تھا۔ ان کے شیخ اور احباب ان کے کلام کے منتظر رہتے تھے۔ سید مظفر علی شاہ ان کے کلام کو خواجہ حسن بھڑی دہلوی کے کلام کا ہم پلہ خیال کرتے تھے اور انہیں حسن ثانی اسی مناسبت سے لکھتے تھے۔ ان کے کلام میں حافظ شیرازی کا عکس جھلکتا ہے۔ انہوں نے اپنے فارسی کلام کا انتخاب تذکرۃ اللہی کے آخر میں دیا ہے (ص ۹۳-۱۲۲) جس میں حمد، نعت اور مناقب شامل ہیں۔ مولوی ابوالحسن فرید آبادی کی اب تک مندرجہ ذیل تالیفات کا ہمیں علم ہے:

۱۔ انوار التہذیب:

انوار التہذیب فارسی نظم میں ہے۔ مؤلف نے اس کا ایک نسخہ اپنے شیخ مظفر علی شاہ کو گوالیار سے اکبر آباد بھیجا تھا جس پر انہوں نے خوشنودی اور امتنان کا اظہار کرتے ہوئے ان کے اشعار بہت پسند کیے اور کئی اصحاب نے اس کی نقلیں حاصل کیں۔ (مکتوب سید مظفر علی مشمولہ تذکرۃ اللہی ۹۳)

۲۔ فوائد سعید:

یہ کتاب مخدوم شاہ مینا لکھنوی (ف ۵۸۷۰ / ۱۳۶۵ء) کے حالات، مقامات اور ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع شیخ سعد الدین مینائی ہیں اس کتاب کا نام مجمع السلوک ہے جس کا فارسی میں ہی انتخاب محمد ارتضا

علی خان گوپاموی نے کیا۔ اس اہم فارسی انتخاب کا اردو ترجمہ مولوی ابوالحسن نے کیا تھا جو مطبع نوکسور لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوا۔

۳۔ تذکرۃ اللہی:

ابوالحسن فرید آبادی نے یہ تذکرہ اپنے مرشد شیخ مظفر علی شاہ قادری اکبر آبادی کے حالات، ملفوظات، مکتوبات، مقامات اور کرامات پر تالیف کیا ہے۔ شیخ مظفر علی (ف ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء) قادری سلسلہ کے معروف صوفی اور مؤلف تھے۔ اس تذکرے میں مؤلف نے شیخ مظفر علی کے مریدین و خلفاء کے حالات بھی لکھے ہیں۔ یہ تذکرہ فارسی نثر میں ہے جا بجا اپنے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اس کی زبان سادہ اور صوفیہ کے عام فہم تذکروں کی روش میں لکھا گیا ہے۔ مطبع نوکسور لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں بہ قطع کلاں طبع ہوا تھا۔

۴۔ جواہر غیبی:

یہ کتاب ابوالحسن فرید آبادی کے مرشد شیخ مظفر علی کے مسودات پر مبنی ہے۔ ابھی یہ غیر مرتب تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شیخ فرید آبادی کے احباب اور مصنف کے مریدین نے تقاضا کیا کہ اسے کتابی شکل میں مدون کر دیا جائے۔ چنانچہ شیخ فرید آبادی نے اسے چھ کنوز (ابواب) پر منقسم کیا۔ ہر باب جوہر کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس کا نام جواہر غیبی رکھا گیا تھا۔

مؤلف نے ہر باب میں تصوف کے مسائل ایسے عام فہم انداز میں بیان کیے ہیں کہ متقدمین کی دقیق تحریرات سہل ہو کر رہ گئی ہیں۔ اصطلاحات تصوف کا باب بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس میں پاکستان و ہند کے صوفیہ کی تصانیف کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں گویا خصوصیت سے ایسی اصطلاحات بھی درج کی گئی ہیں جو اس خطے میں مستعمل رہی ہیں، یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اس سرزمین پر تالیف ہونے والی کتب تصوف میں جواہر غیبی ایک ضخیم ترین کتاب ہے جو بڑے سائز کے ۷۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب مطبع نوکسور واقع لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ / ۱۸۷۷ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

۵۔ ترجمہ فصوص الحکم: مطبوعہ مطبع نوکسور، لکھنؤ۔ (سوانح منشی نوکسور ۹۱)

۶۔ ترجمہ عوارف المعارف، مطبوعہ مطبع نوکسور، لکھنؤ۔ (ایضاً)

۷۔ شرح قصائد و قطعات النوری، ۱۸۵۰ء کو شائع ہوئی۔

- ۸۔ تحفۃ العراقین از خاقانی مع شرح عبدالسلام، مطبوعہ آگرہ، ۱۸۵۵ء
 - ۹۔ تاریخ روس، انگریزی سے فارسی ترجمہ، مطبوعہ مطبع نوکشتور ۱۸۸۸ء
 - ۱۰۔ مثنوی تحفہ طہران۔ مطبوعہ ۱۸۹۳ء
 - ۱۱۔ مثنوی جنجر عشق، مطبوعہ دہلی ۱۸۵۲ء
 - ۱۲۔ معیار الشعرا (گلدستہ) ۱۸۴۸-۱۸۴۹ء مولوی ابوالحسن کی ادارت میں نکلا رہا۔ (موخر الذکر کتب ۷ تا ۱۲ کا تعارف ڈاکٹر اکرام چغتائی نے کروایا ہے۔) (قدیم دہلی کالج ۳۶۴-۳۷۷)
 - ۱۳۔ ترجمہ رشحات مولفہ فخر الدین علی واعظ کاشفی، فارسی سے اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع نوکشتور، ۱۸۹۳ء
- آخر میں مترجم کے بارے میں لکھا ہے ”صاحب حالات سنیہ مالک مقالات عالم علوم ربانی مطرح فیوض یزدانی اسوۃ العلماء وحید الزمان جناب مولانا مولوی ابوالحسن صاحب سابق تحصیلدار حال پشتر عم فیضہ و مدظلہ ص ۳۱۶، مولوی ابوالحسن فرید آبادی کا سال وفات معلوم نہیں ہے، لیکن اس خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۹۳ء تک بقید حیات تھے۔ پرنگر کے نام مولوی فرید آبادی کے دو مکاتیب چغتائی صاحب نے دریافت کیے ہیں جو قدیم دہلی کالج ص ۷۷-۳۸۲ میں شامل ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ ابوالحسن فرید آبادی: تذکرۃ اللہی، لکھنؤ، مطبع نوکشتور ۱۸۸۷ء
- ۲۔ مشار، خان بابا: فہرست کتب بہای چاہی فارسی، تہران
- ۳۔ مظفر علی شاہ: جواہر غیبی، لکھنؤ، مطبع نوکشتور ۱۸۷۷ء
- ۴۔ نورانی، امیر حسن: سوانح منشی نوکشتور، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء
- ۵۔ صابر، قادر بخش: تذکرہ گلستان سخن مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی، لاہور، ۱۹۶۶ء
- ۶۔ چغتائی، محمد اکرام: قدیم دہلی کالج، لاہور، ۲۰۱۲ء

7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970

۳ جنوری ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شیعہ قارہ

مولوی غلام احمد بریاں

مولوی غلام احمد بریاں چودھویں صدی ہجری کے ایک عالم، صوفی، شاعر اور کتب تصوف کے مترجم تھے۔ مولوی غلام احمد خان بریاں کے والد مولانا غلام محمد خان حنفی چشتی سلیمانی بھی ایک عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ موصوف پنجاب کے معروف چشتی شیخ طریقت خواجہ سلیمان تونسوی (ف ۱۲۵۷ھ / ۱۸۵۰ء) کے مرید تھے وہ ۱۲۵۵ھ کو بمقام تاج سرور (Taj sarwar) خواجہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے، انہیں آغاز شعور ہی سے صوفیہ سے محبت اور ان کی کتابیں مطالعہ کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء کو ہی ارادہ کر لیا کہ وہ خواجہ سلیمان کے بارے میں ایک کتاب مرتب کریں گے اور اسی سنہ میں اس کا آغاز کر دیا مناقب سلیمانی کے نام سے انہوں نے خواجہ سلیمان تونسوی کے مناقب، احوال اور ملفوظات جمع کیے۔ پھر خواجہ سلیمان کی وفات (۱۲۵۷ھ) کے بعد اس میں ایک خاتمہ کا ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء کو اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور پہلے مطبع احمدی دہلی سے ۱۸۷۱ء کو طبع ہوئی اور پھر ان کے فرزند مولوی غلام احمد بریاں نے اپنے مطبع مسلم پریس جمہورے ۱۸۹۷ء کو شائع کی۔ مولوی غلام محمد سلیمانی نے شیخ فخر الدین زراوی کی مشہور کتاب اصول السماع کا اردو میں ترجمہ کیا جو مسلم پریس مذکور سے ہی شائع ہوا۔ (اشتہار مشمولہ تحفہ سبحانی، مناقب سلیمانی ۲-۸)

مولوی غلام محمد خان کے فرزند مولوی غلام احمد خان بریاں بھی خواجہ سلیمان تونسوی سے بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ سراج المجالس کے دیباچہ میں اپنے نام کے ساتھ سلیمانی لکھا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا دہلی کے مضافات میں ایک قصبہ جمہور (Jehjehar) میں رہتے تھے۔

وہاں بریاں کا ایک مطبع مسلم پریس تھا جس میں علوم اسلامیہ خصوصاً تصوف کی کتابیں بڑے اہتمام سے چھپتی تھیں۔ پہلے یہ مطبع جمہور میں قائم کیا گیا پھر اس کی خاص شاخ دہلی میں بھی بنائی گئی جہاں کتابوں کی طباعت کے

علاوہ اسلامی علوم کی کتب فروخت کے لیے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ چنانچہ اس مطبع کی طبع شدہ کتابوں کے اول و آخر میں منسلک اشتہارات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی غلام احمد بریاں کتابوں کے نامی گرامی تاجر تھے۔

غلام احمد بریاں شاعر بھی تھے اور بریاں تخلص کرتے تھے ان کے کسی شعری مجموعہ کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے اپنی ترجمہ کردہ کتابوں کے آخر میں کتابوں پر قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔ تحفہ سبحانی کا قطعہ تاریخ ۳۱ شعروں پر مشتمل ہے۔ اشعار میں روانی ہے۔ لیکن بلند پایہ شعر نہیں ہیں اور نہ ہی خصائص شعری کے اعتبار سے ان کا ناقدانہ جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

غلام احمد بریاں نے کئی کتب تصوف کا عربی اور فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا دراصل چودھویں صدی ہجری تک پاکستان و ہند میں فارسی و عربی جاننے والے حضرات کی انتہائی کمی ہو گئی تھی اب ضرورت اس امر کی محسوس کی جا رہی تھی کہ بنیادی کتب عقائد اسلامیہ اور معروف کتب تصوف وغیرہ کے تراجم اردو میں شائع کیے جائیں چنانچہ جن حضرات نے یہ ضرورت محسوس کی اور علمی طور پر اس میں حصہ لیا ان میں غلام احمد بریاں کو اولیت حاصل ہے۔ ان کی شائع کردہ ساری کتب کا تعارف طوالت کا باعث ہو گا صرف چند اہم اور مشہور کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ تحفہ سبحانی:

یہ شیخ عبدالقادر گیلانی کے ملفوظات ”فتح الربانی“ کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ موصوف نے اسے اپنے مطبع مسلم پریس دہلی سے ۱۳۱۴ھ کو شائع کیا۔ آغاز میں مختلف تذکروں کی بنیاد پر شیخ عبدالقادر گیلانی کے حالات و مناقب بتدریک جمع کیے ہیں۔

۲۔ سیر الاولیاء:

یہ امیر خورو کرمانی (رک باں) کی فارسی تصنیف سیر الاولیاء کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مشائخ چشت کے حالات مستند ذرائع سے لکھے گئے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی بریاں نے اپنے مطبع مسلم پریس دہلی سے شائع کیا۔ پھر لاہور سے محمد اقبال مہمدی کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۸۲ء کو عکسی صورت میں چھپا۔

۳۔ کشکولِ کلیسی:

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی تالیف ہے اور اسے بریاں نے رواں اردو میں ترجمہ کر کے اپنے مطبع میں چھاپا پھر کئی مرتبہ مختلف مطابع میں طبع ہوا۔

۴۔ مجموعہ ملفوظات خواجگانِ چشت:

اس مجموعہ میں خواجگانِ چشت کے ان ملفوظات کا ترجمہ شامل ہے جو آج بہ تحقیق ثابت ہو چکے ہیں کہ وہ ان بزرگوں سے منسوب کر دیئے گئے تھے۔ یہ مجموعہ خاصاً ضخیم ہے اور مسلم پریس میں ہی ۱۳۱۸ھ کو طبع ہوا تھا۔ فوائد الفواد اور افضل الفواد بھی فارسی سے اردو میں ترجمے کیے تھے جو کئی بار چھپ چکے ہیں۔

۵۔ سراج المجالس:

یہ خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی) جامع حمید شاعر قلندر کا فارسی سے اردو میں ترجمہ ہے اس کا ترجمہ تو مولوی احمد علی ٹوکی نے کیا تھا لیکن اسے نظر ثانی اور اہتمام کے ساتھ غلام احمد بریاں نے اپنے مطبع سے شائع کیا۔ آغاز میں مختصر سا ابتدائیہ ہے۔

غلام احمد بریاں کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے ان کا سال وفات بھی بصراحت معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ حدود ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے ہوں گے۔

مآخذ

- ۱۔ احمد نبی خان: تاریخ جمہور، مطبع احمدی، جمہور، ۱۸۷۷ء
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء اردو ترجمہ غلام احمد بریاں (بامقدمہ "منفصل" محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۸۲ء)
- ۳۔ حمید شاعر قلندر: سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس۔ دہلی (سن)
- ۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ کراچی ۱۹۷۶ء
- ۵۔ عبد القادر گیلانی: تحفہ سبحانی ترجمہ فتح الربانی غلام احمد بریاں۔ دہلی، ۱۳۱۴ھ
- ۶۔ غلام محمد خان جمہوری: مناقب سلیمانی، دہلی، ۱۸۷۱ء
- ۷۔ للہی، محمد حسین: خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج ۵، دہلی، ۱۹۸۰ء

۲۱ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

تاجے شاہ مجذوب لاہوری

تاجے شاہ تیرھویں صدی ہجری کے ایک مجذوب ولی اللہ تھے۔

تاجے شاہ کے حالات زندگی ان کی مجذوبیت کے باعث پردہ اخفا میں ہیں، لاہور کے مقامی تذکروں میں صرف ان کی کرامات ہی درج ہیں۔

تاجے شاہ اکثر لاہور کے نواحی جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے تھے، کبھی کبھار شہر بھی آجایا کرتے تھے، اکثر جاذبہ الہی سے مدہوش رہتے اور زبان سے مستانہ کلمات سرزد ہوتے رہتے تھے، کبھی حاضرین کو مافی الضمیر سے بھی مطلع کر دیا کرتے تھے، لاہور کے عوام میں بہت مقبول تھے لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ پنجاب کی سکھ سلطنت کی بربادی کا حال پہلے ہی بتا دیا تھا۔ ۱۸۳۹ء کو جب مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹-۱۸۳۹ء) کا انتقال ہوا تو تاجے شاہ مجذوب نے بتا دیا کہ پنجاب پر سکھ حکومت کے صرف نو سال باقی رہ گئے ہیں جب اس کے بعد پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہوگی (خزینۃ الاسفیاہ ۲ / ۴۴۵، حدیقۃ الاولیاء ۲۳۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا رنجیت کے حین حیات انگریزوں کو پنجاب میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی اس نے سخت ترین مشکل حالات میں بھی برطانوی فوج کو لاہور سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے مرتے ہی سکھ حکومت بڑی تیزی سے زوال کا شکار ہونا شروع ہو گئی بڑے بڑے سکھ سردار آپس میں لڑ کر قتل ہوئے راجہ ہیر سنگھ، سردار چیت سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، راجہ شیر سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ بھی مارے گئے، انگریزوں نے نو سال تک پنجاب کے معاملات اور سیاست کا جائزہ لیا ان کے معاملات میں مداخلت کی یہاں تک کہ ٹھیک نو سال بعد ۱۸۴۹ء کو انگریزوں نے پنجاب کا الحاق کر لیا۔

(بامداد اشاریہ Annexation of the Punjab)۔

خود رنجیت سنگھ تاجے شاہ کا معتقد تھا اور ان کی کرامات سے متاثر تھا اپنے مرض الموت میں تاجے شاہ کو بلا بھیجا اور صحت کے لیے دعا کرنے کو کہا مجذوب نے یہ بات سن کر کہا کہ موت برحق ہے، تو مرنے والا ہے تجھے

جلانے کے لیے چندن (Chandan) کی لکڑیاں لائی جائیں گی، یہ سن کر رنجیت سنگھ مایوس ہوا، جو نہی تاجے شاہ قلعہ سے نکلے رنجیت سنگھ فوت ہو گیا (۱۷۹۹-۱۸۳۹ء) (حدیقۃ الاولیاء ۲۳۳)

لاہور کے کئی بے اولاد لوگوں کو تاجے شاہ کی دعا سے اولاد نصیب ہوئی۔ (ایضاً ۲۳۲) تاجے شاہ مجذوب کا انتقال لاہور میں ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء کو ہوا، مفتی غلام سرور لاہوری نے جو ان کے معاصر تھے قطعہ تاریخ وفات لکھا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۴۴۵)

تاجے شاہ مجذوب کا مزار لاہور میں چیمبر لین روڈ (Chamberlane) پر پرانی سبزی منڈی کے قریب برب سڑک واقع ہے جس کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی ہے پنجاب کا محکمہ اوقاف اس مزار کی نگرانی کرتا ہے۔ مزار پر کتبہ بھی ہے جس پر وفات کا سال لکھا ہوا ہے۔

ماخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء
- ۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۳۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تطبیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۵۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۳ء
- ۶۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور ۱۹۶۶ء
- 7- Bell, M.E: Annexation of the Punjab, Lahore, 1975.

جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شہ قارہ

شیخ غلام حسن شہید ملتانی

خواجہ غلام حسن شہید تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم، صوفی، مؤلف اور شاعر تھے۔

خواجہ غلام حسن کے والد منشی جان محمد بن منشی عاقل محمد، راجپوتوں (Rajputs) کی ایک شاخ ملن ہانس (Milan Hans) سے تعلق رکھتے تھے خواجہ جان محمد اور عاقل محمد دونوں ملتان کے اہل علم اور فارسی کے انشاء پرداز تھے اور امرائے سدوزئی (Sudozai) کے ہاں ”منشی خانہ“ سے وابستہ تھے، جس میں تمام پروانہ جات، خطوط اور فرامین وغیرہ تحریر کیے جاتے تھے۔

ملتان کے حاکم نواب مظفر خان شہید (۱۱۹۲-۱۲۳۳ھ / ۱۷۷۸-۱۸۱۸ء) کے زمانہ میں خواجہ غلام حسن کی تعلیم و تربیت ہوئی اُن کی ولادت ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۲ء کو ملتان میں ہوئی۔ ملتان کے معروف صوفی حافظ محمد جمال ملتانی (ف ۱۲۲۶ھ) کے ساتھ خواجہ غلام حسن کے خاندانی مراسم تھے اس لیے موصوف انہیں کم سنی میں ہی اپنے ساتھ اپنے مستقر میں لے گئے وہیں ان کی تعلیم و تربیت و پرورش ہوئی، حافظ محمد جمال کے صدہا مریدین و خلفاء تھے (گلشن ابرار خطی برگ ۲۶۶-الف، حدیقتہ الاسرار ۱۳۹)

اس عہد کے رواج کے مطابق تحصیل کے بعد خوش نویسی اور انشاء میں مہارت حاصل کی ملتان کے سکھ ناظمین دیوان ساون مل اور اس کے فرزند دیوان مولراج کے ہاں آپ منشی تھے اسی طرح آپ نواب مظفر خان شہید مذکور کے محکمہ انشاء میں بھی منشی رہے۔ لاہور کے حاکم مہاراجہ رنجیت سنگھ (Maharaja Ranjeet Singh) (۱۷۹۹-۱۸۳۹ء) نے نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد ۱۸۱۸ء میں ملتان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، جس میں انگریزوں نے بھی مداخلت کی، شیخ غلام حسن اس وقت کی ضرورت کے مطابق فوجی تربیت بھی حاصل کر چکے تھے، یہ بات عوام و خواص میں مشہور تھی کہ جب تک شیخ غلام حسن زندہ ہیں غیر مسلموں کا ملتان پر تسلط

نہیں ہو سکتا، ایک انگریز نے موقع پر انہیں گولی مار دی (حکم چند: تواریخ ملتان ۸۸) ان حالات میں پورے پنجاب اور ملتان میں مسلمانوں کے لیے معاشرتی بے چینی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔

شیخ غلام حسن کو ۲۹ محرم ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۵ء میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ ان کے فرزند اکبر خواجہ غلام یسین آپ کے سجادہ نشین بنے۔ حافظ محمد جمال کی تعلیم و تربیت روحانی سے خواجہ غلام حسن شہید کی زندگی معرفت سے عبارت ہو کر مخلصین کی اصلاح کا سبب بنی، بہت سے مریدین و خلفاء تھے، نظریہ وحدت الوجود پر کامل یقین رکھتے تھے ان کی تحریرات سے بھی اس کا عکس جھلکتا ہے۔

خواجہ غلام حسن فارسی، اردو اور سرائیکی زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں ان کا تخلص حسن اور سرائیکی میں گانمن (Ghaniman) تھا، ان کی تالیفات تصوف کے موضوع پر ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ خلاصۃ السلوک (فارسی نثر) اور فوائد سلوک و مسائل توحید (وحدت الوجود)، خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمن داودی مرحوم (لاہور) ۲۔ رسالہ موج دریا ۳۔ بحر المواج ۴۔ حسیہ در اصطلاحات صوفیہ ۵۔ نور الہدیٰ ۶۔ نور الہدایت (منظوم فارسی) ۷۔ کلمات الانصاف ۸۔ رفیق الفقراء ۹۔ انوارِ جمالیہ (حالات حافظ محمد جمال) ۱۰۔ انشائے گلزارِ معانی ۱۱۔ دیوان حسن، اصل دیوان ملتان پر سکھوں کے حملوں کے دوران تلف ہو گیا بعد میں ان کے ایک مرید نظام الدین رنگریز نے ان کا کلام جمع کیا، ایک اور انتخاب بھی ہے جس میں اردو، پنجابی اور سرائیکی زبانوں کے اشعار شامل ہیں، اول الذکر نسخہ مرتبہ رنگریز ایک مرتبہ ملتان سے طبع ہوا تھا۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۴ / ۲۹۸، ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ ۳۵۲)

خواجہ غلام حسن شہید نے اپنے شیخ حافظ محمد جمال ملتان کے احوال پر ایک عمدہ رسالہ ”انوارِ جمالیہ“ کے نام سے لکھا تھا جو فارسی نثر میں ہے اور طبع ہو چکا ہے۔ اس کے چار مختصر حصے ہیں اول میں نعت اور خواجگانِ چشت کے شجرات، دوم میں حافظ محمد جمال کے احوال و ملفوظات، سوم میں حافظ محمد جمال کے خلیفہ خواجہ خدا بخش ملتان کے حالات اور چہارم میں خواجہ نور محمد مہاروی کی اولاد اور خلفاء کا بیان ہے۔

خواجہ غلام حسن شہید کے مناقب پر ان کے ایک مرید خاص خواجہ نظام الدین رنگریز نے ایک رسالہ شامل حسیہ فارسی میں لکھا تھا، جس کا خطی نسخہ خواجہ غلام حسن کی درگاہ کے کتابخانہ (ملتان) میں ہے۔

خواجہ غلام حسن کی تصانیف زیادہ تر فارسی میں ہیں ان کی زبان عام فہم اور مخلصین و سالکین کے لیے راہ ہدایت کا کام دیتی ہیں، چشتی سلسلہ کی خانقاہوں میں ان کے فارسی اور سرائیکی دو بڑے قوال باقاعدہ گاتے تھے، ملفوظات نافع السالکین (ص ۱۱۲) میں ایسے اشعار نقل ہوئے ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ امام بخش مہاروی: گلشن ابرار، خطی مخزنہ کتابخانہ خانقاہ خواجہ نور محمد مہاروی
- ۲۔ ایضاً: مخزن چشت، ملخص اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء
- ۳۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، لاہور (س۔ن)
- ۴۔ حکم چند: توارخ ملتان، لاہور، ۱۸۸۸ء
- ۵۔ روبینہ ترین: ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیاء کرام کا حصہ، ملتان، ۱۹۸۹ء
- ۶۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، جلد چہارم، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۷۔ عمر کمال خان: نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد، ملتان، ۱۹۷۸ء
- ۸۔ غلام حسن شہید ملتانی: دیوان حسن، ملتان، مقبول آرٹ پریس (س۔ن)
- ۹۔ ایضاً: خلاصۃ السلوک خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمن داؤدی، لاہور
- ۱۰۔ ایضاً: انوارِ جمالیہ (احوال حافظ محمد جمال ملتانی) مطبوعہ لاہور (س۔ن)
- ۱۱۔ عبدالعزیز پرہاروی: گلزارِ جمالیہ (حالات حافظ محمد جمال ملتانی)، آگرہ، ۱۳۱۵ھ
- ۱۲۔ محمد حسین للہی: حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۱۳۔ محمد نواب مرزا بیگ: تحفۃ الابرار، دہلی، ۱۳۳۵ھ
- ۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۳ء

(نافع السالکین ۱۴۰) خواجہ مہاروی نے اپنے آخری سال حیات میں انہیں خلافت دے کر تونسہ میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ آپ پہلے آٹھ سال تو اپنے آبائی گاؤں میں رہے پھر ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو تونسہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ جوڈیرہ غازی خان میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے چھ میل اور نہر سنگھڑ (Sanghar) کے کنارے پر واقع ہے اور شہر ڈیرہ غازی خان سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہیں خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے۔ (ذکر حبیب ۲۸۲) ایک مدرسہ بھی بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی شرع کر دیا۔ اس مدرسہ میں بڑے بڑے علماء تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے استادوں کی تعداد پچاس تھی، ہزار ہا طلبہ نے ان سے استفادہ کیا۔ (مقدمہ تونسہ ۱۲) خواجہ تونسوی کا قائم کردہ یہ مدرسہ عرصہ دراز تک جاری رہا ۱۸۴۹ء کے الحاق پنجاب اور اس کے بعد ۱۸۸۲ء تک وہاں عربی فارسی اور دینی علوم کی تمام بنیادی کتب پڑھائی جاتی تھیں

(History of Indigenous Education in Punjab. p.II p.174)

خواجہ تونسوی اپنے اکابر مشائخ چشتیہ کی روایت کے مطابق سلاطین و امراء سے قطع تعلق رکھنے کے خواہش مند تھے لیکن اصحاب ریاست بصد عجز و نیاز حاضر ہوتے تھے ان میں نواب لعل خان حاکم سنگھڑ اور اس کے جانشینوں کے ساتھ خواجہ تونسوی کے تعلقات مسلسل کشیدہ رہے۔ امیر دوست محمد خان (۱۸۴۲-۱۸۶۳ء) والی کابل نے انگریزوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس جہاد میں اس نے خواجہ تونسوی سے کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ (مناقب المحبوبین ۲۱۲)

بہاول خان ثانی (۱۱۸۶-۱۲۲۳ھ / ۱۷۷۲-۱۸۰۹ء) خواجہ تونسوی کے مرید تھے۔ نواب صادق خان

ثانی (۱۲۲۳-۱۲۴۱ھ / ۱۸۰۹-۱۸۲۵ء) بھی عقیدت مندانہ جذبات رکھتا تھا (ہما نجا ۱۹۹)

خواجہ تونسوی کے مریدین لا تعداد تھے ان کی خانقاہ کا چرچا پنجاب کے علاوہ صوبہ ہائی متحدہ، راجپوتانہ سے گذر کر افغانستان، جزیرہ سراندیپ، عدن، بلوچستان اور ترکستان تک ہو چکا تھا۔ (خاتم سلیمانی ۹) ان کے خلفاء ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ ان کی زندگی کا اصل مقصد اسلامی سوسائٹی کی اصلاح تھا۔ وہ صوفیہ اور علماء کی اصلاح چاہتے تھے خواجہ تونسوی علماء کی گمراہی ساری قوم کی گمراہی کے برابر خیال کرتے تھے، ان کی محفل میں اکثر

یہ جملہ ”فساد العالم فساد العالم“ دہرایا جاتا تھا۔ (نافع السالکین ۲۰) آپ نے ان کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ اور انہیں بار بار تنبیہ کرتے رہتے۔

خواجہ سلیمان تونسوی کا وصال ۷ صفر ۱۲۶۷ھ / دسمبر ۱۸۵۰ء کو ہوا۔ تونسہ میں اپنے عبادت خانہ میں دفن کیے گئے۔ آپ کے مزار پر نواب بہاول خان ثالث (۱۲۳۱-۱۲۶۹ھ / ۱۸۲۵-۱۸۵۲ء) نے سنگ مرمر کا شاندار مقبرہ بنوایا۔ (خاتم سلیمانی ۱۵۰) اس عہد کے اکابر شعراء نے قطعات تاریخ وفات لکھے۔ (مناقب المحبوبین ۳۱۷-۳۱۹)

خواجہ تونسوی کے تین فرزند تھے۔

خواجہ گل محمد (ف ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء)، خواجہ درویش محمد اور خواجہ عبداللہ یہ تینوں خواجہ تونسوی کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے، اس لیے خواجہ تونسوی کی وفات کے بعد ان کے پوتے خواجہ الہ بخش تونسوی (رک بآں) سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ سلیمان تونسوی کے خلفاء بھی کثیر تعداد میں تھے اور ہندوستان سے لے کر خراسان تک مصروف کار تھے (مکملہ سیر الاولیاء ۱۳۵) ایک عصری شہادت کے مطابق خواجہ تونسوی نے تقریباً ستر بزرگوں کو خلافت کا منصب دیا۔ (مناقب حائظیہ ۱۳) مختلف تذکروں میں ان کے ۶۳ خلفاء کے نام درج ہیں (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۳۸۱-۳۸۲)

جن میں سے بعض اہم نام یہ ہیں:

- ۱۔ مولانا محمد علی کھڈی (ف ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) کھڈ، ضلع کیسبل پور
 - ۲۔ خواجہ شمس الدین سیالوی (ف ۱۳۰۰ھ / ۱۸۶۶ء)، سیال ضلع سرگودھا۔
 - ۳۔ خواجہ فیض بخش للہی (ف ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء)، للہ ضلع جہلم
 - ۴۔ حافظ سید محمد علی خیر آبادی (ف ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء)، خیر آباد
 - ۵۔ حاجی نجم الدین (مؤلف مناقب المحبوبین) شیخاواٹی، راجپوتانہ
 - ۶۔ خواجہ محمد فاضل (ف ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)، گڑھی افغانان، (راولپنڈی)
- (خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۱۳-۱۲۸)

۷۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب

۸۔ مولوی امام الدین مؤلف نافع السالکین

خواجہ سلیمان تونسوی کی کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے البتہ ان کے بعض خلفاء نے ان کے ملفوظات کے مجموعے مرتب کیے تھے جن میں سے بعض کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے:

۱۔ ملفوظات شریف:

اس مجموعہ کے جامع (مرتب) مولوی غلام حیدر ہیں۔ اس میں محفلوں کی جو تاریخیں درج ہیں ان میں ۹ شوال ۱۲۵۶، صفر ۱۲۵۶، اور ۱۲۵۹ھ / ۱۸۳۳ء ہیں۔ اس میں ضمناً خواجہ تونسوی کے حالات اور خلفاء کا ذکر بھی ہے۔

اس کا ایک خطی نسخہ آقا خلیل الرحمن داؤدی کے کتب واقع لاہور میں ہے۔

۲۔ منتخب المناقب:

اس مجموعہ کے مرتب یار محمد ذوقی بن تاج محمد پاکپتنی ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی نثر میں ہے اس کے خطی نسخے کتابخانہ چشتیہ فیصل آباد، کتابخانہ مولانا محمد علی کھڑ (انک) میں ہے (فہرست مشترک ۳ / ۲۰۴۳) ایک اور خوش خط نسخہ ڈاکٹر ظفر اقبال استاد شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی کے پاس ہے۔

۳۔ نافع السالکین:

اس کے جامع امام الدین خواجہ تونسوی کے خلیفہ تھے۔ یہ فارسی نثر میں ہے۔ اس مجموعہ میں تاریخ و سنہ وارجالس کا تذکرہ نہیں ہے صرف آخری تاریخ ۱۲۶۷ھ کی ہے۔ یہی خواجہ تونسوی کا سال وصال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مرتب اس سنہ تک اس میں اضافہ کرتے رہے۔

اس کے فارسی متن کی دو اشاعتیں ہمارے پیش نظر ہیں:

۱۔ مطبوعہ مطبع ہوپ، ۱۲۸۵ھ ۲۔ مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی، ۱۳۱۰ھ

محمد حسین للہی نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو لاہور سے ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا۔

۴۔ مناقب سلیمانی:

مولفہ مولوی غلام محمد خان سلیمانی۔ یہ فارسی نثر میں ہے۔ اس کے مرتب ۱۲۵۵ھ کو پہلی بار خواجہ تونسوی سے ملے اور بیعت ہوئے انہوں نے اس میں خواجہ تونسوی کے حالات اور ملفوظات جمع کر دیئے ہیں۔ مطبع احمدی، دہلی سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئے۔

۵۔ مناقب المحبوبین:

مولفہ خواجہ نجم الدین شیخ داؤدی (راجپوتانہ) خواجہ تونسوی کے خلیفہ تھے انہوں نے اس کتاب میں خواجہ نور محمد مہاروی اور خواجہ تونسوی کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں خواجہ تونسوی کے صرف ایسے ملفوظات ہیں جن میں سے اکثر خود مولف نے براہ راست خواجہ تونسوی سے سنے، ملفوظات کے مجموعوں میں یہ کتاب سب سے ضخیم ہے۔ فارسی نثر میں ہے مولف خود شاعر تھے اس لیے جا بجا عمدہ اشعار فارسی بھی نقل کر کے مافی الضمیر کو موثر بنایا ہے۔ اس کتاب کا فارسی متن دوبار طبع ہو چکا ہے۔ اول مطبع حسنی ۱۲۸۹ھ دوم مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ اس کا ملخص اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی نے کیا جولاءِ ۱۹۷۹ء کو شائع ہوا۔

ملفوظات کے ان مجموعوں کے علاوہ ایک مجموعہ احمد یار پاک پٹنی کا بھی ہے جو اب تالیف ہے اس طرح ایک اور مجموعہ ملفوظات ”راحت العاشقین“ کے نام سے ہے جس کے جامع مولوی محمد ہیں اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ مولانا محمد علی کھڈ (Makhadd) (انک) میں ہے۔ اسی طرح بعض معاصر، قریب العہد اور خاندانی تذکرہ نویسوں نے بھی خواجہ تونسوی کے معارف و ملفوظات نقل کیے ہیں۔ ان میں امام بخش مہاروی کا گلشن ابرار اور انہی کا مخزنِ چشت، خاتم سلیمانی، سیرت سلیمان مولفہ مولوی صالح محمد اور تذکرۃ المشائخ مولفہ مولا بخش قابل ذکر ہیں۔

ماخذ

- ۱۔ احمد علی، مولوی: قصر عارفان مرتبہ محمد باقر، مشمولہ اور نیشنل کالج میگزین لاہور، ۶۵-۱۹۶۶ء
- ۲۔ افتخار احمد چشتی: تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء
- ۳۔ الہ بخش: خاتم سلیمانی جلد اول لاہور، ۱۳۲۵ھ
- ۴۔ امام الدین مہاروی: گلشن ابرار، عکس مملوکہ جناب اسد نظامی، ملتان (جہانیاں)

- ۵۔ ایضاً: مخزنِ چشت، عکس مملوکہ جناب اسد نظامی، ملتان (جہانیاں)
- ۶۔ امام الدین شاہ اعظمی: نافع السالکین، لاہور ۱۲۸۵ھ
- ۷۔ صالح محمد: سیرت سلیمان، لاہور، ۱۹۳۵ء
- ۸۔ غلام محمد سلیمانی: مناقب سلیمانی، دہلی، ۱۸۷۱ء
- ۹۔ فیض اللہ خان قصوری: مقدمہ تونسہ شریف، لاہور ۱۹۲۵ء
- ۱۰۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۲ھ
- ۱۱۔ للہی، محمد حسین: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۱۲۔ محمد الدین، ملک: ذکر حبیب، پنڈی بہاء الدین، ۱۳۴۲ھ
- ۱۳۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۳، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء
- ۱۴۔ مولا بخش: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، ۱۳۰۳ھ
- ۱۵۔ نجم الدین شخادائی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ
- ۱۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۵، دہلی ۱۹۸۳ء
- ۱۷۔ نور محمد کھڑوی: غذا للمحبین وسم المعاندين (ملفوظات خواجہ الہ بخش تونسوی)، خطی نسخہ مملوکہ آقا خلیل الرحمن داودی، لاہور۔

- 18- Leitner, C.W: History of Indigenous Education in Punjab. (rep.) Lahore, 1991.

۷ جولائی ۱۹۹۸ء

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

برائے دانشنامہ شہید قارہ

حضرت خواجہ الہ بخش تونسوی

خواجہ الہ بخش تونسوی انیسویں صدی عیسوی کے ایک نامور شیخ طریقت تھے۔

خواجہ سلیمان چشتی تونسوی (رک باں) کے فرزند اکبر خواجہ گل محمد (ف ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء) کے دو صاحبزادے تھے اول خواجہ الہ بخش دوم خواجہ خیر محمد، خواجہ الہ بخش کی ولادت تونسہ (Tounsa) ضلع ڈیرہ غازی خان (Dera Ghazi Khan) میں ذی الحج ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء کو ہوئی اور اپنے دادا خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی وفات ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کے بعد خانقاہ تونسہ کے سجادہ نشین ہوئے (مناقب المحبوبین ۳۲۵، ۳۲۷، خاتم سلیمانی میں سال ولادت ۱۲۴۲ھ درج ہے جو سہو کتابت ہے ۱۵۱)

خواجہ الہ بخش تونسوی تحصیل علم کے لیے مولانا محمد امین کی خدمت میں حاضر ہوئے جو خواجہ سلیمان تونسوی کے مرید تھے ابتدائی تعلیم سے لے کر تفسیر و حدیث تک انہی سے پڑھی۔ (خاتم سلیمانی ۱۹۰) خلافت یاب بھی اپنے دادا خواجہ سلیمان تونسوی سے ہوئے۔ پھر چشتی مشائخ کے مزارات کی زیارت کے لیے طویل سفر اختیار کیا۔ ۱۲۷۰ھ / ۱۵۸۳ء کو بہت سے مریدین کے ہمراہ دہلی روانہ ہوئے زیارت کے دوران جب خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مزار پر پہنچے تو آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۹-۱۸۵۷ء) زیارت کے لیے حاضر ہوا (مناقب المحبوبین ۳۳-۳۳۳) ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء کو اپنے بعض مریدین کے ہمراہ حج کے لیے حرمین الشریفین گئے (مرآۃ العاشقین ۲۲۵-۲۲۶) تونسہ میں زائرین کی سہولت کے لیے کئی عمارتیں بنوائیں۔ خواجہ الہ بخش مسلمانوں کے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ طبقہ علماء کی اصلاح پر زیادہ زور دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم سوسائٹی کا بڑا طبقہ خود بخود صحیح راہ پر آجائے گا۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۲۳۹)

خواجہ الہ بخش مدت العمر روحانی اصلاح و تربیت میں سرگرم عمل رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی رونق ان ہی کے دم سے تھی۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کا وصال ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ہوا عمر اٹھتر (۷۸) برس

تھی تونسہ میں روضہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی میں دفن ہوئے (خاتم سلیمانی ۱۶۳، تاثیر در ۸، ۱۲)

خواجہ الہ بخش کے تین فرزند تھے خواجہ حافظ محمد موسیٰ، میاں احمد اور خواجہ محمود، ان میں میاں احمد کا آپ کے حین حیات انتقال ہو گیا باقی دونوں بیٹوں نے تحصیل علم کے بعد اپنے والد کی جانشینی اختیار کی اور دونوں سے الگ الگ سلسلے جاری ہوئے ان میں حافظ محمود بڑے عالم تھے عربی، فارسی، اردو، پشتو اور بلوچی زبانوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کا درس خاص انداز سے دیتے تھے۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کے بہت سے خلفاء تھے جن میں سے چند قابل ذکر اصحاب یہ ہیں:

حافظ محمد موسیٰ، حافظ محمود، شاہ محمد عبدالصمد فخری دہلوی، سید احمد شاہ عرف کبیل پوشی دہلوی، امیر احمد بسالوی، میاں حافظ حبیب اللہ عرف حافظ بولا، مولوی احمد خان میروی، مولوی شرف الدین فیروز پوری، غلام حسن خان، مولوی جان محمد۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۴۴۱، خاتم سلیمانی ۱۷۹-۲۳۳) مولانا غلام محی الدین کھڈوی، خواجہ محمد الدین سیالوی، مولانا ناصر الدین للہی (خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۱۷۲)

خواجہ الہ بخش تونسوی کے مریدین میں سے مولوی غلام احمد بریان (رک باں) نے تصوف کی خدمت انجام دی اور اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات و ملفوظات کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔ خواجہ الہ بخش کے مریدین میں سے خواجہ محمد اکبر بصیر پوری (۱۲۷۲-۱۳۳۵ھ / ۱۸۵۲-۱۹۱۶ء)، مولوی عبدالحق خیر آبادی (فرزند مولانا فضل حق خیر آبادی) مشہور فلسفی تھے اور اواخر عمر میں خواجہ تونسوی کے زیر اثر فلسفہ سے تصوف کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء کو انتقال ہوا (تذکرہ کالملاں رام پور ۱۹۹-۲۰۰) اپنے علمی تبحر کی وجہ سے شہرت دوام کے مالک ہیں۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کے معاصر سلاطین و امراء عقیدت مندانہ روابط تھے۔ بہادر شاہ ظفر کا ذکر کیا جا چکا ہے اس کے علاوہ نواب محمد بہاول خان ثالث والی بہاول پور (۱۲۳۱-۱۲۶۹ھ / ۱۸۲۵-۱۸۵۲ء) آپ کا معتقد تھا (خاتم سلیمانی ۲ / ۵۰) اور نظام الدین خان آف ریاست ممدوٹ (Mamdot) نے تو باقاعدہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (ہمانجائے ۷)

خواجہ الہ بخش تونسوی تصنیف و تالیف کے لیے فراغت نہیں رکھتے تھے بلکہ دعوت و ارشاد میں مصروف رہتے تھے البتہ آپ کے ملفوظات کے چند مجموعے مرتب ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ تنویر القلوب فی لطائف المحبوب: جامع (مرتب) احمد خان بختیار

یہ مجموعہ فارسی نثر میں ہے، اور اس کا خطی نسخہ بخط مرتب کتابخانہ درگاہ خواجہ الہ بخش تونسوی میں ہے۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۱۷۲-۳۵۷)

۲۔ ملفوظات خواجہ الہ بخش: جامع گل محمد خان

یہ مجموعہ بھی فارسی نثر میں ہے۔ اس کا اور تنویر القلوب دونوں مجموعوں کا اردو ترجمہ خاتم سلیمانی کی جلد دوم (مطبوعہ) میں شامل ہے۔

۳۔ مفید السالکین: جامع شاہ سوار بن مولوی عبد الجلیل ڈلکو، فارسی نثر میں ہے، خطی مخزنہ خانقاہ تونسوی۔

۴۔ غذا للمحبین وسم المعاندین:

اس مجموعہ کے جامع حافظ نور محمد کھڑوی ہیں۔ یہ بھی فارسی نثر میں ہے اور جامعہ فارسی، اردو و سرائیکی اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔

اس مجموعہ ملفوظات کا آغاز صفر ۱۳۱۴ھ سے ہوتا ہے اور خواجہ الہ بخش تونسوی کے سال وصال ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء پر ختم ہو جاتا ہے۔ گویا یہ آخری مجموعہ ہے۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوا اس کے تین خطے نسخے ملتے ہیں۔ اول کتابخانہ خانقاہ تونسوی دوسرا کتابخانہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ پاکستان میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۷۱۵)

تیسرا نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے جو آقا خلیل الرحمن داؤدی لاہور پاکستان کے پاس ہے۔ یہ ضخیم نسخہ بڑے سائز کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد علی، مولوی: قصر عارفان مرتبہ محمد باقر، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۶۵-۱۹۶۶ء
- ۲۔ الہ بخش: خاتم سلیمانی (احوال و ملفوظات خواجہ سلیمان و خواجہ الہ بخش تونسوی) لاہور، ۱۳۲۵ھ و بخش دوم باسم سیرۃ المحمود، ملتان، ۱۳۵۰ھ
- ۳۔ افتخار احمد چشتی: تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء
- ۴۔ امام الدین (جامع) نافع السالکین، لاہور ۱۲۸۵ھ
- ۵۔ امیر بخش: انوار شمس (حالات و ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۹۱۶ء
- ۶۔ ثاقب، ابو محمد عبدالغنی: تاثیر درد (قصائد مدحیہ و قطعات تاریخ وفات خواجہ الہ بخش تونسوی) دہلی مطبع انصاری، ۱۳۱۹ھ
- ۷۔ شوق، احمد علی: تذکرہ کاملان رام پور، پٹنہ، ۱۹۸۶ء
- ۸۔ الہی، محمد حسین: خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۹۔ محمد سعید زنجانی: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۳۰۳ھ
- ۱۰۔ منزوی، احمد (مرتب) فہرست مشترک ج ۳، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء
- ۱۱۔ مولا بخش چشتی: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، ۱۳۰۳ھ
- ۱۲۔ نجم الدین چشتی شیخاوائی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ
- ۱۳۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ج ۵، ۱۹۸۴ء
- ۱۴۔ نور محمد کھڑوی: غذا للمحبین وسم المعاندين۔ خطی نسخہ مملوکہ آقا خلیل الرحمن داودی لاہور

۶ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی و انشامہ شبہ قارہ

شیخ تاج محمود بن شیخ احمد علی

شیخ تاج محمود تیرھویں صدی ہجری کے پنجاب کے ایک صوفی عالم تھے۔ خواجہ نور محمد مہاروی چشتی (ف ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) کے ایک بہت معروف و ممتاز خلیفہ قاضی خواجہ محمد عاقل (ف ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) تھے ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے میاں قاضی احمد علی (ف ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء) سجادہ نشین ہوئے ان کے دو فرزند تھے میاں خدا بخش اور خواجہ تاج محمود۔

قاضی احمد علی کے بعد میاں خدا بخش مسند نشین ہوئے۔ ان کا مختصر قیام اپنے آبائی قصبہ کوٹ مٹھن (Kort Mithan) میں رہا پھر چاچا اں (Chacharan) چلے گئے۔ جہاں خانقاہ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور اُسے بڑی شہرت ملی۔ (تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۵) ان کا ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء کو انتقال ہو گیا (مناقب فریدی ۷۸) شیخ غلام فرید چاچا اں والے انہی کے صاحبزادے تھے جن کا پنجابی و سرائیکی کلام بہت مشہور اور متداول ہے۔

میاں قاضی احمد علی کے دوسرے فرزند میاں قاضی تاج محمود سے بھی سلسلہ چشتیہ کو پنجاب میں خوب فروغ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں بہت سی خوبیاں و دیعت کی تھیں۔ وہ عشق خداوندی کا مظہر تھے۔ (تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۵) زہد و تقویٰ اور اتباع شرع شریف میں بہت معروف تھے (مناقب فریدی ۶۸)

میاں قاضی محمود سماع کے بہت دلدادہ تھے۔ اپنے بھائی خواجہ خدا بخش کی اولاد سے تعلق خاطر تھا۔ خواجہ غلام فرید چاچا اں والے کی رسم بسم اللہ آپ ہی سے ادا کر دائی گئی۔ (ہمانجا ۷۰)

میاں تاج محمود کے پانچ فرزند تھے۔

- ۱۔ خواجہ محمد شریف
- ۲۔ خواجہ گل محمد
- ۳۔ خواجہ خیر محمد
- ۴۔ خواجہ شیر محمد
- ۵۔ خواجہ غوث بخش

ان پانچوں صاحبزادوں نے سلسلہ چشتیہ کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، یہاں غوث بخش کے ایک بیٹے میاں ہوت تھے جن کے فرزند میاں عبداللہ سے بھی بہت سے اصحاب باطن وابستہ تھے۔

قاضی تاج محمود کی اولاد نے علاقہ شدانی (Shadani) کو اپنا مستقر قرار دیا، اور وہیں دعوت و ارشاد، درس و تدریس اور تبلیغ دین میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میاں تاج محمود کے خلفاء میں سے حسب ذیل مشہور تھے:

میاں فضل علی، میاں محمد، مولوی محمد حامد، مولوی چندودہ (Chandodh) نے بھی اپنے اپنے آبائی قصبات میں جا کر خانقاہیں قائم کیں اور تبلیغ و ارشاد کا آبائی سلسلہ جاری کیا۔

(مناقب المحبوبین ۹۴، تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۶، خاتم سلما نی ۱۶۳ مناقب فریدی ۸۹، ۹۲، ۹۴ و بہ بعد)

تاج المثنوی نام کی ایک فصیح عربی مثنوی خواجہ نور محمد مہاروی کے مناقب میں ہے، جس میں شاعر کا تخلص ”تاج الدین“ درج ہوا ہے ممکن ہے یہ بھی تاج محمود ہوں، اس کا ایک خطی نسخہ جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے پاس تھا۔

ماخذ

- ۱۔ احمد اختر، مرزا: مناقب فریدی، دہلی ۱۳۱۴ھ
- ۲۔ الہ بخش بلوچ: خاتم سلیمانی، لاہور ۱۳۲۵ھ
- ۳۔ شہاب، مسعود حسن: اولیاء بہاول پور، بہاولپور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۴ھ
- ۵۔ محمد حسین للہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۶۔ نجم الدین شیخاوانی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ
- ۷۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت ج ۵۔ دہلی، ۱۹۸۴ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی

خواجہ شمس الدین سیالوی تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ جن سے دورِ آخر میں سلسلہ چشتیہ کو رونق ملی اور اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔

خواجہ شمس الدین بن میاں محمد یار ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء کو موضع سیال (ضلع سرگودھا پنجاب، پاکستان) میں متولد ہوئے، ان کا نسب اس علاقہ کے ایک بزرگ صوفی شیر کرم علی سے ملتا ہے۔ (امیر بخش: انوارِ شمس ص ۲۰-۲۱)

خواجہ شمس الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں میاں احمد الدین سے حاصل کی اور پھر ایک چشتی بزرگ مولانا محمد علی کھڑوی (۱۱۶۳-۱۲۵۳ھ / ۱۷۵۰-۱۸۳۲ء) کی خدمت میں موضع کھڑ (Makhad) جا کر مزید تحصیل کا آغاز کیا۔ (ایضاً ۲۲) پھر کابل جا کر حافظ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) کی خدمت میں فقہ و حدیث پڑھی اور ان سے سند حاصل کی۔ (ایضاً ۲۳)

فراغت کے بعد خواجہ شمس الدین اپنے استاد مولانا محمد علی کھڑوی کے ہمراہ تونسہ (Tounsa) گئے جہاں آپ اس وقت کے مشہور چشتی بزرگ خواجہ محمد سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء) سے بیعت ہو گئے، انہوں نے خواجہ تونسوی سے کتب تصوف کا درس بھی لیا اور شدید ریاضتیں کیں، خواجہ نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۳ء کو انہیں خلافت سے سرفراز فرما کر سیال جو ان کا آبائی مستقر تھا قیام کا حکم دیا (ایضاً ۴۰)

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۲ء کو آپ نے سیال میں ایک بہت بڑی درسگاہ کی بنیاد رکھی جس میں اس وقت کے اکابر علماء درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے اور آپ خود اس کی سرپرستی کرتے تھے۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۲۰۳، ۳۰۰ء بعد) خواجہ شمس الدین کی دعوت و ارشاد کا شہرہ سارے پاکستان و ہند میں تھا ہر طرف سے اہل دل نے حاضر ہو کر بیعت کی اور بہت سے اصحاب کو سلسلہ چشتیہ کی خلافت سے بھی نوازا گیا۔

خلیق احمد نظامی نے ۳۵ خلفاء کی فہرست مختلف تذکروں سے مرتب کی ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۳۲۱۔ ۳۲۳) جن میں سے دو اصحاب یعنی شیخ غلام حیدر (ف ۱۳۲۶ / ۱۹۰۸ء) نے جلال پور میں خانقاہ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور ان سے بہت سے اصحاب نے فیض باطنی پایا۔ دوسرے پیر مہر علی شاہ (ف ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) نے گولڑہ (ضلع راولپنڈی، پنجاب پاکستان) میں ایک ایسی خانقاہ بنائی جس سے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں سلسلہ کو فروغ ہوا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو وصال فرمایا۔ (ایضاً ۸۱-۸۳) (مرآة العاشقین ۲۳۳)

خواجہ شمس الدین سیالوی کثرت کار اور دعوت و ارشاد میں مصروفیت کے باعث تصنیف و تالیف کا کام نہیں کر سکے۔ البتہ آپ کے ملفوظات سید محمد سعید بن سید حیدر شاہ حسینی زنجانی حنفی پھڑتھوی (Phirthawi) نے مرآة العاشقین کے نام سے مرتب کیے جو فارسی نثر میں ہیں اور مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء کو طبع ہوئے، یہ ملفوظات موضوعاتی اعتبار سے عنوانات قائم کر کے ان کے تحت شیخ کے سخنان جمع کر دیئے گئے ہیں، ہر عنوان کو مرآة کا نام دیا ہے کل چالیس مرآة ہیں، ان کا آغاز شانزدہم جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ سے ہوتا ہے اور آخری یعنی مرآة چہلم ہر دہم صفر ۱۳۰۰ھ کے فرمودات پر مشتمل ہے اسی ماہ میں خواجہ سیالوی کا وصال ہوا تھا یعنی ۲۴ صفر کو گویا ماہ وصال تک کے سخنان جمع کر دیئے گئے ہیں۔

آپ کے خلفاء نے بھی ملفوظات نویسی کی روش کو قائم رکھا آپ کے نامور خلیفہ سید غلام حیدر جلال پوری مذکور کے ملفوظات فارسی نثر میں نور عالم پس پوری جہلمی نے نفحات المحبوب فی احیاء القلوب کے نام سے جمع کیے جو ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۹۶ تا ۱۳۲۶ھ کے سخنان پر مشتمل ہیں۔ یہ مجموعہ لاہور سے ۱۳۲۷ھ کو طبع ہوا۔ اور ڈاکٹر عبدالغنی نے ملفوظات حیدری کے نام سے ان کا اردو ترجمہ لاہور سے ۱۴۰۴ھ کو شائع کر دیا۔ آپ کے ملفوظات و حالات کا دوسرا مجموعہ ذکر حبیب کے نام سے ملک محمد الدین نے مرتب کیا اور پٹنڈی بہاء الدین سے ۱۹۲۳ء کو طبع ہوا (یہ بزبان اردو ہے)۔ اسی طرح آپ کے دوسرے معروف خلیفہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نہ صرف ملفوظات کے کئی مجموعے مرتب ہوئے بلکہ ان کی کئی اہم تصانیف بھی شہرت رکھتی ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ امام بخش جامپوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، لاہور، (سن)
- ۲۔ امیر بخش، منشی: انوار شمسیہ باسم تاریخی خطبہ چشتیہ ۱۳۳۵ھ، لاہور ۱۹۱۶ء
- ۳۔ محمد حسین للہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۴۔ محمد الدین، ملک: ذکر حبیب (ملفوظات و حالات شاہ غلام حیدر جلال پوری)، پنڈی بہاء الدین ۱۹۲۳ء
- ۵۔ محمد سعید زنجانی، سید: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی) لاہور ۱۳۰۳ھ
- ۶۔ محمد نواب مرزا بیگ: تحفۃ الابرار (احوال مشائخ چشتیہ) دہلی، ۱۳۳۵ھ
- ۷۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت (جلد پنجم) دہلی ۱۹۸۴ء
- ۸۔ نور عالم پس پوری: نفحات المحبوب فی احیاء القلوب، لاہور ۱۳۲۷ھ
- ۹۔ ایضاً: ملفوظات حیدری اردو ترجمہ از عبدالغنی، لاہور ۱۳۰۴ھ

۲۱ نومبر ۲۰۰۷ء

بوقت نصف شب

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی

خواجہ محمد الدین سیالوی (۱۲۵۳-۱۳۲۷ھ / ۱۸۳۷-۱۹۰۹ء) پنجاب کے مشہور چشتی شیخ طریقت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۲۱۳-۱۳۰۰ھ / ۱۷۹۹-۱۸۸۲ء) کے فرزند اکبر و جانشین تھے، ان کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی (۱۱۸۴-۱۲۶۷ھ / ۱۷۷۰-۱۸۵۰ء) سے خلافت حاصل تھی، دورِ آخر میں ان حضرات نے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا (مرآۃ العاشقین، انوارِ شمس در احوال و خدمات روحانی خواجہ شمس الدین سیالوی)

خواجہ محمد الدین، اپنے والدِ گرامی کے وصال کے بعد تونسہ حاضر ہوئے تو خواجہ الہ بخش تونسوی (۱۲۴۱-۱۳۱۹ھ / ۱۸۲۵-۱۹۰۱ء) نے خود خرقہ خلافت سے نوازا (انوارِ شمس ۸۸) اور اُن گنت اصحاب نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا، درویشوں اور خادموں کی سہولت کے لیے بہت سے اقدامات کیے، خواجہ محمد الدین کے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی۔ خواجہ محمد امین (ف ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۳ء)، خواجہ ضیاء الدین سیالوی (ف ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)، خواجہ محمد عبداللہ، خواجہ سعد اللہ۔

خواجہ ضیاء الدین کے فرزند خواجہ قمر الدین سیالوی (شاگرد علامہ معین الدین اجمیری (ف ۱۳۵۹ھ / ۱۹۳۰ء) اور علامہ فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور علامہ شبیر احمد عثمانی (ف ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) نے آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء (۲۰۹)

دورِ آخر میں ان سیالوی حضرات نے نہ صرف روحانی بلکہ علمی و سیاسی طور پر بھی پاکستان کی عزت و وقار

میں اضافہ کیا۔

خواجہ محمد الدین سیالوی اور ان کے فرزند ان گرامی و خلفاء نے پاکستان کے طول و عرض میں دینی مدرسے قائم کیے اور علمی و روحانی طبیب کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں، ان کے زمانہ میں سیال (ضلع جھنگ) کی درسگاہ سارے ہندوستان کی توجہ کا مرکز بن گئی اکابر علماء کو بیش قرار تنخواہیں دے کر یہاں درس و تدریس کی دعوت دی اور یہاں سے ہزار ہاتھکان علم و معرفت نے سیراب ہو کر ملک کے دور دراز علاقوں میں جا کر علمی و روحانی خدمات انجام دیں۔ دہلی کے بین الاقوامی مدرسہ رحیمیہ کے بعد درس کا اعلیٰ ترین انتظامی انہی حضرات کے ہاں تھا۔

خواجہ محمد الدین سیالوی کے سوانح و ملفوظات غلام دستگیر بخود جالندھری نے محبوب سیال اور برکات سیال کے نام جمع کیے جو طبع ہو چکے ہیں۔

ماخذ

- ۱۔ اختر راہی: تذکرہ علمائے پنجاب، لاہور ۱۹۹۸ء
- ۲۔ امیر بخش سیالوی: انوار شمس، لاہور، ۱۹۱۶ء
- ۳۔ شرف، عبد الحکیم قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ محمد حسین للہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۵۔ محمد سعید، سید: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۳۰۳ھ
- ۶۔ مولا بخش چشتی: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، مطبع صدیقی، ۱۳۰۳ھ
- ۷۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، دہلی، ۱۹۸۴ء

۱۷ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

خواجہ سدید الدین تونسوی

حافظ سدید الدین تونسوی بیسویں صدی عیسوی کے مشہور شیخ طریقت اور پنجاب اسمبلی پاکستان کے رکن

تھے۔

آپ ضلع ڈیرہ غازی خان (Dera Ghazi Khan) کے مشہور قصبہ (Tounsa) تونسہ کے چشتی مشائخ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ چشتیہ کی اس مشہور شاخ کے موسس خواجہ محمد سلیمان تونسوی (رک باں) تھے۔ ان کے سجادہ نشین خواجہ الہ بخش تونسوی (رک باں) تھے۔ ان کے فرزند اکبر خواجہ حافظ محمد موسیٰ (۱۲۶۹-۱۳۲۳ھ / ۱۸۵۲-۱۹۰۶ء) ایک ذی علم بزرگ تھے ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ حامد (ف ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) تھے جن کے عہد میں خانقاہ تونسہ میں بعض خوشگوار تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کے تین بیٹے تھے حافظ سید الدین، خواجہ خان محمد اور خواجہ محمد یوسف (مقدمہ تونسہ شریف ص ۸، سوانح خواجہ محمد موسیٰ تونسوی ص ۴)۔

خواجہ حامد کے بعد ان کے بڑے لڑکے حافظ سید الدین جانشین ہوئے۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور

ان کے خلفاء ص ۱۷۳-۱۷۴)

حافظ سید الدین کی ولادت ۸۔ رمضان ۱۳۲۷ھ / ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ہوئی۔ اپنے والد گرامی سے تربیت پائی اور اُس کے عہد کے علماء سے تحصیل کی۔ اپنے والد سے خلافت یاب ہوئے۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور ”سدید الدین“ ہی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ (مناقب المحبوبین، تتمہ ۲۳۸) خلیق احمد نظامی مرحوم کی تاریخ مشائخ چشت میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا اور ان کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۴۴۰)

آپ اپنے والد خواجہ محمد حامد کے وصال ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء کے بعد سجادہ خلافت پر بیٹھے۔ اس خاندان کے اکابر دستار بندی کی رسم میں شریک ہوئے۔ اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے روحانی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کی تحریک میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی اپنے مریدین سمیت کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ جہاد کشمیر میں شرکت کے لیے اپنے مریدوں کو ترغیب دی۔ اور ہزار متوسلین کے ساتھ خود اس جہاد میں شریک ہوئے لیکن حکومت پاکستان نے ہندوستان کے بارڈر تک جانے کی اجازت نہ دی۔ خواجہ سدید الدین ایک مدت تک پنجاب اسمبلی کے رکن بھی رہے۔ (مناقب المحبوبین، تہ ۲۳۸)

آپ ۱۳ شوال ۱۳۷۹ھ / ۱۱ اپریل ۱۹۶۰ء کو بیمار ہوئے اور اسی حالت میں انتقال ہوا۔ تونسہ میں خانقاہ خواجہ الہ بخش میں دفن کیا گیا۔ (ہما نجا ۲۳۹) آپ کی زینہ اولاد نہیں تھی آپ کے برادر خرد خواجہ خان محمد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کی تصانیف اور علمی کارنامے کم اور روحانی، سماجی اور ملکی خدمات زیادہ ہیں ۲۹ سال تک خانقاہ تونسہ کو زینت بخشی دعوت و ارشاد، فلاح و بہبود اور قومی و ملکی کاموں میں سرگرم عمل رہتے۔

فارسی نثر میں آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب ہوا تھا۔ جس میں ۱۳۷۵-۱۳۷۹ھ تک مجالس میں ہونے والی گفتگو قلم بند کی گئی ہے۔ یہ مجموعہ آپ کے ایک افغان مرید عبدالستار بن حاجی مقرب (قوم خرولی، احمد خیل) نے مرتب کیا جو غزنی (افغانستان) کے قصبہ قرہ باغ (Qarah Bagh) کے رہنے والے تھے یہ صرف پانچ سال کے ملفوظات ہیں۔ جس سال یہ مکمل ہوئے اسی سال خواجہ سدید الدین کا وصال ہو گیا تھا یعنی ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء

اس مجموعہ ملفوظات کا ایک خطی نسخہ ”ملفوظات خواجہ سدید الدین“ کے نام سے کتابخانہ درگاہ تونسہ میں

موجود ہے (فہرست مشترک ۳ / ۲۰۲۸)

ماخذ

- ۱۔ چشتی، افتخار احمد: مناقب المحبوبین تترہ شامل بطور خاتمہ کتاب، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۲۔ رحیم بخش: سوانح خواجہ محمد موسیٰ تونسوی، ملتان ۱۳۸۱ھ
- ۳۔ قصوری، فیض اللہ خان: مقدمہ تونسہ شریف، لاہور ۱۹۲۷ء
- ۴۔ للہی، محمد حسین: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۵۔ منزوی، احمد (مرتب) فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد ۱۳۸۴ھ
- ۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۵۔ دہلی ۱۹۸۴ء

۶ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

سلسلہ فتاویٰ

حضرت شیخ ابواسحق قادری لاہوری

حضرت شیخ ابواسحق لاہوری دسویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ میں سے تھے، پنجاب میں ان سے سلسلہ قادریہ کو فروغ ہوا۔

حضرت شیخ ابواسحق بن حسین قادری کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا اور سادات بخارا میں ان کا خانوادہ معروف تھا (تحقیقات چشتی ۹۴)۔

شیخ ابواسحق قادری سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی (Sher garhi) (ف ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء) کے مرید و خلیفہ تھے (منتخب التواریخ ۳ / ۴۸) موصوف اپنے شیخ کی اتباع میں لاٹانی تھے، شیخ داؤد کرمانی کے خلیفہ شاہ ابوالعالی جب اپنے شیخ سے اجازت لے کر عازم لاہور ہوئے تو شیخ ابواسحق نے بھی جو کہ شاہ ابوالعالی سے خصوصی محبت و یگانگت رکھتے تھے لاہور جانے کی اجازت لی (ہما نجا ۳ / ۴۸-۴۹) لاہور میں شیخ ابواسحق کے ایک ہم قوم پیر عزیز مہزنگ (بعد میں مہزنگ مشہور ہوا) رہتے تھے انہی کے پاس آپ نے قیام کیا (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۳۲-۱۳۳) یہیں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، صدہا اصحاب نے ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی (حدیقۃ الاولیاء ۳۸) ان کی خانقاہ تعلیم و تعلم میں شہرت کے باعث مدرسہ اسحاقیہ کہلاتی تھی (رضالا بیری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶) درس و تدریس کے ساتھ دعوت و ارشاد کا مشغلہ بھی خوب تھا، صدہا افراد ان سے بیعت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۳۳) اہل لاہور ان کے کشف و مشاہدہ پر اعتقاد رکھتے تھے (طبقات اکبری ۲ / ۴۷۶)۔

شیخ ابواسحق لاہوری کا قیام لاہور کے مضافاتی محلہ پیر عزیز مہزنگ میں تھا وہیں درس و تدریس کے لیے مدرسہ اور خانقاہ بنائی تھی، وہیں ۹۷۳ھ / ۱۵۶۶ء میں وصال ہوا (ناطقہ، ترقیہ کاتب ورق ۱۰۸) وفات کے بعد اسی محلہ مہزنگ (Mazang) میں دفن ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۳۳، تاریخ لاہور ۲۸۶، تحقیقات چشتی ۹۵) لیکن

مقامی تذکرہ نویسوں نے ان کا سال وفات ۹۵۸ھ لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۳۳، حدیقۃ الاولیاء ۳۸، تاریخ لاہور ۲۸۶)، جب کہ شیخ ابوالفتح کا ایک رسالہ سلوک ناطقہ کے نام سے رضا لا بیرری رام پور میں ہے جس کا کاتب مولف کا عقیدت مند ہے اس میں مذکورہ بالا سال وفات ۹۷۴ھ درج ہے، یہی سنہ رسالہ کا سال کتابت بھی ہے (رضا لا بیرری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶) یہی سنہ معاصر اور صحیح تصور کیا جانا چاہیے جب کہ مقامی تذکرہ نویس اس سے بہت متاخر ہیں۔ البتہ عبدالصمد نے ان کا سال وفات ۹۸۴ھ درج کیا ہے (اخبار الاصفیاء، برگ ۲۰۱ ب) جو مذکورہ ترقیم کے مقابلہ میں اہمیت نہیں رکھتا۔

(رسالہ) ناطقہ:

شیخ ابوالفتح قادری کا ایک رسالہ در علم سلوک معروف بہ ناطقہ کا ایک خطی نسخہ رضا لا بیرری، رام پور میں ہے (نمبر فارسی ۹۱۸ سلوک) جس کا سال کتابت ۹۷۴ھ ہے اور یہی مولف کا سال وفات بھی ہے اس کے ترقیم میں بتایا گیا ہے۔

علم تصوف کا یہ رسالہ ۲۲۔ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو نطق کا نام دیا گیا ہے:

۱: توبہ ۲: خوف ۳: رجا ۴: دنیا ۵: فقر و نامرادی، ۶: طلب طالب و شوق غالب ۷: گرسنگی ۸:

بیداری شب ۹: خاموشی و فوائد ۱۰: خلوت ۱۱: نوم ۱۲: ضرورت مرشد ۱۳: پیر بمرزہ طبیب

۱۴: عشق ۱۵: سامع ۱۶: مشاہدہ ۱۷: رویت ۱۸: نور ۱۹: نفس ۲۰: روح ۲۱: معرفت

۲۲: توحید۔

ان ابواب میں مولف نے تصوف کی علمی و عملی ریاضات، اخلاق و آداب، احوال و مقامات سلوک سے متعلق ضروری باتوں کا احاطہ کیا ہے، کئی مقامات پر اپنے اور دیگر شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، گویا مولف شاعر بھی تھے، لمعات، کیمیائے سعادت، مجموعہ مجالس، رسالہ مکیہ، نزہۃ الارواح تفسیر مدارک، تفسیر زاہدی، مقصد اقصیٰ، عوارف المعارف اور لواحق جامی وغیرہ کے حوالے بھی ملتے ہیں، اس رسالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولف خود سماع نہیں سنتے تھے لیکن وہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ (رضا لا بیرری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶-۲۵۷)۔

تمام مذکورہ تذکرہ نویس شیخ ابواسحق لاہوری کے اس رسالے کے وجود سے بے خبر تھے، شیخ ابواسحق قادری لاہوری اپنے مرشد شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھی سے اجازت لے کر شیرگڑھ (Sher garh) سے لاہور آگئے تھے (منتخب التواریخ ۳۸/۳) لاہور میں ان کے ایک اہم قوم پیر شیخ عزیز مزنگ (مہزنگ) پہلے ہی مقیم تھے جن کے پاس آکر شیخ ابواسحق نے قیام کیا (خزینۃ الاصفیاء /) یہ علاقہ انہی کا آباد کیا ہوا انہی کے نام سے محلہ پیر عزیز مہزنگ (مزنگ) سے مشہور ہوا جو اس وقت (دسویں صدی ہجری) لاہور کی حدود سے باہر ایک موضع کی حیثیت رکھتا تھا (تحقیقات چشتی ۹۵) شیخ ابواسحق نے یہاں بجانب مشرق ایک حویلی تعمیر کروائی اور عرصہ تک یہاں قیام کیا جس کی وجہ سے اس محلے کا نام محلہ شاہ ابواسحق مہزنگ (مزنگ) کہلاتا تھا (ماثر لاہور از فوق ۱۹۶، ۲۲۲) وفات کے بعد شیخ ابواسحق اپنے اسی محلے میں دفن ہوئے ان کی آرام گاہ اس وقت ٹمپل روڈ (Temple Road) مزنگ (Mazang) لاہور پر واقع ہے، مزار کے قریب سکھوں کا گردوارہ چھٹی بادشاہی (Chhatti Badishahi) بھی ہے۔

مقبرہ کی ساخت چہار گوشہ ہے۔ رنگ سفید ہے، آمدورفت کے لیے جنوبی طرف کا دروازہ استعمال ہوتا ہے، مزار دو سیڑھیاں چڑھ کر چوترے پر واقع ہے، مزار کے اندر قبر کے گرد لکڑی کا ایک جالی دار چارنٹ اونچا چوکھٹا بھی تھا مزار کے اوپر گنبد بھی ہے چھت سے فرش تک چاروں طرف چوڑے پر سورۃ الملک بخط منوط تحریر ہے آرام گاہ کے اندر گج کا کام منوطی (Raised Aabic characters) ہے جو نہایت مہارت اور نفاست سے کیا گیا ہے، مزار کے ساتھ ساڑھے سات۔ بیگھ (تین ہزار پچیس گز مربع زمین ایک۔ بیگھ ہوتی ہے) زمین وقف تھی جس پر کاشت کاری ہوتی تھی اور اس کی آمدنی مجاوروں کے تصرف میں تھی (تحقیقات چشتی ۹۳-۹۵) شیخ ابواسحق کا یہ مزار ان کے ایک مرید عبداللہ بن عبدالقادر نے بنوایا تھا جو لکھنؤ کا رہنے والا ایک تاجر تھا (ہما نجا ۹۵) شاہ ابواسحق قادری کا وصال ۹۷۴ھ / ۱۵۶۷ء کو ہوا (ترقیمہ رسالہ ناطقہ خطی) گویا یہ مزار اکبر بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوا۔

مزار پر قدیم ترین کتبہ ۱۸۹۲ء تک موجود تھا جسے سید محمد لطیف نے اس طرح پڑھا تھا:

حضرت شیخ شاہ ابو اسحق	بود چوں از خدا خدا طلبش
سوی حق رفت از سر تحقیق	کہ ہمیں وعدہ بود از از لش
جست تاریخ فوت او برہان	یافت سلطان عارفان لقبش

اس کتبے کے ایک کونے میں سنہ ۹۵۸ھ تحریر ہے (Lahore, its History... p.197) گو یہ سنہ غلط ہے ۱۸۶۳ء میں مولوی نور احمد چشتی یہ کتبہ پورا نہیں پڑھ سکے تھے اور اس کا نقطہ پہلا شعر ہی ان سے پڑھا گیا تھا (تحقیقات چشتی ۹۳-۹۵) ۱۸۹۲ء تک مزار سے ملحق بطرف مغرب ایک بڑی مسجد بھی تھی (Lahore, p.197) تاریخ لاہور ۲۸۶)

قیاس ہے کہ اسی مسجد میں شیخ ابوالحسن کا مدرسہ بھی ہو گا، جس کی بہت شہرت تھی اسے مدرسہ اسحاقیہ کہا جاتا تھا (رضالا بحری کے دواہم مخطوطات۔۔۔ ص ۲۵۶)

اس مسجد کی پشت پر شیخ ابوالحسن کے تین فرزندوں محمد حسین، ملک حسین اور یار حسین کا مقبرہ بھی ہے، یہ مزار اس خانوادے کے مریدین نے بنوایا تھا اس کے اندر آیات قرآنی بہت مہارت سے کتابت و کندہ کی گئی تھیں۔ اس مزار کے حدود میں بہت سی دیگر قبور بھی تھیں (تاریخ لاہور ۲۸۶، تحقیقات چشتی ۹۳-۹۵) یہاں برطانوی عہد میں ایک سرکاری مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا تھا جس میں میاں فرید الدین سرکاری معلم تھے (تحقیقات چشتی ۹۵) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ برطانوی عہد تک یہ عظیم الشان درس گاہ ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ ایک خام مدرسہ بنایا گیا تھا۔

مزار کی یہ کیفیت ۱۸۶۳ء، ۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۲ء تک کی ہے قیام پاکستان سے پہلے ہی ۱۹۴۴ء تک اس کی صورت بالکل بدل گئی تھی نہ وہاں بزرگوں کی بہت سی قبور تھیں نہ مزار و مسجد کی وہ وسعت بلکہ آرام گاہ کے دروازے سے متصل صرف تین قبریں باقی رہ گئی تھیں اور نہ ہی اس سے ملحقہ ساڑھے سات بیگمے زمین باقی تھی (ماثر لاہور از فوق ۲۳-۲۲) بلکہ اس وقت آرام گاہ کے گرد رہائشی مکانات اور مارکیٹ بن چکی ہے صرف آرام گاہ شاہ ابوالحسن اور مختصر سی مسجد باقی ہے۔

مآخذ

۱۔ ابو المعالی لاہوری: ہشت محفل (ملفوظات شاہ ابوالعالی) جامع محمد باقر مرتبہ ظہور الدین احمد، لاہور ۱۹۸۰ء

۲۔ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، کلکتہ، ایشیائک سوسائٹی ۱۸۶۹ء

- ۳۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء۔ لکھنؤ ۱۸۷۸ء
- ۴۔ شفاء، حکیم محمد حسین خان: رضا لاہوری رام پور میں تصوف کے دو اہم مخطوطات۔ مقالہ مشمول تصوف برصغیر میں۔ پٹنہ، خدا بخش لاہوری ۱۹۹۲ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴۔ حیدر آباد۔ دکن ۱۹۵۴ء
- ۶۔ عبدالصمد: اخبار الاصفیاء خطی نسخہ مخزونہ انڈیا آفس لاہوری، لندن نمبر 641 per. Ethe
- ۷۔ عبدالباقی: مقامات داؤدی خطی نسخہ مملوکہ: پیر عبد اللہ جان، پشاور
- ۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاعصیاء۔ لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۹۔ غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی۔ لاہور ۱۹۷۶ء
- ۱۰۔ فوق، محمد دین: مآثر لاہور، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، فروری ۱۹۶۲ء
- ۱۱۔ کنہیا لال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء
- ۱۲۔ محمد اسلم: حضرت شاہ ابوالفتح قادری کی ایک نادر تصنیف مقالہ مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور (شمارہ ۲۳۸-۲۳۹، ۱۹۸۲ء)
- ۱۳۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۱ء
- ۱۴۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، طبع پیسہ اخبار۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ۔ تہران

شاہ حسین لاہوری

پنجاب کے نامور ولی اور پنجابی کے معروف شاعر ۹۳۵ھ / ۱۵۳۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۲۷)۔ ان کے خاندان کے ایک فرد کلہسرایے فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) میں مسلمان ہوئے، شاہ حسین کے والد عثمان ڈھڈہ کے عرف سے مشہور تھے (عبداللہ خوئیگی قصوری: معارج الولايت، قلمی ورق ۵۱۹۔ الف۔ ۹۵۵ھ / ۱۵۳۸ء میں بعمر دس سال شاہ حسین، حافظ ابو بکر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۲۷) اسی سال شیخ بہلول (م ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء) سے بیعت ہوئے، مروجہ علوم کی تحصیل کے لیے وہ شیخ سعد اللہ (م ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لاہوری کی خدمت میں پہنچے (ایضاً ۵۷) شاہ حسین ملائیتہ طریقہ سے تعلق رکھتے تھے، داراشکوہ نے انہیں اہل ملامت کا استاد لکھا ہے (داراشکوہ: حسانات العارفین اردو ترجمہ، ص ۳۶)۔ شاہ حسین ابتدائی چھبیس (۲۶) برس کی عمر تک قبیح شرع صوفی تھے (نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، ص ۳۹)، اپنے استاد شیخ سعد اللہ سے تفسیر پڑھ رہے تھے کہ جب استاد نے آیت وما الحیوة الدنیا الا لعب ولہو (۶: ۳۲) کے معنی بیان کیے تو شاہ حسین سمجھے کہ دنیا محض لعب ولہو کا نام ہے، استاد سے کہا کہ مجھے حال درکار ہے، قال نہیں اس کے بعد انہوں نے ملائیتہ طریقہ اختیار کیا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۵۷-۶۳)۔ خیال ہے کہ شاہ حسین اپنے استاد شیخ سعد اللہ کے نظریات سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے، جو ملائیتہ طریقہ رکھتے تھے۔ معاصر مؤرخ نظام الدین احمد نے ان کے بارے میں لکھا ہے ”بروش ملائیتہ سلوک می نمود“ (طبقات اکبری، ص ۳۹۱) ان کے مرشد شیخ بہلول کو علم ہوا تو وہ اپنے شہر سے محض شاہ حسین کو تنبیہ کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے۔ (حقیقت الفقراء، ص ۶۵)

اب شاہ حسین آلاتِ موسیقی کے ساتھ بازاروں میں نظر آنے لگے، شیخ الاسلام عبداللہ سلطانپوری نے انہیں اس حالت میں سزا دینی چاہی لیکن ان کے دلائل سے متاثر ہو کر انہیں چھوڑ دیا (داراشکوہ: حسانات العارفین، ص ۴۶)۔

بعض ذی علم حضرات شاہ حسین سے ملتے رہتے تھے۔ چنانچہ شیخ طیب سرہندی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی زبانی داراشکوہ نے شاہ حسین کی آزاد مشربی کے اقوال نقل کیے ہیں (داراشکوہ: حسانات العارفین، ص ۴۷)۔ عبدالرحیم خان خانان تنخیر ٹھٹھہ کے لیے روانہ ہونے سے پیشتر دعا کے لیے شاہ حسین کی خدمت میں آیا تھا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۱۲۳ تا ۱۲۷)۔ ان کے علاوہ ملا اسماعیل عرب صدر مدرس مدرسہ ہمایونی دہلی کا نام بھی ملتا ہے۔

شاہ حسین کے سولہ خلفاء مشہور ہیں، ان میں سے چار کا خطاب ”غریب“، چار کا ”دیوان“، چار کا ”خاکی“ اور چار کا ”بلاول“ تھا۔ دیوانوں میں پہلے دیوان ان کے محبوب مرید و جانشین میاں مادھو تھے جو برہمن زاد تھے، لیکن ان کے زیر اثر پرورش پانے کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا تھا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۸۲)۔ مادھو نے ۲۲ ذی الحج ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں انتقال کیا (ایضاً ص ۱۶۵)۔ شاہ حسین کو مادھو سے بہت انس تھا، مرشد اور مرید کی محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج عوام الناس ان کا اصل نام تک بھول گئے اور وہ شاہ حسین کی بجائے مادھو لال حسین کے عرف سے مشہور ہوئے۔

شاہ حسین کی آزاد مشربی کی داستانیں ایک غیر محتاط مصنف پیر محمد کی کتاب حقیقت الفقراء کے ذریعہ عام ہوئیں، اس کے مطالعہ سے شاہ حسین ایک غیر مشروع مجدد نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کے تین دور تھے، طالب علمی کا زمانہ، غیر مشروع، اس سے توبہ کر کے دوبارہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی (عبداللہ خویشی قصوری: معارج الولايت، قلمی ورق۔ ۵۱۹ ب)۔ اسی مصنف نے غایت درجہ پابند شریعت بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) کا شاہ حسین کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ اگر علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اکثر شیخ حسین کے مزار پر جا کر استمداد کرتا (اخبار الاولیاء قلمی ورق ۱۵۴ ب)۔ یہ قول اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہ حسین ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور ان کی ولایت سلسلہ تھی، شاہ حسین کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ اکثر مقامی تذکروں میں ان کا

سال وفات ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء لکھا ہے، حقیقت الفقراء کے چند سال بعد مفتاح العارفین تالیف ہوئی جس میں ان کا سال وفات ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۳ء درج کیا گیا ہے (عبد الفتاح: مفتاح العارفین، قلمی ورق ۲۲۹-۱)، لیکن معاصر مؤرخ عبد القادر بدایونی نے وضاحت کی ہے کہ نجات الرشید کی تصنیف ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء کے دوران مجھے لاہور میں معلوم ہوا کہ شاہ حسین نغمہ سے بے خود ہو کر مکان کی چھت سے گرے اور فوت ہو گئے (نجات الرشید، ص ۳۲۰)۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ حسین حدود ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں فوت ہوئے۔

ابتداء میں شاہ حسین کا مزار شاہدرہ میں بنایا گیا، مگر جب دریائے راوی نے اپنا رخ بدلاتو ان کا تابوت وہاں سے نکلوا کر موجودہ باغبانپورہ لاہور میں دفن کیا گیا (پیر محمد، حقیقت الفقراء، ۱۶۱-۱۶۲)، سالانہ عرس مارچ کے آخری ہفتہ میں ہوتا ہے۔

پنجابی کافیوں کے علاوہ شاہ حسین کا ایک فارسی میں نثری رسالہ تہنیت بھی دریافت ہو چکا ہے، اس میں انہوں نے تصوف کے مسائل سہل طریقہ سے پیش کیے ہیں، راقم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ اس کا مکمل متن مجلہ معارف، اعظم گڑھ اگست ۱۹۷۰ء اور رسالہ صحیفہ لاہور جولائی ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ماخذ

- ۱۔ شاہ حسین: صحیح تے مکمل کافیاں شاہ حسین، مرتبہ چودھری محمد افضل، لاہور ۱۹۶۷ء
- ۲۔ وہی مصنف: تہنیت، مرتبہ محمد اقبال مجددی، رسالہ صحیفہ لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء
- ۳۔ عبد القادر بدایونی: نجات الرشید، ۹۹۹ھ مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق، لاہور ۱۹۷۲ء
- ۴۔ وہی مصنف: منتخب التواریخ، لکھنؤ ۱۸۶۸ء
- ۵۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری، لکھنؤ، ۱۸۸۵ء
- ۶۔ داراشکوہ: حسانات العارفین، ۱۰۶۲ھ، قلمی مخزنہ، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۵ P iv اردو ترجمہ محمد عمر خان، لاہور سال طباعت ندارد
- ۷۔ محمد صالح کنہوہ: عمل صالح، جلد دوم، لاہور ۱۹۶۷ء
- ۸۔ پیر محمد: حقیقت الفقراء، ۱۰۷۱ھ، لاہور ۱۹۶۵ء، اردو ترجمہ از سعید احمد، لاہور ۱۹۲۳ء
- ۹۔ عبد الفتاح بدخشی: مفتاح العارفین، ۱۰۷۸ھ، قلمی ذخیرہ شیرانی، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر

۱۶۱۳ / ۳۲۶۳

- ۱۰۔ عبد اللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء، ۱۰۷۷ھ قلمی مملوکہ مولانا سید محمد طیب شاہ ہمدانی، قصور
- ۱۱۔ وہی مصنف: معارج الولاہیت ۱۰۹۶ھ، قلمی ذخیرہ آذر، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر H ۲۵
- ۱۲۔ وڈیرہ، گنیش داس: چارباغ پنجاب، مرتبہ کرپال سنگھ، امرتسر ۱۹۶۵ء
- ۱۳۔ علی الدین، مفتی، لاہوری: عبرت نامہ، لاہور، ۱۹۶۱ء
- ۱۴۔ تاج الدین، مفتی: تاریخ پنجاب، مرتبہ محمد شفیع لاہوری، اورینٹل کالج میگزین نومبر، ۱۹۴۳ء
- ۱۵۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۶۔ وہی مصنف، حدیقۃ الاولیاء، لاہور، المعارف ۲۰۰۰ء
- ۱۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، پیسہ اخبار ایڈیشن
- ۱۸۔ کنھیالال، تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء
- ۱۹۔ سوہن لال سوری: عمدۃ التواریخ، دفتر دوم، لاہور ۱۸۸۸ء
- ۲۰۔ قدرت اللہ ابن عبد اللہ مہرکن: یادداشت عرس بزرگان لاہور، اورینٹل کالج میگزین ضمیمہ، فروری ۱۹۴۷ء
- ۲۱۔ فوق، محمد دین: شالامار باغ لاہور کی سیر، لاہور ۱۹۳۰ء
- ۲۲۔ دیوانہ، موہن سنگھ: حالات و کافیاں شاہ حسین، لاہور ۱۹۴۳ء
- ۲۳۔ پنجابی ادب، شاہ حسین نمبر، مجلس شاہ حسین، اپریل ۱۹۷۲ء
- ۲۴۔ شریف سنجابی: مثنوی گلزارِ محبت، مجلہ فنون لاہور، ستمبر و اکتوبر، ۱۹۷۳ء
- ۲۵۔ محمد لطیف، سید: Lahore، لاہور، ۱۸۹۸ء
- ۲۶۔ لاجوئی رام کرشن: Punjabi Sufi Poets، آدکس فورڈ ۱۹۳۸ء
- ۲۷۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگان لاہور، لاہور ۱۹۶۶ء
- ۲۸۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، لاہور

۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

شاہ حسین لاہوری کا رسالہ ”تہنیت“

شاہ حسین بن شیخ عثمان لاہوری ۹۳۵ھ لاہور میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ”صبح صادق براوج فقر“ سے برآمد ہوتا ہے۔

دس سال کی عمر میں شیخ ابابکر ”حافظ لاہور“ کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کے لیے گئے۔

بود کو چھ سین آں بنجام ، عمر وہ سال داشت آن ایام
بود بو بکر حافظ استادش کہ ز قرآن سبق ہی دادش
نویا ۹۵۵ھ (سال پیدائش ۹۳۵ + ۱۰ سال عمر) میں قرآن کریم پڑھا اور ۹۵۵ھ ہی میں شیخ بہلول
سے بیعت ہوئے۔ شاہ حسین کے والد شیخ عثمان پنجاب میں ”ڈھڈہ“ کے عرف نام سے معروف تھے۔
صبح الولايت میں ہے:

”در عرف ڈھڈہ بود و ڈھڈہ صنفی از جولہا ہکان است“

حقیقت الفقراء کا مصنف ایک غالی وحدت الوجوہی تھا، اس نے ”جولہا“ کو ”الہ“ بنانے کی ناکام
کوشش کی ہے۔

محمد زور: حقیقت الفقراء، قلمی درجہ ۲۰، طبع لاہور، شریعتی کتب خانہ دالہ محمد پنجاب لاہور

صبح بہلول در پائی حوالی ۱۳۸۷ھ

محمدی مجدد غریب قسری: مدارج الاولیاء، قلمی درجہ ۱۹، لاہور، شریعتی کتب خانہ دالہ محمد پنجاب لاہور

محمد زور: حقیقت الفقراء، قلمی درجہ ۲۰، طبع لاہور

شاہ حسین کی رند مشربی کے قصبے تمام تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کیے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ حسین نے آخر عمر میں خلاف شرع

اس قول سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ ۱۰۴۰ھ (سال وفات حضرت شیخ محمد طاہر لاہوریؒ) سے قبل شاہ حسین کی رند مشربی کے قصبے عام

تھے۔

۲۔ غایت درجہ پابند شریعت نقش بندی مجددی عالم و صوفی شیخ محمد طاہرؒ کا اظہار ارادت ہمارے اس خیال کو مزید تقویت دی رہا ہے کہ شاہ حسین نے آخری عمر میں غیر مشروعہ افعال سے توبہ کر لی تھی۔

۳۔ شیخ محمد طاہر لاہوریؒ کی مزار شاہ حسین پر حاضری اور استمداد کی آرزو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہ حسین ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور ان کی ولایت مسلمہ تھی۔

معارض الولولایت (تالیف ۱۰۹۶ھ):

معارض الولولایت عبد اللہ خویشی قسوری کی تصنیف ہے۔ شاہ حسین کے بارے میں اسی مصنف کا ایک قول ہم اخبار الاولیاء کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں، معارج میں اس نے شاہ حسین کے بارے میں ایک اور اہم بات یہ کہی ہے کہ شاہ حسین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں تمام ”امور نامشروعہ“ سے توبہ کر لی تھی نیز شاہ حسین کا شمار سہروردی سلسلے کے صوفیہ میں کیا ہے۔

مفتاح العارفین (حدود ۱۰۷۸ھ):

مفتاح العارفین، عبد الفتاح بن محمد نعمان بدخشی مرید حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی تالیف ہے۔ اس کے مصنف نے بھی شاہ حسین سے منسوب مذکورہ حکایات پر اکتفا کیا ہے لیکن شاہ حسین اور مادحو کے معاشرے کی داستان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۔ محدث غریبی قسوری: معارج الولولایت، قلمی مدنی ۱۹۹۷ھ۔

۲۔ مفتاح العارفین کے مصلح نقاد کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مقالہ ”لاہور کے چند غیر معروف صوفیہ“ مشورۃ المصنف، لاہور، اپریل ۱۹۷۰ء۔

خزینۃ الاصفیاء (۱۲۸۱ھ):

اس کتاب کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری کا بھی حقیقت الفقراء ہی ماخذ ہے۔ ہاں شاہ حسین کے شیوخ شاہ لطیف بری اور شیخ بہلول دریائی کے متعلق لکھا ہے:

”صاحب معارج الولاہیت شیخ بہلول و شاہ لطیف را از مشائخ سہروردیہ شمار نموده است۔“

مگر ان دونوں بزرگوں کا ترجمہ معارج الولاہیت کے پیش نظر خطی نسخے میں نہیں ہے، دیگر متاخر مورخین لاہور نے بھی حقیقت الفقراء میں مندرج حکایات کے اعادہ اور نقل پر اکتفا کیا ہے۔

شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک صرف کافیاں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور مفتاح العارفین کے مصنف نے ان کافیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔^۱

کافیوں کے قدیم و جدید ایڈیشن بھی تحریف سے خالی نہیں ہیں۔

خوش قسمی سے شاہ حسین کا ایک تصوف کا رسالہ ”تہنیت“ دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ تصوف کے عمومی مسائل سے متعلق ہے اور سات فصول پر مشتمل ہے۔

رسالہ ”تہنیت“ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین واقعی حافظ قرآن، ذی علم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے، تذکرہ نویسوں نے جن فوضی حکایات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے، وہ محض تذکرہ نگاروں کی ذہنی اختراع ہیں۔

رسالہ تہنیت کا مکمل فارسی متن محققین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کے اب تک صرف دو خطی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔

۱۔ خطی نسخہ مخزون کتب خانہ پیر حیاتیان والا نوشاہی، رسول نگر، سال کتابت ندارد قدیم الخط۔

۱۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص ۳۶۱۔

۲۔ صاحب مطلع العارفین نے شاہ حسین کے یہ اہل حق شاہان خطی نقل کیے ہیں۔

مخلص، سید قیسی، مکتبہ مسلمانہ، کراچی، ص ۱۰۰۔ سائر طاقن کماکان چاکہ در زبان ہندی میکت شعر۔

(تقریباً ۱۰۰۰ سال قبل از ہجرت) (تقریباً ۱۰۰۰ سال قبل از ہجرت) (۱۱۰۰ سال قبل از ہجرت)

۲۔ دوسرا خطی نسخہ مملوکہ مولانا سید شرافت نوشاہی مدظلہ، ساکن ساہن پال، گجرات، مکتوبہ ۱۳۴۷ھ بخط مولانا شرافت صفحات ۵ سطور فی صفحہ ۲۲۔ یہ نسخہ مذکورہ خطی نسخہ رسول نگر کی نقل ہے۔
اس رسالے کے حواشی میں آیات مبارکہ کا استخراج ایک خط عرضی کے ذریعہ کیا گیا ہے یعنی خط کے اوپر سورۃ کا نمبر اور نیچے آیت نمبر (سورۃ نمبر / آیت نمبر)۔

رسالہ تہنیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالہدی والصلوۃ علی محمد بن المجتبیٰ و علی آلہ کہ در شان ایشان ”قل لا اسئالکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی“ رسیدہ و اصحابہ کہ ”تخلقوا باخلاق اللہ“ بکمال رسیدہ (و) ورزیدہ و سائر تابعین اجمعین بعد آن میگوید۔ حسین لاہوری کہ بخاطر رسید کہ چند فواید در ہفت فصل جمع کنیم تا دوستان خدا برنگ سہولت مطالعہ فرمایند و این را مسیٰ (بہ) ”تہنیۃ“ کردم تا ہمہ کس را مبارک گردد۔

فصل اول در ترک اقربا و دوستی ایشان:

بدانکہ طالب را باید کہ از اقرباء خود تارک باشد بریں معنی کہ اگر ایشان غیر از محبت و وداد مبتلا سازند و تلقین ترک نمایند و باعث بغیریت باشند و آغشته بہ نجاست غیر سازند و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل پس ازیں سبب اور را لازم ست کہ از انباز خود ترک گیرد و اطاعت ایشان نہ پذیرد۔ قوله تعالیٰ و ان جاهدک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعہما“ و اگر در پیے مزاحمت باشند پس مبتدی را باید کہ ایشان را

مائع آید بلکہ مدعی باشد قوله تعالى اف لكم و لما تعبدون من دون الله الخ و على هذا القياس و غیر ہم و جای دیگر گفته و اذ قال ابراهيم لایبه آزر اتخذ اصناماً الهة انی ارالک و قومک فی ضلال مبین' و اگر ایشان ساعی باشند کہ در مکتب عشق قیام نمایند پس در خدمت ایشان باشد و از اطاعت ابا نیارد قوله تعالى اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئی فردوه الی الله و رسوله ان کنتم تؤمنون بالله و الیوم الآخر ذلک خیر و احسن اتاویلاً' و نیز جائے دیگر گفته قوله تعالى و قضي ربک ألا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً' کہ نتیجہ بیابد و نہال عمر او ثمرہ بر خورداری بارور گردد۔

فصل دوم در طلب مال و ترک آن:

بدانکہ طالب را یکبارگی ترک از مال خوب نیست ازین جهت کہ این رب خود را بنام یا عزیز یاد نموده پس دوستی برو ثواب ست بقدر ما یحتاج اما نہ چندان کہ مبتدی را از راہ باز دارد، و تابستہ گرداند ہمچو مگس و دیگر حوائج بسیار برو مترتب ست و بمنزلہ میانجی ست و ترک بریں صورت گیرد کہ سود و زیان او یکسان دارند قوله تعالى لکیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتکم' و بقدریکہ احتیاج بقوت باشد بہ بازو و حاصل کند قوله تعالى و من رحمته جعل لکم الیل و النهار لتسکنوا فیہ و لبتغوا من فضلہ' و جای دیگر گفته وابتغوا من فضل الله' تا آبروی او لایزال باشد و اگر میسر تواند کرد بسبب ذکر

۱: ۶۷ / ۲۱

۲: ۷۳ / ۶

۳: ۵۹ / ۲

۴: ۷۳ / ۱۷

۵: ۷۳ / ۵۷

۶: ۷۳ / ۲۸

۷: ۷۳ / ۱۰

فقر و فاقہ پیش گیرد و چیزی بطلبد از مردم برنگ استغنا، نہ بالحاح قوله تعالیٰ لا یسئالون الناس الحافاً چون توشہ فقیر برکمریست، پس آن ہادی را طلب چرا کہے این نہی شود واللہ الہادی

فصل سوم در گرفتن ہادی۔

بدانکہ طالب را باید کہ طلب ہادی کند چون در قرآن مذکور است یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ^۱ و جائے دیگر نیز مذکور است فاستلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون^۲ و ہادی یافتہ نہی شود مگر بطلب راسخ پس مبتدی را باید کہ ہیج احدے را ازی خدای یاد بد اعتقاد نباشد دامِ محبت نہد چنانکہ صیاد دام می نہد باشد کہ یک روز بہا بدام افتد:

خورش دہ بکنج شک و کبک و حمام

کہ یکروزت افتد بہائے بدام

و ہر ہر کہ اعتقاد او درست آید ہون را مقتدی سازد چونکہ دل منبع آلہی ست و امکان نیست کہ درو و سوسہ شیطانی راہ یابد چونکہ روش درویش دوستی خداست و رسوم آداب یاد گیرد چنانکہ ہادی خود را بنام نخواند و در خدمت او قیام نماید و خود را بدو قیاس نکند چونکہ او دریاست و ابن حقیر، پس حقیر را بہ دریا چہ و خود را یشد و قیاس نکند چونکہ او دریاست و ابن حقیر، پس حقیر را بہ دریا چہ مناسبت ست جائیکہ دریاست، و ابن حقیر کتب و انواع آداب از رسائل بزرگان چنانکہ مکبہ^۳ و غیرہ مطالعہ کند

۱: ہنا: ۲/۲۵۳

۲: ہنا: ۵/۲۵

۳: ہنا: ۷/۷۱

۴: رسالہ کتب علیہ السلام و مشقی (جلد ۱۰ ص ۱۰۰) کی تصنیف ہے اور مسائل فتاویٰ پر مکتوب رسالہ تسلیم کیا گیا ہے۔ عہد جمہوریہ میں مفت ہندی اور دیگر اہل مشائخ نے اس

رسالے کے ہندی میں ترجمے کیے تھے۔ (مجموعہ ہادی: عہد جمہوریہ میں مفت، ص ۵۹)

و در عمل آرد کہ نتیجہ کلی ست و از بدعیان محبت آن عزیز بگسلانند کہ بکار او خواهد آمد هو الطالب۔

فصل چہارم در بیان فوائد:

بدانکہ اگر طالب مطلوب را یافت کہ او در راہبری سرکارست پس حاجت تقاضا نمائند کہ ازو چیزی پرسد یا در رنگ اعتراض پیش آید چونکہ اینے نصیبی ست چنانکہ قصہ مہتر خضر و موسیٰ علیہ السلام ——— و اگر مطلوب را یافت کہ او بلباس درویشی ملبوس ست و از علم ہدایت عاری اورا ہمیں حجت کافی ست، اگرچہ ارادہ اورا حاصل نخواہد بود تا ودود و اہب العطیہ و الجود بصورت المطلوب فرشتہ پیدا کند از محبت او تاہم اور راہبری کند و اگر این طالب فنون راہ و روش بزرگان از کتب مطالعہ کند و یا از کسی آموزد مطلوب را منع نکند و ازین جهت برسم و راہ حوالہ شود کہ جمع غیر تفرقہ قرار نگیرد کہ مقصود رخت بمنزل رسانیدن ست و هو البلیغ

فصل پنجم

بدانکہ مرشد طالب را باطوار و افعال او ملاحظہ نمایند و جامہ دل آن را از نجاست غریت پاک سازد چنانکہ اگر کافر باشد او را شریعت و قواعد اسلام آموزد و اگر فاسق باشد بآب تعریہ مطہر کند از دوازدہ کبائر باز آرد اکتفا بگریہ تملق و تخلق او نکند چنانکہ آورده اند کثرة التواضع علامۃ النفاق و از جهت او معلوم نکند و چون لطیفہ حاصل آید یکایک آن طالب را شاغل بدکر جلی بکند نخستین از جام محبت محبان خاص جرعہ بخشانند کہ منظور گردد، چون او بخدمت پسندیدہ شود اورا بکلمہ طیب مشغول سازد قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ تا آئینہ او انجلا

گردد و قرار گیرد قوله تعالى الا بذکر الله تطمئن القلوب' و بعد ازان اشارت بخفی کند
نتیجہ فاذ کرونی اذ کر کم' با و متا وصل گردد و شورش عشق در جان او شعلہ گیرد
تعالیٰ یحبهم و یحبونه' کہ از آتش سوزان استخوان او چون پیزم و دل پر آب کباب شو
گاه کہ طالب این منزل طی کرد و لوح عشق در مکتب محبت قیام نماید و هو المحب
فصل ششم و ہفتم:

وجود انسان بطریق زمین صالح ست و عشق مانند تخم درخت میوہ دار
چون آن تخم در زمین رستہ گردد و بآب محبت پرورش یابد و مواد محبت پیدا
آخر الامر آن تخم درخت میوہ دار بارور گردد و آن سه مراتب ست: مرتبہ اول آخر
منشا و نیت ست کہ الا اعمال بالنیات و منشائیت خطرہ و سوسہ و اصل ہر شے و سوسہ
و چون شے موسوس قرار گیرد و خطرہ گردد چون قرار گیرد نیت حاصل آید چون
ترقی در خطرہ کند آخات آید و آخات آنست کہ ہر یک را برادر شفیق داند اندر دیر
انما المؤمنون اخوة' و نیز مذکور ست فاخلواکم فی الدین' و رنج و راحت او بر خود
داند و در وقت حاجت حاجت او را بر حاجت خود مقدم دارد و لباس دوستی دوست
محبوب را پوشیدہ در محبت قیام نماید و مرتبہ محبت آنست کہ محبوب را بہتعلق
دوست دارد و شیوہ و داد ایشان بجای آرد کہ کلب الحبیب حبیب مصرعہ:
ہوا خواہان کویں را چو جان خویشان دارم

تا آنکہ غربت بہمنان او بگردد بعد ازان خلت حاصل آید و خلت آنست کہ دیگرے را جز دوست در دل جاندد چنانکہ فرمودہ اند لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابابکراً خلیلاً و لکنہ اخى و صاحبى و قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلاً و چون عقدہ یگانگو راسخ گشت و وصول یافت بعدہ باید دانست کہ ہر کہ در رباط دنیا بہ زاویہ خیال پانہادہ ہر یک را ندائی عشق شامل گشتہ پس احدی از خلل عشق خالی نیست ہر کہ باشد عارف آخر الامر بچیزیکہ خلت داشتہ باشد بہمون شیء محو گردد چنانکہ (شیخ) فرمودہ اند الناس علی دین خلیلہ حکایت نیز گفتہ و در سكرات موت وصیت کرد کہ بعد از وفات در کوزہ دنائیر در قبر من دفن کنند چون زر بسیار بود و صیتش بجاء آوردند پس از چند مدت پسران او مفلس شدند خواستند کہ آن مبلغ را از قبرش بر آرند رفتہ قبرش را کافتند و آن مال پدر را ندیدند حیران بودند چہ بینند کہ بہہ دینار ہا تئیل ملک ماہی بوجود او چسپیدہ، خواستند کہ از وجودش جدا سازند چنانکہ سعی بلیغ نمودند جد نشد از بس حرص چنان مصلحت دیدند کہ آن شخص را بسوزند و زر او را از و حاصل کنند۔ چون سوختند ملاحظہ نمودند کہ تمام زر گشتہ بہہ را متصرف شدند، او چور بہمون ذات بود رخت بہان ذات شد۔ بعد ازان جانب من سعی نماید بدانکہ من عبارت از آنست کہ از ازل تا بہ ابد خبر نداشتہ باشد بہر نامی کہ منسوب کنند نامیدہ شود، و گنا این سر معلوم نہ خواہی کرد مگر وقتیکہ مردود باشی یا مستغرق یا بہمین معاملہ مخلوق یا محدوث واللہ اعلم بالصواب۔

باتمام رسید نسخہ متبر کہ رسالہ تہنیت مصنفہ قدوة الواصلین حضرت شیخ حسین قادری لاہوری بدستخط فقیر شریف احمد عفی عنہ قادری نوشاہی متوطن

ساہنپال شریف ضلع گجرات بتاریخ بیست و ہفتم شعبان المبارک ۱۳۷۴ یک ہزار و سہ صد و چھل و ہفت ہجری المقدس۔

ماخذ

مخطوطات فارسی:

- ۱: محمد پیر: حقیقت الفقراء ۱۰۷۱ھ، ذخیرہ شیرانی، مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور
- ۲: عبدی عبد اللہ خویلی قسوری: اخبار الاولیاء ۱۰۷۷ھ، مکتوبہ ۱۱۱۳ھ، مملوکہ مولانا سید محمد طیب شاہ ہدائی، قصور
- ۳: عبدی: معارج الولایت ۱۰۹۶ھ، مکتوبہ ۱۱۱۱ھ، ذخیرہ آذر، مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر 25 H
- ۴: عبد الفتاح بن محمد نعمان بدخشی: مفتاح العارفین ۱۰۹۶ھ مکتوبہ، ۱۳۰۱ھ، ذخیرہ شیرانی، مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔
- ۵: شاہ حسین لاہوری: تہنیت (۱) مخزنہ کتب خانہ پیر حیاتیاں والا نوشاہی، رسولنگر، پنجاب، پاکستان سال کتابت ندارد، قدیم الخط (۲) مملوکہ مولانا سید شرافت نوشاہی، ساکن ساہن پال، گجرات، بخط مولانا شرافت۔

مطبوعات:

- ۶: محمد پیر: حقیقت الفقراء (فارسی)، مطبوعہ مجلس شاہ حسین، لاہور
- ۷: غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء (فارسی) مطبوعہ مطبع شرمہند، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۸: محمد اقبال مجددی (راقم الحروف): احوال و آثار عبد اللہ خویلی قسوری، مطبوعہ محمد شمس الدین، تاجر کتب، زیر مسلم مسجد، چوک انارکلی، لاہور ۱۹۷۲ء
- ۹: دارالکھوہ: حسانات العارفین اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور۔ (س۔ن)
- ۱۰: کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۳ء

۱۱: عبدالقادر بدایونی: نجات الرشید، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۳۲۰

مجلس شاہ حسین، لاہور نے کافیاں شاہ حسین کے ساتھ بطور ضمیمہ یہ مرتبہ رسالہ تہنیت طبع کر دیا ہے، لیکن چونکہ ہمارے مقدمہ سے اسلام کی حمایت ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے اسے خارج کر دیا، جو علمی دیانت و امانت کے خلاف ہے۔

(صحیفہ، لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء)

شیخ محمد ملتانی ثم بیدری

شیخ محمد ملتانی ثم بیدری عالم اور معروف شیخ طریقت تھے۔ ان کا نام شیخ محمد، ابو الفتح کنیت اور شمس الدین لقب تھا (معدن الجواہر، خطی برگ ۵ الف، مخزن الکرامات ۱۲، معارف القدر ۲ / ۳۱۸)

تذکرہ نویسوں نے انہیں سلطان معز الدین محمد بن سالم ملقب بہ شہاب الدین غوری (۵۶۹-۵۶۲ھ / ۱۱۷۳-۱۲۰۳ء) کی اولاد میں سے بتایا ہے، بدین طور:

مخدوم شیخ محمد بن مخدوم ابراہیم بن شیخ فتح اللہ بن شیخ ابو بکر بن شیخ فخر الدین بن شیخ بدر الدین بن اسپیلار بدر الدین بن اسپیلار فخر الدین بن اسپیلار شاہ مینا بن امیر شاہ الغوری بن سلطان شہاب الدین الغوری الغزنوی الدہلوی (معدن ۳ ب، مخزن ۲۸۹، ۹، معارف القدر ۲ / ۳۱۸)

لیکن اس معاملے میں تذکرہ نویسوں نے تحقیق نہیں کی کیوں کہ سلطان شہاب الدین غوری کی زینہ اولاد تھی ہی نہیں بلکہ صرف ایک دختر تھی (غوریان ۲۳۱) ممکن ہے مخدوم شیخ محمد، سلطان شہاب الدین غوری کی دختر کی اولاد میں سے ہوں۔ مخدوم ابراہیم نے اپنے نسب کے ساتھ اپنی نسبت ”الرابعی الاسماعیلی“ لکھی ہے (معدن ۲ / ۳۱۸، معارف ۲ / ۳۱۸) یعنی ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔۔۔ نسل حضرت اسماعیل علیہ السلام و سید الانبیاء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جمہرۃ انساب العرب ۹-۱۰)

سلطان کی موت کے بعد امیر شاہ غوری پہلے فرد ہیں جو وار و ہندوستان ہوئے اور پھر ملتان آکر آباد ہوئے۔ (مخزن ۲۵۷) ان کی اولاد مدت بعد ملتان سے بیدر گئی ان میں سے شیخ فتح اللہ اپنے فرزند شیخ ابراہیم کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے (ایضاً ۲۵۸)۔

مخدوم شیخ محمد کے والد مخدوم ابراہیم بیدری (ت ۸۶۸ھ / ۱۴۶۳ء) ایک ذی علم بزرگ تھے، انہوں نے معارف العلوم کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی اور سلطان علاء الدین احمد ثانی بہمنی (۸۴۰-۸۶۳ء / ۱۴۳۸-۱۴۵۸ء) کے نام معنون کر کے اس کا نام ”علائی“ رکھا (معدن ۱۱۳ ب، مخزن ۲۶۱-۲۶۲، معارف القدر ۳۱۹، شروانی: The Behmanis ص ۱۵۶)

مخدوم شیخ محمد کی ولادت بیدر (من بلاد دکن) میں ۸۶۲ھ / ۱۴۵۷ء کو ہوئی (معدن ۶۳ الف، ۷ ب، مخزن ۱۳۰-۱۳۲، معارف القدر ۲ / ۳۵۵-۳۵۶)

شیخ جلال محمد قادری برہانپوری (ت ۹۲۸ھ / ۱۵۲۲ء) خلیفہ شیخ بہاء الدین تہمی انصاری سمنانی نے ایک حافی اشارے پر مخدوم شیخ محمد کو اپنے حلقہ قادریہ میں داخل کر کے خلافت سے سرفراز کیا۔ (گلزار ابرار خطی کتب ۱۳۳ الف، معدن ۶ ب، محبوب ۱ / ۲۲۸، معارف القدر ۲ / ۳۳۰ مخزن ۱۶)

مخدوم شیخ محمد نے ایک ایرانی عالم ملا خانان کے خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز حسینی (ت ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) کی کتاب اسرار الاسرار پر اعتراضات کے جواب میں پورا رسالہ تالیف کیا تھا (معدن ۵۷ ب-۵۸ ب، مخزن ۱۱۸-۱۱۹، محبوب ۱ / ۴۲۴)

مخدوم شیخ محمد کی خانقاہ تعلیم و تربیت کا عظیم سرچشمہ تھی اور انہوں نے تقریباً نصف صدی دعوت و تربیت اور تلقین و ارشاد میں گزار کر ۹۳۵ھ / ۱۵۲۶ء کو بعمر ۷۳ سال بیدر میں انتقال کیا (معدن ۶۳ الف-۷۰ ب، مخزن ۱۳۰-۱۳۲، معارف القدر ۲ / ۳۵۵-۳۵۶) ان کا مزار محمد آباد بیدر بیرون قلعہ بیدر آبادی شہر میں واقع ہے، آپ ”ملانی بادشاہ“ کے نام سے وہاں مشہور ہیں۔ (دیباچہ مترجم بر مخزن الکرامات ص ۲۹۱۳-۲۹۱۴ و رورق) کتاب The Bahmani Sufis ص ۹۰، میں ان کے مزار کی ایک قدیم تصویر میں بھی شامل ہے۔

مخدوم شیخ محمد کے پانچ بیٹے تھے اول شیخ ابراہیم مخدوم جی (ت ۹۷۰ھ / ۱۵۸۲ء)، دوم حافظ قاری شیخ اسماعیل (ت ۹۸۵ھ / ۱۵۷۸ء) دکن کے عماد شاہی سلاطین ان سے بڑے متاثر تھے ان سے برار آنے کے لیے کہا تو وہ بیدر بے برار چلے گئے وہاں پاتھری کے علاقے میں ان کی خانقاہ موجود ہے (معارف ۲ / ۳۵۸) مخدوم کے تیسرے فرزند شیخ اسحاق (ت ۸۸۷ھ / ۱۴۸۲ء) اپنے والد کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے، چوتھے بیٹے شیخ بدر الدین کو قطب شاہی سلاطین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سلطان ابراہیم قطب شاہ (۱۵۵۰-۱۵۸۰ء) نے

انہیں گو لکندہ آنے کی دعوت دی (مخزن ۲۲۰، ۲۰۱ بہ بعد، معدن ۹۲ الف) اور پانچویں فرزند شیخ فخر الدین قادری تھے۔ یہ پانچوں کے پانچ ہی صاحب ارشاد و پرکار شخصیتوں کے مالک تھے وصیت کے مطابق فرزند بزرگ شیخ ابراہیم مخدوم جی آپ کے پہلے جانشین بنے (معدن ۷۶ الف)

مخدوم شیخ محمد کی بزرگی کا شہرہ مشرق، خراسان اور نواحی قندھار تک جا پہنچا اور ان علاقوں کے اہل دل نے بیدر جا کر آستانہ میں رہ کر فیض پایا (گلزار ابرار ۷۸ الف ب، اذکار ابرار ۱۲۹)

آپ کے حسب ذیل خلفاء کے نام ملتے ہیں:

سید یتیم اللہ بن سید جمال محمد قادری، سید حیدر مشہدی، شیخ عبدالکریم بن شیخ جلال قادری، شیخ عبداللہ عرب، شیخ نظام تنویری، شیخ عبداللہ الحیوری، شیخ جنید جونپوری، شیخ بڑہ ناگوری، میاں راجی محمد سبھرائی، شیخ یوسف بن احمد بیجاپوری، شیخ بڑہ اودگیری، میاں علاء الدین بن شیخ شرف الدین، سلطان شاہ ناہینا، شیخ گہوڑو ساکن کارنجہ، میاں فجو ساکن تلوڑہ، میاں حسان کوہیری (معدن ۶۷ ب، مخزن ۱۳۰-۱۳۱) میاں خدا بخش، میرزا موسیٰ، شیخ احمد، قاضی محمد محتسب اور میاں حسین نبیرہ صدر جہاں (معارف القدر ۲/ ۳۵۸)

ماخذ

- ۱۔ غوثی، محمد غوثی مائٹوی: گلزار ابرار، خطی نسخہ جون رائے لینڈ لائبریری، مانچسٹر، انگلینڈ نمبر ۱۸۵ (مخطوطات فارسی)
- ۲۔ ایضاً: اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ
- ۳۔ عبدالقادر: معدن الجواہر، خطی مخزنہ کتابخانہ سید شرافت نوشاہی مرحوم، لاہور
- ۴۔ ایضاً: مخزن الکرامات اردو ترجمہ معدن الجواہر از محمد کریم الدین، حیدر آباد، دکن، مطبع رحمانی ۱۳۲۰ھ
- ۵۔ سلامت علی خان: معارف القدر، اورنگ آباد، مطبع خیر ۱۳۰۴ھ
- ۶۔ عتیق اللہ پڑواک: غوریان، کابل، انجمن تاریخ افغانستان ۱۳۳۵ش
- ۷۔ ابن حزم اندلسی، ابی محمد علی: جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ، دارالمعارف ۱۹۸۲ء
- ۸۔ ملکاپوری، عبدالجبار: محبوب السنن تذکرہ اولیاء دکن ۲ جلد حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

- ۹۔ گیسو دراز، سید محمد حسینی: اسرار الاسرار طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن، اعظم اسٹیم پریس ۱۳۵۰ھ
- 10- Siddiqi, Muhammad Suleman: The Bahmani Sufis, Delhi, Idarah-i-Adbiyat-i-Dilhi, Dehli 1989.
- 11- Sharwani, H.K: The Bahmanis of the Deccan, Delhi, Munshi Ram Manuharlal.

فروری ۱۹۹۱ء

برائے دانشنامہ جہان اسلام، تہران

شیخ شاہ سکندر قادری کیسقل

شاہ سکندر کیسقل قادری دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے ایک معروف شیخ طریقت اور
مہتمم تھے۔

شاہ سکندر بن شاہ عماد الدین بن شاہ کمال نجیب الطرفین سید اور حضرت شیخ عبد القادر گیلانی غوث اعظم
اولاد میں سے تھے، شاہ سکندر کے دادا شاہ کمال (۸۹۵-۹۸۱ھ / ۱۴۸۹-۱۵۷۳ء) ایک صاحب علم بزرگ تھے
ہوں نے شاہ فضیل قادری بغدادی سے ارادت و خلافت حاصل کی تھی انہی کے حکم پر شاہ کمال ہندوستان تشریف
لئے اور ٹھٹھہ (Thatha) سندھ میں قیام فرمایا، حدود ۹۲۶ھ / ۱۵۲۱ء کو آپ یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد مشرقی
بجانب (ہندوستان) کے ضلع کرناٹ کی ایک تحصیل کیسقل (Kethal) منتقل ہو گئے اور وہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر
لیا، یہاں قبول عام حاصل ہوا، حضرت مجدد الف ثانی کے والد گرامی مخدوم عبد الاحد (ف ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۹ء) بھی
انہی سے منسلک تھے۔ (زبدۃ القامات ۱۰۸، حضرات القدس ۲ / ۲۹، بزرگان کیسقل ۸۳-۸۴، الکمال ۱۴۳-۱۴۴)
(۱۴۴)

شاہ سکندر کے والد شاہ عماد الدین (ف ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء) صاحب علم اور اپنے والد شاہ کمال کے
مذہبیت یافتہ خلیفہ تھے۔

شاہ سکندر کی ولادت قصبہ کیسقل میں ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کو ہوئی، دادا نے ان کا نام شاہ سکندر رکھا، آپ کی
والدہ سیدہ نصیبہ (دختر سید علی اکبر ترمذی) تھیں، دادا نے تعلیم و تربیت کی (بزرگان کیسقل ۸۵-۸۶)

شاہ سکندر اپنے وقت کے عالم اجل اور داعظ تھے اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی
طرح ہفتے میں تین مرتبہ دعا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی ان کی باطنی صلاحیتوں کے معترف

تھے (زبدۃ القامات ۱۰۸، حضرات القدس ۲ / ۱۰۲)

ملا محمد طاہر لاہوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی شاہ سکندر سے سلسلہ قادریہ میں فیض حاصل کیا تھا (قصر عارفان ۴۹۶-۴۹۷) معروف عالم علما ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۷ء) شاہ سکندر کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔ (گلزار خوارق بحوالہ تذکرہ شاہ سکندر کیتھلی ۱۵۱)

شاہ سکندر کا وصال ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء کو ہوا (زبدۃ المقامات ۱۰۸) سالِ وفات میں اختلاف ہے، معاصر ماخذ زبدۃ المقامات میں ۱۰۲۳ھ کے ساتھ حدود لکھا گیا ہے، مقامی اور خاندانی روایت کے مطابق آپ کا وصال ۱۰ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کو ہوا (بزرگان کیتھلی، ۸۵، تذکرہ شاہ سکندر ۱۳۰-۱۳۲) آپ کا احاطہ مزار آپ کے والد اور دادا سے جدا بنایا گیا، شاہ سکندر کے فیض یافتگان کی بھی تعداد بہت زیادہ ہے، سلسلہ قادریہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے بھی انہی سے روحانی فیض پایا (زبدۃ المقامات ۱۰۸)

شاہ سکندر کے دو فرزند تھے اول شاہ گدار حسن عباس (ف ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء)، دوسرے صاحبزادے شاہ محب اللہ الیاس زہدی (ف ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء) جن کی اولاد سے تاحال یہ سلسلہ روحانی جاری ہے، آپ کی اولاد کیتھلی سے ہجرت کر کے پاکستان آگئی تو یہ مزارات اب غیر مسلم لوگوں کے تصرف میں ہیں وہی ان حضرات کے عرس کرتے ہیں، پاکستان میں اس خانوادہ کے نمائندے سید مقبول محی الدین گیلانی ہیں، جن کا آستانہ ڈیرہ غازی خان (پنجاب) میں ہے۔

ماخذ

- ۱۔ بدر الدین سرہندی: حضرات القدس، جلد دوم مرتبہ محبوب الہی، لاہور، ۱۹۷۱ء
- ۲۔ خورشید حسین بخاری: تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۳۔ ایضاً: الکمال (سوانح شاہ کمال قادری کیتھلی)، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ مائل، محمود علی: دربار قادری، لاہور (سن)
- ۵۔ محمد شاکر قریشی: تذکرۃ الانساب (ملخص اردو ترجمہ بزرگان کیتھلی) از سید مقبول محی الدین گیلانی، ڈیرہ

غازی خان، ۲۰۰۶ء

- ۶۔ محمود الحسن گیلانی: مجددین سلسلہ قادریہ، لاہور ۱۹۹۹ء
- ۷۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، لکھنؤ، ۱۳۰۷ھ
- ۸۔ مظفر احمد قادری: ضیاء باطنی ہے کیسلی سرکار، ۲۰۰۵ء

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

شاہ ابو المعالی قادری کرمانی لاہوری غربتی

(آرام گاہ)

شاہ ابو المعالی قادری لاہوری کی آرام گاہ اس وقت شاہ ابو المعالی سٹریٹ گوالمنڈی لاہور (Shah Abul Mual Street, Gawalmandi, Lahore) میں ہے۔

شاہ ابو المعالی نے اپنی وفات ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء سے پہلے ہی اپنے مزار کی تعمیر شروع کرادی تھی آپ نے اپنا روضہ شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظمؒ کے مزار کی طرز پر بنوایا تھا۔ ابھی زیر تعمیر تھا کہ شاہ ابو المعالی کا وصال ہو گیا (تحقیقات چشتی ۱۰۲) اس کی تکمیل اور گنبد کی تعمیر آپ کے فرزند کلاں محمد باقر نے کروائی (ہمانجا ۱۰۳، Lahore. P 203)

گنبد کی ساخت ہشت پہلو ہے۔ یہ سفید گنبد منقش بھی ہے۔ روضے کا دروازہ لکڑی کا ہے۔ قبر کے گرد چوکھندی بھی لکڑی کی منقش ہے۔ آرام گاہ کے آٹھ دروازے کشادہ، چار بند اور سات میں تو کٹھنرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ قبر خشتی چبوترے پر واقع ہے جو سطح زمین سے ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ اس چبوترے پر چار قبریں ہیں اول شاہ ابو المعالی، دوم شاہ محمد باقر (فرزند کلاں شاہ ابو المعالی)، سوم شاہ محمد رضا بن شاہ محمد فاضل اور چہارم حاجی محمد فاضل نو اسہ شاہ ابو المعالی۔

مقبرے کے مغرب میں ایک مسجد ہے جسے شاہ ابو المعالی نے خود تعمیر کروایا تھا۔ جس کی تجدید تعمیر سکھوں کے عہد میں غوثی خان (توپخانہ دار) نے کروائی۔ اس پر تین گنبد مدور مقطع ہیں۔ (تاریخ لاہور ۲۸۷، تحقیقات چشتی ۱۰۳، عمدۃ التواریخ ۲ / ۲۲۵)

مزار کے ساتھ کئی مکانات اور دالان بھی بنے ہوئے ہیں جہاں شاہ ابو المعالی کی اولاد کے افراد بیٹھتے تھے۔
(ہمانجا، ۲۸۷) یہ مقبرہ باہر سے دو منزلہ اور اندر سے ایک منزلہ ہے۔ جس کا زینہ مغرب کی طرف بنا ہوا ہے
(ہمانجا، تحقیقات چشتی ۱۰۳)

شاہان مغلیہ کی طرف سے اس روضے کے ساتھ دو چاہ مع اراضی ایک موضع سیالاں تحصیل چوئیاں
(Sayalan, Tehseal Chunian) اور دوسرا موضع خان ضلع شیخوپورہ میں بطور معافی واگذار تھے (ماثر
لاہور ۲۵۳) مہاراجہ رنجیت سنگھ کئی مرتبہ شاہ ابو المعالی کے مزار پر حاضر ہوا تھا۔ (عمدة التواریخ ۲/ ۲۲۵) اس
مزار کے گرد و نواح میں بہت بڑا قبرستان تھا، یہیں زین خان کے محلات تھے۔ اور یہ علاقہ میدان زین خان کہلاتا
تھا، پھر آہستہ آہستہ قبریں منہدم کر کے لوگوں نے مکانات بنالئے (ماثر لاہور ۲۵۵) آرامگاہ کے احاطہ میں بہت سی
قبور ہیں جو اس خانوادے کے افراد کی ہیں۔ ایک مزار شاہ محمد صوفی مرید شاہ ابو المعالی، ایک قبر محمد شاہ قادری
دوسری شاہ حسن حقی قادری برہانپوری کی بھی ہے۔ مشرق کی طرف شاہ ابو المعالی کی زوجہ اور دیگر خواتین کی قبریں
بھی ہیں۔ اسی احاطہ میں نواب سرفراز خان اور نواب ذوالفقار خان، ایوب شاہ (بادشاہ افغانستان) وغیرہ کی قبور بھی
قابل ذکر ہیں۔

شاہ ابو المعالی کی اولاد شاہ ابو المعالی کا عرس بڑے اہتمام سے کرواتی ہے لیکن یہ عرس کئی تاریخوں میں
متعدد مرتبہ ہوتا ہے۔

یہ آرامگاہ اس وقت محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ محکمہ نے ہی سڑک کی طرف دکانیں بنادی ہیں۔
مزار پر کوئی قدیم کتبہ موجود نہیں ہے۔

مآخذ

- ۱۔ جوادی، سید کمال حاج: میراث جاویدان۔ اسلام آباد ۱۳۷۰ھ
- ۲۔ چغتائی، محمد عبد اللہ: تاریخ اماکن لاہور۔ لاہور ۱۹۸۱ء
- ۳۔ دارالشکوہ: سفینۃ الاولیاء۔ لکھنؤ، مطبع نوکسور ۱۹۰۰ء
- ۴۔ سوہن لال: عمدة التواریخ، لاہور ۱۸۸۸ء

- ۵۔ فوق، محمد الدین: مآثر لاہور، مشمولہ نقوش لاہور نمبر ۱ فروری ۱۹۶۲ء
- ۶۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۳ء
- ۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور، لاہور مطبع پیسہ اخبار
- 8- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural remains..... Lahore, 1892.
- 9- Epigraphia Indo-Moslemica (1907-12), Delhi, 1987.
- 10- Lahore District Gazetteer, Lahore, 1916.

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء

برائی دال شامہ شہید قارہ

بی بی جمال خاتون

بی بی جمال خاتون، مشہور شیخ طریقت حضرت میاں میر لاہوری (۹۵۷-۱۰۳۵ھ / ۱۵۵۰-۱۶۳۵ء) کی حقیقی بہن، عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔

بی بی جمال کے والد قاضی سائیں و تاجین قاضی قلندر فاروقی اور ان کی والدہ بی بی فاطمہ بھی ویسے عمر تھیں، انہیں اپنی والدہ سے ولایت کی بشارت بھی ملی تھی (سکینۃ الاولیاء ۲۶-۲۷)۔

بی بی جمال خاتون کے بھائی میاں میر لاہوری ایک عالم، صوفی اور شاہ جہانی عہد (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸-۲۸ء) کے نامور شیخ طریقت تھے، سلاطین، شہزادگان اور امراء ان سے بہت عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً داراشکوہ (ف ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء) بن شاہ جہان کو ان سے خاص عقیدت تھی اس نے میاں میر کے مناقب پر سکینۃ الاولیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی جس میں ان کی بہن یعنی جمال خاتون کے مناقب بھی بیان کیے ہیں۔

اداکل حال میں بی بی جمال خاتون نے اپنے والدین سے ذکر کی تعلیم حاصل کی، پھر میاں میر نے اپنے بھائی قاضی طاہر کو ان کی تربیت کے لیے مقرر کیا، بی بی جمال کی شادی ایک بزرگ زادے سے کر دی گئی لیکن صرف دس سال کی مدت میں ہی ان پر جذبہ الہیہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ترک علاقہ کر کے ان سے علیحدہ ہو گئیں۔ اور اپنے شب و روز عبادت و ریاضت میں گزارنے لگیں ان پر ترک و تجرید کا اس قدر استغراق ہو گیا تھا کہ جب میاں میر اپنے اصلی مستقر یعنی سیوستان (سندھ) گئے تو وہ ان سے ملنے کے لیے بھی نہ گئیں اور نہ ہی میاں میر نے ان سے ملنے کی کوشش کی موصوف لہنی بہن کی باطنی استعداد کی بہت تعریف کرتے تھے (سکینۃ الاولیاء ۱۲۹)۔

بی بی جمال خاتون روحانیت میں مرتبہ اکمال و تکمیل حاصل کر چکی تھیں، دارالشکوہ نے ان کی باطنی استعداد کے کئی واقعات اپنی کتابوں میں لکھے ہیں کہ وہ ترک و تجرید میں رابعہ عصر ہو گئی تھیں (سفینۃ الاولیاء ۲۱۵۔ ۲۱۶، سکینۃ الاولیاء ۱۳۰-۱۳۱)

وہ تمام عمر اپنے موطن سیوستان (Sewistan) میں ہی رہیں اور اس سے باہر قدم نہ نکالا (سکینۃ الاولیاء

(۱۳۱)

بی بی جمال خاتون کا انتقال ۲۷ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء کو ہوا ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے متجاوز تھی (سکینۃ الاولیاء ۱۳۱)

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کی ولادت حدود ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء کو ہوئی (۱۰۵۷-۱۶۴۷ھ)

ماخذ

- ۱۔ دارالشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، مطبع نوکشتور، ۱۹۰۰ء
- ۲۔ ایضاً: سکینۃ الاولیاء مرتبہ تارا چند و محمد رضا جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۵ء
- ۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، مطبع ثمرہند، ۱۸۷۳ء
- ۴۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۵۔ وفاقی، دین محمد: تذکرہ مشاہیر سندھ، حیدر آباد، سندھ ۱۹۸۱ء

۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

ملا شاہ بد خشی قادری لاہوری

ملا شاہ بد خشی کالاہور میں ۱۵ صفر ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء کو انتقال ہوا اور اپنے مرشد حضرت میاں میر کے مزار کے جوار میں الگ روضے میں دفن ہوئے۔

ملا شاہ بد خشی کے افکار میں خاصا تنوع، تضاد اور آزاد مشربی کا غلبہ تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے خود اپنے رسائل میں بھی کیا ہے اس کے علاوہ دارالہکومہ نے اپنی تالیفات میں اور شہزادی جہاں آرانے رسائلہ صاحبہ میں بھی ان کے افکار پر بحث کی ہے ایک اور معاصر سوانح نویس توکل بیگ کولابی نے بھی سال بہ سال ان کی زندگی کے وقائع و حوادث کو ”سنو احوال شاہی“ کے تاریخی نام سے ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء میں قلم بند کیا ہے۔ ان مؤلفین نے ملا شاہ کو ان افکار کے باعث انہیں علمائے حق کی طرف سے جس سخت مخالفت کو برداشت کرنا پڑا اس کی تفصیلات بھی دی ہیں۔

ملا شاہ نے قرآن پاک کی بعض سورتوں کی تفسیر کی بھی کی ہے۔ تفسیر میں بھی ان پر تصوف کا خاص رنگ غالب ہے۔ ملا شاہ ایک شاعر بھی تھے انہوں نے اس فن میں اساتذہ متقدمین کی تقلید نہیں کی بلکہ آزاد روی سے مشق سخن کی ہے ان کے کلام میں اکثر اوزان و قوافی کے سقم پائے جاتے ہیں اور تعقیدات لفظی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

ملا شاہ بد خشی کی تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ سنو احوال شاہی، ج ۱، صفحہ ۲۸۷ / ۲ (۱۰۷۷ھ کے بعد طبع)

۲۔ شہزادی جہاں آرا، پاکستان میں قادریہ، ج ۲ / ۱۳۹

دہلی میں مذہب کے معاصر مخالف نے ملا شاہ کے افکار کو ایک ہدایت لفظ کی صورت میں نکالا ہے (دہلی ۱ / ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷) نیز ایک اور معاصر مخالف فتح محمد مراد آباد

نمبر ۱ نے بھی ان کے عقائد پر تنقید کی ہے (سنو احوال شاہی، ج ۲)

۱۔ رسالہ "مرشد":

اس رسالے میں تصوف و سلوک کے متعلق بنیادی نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ مؤلف پر وحدت الوجود کا رنگ غالب ہے۔

۲۔ رسالہ شاہیہ:

اس رسالے کا نام شاہ جہان، دارا شکوہ اور شہزادی جہان آرا اور اپنے نام کی مناسبت سے شاہیہ رکھا ہے۔ چنانچہ آغاز میں ان اصحاب کے نام بھی لائے ہیں۔ یہ مثنوی کی صورت میں ہے اس کا موضوع بھی تصوف ہے توحید، کثرت و وحدت، تنزیہ و تشبیہ، جلال و جمال وغیرہ خدا کی صفات بیان کی ہیں۔ علم کے مختلف درجات بیان کیے ہیں۔

۳۔ رسالہ ولولہ:

اس کا کوئی مستقل موضوع نہیں ہے یہ بھی مختصر مثنوی ہے۔ جس میں مختلف عنوانات کے تحت اپنے اشعار یکجا کر دیئے ہیں۔

۴۔ رسالہ ہوش:

یہ مثنوی تمام تر ایسے اشعار پر مشتمل ہے جو تاثیر ہوش کے قیام اور پرورش و تربیت میں معاون ہو سکتے ہیں۔ ایسے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے جس سے روحانی تربیت میں بھی مدد ملتی ہے۔

۵۔ رسالہ نسبت:

اس میں بہت سے عنوانات ہیں سب سے اہم وہ حصہ ہے جس میں اپنے حالات بیان کیے ہیں۔ اس میں جابجا ملا شاہ کے کمالات معنوی کا ذکر موجود ہے۔

۶۔ رسالہ حمد و نعت:

یہ مختصر مثنوی حمد و نعت کے موضوع پر ہے۔

۷۔ تعریفات خانہ و باغات و منازل کشمیر:

نام سے موضوع واضح ہے۔ اس میں کشمیر کے ایسے مقامات کی تعریف ہے جہاں ملاشاہ کو رہنے کا اتفاق

ہوا تھا۔

۸۔ رباعیات ملاشاہ:

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں شمارہ API VI 09 کے تحت رباعیات کا الگ مجموعہ ہے۔ ان

رباعیات کے بہت سے عنوانات ہیں لیکن زیادہ غالب امر تصوف و عرفان کا ہے۔

۹۔ مکتوبات ملاشاہ:

اس کا خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور (شمارہ APC IV 3) میں موجود ہے۔ اس مجموعے

میں ایک کے سوا باقی تمام ترکتوبات داراشکوہ کے نام ہیں۔ جن میں اُسے بہت سے القاب سے نوازا گیا ہے۔ اس سے

شہزادے اور ملاشاہ کے درمیان تعلقات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ تفسیر شاہی:

یہ ملاشاہ کی نوشتہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ یہ دراصل کلیات ملاشاہ کی جلد اول ہے۔ اس کا نسخہ کتابخانہ

دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود ہے اس کے علاوہ خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ ہند میں بھی موجود ہے اس کا

سال تکمیل ۱۰۵۷ھ ہے۔ اس کا ایک ناقص نسخہ لاہور میں آقا جی معین الدین کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

ماخذ

۱۔ توکل بیگ کولابی: نسخہ احوال شاہی (۱۰۷۷ھ) خطی نسخہ موزہ برطانیہ، لندن نمبر ۱۳۰ (ذیل فارسی)

۲۔ محمد مراد ننگ کشمیری: تحفۃ الفقراء، خطی نسخہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ جموں و کشمیر، بھارت

۳۔ داراشکوہ: سکیتہ الاولیاء طبع تارا چند و جلالی نائینی، تہران، علمی ۱۳۴۳خ

تسمیہ تفصیلی ماحول کے لیے دیکھیے:

محمد اسماعیل: "ملاشاہ، تسمیہ قرآن اور عربی کلام" حارہ علوم و ادب، لاہور، ۲۰۰۴ء

۴۔ ایضاً: سفینۃ الاولیاء، کانپور، نو لکھنور ۱۹۰۰ء

۵۔ ایضاً: حسانات العارفین طبع مخدوم رہین، تہران ۱۳۵۲خ

۶۔ ایضاً: مجمع البحرین طبع محفوظ الحق۔ کلکتہ ۱۹۲۹ء

۷۔ ایضاً: جوگ بشت طبع امیر حسن عابدی، علی گڑھ ۱۹۶۸ء

۸۔ ایضاً: بزرگبر (ترجمہ اد پانیشاد) طبع تارا چند و جلالی نائینی۔ تہران ۱۹۶۱ء

۹۔ ملا شاہ بد خشی: کلیات خطی نسخہ کتابخانہ دانشگاہ پنجاب لاہور نمبر ۸۷ / SPI VI

۱۰۔ ایضاً: مثنوی رسالہ نسبت مقالہ برای حصول درجہ دکتری، نوشتہ زمرہ ملک دانشگاہ پنجاب لاہور، نمبر

T/PiVI-20

۱۱۔ محمد اسماعیل شاہ: ”ملا شاہ، تفسیر قرآن اور عربی کلام“ مقالہ مشمولہ جرقل خدا بخش لاہوری پٹنہ، بہار

شمارہ ۲۳

۱۲۔ محمد یحییٰ لاہوری: ملا شاہ بد خشی، مقالہ مشمولہ تاثیر معنوی در ایران و پاکستان، لاہور

۱۳۔ جہاں آرا بیگم: رسالہ صاحبہ تحقیق و ترجمہ محمد اسلم، مشمولہ جرقل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور،

ج XVII شماره ۱ (۱۹۸۰ء) ج XVI ش ۴ (۱۹۷۹ء)

۱۴۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد دوم، لاہور ۱۹۷۴ء

۱۵۔ عبدالحمید لاہوری: بادشاہ نامہ، کلکتہ ۱۸۶۷ء

۱۶۔ محمد صالح کنبود لاہوری: شاہ جہان نامہ۔ لاہور ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۷۲ء

۱۷۔ کیخسرو اسفندیار: دبستان مذاہب طبع رحیم رضا زادہ ملک، تہران، طہوری ۱۳۶۲خ

۱۸۔ بختاور خان: مرآۃ العالم طبع ساجدہ علوی۔ لاہور

19- Bilgrami, F.Z: Nuskha-i-Ahwal-i-Shahi J.P.U. Historical Society
Vol. xxii, No. 2 (1985)

20- Hesrat, B.J Dara Shikuh, Delhi 1982.

۲۶ جون ۱۹۹۲ء

برائے دانشنامہ جہان اسلام، تہران

صوفی توکل بیگ

توکل بیگ کولابی گیارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی، شاعر اور تذکرہ نویس تھے۔ توکل بیگ کے حالات زندگی مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے انہوں نے اپنی کتاب ”نسختہ احوال شاہی“ میں اپنے بارے میں جو اشارات قلم بند کیے ہیں ان کی بنیاد پر کچھ لکھا جا رہا ہے۔ توکل بیگ سلاطین ترک تھے اور ان کے اجداد بدخشاں کے معروف قصبہ کولاب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد ایک سپاہی اور کشمیر کے گورنر اعتقاد خان (۱۰۳۳-۱۰۴۳ھ / ۱۶۲۳-۱۶۳۳ء) کی فوج میں ملازم تھے۔ توکل بیگ بھی اس کی فوج میں تھے۔ توکل بیگ کے والدین ملاشاہ بدخشی (ف ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء) کے مرید تھے۔ ملاشاہ کی سفارش پر شہزادی جہان آرا نے توکل بیگ کی والدہ کے لیے دو روپے یومیہ مقرر کر دیا تھا۔ (نسختہ احوال شاہی ۶۹ ب)

توکل بیگ ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو پہلی مرتبہ ملاشاہ بدخشی سے ملے اور ان کے ایک خلیفہ ملاسعید کی خدمت میں تعلیم حاصل کرنے لگے کشمیر میں کافیہ تک ان سے پڑھا (ہا نجما ۲۰ الف، ب) وہ سورہ سال کی عمر میں سلسلہ قادریہ میں ملاشاہ سے بیعت ہوئے یہ ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء کا زمانہ تھا۔

۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو جب اعتقاد خان کا تہادہ کشمیر سے دہلی ہو گیا (ماثر الامراء ۱ / ۱۸۴ تاریخ کشمیر حسن ۲ / ۴۸۷، ۴۹۷) تو توکل بیگ کے خاندان کے افراد بھی دہلی منتقل ہو گئے لیکن توکل بیگ نے دہلی جانے سے انکار کر دیا اور اپنے مرشد ملاشاہ کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تقریباً چالیس سال تک ملاشاہ سے منسلک رہے جن میں ملازمت کے لیے چند سالوں کے وقفے بھی شامل ہیں۔ توکل بیگ ملاشاہ سے بیعت (۱۶۳۱ء) کے بعد مزید دو سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے پھر اپنے والد کے خط بنام ملاشاہ کی بنا پر وہ شہزادہ شجاع گورنر بنگال کی ملازمت میں چلے گئے جہاں دس سال تک وہ خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر انہوں نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء میں اس

ملازمت سے استعفادے دیا۔ اور پھر کامل ایک سال تک کشمیر میں ملاشاہ کی خدمت میں رہے جہاں اوراد و اشغال کے لیے انہیں ایک حجرہ دیا گیا۔ وہاں سے انہیں یہ کہتے ہوئے رخصت کر دیا کہ تم ایک سپاہی کے بیٹے ہو تمہارا پیشہ سپاہ گری ہے۔ ملاشاہ نے توکل بیگ کو ایک سفارشی رقعہ بنام داراشکوہ دیا جس پر دارا نے انہیں دو صدی کا منصب دے کر اپنی ملازمت میں لے لیا (نسخہ احوال شاہی ۶۹ ب)

داراشکوہ نے توکل بیگ کے ذریعے اپنے متعدد پیغامات ملاشاہ کے نام بھیجے کئی مرتبہ توکل بیگ کو دارا کی سرکار سے رخصت ہی صرف اس شرط پر ملی کہ وہ ملاشاہ کو کشمیر سے لاہور لائے گا۔ (ہما نجا ۷۱۔ الف)

توکل بیگ نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۲۳ء کو ملاشاہ کی راہنمائی میں ملاشاہ کے کلیات کی تصحیح و تقابل کا کام ایک سال میں انجام دیا اور تقریباً پچاس ہزار ابیات کی تصحیح کی۔ (ہما نجا ۶۹۔ الف)

معلوم ہوتا ہے کہ توکل بیگ داراشکوہ کی شکست بدست اور نگریب ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء تک اس سے منسلک رہے۔ اور نگریب عالمگیر کے عہد میں توکل بیگ کو بہت قلیل منصب ملا اور اس کی تقرری کانگرہ (Kangreh) میں رہی (ہما نجا۔ الف۔ ۲ ب)

توکل بیگ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اپنی کئی منظومات نسخہ احوال شاہی میں نقل کی ہیں۔ جن میں ”توکل“ بطور تخلص استعمال کیا ہے (نسخہ احوال شاہی ۶۹۔ الف، ۷۱۔ الف و ب بعد)

توکل بیگ کے زیادہ تر اشعار کا تعلق اولیاء کے مناقب سے ہے اگر گیارہویں صدی ہجری کے شعراء کے صوفیانہ مناقب جمع کیے جائیں تو توکل کا کلام ان میں منفرد نظر آئے گا۔ توکل بیگ کو شعر فہمی کا خوب درک تھا چنانچہ تو ملاشاہ نے اپنی منظومات کی تصحیح و تقابل کا کام ان کے سپرد کیا تھا۔ (ہما نجا ۶۹۔ الف)

توکل بیگ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کولاب (بدخشان) کے رہنے والے تھے تعجب ہے کہ موزہ برطانیہ کے فہرست ساز ریو (Rieu) نے اسے کولائی کیسے پڑھ لیا (فہرست مخطوطات فارسی، ضمیمہ ۹۶ / ۱۳۰) جبکہ نسخہ میں واضح طور پر کولابی نسبت درج ہے۔ کولال نام کا کوئی علاقہ کتب جغرافیہ میں مذکور نہیں ہے۔

توکل بیگ بن توکل بیگ کی اب تک صرف دو کتابیں دریافت ہوئی ہیں اول تاریخ دکنشاہی شمشیر خانی اور

دوم نسخہ احوال شاہی۔

۱۔ تاریخ شمشیر خانی

شاہ نامہ فردوسی کی فارسی نثر میں تلخیص ہے۔ جو انہوں نے غزنی میں اپنی تعیناتی بحیثیت وقائع نویس وہاں کے حاکم شمشیر خان ترین (۱۰۶۳-۱۰۶۹ھ) کے حکم پر ۱۰۶۳ھ کو تالیف کی، اس کتاب کے کئی خطی نسخے ایران و پاکستان کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، اس کا فارسی متن ڈاکٹر طاہرہ پروین اکرم نے مرتب کیا، جو مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد سے ۲۰۰۵ء کو شائع ہوا۔

۲۔ نسخہ احوال شاہی:

یہ توکل بیگ کولابی کی تالیف ہے جو فارسی نثر میں ہے جا بجا اس میں فارسی اشعار بھی نقل ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع ملا شاہ بدخشی (۹۹۲-۱۰۷۲ھ / ۱۵۴۸-۱۶۶۱ء) کے حالات، مکتوبات، ملفوظات اور افکار کا بیان ہے۔ ”نسخہ احوال شاہی“ اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سال تالیف ۱۰۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ مولف نے ہر مقام پر ملا شاہ بدخشی کا نام لکھنے کی بجائے ان کی لقب ”حضرت شاہ اولیا“ استعمال کیا ہے۔ مولف نے وضاحت کی ہے کہ اس نے اس میں صرف وہی کچھ لکھا ہے جو اس نے براہ راست ملا شاہ کی زبان سے سنایا اپنی حاضری کے دوران پچشم خود دیکھا۔ البتہ مولف کے پیش نظر شہزادہ داراشکوہ کی تالیف سکینۃ الاولیاء بھی تھی (نسخہ احوال شاہی ۴۰ ب) اور ملا شاہ کے حالات پر شہزادی جہان آراء کا رسالہ صاحبیہ سے بھی مولف نے استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے (ہاںجا ۴۱ ب)۔

مولف ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے منسلک ہو گئے اور ان کے وصال ۱۰۷۲ھ تک ۳۵ سال مرشد کی خدمت میں رہے سوائے ان چند برسوں کے جن میں مولف مختلف ملازمتوں پر فائز رہے تھے۔ اس دوران جو کچھ انہوں نے اپنے مرشد کی زبانی سنا اسے ملا شاہ کے میاں میر لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) سے خلافت یاب ہونے کے سال (۱۰۳۸ھ) کو سال اول قرار دے کر ہر برس کے واقعات سنیں کے اعتبار سے لکھتے چلے گئے۔ (ہاںجا ۱۱ الف)

اس کتاب میں ملا شاہ بدخشی کے ذاتی حالات، ان کی مذہبی زندگی، روحانی انہماک، اعمال و اشغال کی مشق، جس دم، مراقبہ اور مکاشفات بیان ہوئے ہیں۔ ملا شاہ بدخشی کے مکاتیب اور ان کے اشعار کی تشریحات کے

دورانِ ثبوت کے طرز پر نقل کیے ہیں۔ ملا شاہ کی گفتگو اور کلام کا موضوع وحدت الوجود، فنا و بقاء، کفر و ایمان، شریعت و طریقت ہے۔ یہ کتاب ملا شاہ کو صرف ایک صوفی کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ شاعر کے طور پر بھی متعارف کرواتی ہے۔

اس میں ملا شاہ کے معاصر علماء و صوفیہ کے ساتھ تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملا شاہ کے نزدیک ایک طالب کا مرید ہونے کے لیے مسلمان ہونا بھی لازم نہیں ہے بنوالی داس ولی کی بیعت کے واقعہ کی اشارہ بھی کیا ہے۔

اس تذکرے میں گیارہویں صدی ہجری کی معاصر سیاست، معاشرت اور کلچر کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ مختلف سیاسی واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء کو شاہ عباس صفوی کے قندھار پر حملے ۱۰۵۵-۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۵-۱۶۴۹ء تک بلخ، بدخشان اور قندھار پر مغلوں کے حملوں کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ جن کی تصدیق معاصر کتب تاریخ سے آسانی ہو جاتی ہے۔

اس تذکرے میں عوام کی غربت اور بے حالی کا بھی جائزہ لیا ہے۔ جو اس عہد کی معاشی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں کشمیر اور لاہور کے علمی مرکز کی حیثیت اختیار کرنے کے ثبوت بھی ملتے ہیں کہ ان علاقوں میں مساجد، درگاہیں اور درس گاہیں کس سرعت کے ساتھ ترویج دین میں مصروف تھیں۔

نسخہ احوال شاہی میں ملا شاہ بدخشی کے سلاطین و امراء، شہزادے، شہزادیوں اور دیگر بااثر شخصیات کے ساتھ روابط کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ کشمیر اور لاہور میں ملا شاہ اور شاہ جہان کے مابین مراسلت اور مجالس کا تذکرہ بھی ملتا ہے (ہمانجا ۳۶-الف، ب ۳۷، الف، ۳۸، الف، ۳۹-الف، ۴۰-الف، ب ۵۲) اس میں شاہ جہان کے خطوط کے متن بھی نقل ہوئے ہیں (ہمانجا ۵۵-الف، ب ۹۲-الف، ۷۱-الف، ب ۷۳، وہ بعد)

اس تذکرے میں عہد شاہ جہان و اورنگزیب کے امراء مقرب خان، علی مردان خان، ابوالفتح قابل خان اور سعد اللہ خان کی ملا شاہ سے عقیدت کا برابر تذکرہ کیا گیا ہے۔ نسخہ احوال شاہی کا تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مقام ہے۔ برصغیر میں تالیف ہونے والے تذکروں میں اسے اس اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس میں ملا شاہ

کے حالات و واقعات کو سنیں کے تحت لکھا گیا ہے۔ جبکہ دیگر تذکرے محض کرامات کے مجموعے بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ صرف ایک مفرد تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ اس عہد کی سیاسی اور سماجی تاریخ کے اہم نکات کا بھی حامل ہے۔ نسخہ احوال شاہی کا فارسی متن تاحال شائع نہیں ہوا ہے، اب تک اس کے مندرجہ ذیل خطی نسخے ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ موزہ برطانیہ، لندن (فارسی نمبر ۱۳۰۔ فہرست مخطوطات فارسی، ضمیمہ ص ۹۶)

مقالہ حاضر میں تمام تر حوالے اسی نسخہ لندن کے مطابق ہیں۔

۲۔ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری، حیدر آباد، دکن (نمبر تصوف ۳۳۹)

(بحوالہ مقالہ قاطعہ بلگرامی مشمولہ [J.P.U.H.S.Vol.23, 1985])

M.A.de Kremer نے فرانسیسی زبان میں اس کا خلاصہ J.Asiatique Vo. Xiii 1869 کو

بعنوان:

Molla-Shah et le spiritualisme oriental شائع کیا۔ (ستوری: ادبیات فارسی ج ۱ بخش

۲ ص ۱۰۰۹)

ماخذ

- ۱۔ توکل بیگ کولابی: تاریخ دلکشای شمشیر خانی مرتبہ طاہرہ پروین اکرم، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء
- ۲۔ توکل بیگ کولابی: نسخہ احوال شاہی۔ خطی نسخہ مخزنہ کتابخانہ موزہ برطانیہ لندن (فارسی نمبر ۱۳۰)
- مائیکرو فلم در کتابخانہ دولتی پاکستان۔ اسلام آباد
- ۳۔ جہان آرا شہزادی: رسالہ صاحبیہ (در حالات ملا شاہ بدخشی) مرتبہ محمد اسلم۔ مشمولہ جرنل ریسرچ سوسائٹی۔ ج ۱۵ (۱۹۷۹ء)
- ۴۔ حسن، پیر غلام حسن کھویہاں: تاریخ حسن، سری نگر ۱۹۵۴ء
- ۵۔ زمر دناہید: مثنوی رسالہ نسبت تالیف ملا شاہ بدخشی
- غیر مطبوعہ مقالہ برائے درجہ پی ایچ ڈی (ادبیات فارسی سال ۱۹۸۳ء)

مخزنہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور۔ نمبر T/Pi-VI-20

- ۶۔ شاہ نواز خان، مصمصام الدولہ، آثار الامراء ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری۔ لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۷۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء
- ۸۔ منزوی، احمد: فہرستوارہ کتابہائی فارسی۔ تہران، ۱۳۷۵ ش
- ۹۔ نور الحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگزیب۔ دہلی، ۱۹۶۹ء
- 10- Fatima Zehra Bilgrami: Nuskha-i-Ahwal-i-Shahi. Journal, Punjab University Historical Society, Lahore, Vol.Xxiii, Jan-Sep. 1985.
- 11- Rieu: Supplement to the Cat. Of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1895.
- 12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970..
- 13- Muhammad Usman: Life and Teachings of Mulla Sh. (M.A. Theses, 1963), Punjab University, Lahore.

یکم جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

شاہ بلاول لاہوری

شاہ بلاول قادری لاہوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی اور مدرس تھے۔

سید شاہ بلاول بن عثمان بن عیسیٰ قادری، کا تعلق نیکورہ (Nikorah) خاندان سے تھا جو عرف عام میں کارہ (Karah) کہلاتا تھا (حالات حضرت شاہ بلاول ص ۵) شاہ بلاول کے اجداد ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہرات سے ہندوستان آئے، بادشاہ نے قصبہ شیخوپورہ (Shykhopurah) ان کو بطور جاگیر میں دیا۔ اور یہ خاندان وہیں آباد ہو گیا۔ یہیں شاہ بلاول کی ولادت ہوئی۔ (حدیقۃ الاولیاء ۵۰، تاریخ شیخوپورہ ۳۰۲-۳۰۵) وفات کے وقت عمر ستر سال تھی اس حساب سے ان کی ولادت ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء کو ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۶۳)

شاہ بلاول کی تعلیم و تربیت لاہور کے معروف عالم شیخ فتح محمد کی خدمت میں ہوئی (ہمانجا ۱ / ۱۶۱) شیخ شمس الدین قادری لاہوری (ف ۱۰۲۱ھ) سے بیعت ہوئے جو شیخ ابواسحاق قادری لاہوری (رک باں) کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھی (Shergarhi) کے خلیفہ تھے۔ (حالات شاہ بلاول ۶، ۵)

شاہ بلاول نے اپنی خانقاہ کے سامنے ایک شاندار مسجد بنوائی تھی ان کے ساتھ ایک خوبصورت باغیچہ بھی تھا، یہ شہر لاہور سے مشرق کی طرف دریائے راوی کے بالقابل ایک بلندی پر واقع تھی (ہمانجا ص ۴) شاہ بلاول کی خانقاہ مریدوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کے لیے بھی مشہور تھی بکثرت قاری اور طلبہ حوض کے گرد بیٹھ کر تلاوت کیا کرتے تھے (حالات شاہ بلاول ۲، ۴) ان کی خانقاہ جہاں علماء و طلبہ کا مرجع تھی وہاں سلاطین و امراء بھی بکثرت حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی خانقاہ مسافر نوازی کے لیے بھی بہت مشہور تھی۔ (ہمانجا ۶، ۵)

شاہ جہان بادشاہ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو شاہ بلاول کی ملاقات کے لیے خانقاہ میں آیا تو دس ہزار روپے مجاوروں اور خانقاہ نشینوں کے لیے دیئے (عمل صالح ۲ / ۶۱) اس سے قبل تحت نشینی کے فوراً بعد جب شاہ جہاں

۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو لاہور آیا اور یہاں کے علماء و صوفیہ سے ملا تو شاہ بلاول نے ملاقات کی اجازت نہیں دی وہ بلا اجازت ہی ملنے کے لیے چلا آیا۔ (حالات شاہ بلاول ۱۲، پادشاہ نامہ ۲۲ / ۲ / ۳۶۳)

حاجت مندوں کے لیے آپ بکثرت خطوط امراء کے نام لکھتے تھے۔ جن میں ان کی جائز ضرورتیں پوری کرنے کی سفارش ہوتی تھی۔ اسی قسم کا ایک رقعہ آصف خان کے نام بھی لکھا تھا (حالات شاہ بلاول ۳، ۱۲ و بہ بعد) شاہ جہاں متعدد مرتبہ لاہور میں شاہ بلاول سے ملا تھا۔ ایک ملاقات میں اس نے اپنے فرزند داراشکوہ کے لیے دعا کی درخواست کی تھی (ہمانجا ۱۳) شاہ بلاول میاں میر لاہوری (ف ۱۰۳۵ھ / ۱۶۳۵ء) کے کمالات روحانی کے معترف تھے (سکینۃ الاولیاء ۵۰ حالات شاہ بلاول ص ۱۴) شیخ بلاول اعلیٰ اخلاق کے مالک، نہایت مہذب اور خوش گفتار تھے۔ ان کے مواعظ بہت اثر انگیز ہوتے تھے۔ (عمل صالح ۳ / ۲۸۱)

لاہور میں شاہ بلاول کی خانقاہ اور باغ دراصل مسافروں اور حاجتمندوں کی پناہ گاہ تھی۔ باغ نہایت خوبصورت اور پر فزا تھا (تحقیقات چشتی ۲۱۰)

شاہ بلاول کا وصال ۲۸ شعبان ۱۰۳۶ھ / ۱۶۳۶ء کو ہوا (عمل صالح ۳ / ۲۸۱، سفینۃ الاولیاء ۱۹۸، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۶۳)

لاہور میں اپنی خانقاہ میں دفن کیے گئے اس وقت مزار قبرستان نزد حاجی یحییٰ کالونی، باغ راجہ دینا ناتھ، سلطان پورہ روڈ پر واقع ہے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۸ھ / ۱۶۶۸ء) نے غنیۃ الطالبین تصنیف شیخ عبدالقادر گیلانی ملقب بہ غوث اعظم کا عربی سے فارسی زبان میں بحسب ارشاد شاہ بلاول قادری لاہوری ترجمہ کیا تھا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۳۵۱)

محبوب الواصلین:

شاہ بلاول لاہوری کے ملفوظات و مناقب پر ایک قریب العہد کتاب محبوب الواصلین کے چند اقتباسات مفتی غلام سرور لاہوری نے دیئے ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۶۳-۱۶۱) اس کتاب کے فارسی متن کے کسی نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے، ہمارا قیاس ہے کہ ملک فضل الدین نے لاہور سے حالات حضرت شاہ بلاول لاہوری کے نام سے جس رسالے کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا وہ یہی محبوب الواصلین ہے۔ یہ کتاب شاہ بلاول کے پوتے عبدالغنی بن

شیخ محمد حیات بن شاہ بلاول کے حین حیات تالیف ہوئی تھی اور مؤلف نے شاہ عبدالغنی سے کئی روایات نقل کی ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف کا نام ترجمہ میں موجود نہیں ہے۔

مآخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۵ء
- ۲۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء
- ۳۔ داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء مرتبہ تارا چند و جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۵ء
- ۴۔ عبد الحمید لاہوری: پادشاہ نامہ، کلکتہ، ۱۸۶۸ء
- ۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہوری، ۱۹۷۶ء
- ۷۔ قزوینی، محمد امین: بادشاہ نامہ (بخش مربوط بہ تراجم اعیان) مرتبہ محمد سلیم اختر مشمولہ رسالہ اردو، کراچی، ش ج ۵۵، ۱۹۷۹ء
- ۸۔ مقصود ناصر: تاریخ شیخوپورہ، لاہور، ۱۹۶۳ء
- ۹۔ محمد صالح کنبوہ لاہوری: عمل صالح مرتبہ غلام یزدانی و وحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء
- ۱۰۔ نامعلوم الاسم: حالات حضرت شاہ بلاول لاہور، ناشر ملک فضل الدین لاہور، س۔ ن

۱۲ مئی ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ ابو محمد قادری لاہوری

شیخ ابو محمد قادری لاہوری، لاہور کے نامور عالم و شیخ طریقت محمد طاہر بندگی لاہوری کے خلیفہ و جانشین تھے۔

شیخ ابو محمد قادری ابتداء میں عملیات اور تسخیر جنات کے فن کے ماہر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ جب شیخ محمد طاہر لاہوری خلیفہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی لاہور میں شہرت ہوئی تو ان کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری متوفی ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء حضرت مجدد الف ثانی کے عین حیات شاہ سکندر کیسٹلی سرہند تشریف لائے تو قصیدہ بردہ کے بعض مقامات سمجھنے کے لیے شیخ محمد طاہر لاہوری کو جو ان دنوں سرہند میں تھے اپنے ساتھ اپنے گاؤں کیسٹل لے گئے، شاہ سکندر شیخ محمد طاہر سے اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ انہیں نسبت قادریہ کی بشارت اور خلافت دے کر رخصت کیا اور ساتھ ہی ”بندگی“ کا لقب بھی دیا (شرائف غوثیہ۔ خطی برگ ۱۴۵ اب، زبدۃ المقامات ص ۳۴۰، حضرات القدس ۲ / ۳۱۹، خلاصۃ العارف، خطی ۲ / ۲۵۹ ب)

شیخ محمد طاہر لاہوری کے وصال (۱۰۴۰ھ) کے بعد شیخ ابو محمد لاہوری سجادہ نشین ہوئے (تحقیقات چشتی ۱۶۶، شرائف غوثیہ ۱۴۵ اب) اور شیخ محمد طاہر کے وصال کے دس سال بعد ان کی وفات ہوئی (تحقیقات چشتی ۱۶۶) یعنی حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۶ء ان کا مزار شیخ محمد طاہر کے مزار واقع میانی صاحب لاہور کے قریب ہی ایک جداگانہ چبوترے پر بنایا گیا (ایضاً) شیخ محمد طاہر کے مزار کی تعمیر بھی شیخ ابو محمد قادری لاہوری نے کروائی تھی (ایضاً) شیخ ابو محمد لاہوری کا شجرہ طریقت اس طرح سے واصل ہوتا ہے۔ شیخ ابو محمد قادری مرید و خلیفہ شیخ محمد طاہر لاہوری و ہو مرید و خلیفہ شاہ سکندر کیسٹلی و ہو خلیفہ شاہ کمال کیسٹلی۔ شاہ فضیل، سید گدار حسن ثانی، سید شمس الدین عارف۔ سید عقیل، سید بہاء الدین، سید عبد الوہاب، شرف الدین قتال، سید عبد الرزاق، شیخ عبد القادر جیلانی (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۶۶۶، شرائف غوثیہ، خطی برگ ۲۲۰ ب)

شیخ ابو محمد قادری لاہوری کے خلفاء میں سے شیخ محمد افضل کلانوری لاہوری مشہور ہوئے ہیں جن سے بٹالے کے معروف قادری بزرگ شیخ محمد فاضل قادری بٹالوی (ف ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء) نے اخذ فیض کیا جن کے دامن تربیت سے لاتعداد افراد نے وابستہ ہو کر فیض پایا اور ان کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں قادری فاضلی سلسلہ انہی سے جاری ہوا (شرائف غوثیہ برگ ۱۳۶-۱۵۳) محمد بن غلام غوث نے لکھا ہے کہ شیخ محمد طاہر کے وصال کے بعد جب شیخ ابو محمد لاہوری جانشین ہوئے تو کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے باطنی استفادہ کیا (شرائف غوثیہ ۱۳۶-الف)

ماخذ

- ۱۔ محمد ہاشم کشمیری بدخشی: زبدۃ المقامات، لکھنؤ، ۱۳۰۷ھ
- ۲۔ بدرالدین سرہندی: حضرات القدس مرتبہ محبوب الہی۔ لاہور ۱۹۷۱ء
- ۳۔ آدم بنوری، شیخ: خلاصۃ المعارف۔ خطی مملوکہ پیر ابو الخیر عبد اللہ جان، پشاور
- ۴۔ محمد امین بدخشی: نتائج الحرمین، خطی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس۔ لندن نمبر Ethel ۶۵۲
- ۵۔ محمد بن غلام غوث: شرائف غوثیہ۔ خطی موزہ ملی پاکستان، کراچی نمبر ۵۶-۱۹۶۲ N.M
- ۶۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی، لاہور ۱۸۶۵ء

۱۳ فروری ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

شیخ سید بدر الدین گیلانی

سید بدر الدین گیلانی بارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ تھے۔

شیخ سید بدر الدین بن سید علی بن حاجی محمد ہاشم گیلانی سادات میں سے تھے۔ سادات کے اس خانوادے کا تعلق پنجاب کے معروف علاقہ اوج (Uch) سے تھا۔

سید بدر الدین ایک قبحہ عالم تھے۔ لاہور میں درس و تدریس کے علاوہ وعظ بھی کہتے تھے۔ ان کا خطبہ بہت علمی اور دینی مسائل سے پُر ہوتا تھا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۹۵)

شیخ بدر الدین بہت بارعب شخصیت کے مالک تھے عام لوگوں کو ان سے گفتگو کی تاب نہیں تھی بہت آزاد منش اور قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ بہت بے باکانہ بات کرتے تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۹۵، نزہۃ الخواطر ۶ / ۳۴)

شیخ بدر الدین نہایت متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے سلاطین و امراء کے ساتھ میل جول اور تعلق داری ہرگز پسند نہیں تھی۔ ابو الفتح معز الدین محمد جہاندار شاہ (۱۱۲۳-۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۲-۱۷۱۳ء) اپنے قیام لاہور کے زمانے میں شیخ بدر الدین گیلانی سے ملاقات کے لیے آیا تو ایک لاکھ روپے نقد اور چند قطعہ اراضی جاگیر اور مدد معاش کے طور پر پیش کی۔ جسے انہوں نے ہرگز قبول نہ کیا (ہامجا، بزرگان لاہور ۶۸)

شیخ بدر الدین گیلانی کے سال وفات میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے۔ علی اصغر گیلانی نے ۱۱۳۰ھ اور دیگر مؤلفین نے ۱۱۳۶ھ درج کیا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۹۵)

لیکن اول الذکر سنہ ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸ء اس خاندان کے ایک اہم تذکرہ نگار علی اصغر گیلانی کے مطابق ہے جسے خاندانی دستاویز کے مطابق ترجیح دی جاسکتی ہے۔

ماخذ

- ۱۔ اختر، مرزا محمد: تذکرہ اولیاء پاکستان و ہند۔ لاہور (سن ن)
- ۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء
- ۳۔ علی اصغر گیلانی: شجرۃ الانوار، خطی، مخزنہ کتابخانہ مرکزی دانشگاه پنجاب لاہور
- ۴۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۵۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء (تذکرہ صوفیہ پنجاب) تحقیق و تحشیہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۶۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء و المشائخ، لاہور، ۱۹۲۰ء
- ۷۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۸۔ طاہر حسین قادری گیلانی: لمحات کرم، منگانی ضلع جہنگ، ۲۰۰۶ء

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ کشیہ قارہ

شاہ لطیف بری قادری

شاہ لطیف بری بارہویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی تھے۔

شاہ لطیف عوام میں ”بری امام“ کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کا اصل نام شاہ عبد اللطیف تھا (خوارق

العادات ۳۶-۷۳)

بری امام کا قیام راولپنڈی (Rawalpindi) کے حدود میں پوٹھوار (پوٹھوہار) (Pothohar) میں تھا۔

(ہمانجا) آپ قادری سلسلہ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مشائخ کے بارے میں صحیح روایات نہیں ملتی ہیں

ایک حکایت کے مطابق ان کے شیخ حیات المیر زندہ پیر تھے جو شیخ عبد القادر جیلانی معروف بہ غوث اعظم کے پوتے

تھے (حدیقۃ الاولیاء ۳۳) ان کے بارے میں روایت ہے کہ وہ حیات جاودانی کے مالک ہیں اور اب تک بقید حیات

ہیں۔ (ہمانجا)

قدیم معاصر روایات سے حیات المیر نام کے ان صفات کے حامل کسی قادری بزرگ کا ذکر تذکروں میں

نہیں ملتا۔ البتہ شاہ ابو المعالی قادری غربتی لاہوری (رک باں) نے شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر جیلانی کے

فرزندوں میں سے شیخ جمال اللہ نام کے ایک بیٹے کا تذکرہ کیا ہے کہ ان کی طویل عمر ہے اور تادم تالیف (حدود

۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء) وہ بقید حیات ہیں (تحفۃ القادریہ ص ۹۵-۹۶) ممکن ہے انہی کو حیات المیر کہا جاتا ہو۔

اکابر صوفیہ نے شاہ لطیف بری سے ملاقات کی تھی اور ان کی روحانیت کے قائل تھے۔ شاہ جمال اللہ کا

عرف حیات المیر احمد علی استر آبادی نے بھی لکھا ہے۔ (تذکرہ مقیمی، برگ ۲۰ ب) لیکن قدیم مآخذ سے اس کی

تصدیق نہیں ہوتی۔

شاہ لطیف بری سے ملاقات کرنے والوں نے بھی ان کی بزرگی کا تذکرہ کیا ہے۔ عوام و خواص میں ان کی

کرامات بہت مشہور ہیں۔ معروف صوفی اور عالم سید حسن پشاوری (ف ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) جو شیخ عبد القادر جیلانی کی

اولاد میں سے تھے اپنے سفر کے دوران پوٹھوار میں شاہ لطیف بری سے حدود ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء کو ملے تھے۔ اور ایک دور و ز تک ان کی صحبت میں رہ کر رخصت ہوئے، موصوف نے شاہ لطیف کو ایک صاحب نظر مجذوب بتایا ہے۔ (خوارق العادات ۳۶، ۷۳)

شیخ حسن پشاورى مذکور کے صاحبزادے شاہ محمد غوث لاہورى جو ایک بڑے عالم، محدث اور صوفى بزرگ تھے۔ ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۵ء کو شاہ لطیف کی ملاقات و زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور کئی بار ان سے ملے تھے ان کی پاکیزہ صحبت کی تعریف کی ہے اور ان کی کرامات کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ (رسالہ در کسب سلوک ص ۴۱)

شاہ لطیف بری کا سال وفات مفتی غلام سرور لاہورى نے بغیر کسی حوالے کے ۹۶۳ھ / ۱۵۵۷ء درج کیا ہے (حدیقتہ الاولیاء ۳۳) جو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ سجادہ نشینوں کے پاس جو یادداشتیں ہیں ان میں شاہ لطیف کا سال وصال ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۶ء لکھا ہوا ہے (شاہ لطیف بری مؤلفہ منظور الحق صدیقی ص ۷۰) جو قرائن کے عین مطابق ہے۔ مندرجہ بالا شواہد بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سید حسن پشاورى نے ۱۰۷۷ھ کو شاہ لطیف سے ملاقات کی اور اسی طرح ان کے فرزند شاہ محمد غوث لاہورى نے اپنے والد کے وصال کے ایک سال بعد ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۵ء کو ان سے ملاقات کی تھی جو بری امام کے مذکورہ سنین میں بقید حیات ہونے کے شاہد عادل ہیں مذکورہ شہادت خود شاہ محمد غوث لاہورى کے سفر نامہ سے ماخوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ شاہ لطیف بری شیخ عبدالقادر گیلانی (ف ۵۶۱ھ) کے پوتے ”حیات المیر زندہ پیر“ سے کیسے ملے تھے؟ اگر ان کی عمر طویل کو غیر عادى تصور کر لیا جائے تو بظاہر یہ ممکن ہے۔ بعض دیگر اصحاب بھی جو شاہ لطیف بری کے قریب العہد اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حیات المیر سے ملاقات کرنے کے دعوى دار ہیں چنانچہ صوفیہ حجرہ شاہ مقیم نے تو شیخ جمال اللہ مذکور ہی کا عرف حیات المیر لکھ کر ان سے اتصال کا تذکرہ کیا (تذکرہ مقیمی ص ۲۰) شاہ لطیف بری کے لقب یا عرف ”بری امام“ کی وجہ تسمیہ بھی تذکرہ نویسوں نے بیان نہیں کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کے تقدس کے باعث انہیں بری امام کا لقب دیا ہو گا کیوں کہ ان کے معاصرین نے ان کے نام کے ساتھ ”بری“ کا لفظ نہیں لکھا، سید حسن پشاورى اور شاہ محمد غوث لاہورى نے ان کا نام شاہ عبداللطیف مجذوب اور شاہ لطیف مجذوب لکھنے پر اکتفا کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لقب ان کے فوت ہونے کے بعد دیا گیا۔

شاہ لطیف بری کی کسی تحریر، تالیف، مکتوبات یا ملفوظات کے کسی مجموعے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد علی استر آبادی: تذکرہ مقیمی (احوال مشائخ حجرہ شاہ مقیم) بسال ۱۱۷۲ھ۔ خطی، مخزنہ کتابخانہ منج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد
- ۲۔ ام سلمی گیلانی: محدث کبیر شاہ محمد غوث کی دینی و علمی خدمات۔ پشاور، ۱۹۹۰ء
- ۳۔ صدیقی، منظور الحق: شاہ لطیف بری، لاہور ۱۹۷۰ء
- ۴۔ غربتی، شاہ ابوالمعالی لاہوری: تحفۃ القادریہ، سیالکوٹ، ۱۳۱۰ھ
- ۵۔ غلام سرور لاہوری: حدیقتہ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی۔ لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۶۔ غلام کشمیری، میر: خوارق العادات (تذکرہ سید حسن پشوری) بسال ۱۱۸۹ھ، پشاور، ۱۹۸۳ء
- ۷۔ گل حسن: تذکرہ غوثیہ، لاہور (سن ن)
- ۸۔ محمد غوث لاہوری، شاہ: رسالہ در کسب سلوک و بیان معرفت۔ پشاور ۱۲۸۳ھ
- ۹۔ محمد قاسم راجوردی: حیات بری امام، رالپنڈی (سن ن)
- ۱۰۔ مقیم، محکم الدین مجرودی: ذر العجائب، اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۷۱ء

۱۶ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیر قارہ

حضرت سید حسن قادری پشاورؒ

پاک و ہند میں تصوف کے تقریباً تمام سلاسل کے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن یہاں کے مزاج و طبائع نے جن سلسلوں کو زیادہ قبول کیا ان میں سلسلہ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

پاک و ہند کے صوفیہ کا جو تصنیفی سرمایہ ہم تک پہنچا ہے وہ دیگر ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہے خصوصاً یہاں کے سلسلہ قادریہ کی تاریخ انتہائی تشنہ رہ گئی ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) نے اخبار الاخیار جیسی معرکہ آراء کتاب لکھ کر پاک و ہند کی تاریخ تصوف میں جس فکر، تجسس اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اُسے اپنانے کی اب تک کوئی واضح مثال قائم نہیں ہو سکی، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے صوفیہ کے اکثر تذکرے رطب و یابس کے مجموعے معلوم ہوتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سائنٹفک اصولوں کے مطابق پاکستان میں مروجہ تمام روحانی سلاسل پر تحقیقی کام کیا جائے ہمیں اس وقت صرف سلسلہ عالیہ قادریہ کے بارے میں مختصر طور پر کچھ لکھنا ہے۔

پاکستان میں سلسلہ قادریہ کے جو قدیم ترین بزرگ تشریف لائے وہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ (بانی سلسلہ ہذا) کے خلیفہ حضرت سید عون قطب شاہ علوی عباسی بغدادی ابن یعلیٰ قاسم بن حمزہ ثانی بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزہ الاکبر بن حسین بن عبد اللہ مدنی بن عباس علمدار بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں سید عون قطب کی ولادت ۴۱۹ھ و وفات ۵۵۶ھ میں ہوئی، آپ نے پنجاب میں کوہستان نمک میں

قیام فرمایا، بہت سے اہل ہند مشرف بہ بیعت ہوئے۔ آپ وفات سے پہلے واپس بغداد چلے گئے تھے ان کی اولاد یہیں رہی، صاحب مرآۃ سکندری نے آپ کے ورود ہند کا ذکر کیا ہے۔

پاکستان میں علم قادریت بلند کرنے والے دوسرے قادری بزرگ حضرت سید احمد المشہور بہ سخی سرور سلطان قدس سرہ ہیں آپ نے بغداد جا کر حضرت غوث الاعظمؒ سے فیض حاصل کیا ان کی وفات ۵۷۷ھ / ۱۱۸۱ء میں ہوئی۔

اس کے بعد اس سلسلہ کی جس شاخ کو پاکستان میں بہت زیادہ شہرت ملی ہے وہ اوج شریف کا خانوادہ ہے۔ اس خانوادہ میں حضرت سید محمد بن محمد شمس الدین گیلانی (ف ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) سب سے پہلے اوج میں آکر مقیم ہوئے اس خانوادہ میں میر سید شاہ فیروز، میر عبد القادر ثانی، سید محمود حضوری لاہوری، میراں سید مبارک حقانی اور سید محمد غوث بالا پیر نے بہت شہرت حاصل کی۔

ان کے علاوہ حضرت میاں میر لاہوری، شاہ ابو المعالی لاہوری اور حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش (ف ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۰ء) نے بھی یہاں اسلام اور اس سلسلہ کی اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ حضرت غوث الاعظم کی اولاد میں سے پاکستان میں حضرت سید عبد اللہ صحابی ٹٹھوی رحمۃ اللہ علیہ (ف حدود ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء) کے خانوادہ کی اشاعت اسلام اور ترویج طریقہ کے باب میں اہم خدمات ہیں۔

حضرت صحابی ٹٹھوی، بغداد سے بغرض سیاحت سندھ میں آئے تو وہاں کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور یہیں رہنے پر اصرار کیا چنانچہ آپ نے سندھ میں ہی قیام کیا، یہیں ایک صحیح النسب خاندان سادات میں شادی کی جس سے دو فرزند تولد ہوئے ایک حضرت سید حسن دوسرے سید محمد فاضل۔

ان میں سے حضرت سید محمد فاضل تو خانیاں کشمیر میں مقیم ہو کر سلسلہ رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، دوسرے حضرت سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ پشاور تشریف لے گئے حضرت سید حسن رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات، کارنامے اور کرامات و مناقب کی تفصیل کتاب خوارق العادات میں درج ہے۔

حضرت سید حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزندوں میں سے حضرت سید شاہ محمد غوث لاہوریؒ کو بہت شہرت اور نیک نامی حاصل ہوئی، آپ ایک بلند پایہ عالم دین، شیخ طریقت، متعدد عربی اور فارسی کتابوں کے مصنف اور بخاری شریف کی نہایت ہی بسیط شرح کے مؤلف تھے۔

کتاب خوارق العادات میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی زبانی بہت سی روایات درج ہیں۔

مصنف کتاب ہذا

اس کتاب (خوارق العادات) کے مصنف میر غلام بن سید محمد عابد بن سید شاہ محمد غوث لاہوری ابن حضرت سید حسن پشاورىؒ ہیں۔ گویا صاحب سوانح حضرت سید حسن صاحبؒ کے پڑپوتے تھے۔

ان کا نام سید محی الدین اور عرف سید غلام شاہ تھا اپنے والد کے دوسرے فرزند تھے، حضرت سید محمد عابد خانپاری (ف ۱۱۹۳ھ) مصنف کے والد اور کتاب خوارق العادات کی بعض روایات کے راوی ہیں، ان کی تعلیم و تربیت ان کے دادا حضرت سید شاہ محمد غوث لاہوریؒ نے کی تھی خلافت بھی انہی سے ملی تھی ان کا خلافت نامہ آغا سید شریف حسین صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوثؒ کے پاس محفوظ ہے جو حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر دیا تھا۔

مصنف کی تمام عمر درس حدیث، رشد و ہدایت طالبان خدا اور ترویج طریقت میں صرف ہوئی۔ کتاب (خوارق العادات) کے علاوہ انہوں نے اپنے دادا حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کی تصنیف رسالہ کسب سلوک کا عربی زبان میں ایک مختصر تعارف بھی لکھا ہے جس میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مختصر حالات درج ہیں یہ دیباچہ اس نسخہ میں شامل ہے جو جناب فوزی آغا صاحب کے ہاں پشاور میں محفوظ ہے۔

۱۔ محدث کبیر حضرت سید شاہ محمد غوث بن حضرت سید حسن ابو البرکات بن سید محمد طہ صراف صہابی بن سید محمود بن سید عبدالقادر بن سید عبدالہامد بن سید حسین بن سید احمد بن سید

شرف الدین قاسم بن سید بدر الدین بن سید طہ الدین بن سید غوث بن سید غلام الدین بن سید غلام الدین بن سید شرف الدین احمد بن سید شہاب الدین احمد بن سید ابو صالح نصر بن عبدالرزاق بن حضرت

شیخ الاسلام سید عبدالقادر جیلانیؒ

۲۔ خوارق العادات ورق ۱-۲

۳۔ تذکرہ مشائخ قادریہ صنیۃ الامیر شاہ قادری، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۵

ان کے علاوہ اُن کا ایک دیوان بھی ہے جس میں حضرت غوث الثقلینؒ کی مدح میں قصائد اور اپنے والد (سید محمد عابد) کی تاریخ وفات کا قطعہ شامل ہے، یہ دیوان حضرت سید محمد امیر شاہ صاحب قادری مرحوم ساکن یکہ توت پشاور کے پاس محفوظ ہے۔

خوارق العادات

اس کتاب میں حضرت سید حسن پشاوری ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء بن حضرت سید عبداللہ صحابی ٹھٹھوی کے حالات، مناقب اور کرامات درج ہیں، مصنف نے ہر روایت کے اندراج میں سند کا خاص اہتمام کیا ہے، اپنے خاندان کی روایات کے سلسلہ میں غیر معروف یا غیر ثقہ لوگوں کی روایات شامل کتاب نہیں کی ہیں، بلکہ اپنے والد حضرت سید محمد عابد اور دادا حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ اور چچا سید محمد شاکر سے جو حکایات سنیں، انہیں من و عن نقل کر دیا ہے، ہمارے خیال میں سند کا یہ اہتمام مصنف کے علم حدیث کے مدرس ہونے کی وجہ سے ہے۔ فرماتے ہیں:

درین نسخہ کہ مسی است بہ خوارق العادات بعض کرامات و خوارق عادات جناب حضرت سید حسن رحمۃ اللہ علیہ کہ از جد و پدر خود شنیدہ ام..... آنچہ متواتر و متوالی بایں عاصی رسید..... درین نسخہ ضبط نمودم۔

اگرچہ یہ کتاب محض کرامات پر مشتمل ہے لیکن بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بعض ایسے واقعات کا بھی اندراج ہو گیا ہے جن سے صاحب سوانح کی زندگی کے کئی گوشے اجاگر ہو جاتے ہیں مثلاً اُن کے اپنے معاصر امراء اور صاحب اقتداء حضرات سے تعلقات کی نوعیت، اُن کا استغناء، توکل اور قناعت کے واقعات وغیرہ۔

کتاب کا سال تصنیف آخری ورق پر ۱۱۸۹ھ بتایا گیا ہے گویا حضرت سید حسن پشاوری (صاحب سوانح) کی وفات سے چوتھرا سال بعد تصنیف ہوئی، قارئین کرام کو شاید اس امر پر اعتراض ہو کہ حضرت سید حسن صاحب کا سال وفات کتاب کے خاتمہ کی عبارت کے بعد لکھا گیا ہے، اس لیے یہ سنہ وفات ۱۱۱۵ھ الحاقی ہے لیکن ایسا خیال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کتاب میں ضبط سنین کا مطلق خیال نہیں کیا گیا ممکن ہے مصنف کو حضرت سید

حسن کا سال وفات کتاب مکمل کرنے کے بعد ملا ہوا اور انہوں نے اسے آخر میں لکھ دیا ہو ویسے یہ سنہ وفات بالکل درست ہے، اس لیے کہ یہی سنہ حضرت شاہ محمد غوث صاحب لاہوریؒ نے بھی لکھا ہے۔

خطی نسخہ:

کتاب خوارق العادات کا اس وقت تک یہی ایک خطی نسخہ ہمارے علم میں ہے، جو اس سے پہلے طبع نہیں ہوا ہے، یہ خطی نسخہ اس خاندان کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ قادری مرحوم، ساکن یکہ توت، پشاور کے پاس محفوظ ہے، اس کتاب کا فارسی متن اسی نسخہ سے منقول ہے۔

کتاب کے خاتمہ کی عبارت یوں ہے ”تمت ہذہ النسخۃ الشریفۃ من تحریر و التصنیف فی ۱۱۸۹ھ“ جس سے یہ گمان گذرتا ہے کہ یہ مصنف کا خود نوشت خطی نسخہ ہو گا لیکن متن کے مطالعہ سے ایسی بہت سی کتابت کی غلطیاں معلوم ہوئی ہیں جو عموماً عالم مصنف سے سرزد نہیں ہوتیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ناقل نے مصنف کا ترقیمہ بھی ساتھ ہی نقل کر لیا اور اپنا ترقیمہ لکھنا بھول گیا تاہم خط اور کاغذ پرانا ہے جسے مصنف کا قریب الہند نسخہ کہہ سکتے ہیں۔ مولانا محمد امیر شاہ قادری مرحوم نے اس کا فارسی متن بھی شائع کر دیا تھا۔

اردو ترجمہ

اس کتاب کا اردو ترجمہ معروف عالم دین حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری مرحوم و مغفور خطیب جامع مسجد وزیر خان، لاہور نے کیا ہے، یہ ترجمہ ۲۶ محرم ۱۳۶۹ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ مکمل ہوا، ترجمہ کے ترقیمہ مترجم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن پنجاب کے گورنر عبدالرب نشتر مرحوم نے اڑھائی بجے دوپہر کو شاہی قلعہ لاہور (قلعہ عالمگیری) کا دروازہ کھولنے کی رسم اپنے ہاتھ سے ادا کی تھی۔

اس کا اردو ترجمہ مذکورہ خطی نسخہ سے نہیں کیا گیا بلکہ یہ دوسرے نسخہ سے کیا گیا ہے جو حضرت آغا جمل حسین بن حضرت آغا سید سکندر شاہ صاحب حسینی قادری چشتی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا سال کتابت ۱۳۳۹ھ تھا۔

۱۔ رسالہ دہ گیسٹ ملوک قادری، ملہور پشاور ۱۲۸۳ھ ص ۲۰

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ترجمہ کاغذ حرم

کتاب خوارق العادات پر ایک نظر

مسنف کے آباد اجداد کے بغداد سے ہندوستان میں آکر آباد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت سید عبد اللہ بغداد سے بغرض سیاحت سندھ میں آئے تو وہاں کے لوگ آپ کے گردیدہ ہو گئے اور مصر ہوئے کہ وہ یہاں سے نہ جائیں اور سندھ ہی میں ایک صحیح النسب خاندان میں آپ کا عقد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو فرزند عطا دیے، سید حسن اور سید محمد فاضل، سید حسن بڑے تھے اور سید محمد فاضل ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد حضرت سید عبد اللہ کا انتقال ہو گیا۔ (۳ ب) حضرت سید حسن نے والد کی وفات کے بعد سات سال تک چلہ کیا (۵-۱) پھر وطن چلے گئے وہاں سے بلاد ہندوستان کے سفر کا عزم کیا اور اپنے بھائی سید محمد فاضل کی باطنی تربیت خود کی۔ (۵ ب)

اس سفر کے دوران حضرت سید حسن ہندوستان کے ایک ایسے گاؤں میں پہنچ گئے جہاں بت پرستی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ (۵ ب) وہاں کے راجہ کو خبر ہوئی کہ دو مسلمان اس گاؤں میں آگئے ہیں، راجہ نے اپنے جادو گروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا بہت سخت مقابلہ ہوا، آخر فتح ان کو ہوئی۔ (۶-۷)

وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے بحکم حضرت غوث الاعظمؒ، پشاور میں مقیم ہوئے۔ (۷ ب)، راستے میں اپنے معاصر اولیائے کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا، لاہور میں حضرت میاں میر، گجرات میں شاہ دولہ، پوٹھوہار میں سید شاہ لطیف مجدد (شاہ لطیف بری) سے ملے۔ (۸-۱) وہاں سے پشاور پہنچے تو افغانوں کی کثیر تعداد حلقہ بگوش ہوئی، پشاور میں بیرون شہر آپ کا پہلا قیام ایک باغ میں ہوا جسے سلطان پور کہتے تھے (۸ ب) ایک افغان سردار نصر ہوا کہ میری دختر کو اپنے عقد میں لے لیں (۹-۱) چنانچہ حضرت سید حسن نے اسے قبولیت بخشے ہوئے عقد مسنونہ کر لیا، اس خاتون کے بطن سے حضرت زین العابدینؑ تولد ہوئے۔ (۹ ب)

پھر حضرت غوث الاعظمؒ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ قصبہ کنڑ میں حضرت سید علی ترمذی کی اولاد موجود ہے ان کے ہاں بھی رشتہ کرو چنانچہ وہاں سے معلوم کروایا تو وہاں دو صاحبزادے سید غیاث اور سید عیسیٰ فرزند ان سید جمال نبیرہ سید علی ترمذی معروف بہ پیر بابا موجود تھے ان سے ان کی ہمشیرہ سے عقد کی بات کی تو استخارہ کے بعد رضامندی حاصل ہوئی۔ (۱۰-۱)

اس صالحہ کے بطن سے دو فرزند تولد ہوئے، ایک حضرت سید محمد غوث دوسرے حضرت میر سید

علی۔ (۱۰-ب)

کابل کا ناظم نواب امیر خان حضرت سید حسن کا بہت معتقد تھا اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجا کرتا

تھا۔ (۱۰-ب ۱۲۳-۱)

موجودہ مظفر آباد کی آبادی اور وجہ تسمیہ کے بارے میں اس کتاب کی معلومات خاصی قابل توجہ ہیں لکھا

ہے:

جب حضرت سید حسنؒ نے مع اپنے برادر خرد سید محمد فاضل نے کشمیر اور وہاں کے مشائخ کی زیارت کے

لیے سفر کیا۔ جب دمتوز کی حدود پکلی میں پہنچے تو وہاں مظفر نام ایک شخص بصد التجاء انہیں اپنے گھر لے گیا،

مہمانداری کے بعد حضرت نے اُسے اپنی دستار عنایت کی تو اس نے عرض کی کہ میں سلاطین دمتوز اور پکلی کے

ہاتھوں مغلوب ہوں آپ نے خوش ہو کر اُسے دعادی اور کامیابی کی بشارت بھی چنانچہ وہ بہت جلد فحیاب ہوا،

کوہستان کا سارا علاقہ اس کے قبضے میں آگیا، اس نے اس دریا کو عبور کر کے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام مظفر

آباد تجویز کیا، اس طرح وہ مظفر خان کے نام سے حد کشمیر تک حاکم رہا۔ (۱۴-ب، ۱۵-۱)

پھر مزید لکھا ہے کہ اسی ۸۰ سال اس کی آباد کو ہو گئے ہیں، مظفر خان کی اولاد اب تک وہاں متصرف

ہے۔ (ایضاً)

پیش نظر کتاب کا سال تصنیف ۱۱۸۹ھ ہے۔ (ورق ۳۰-ب) اگر اس سنہ سے اسی (۸۰) سال منہا کیے

جائیں تو مظفر آباد کی آبادی اور حضرت سید حسن صاحب مگاور و کشمیر کا سنہ حدود ۱۱۰۹ھ متعین ہو جاتا ہے۔

جب آپ کشمیر کے محلہ عید گاہ میں پہنچے تو ایک منصب دار کے ہاں پانچ چھ ماہ تک قیام کیا تا کہ برسات کا

موسم گزر جائے، فقراء و مساکین پر خرچ کرنے کے لیے انہوں نے کچھ رقم قرض لی۔ (۱۵-ب)

کشمیر سے رخصت کے وقت لوگ مصر ہوئے کہ آپ یہیں قیام کریں لیکن آپ نے اُسے رضائے الہی پر

چھوڑا اور اپنے بھائی حضرت سید محمد فاضل کو وہاں اپنا نائب مقرر کر کے خلافت دی۔ (۱۷-ب)

جب حضرت سید حسنؒ کابل کی سیر کے لیے گئے تو اس وقت پشاور کا نواب ناصر خان تھا (۱۸-۱)۔

حضرت سید حسن نواب امیر خان کی درخواست پر ایک مرتبہ ان کے ساتھ شکار کے لیے بھی گئے تھے، (۱۹-ب)۔

۲۰۔ ب) اس روایت کو حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کے مریدین حاجی محمد صدیق اور حافظ محمد اعظم نے بیان کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگ بھی ان کے حلقہ بگوش تھے۔ (۱۹۔ ب)۔ اس کتاب سے یہ بھی مترشح ہوا ہے کہ صاحب سوانح حضرت سید حسن صاحبؒ کے زمانہ حیات (۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) میں پشاور سے غزنین تک یہ افواہ پھیلانی گئی تھی کہ بادشاہ ہندوستان اور نگزیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا ہے۔ جس سے نواب امیر خان بہت مضطرب ہوا، اس نے حضرت کی طرف رجوع کیا تو حضرت نے کشف کے ذریعہ اور نگزیب کی سلامتی کی خوشخبری اُسے دی۔ (۲۱۔ ا، ب)

حضرت سید صاحب کے زمانے میں (جب کہ نواب امیر خان کی عملداری تھی) کابل اور اطراف کابل میں شدید وباء و قحط پڑا بہت جانیں تلف ہوئیں۔

ایک یہ روایت بھی درج ہے جس سے سلاطین مغلیہ کے مشائخ سے روابط پر مزید روشنی پڑتی ہے لکھا ہے کہ نواب امیر خان نے اور نگزیب عالمگیر سے حضرت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے چند لاکھ درہم کی سندی اور اسے حضرت کی خدمت میں بطور معیشت پیش کیا، حضرت نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اسباب دنیا سے مایوس ہو چکا ہوں، ناچار امیر خان نے اسے واپس لے لیا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پشاور و کابل کے ناظم نواب امیر خان کو حضرت سید حسنؒ سے بڑی عقیدت تھی جس کے واقعات اختصار کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، نواب امیر خان، خلیل اللہ خان یزدی کا لڑکا ہے اس کی والدہ حمیدہ بانو بیگم، سیف خان کی بیٹی اور یحییٰ الدولہ آصف خان کی نواسی تھی اور نگزیب عالمگیر کے عہد میں وہ مختلف مناصب پر فائز رہا وہ بیسویں جلوس عالمگیری یعنی ۳ محرم ۱۰۸۸ھ ۲۱ فروری ۱۶۷۷ء میں پشاور (کابل) کا ناظم مقرر ہوا، افغانوں کی شدید بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد بائیس سال تک ناظم رہا، ۲ شوال ۱۱۰۹ھ ۱۶۹۸ء اپریل ۱۶۹۸ء کو اس کا انتقال ہوا۔

(نوٹ) خدوی حضرت سید امیر شاہ قادری الاولاد حضرت سید حسن بیان کرتے ہیں کہ اور نگزیب کا ایک فرزند بہادر جاگیر دار و معاش برائے خاندان حضرت سید حسن ہمارے پاس موجود تھا جو انہوں نے پھیل میوزیم کراچی کے ڈائریکٹر کو دے دیا تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ اور نگزیب نے یہ فرزند بزرگ حضرت کی خدمت میں بھیجا ہو گا۔ فرماں کو دلی سے پشاور تک آتے جاتے کم از کم پانچ سال کے اس دربار میں حضرت سید حسن کا انتقال ہو گیا اور میر نواب امیر خان بھی ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۸ء میں انتقال کر گئے تو آپ کے اظہار نے اسے پہچان دیا۔

وہ مذہب شیعہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے شیعہ ہونے کی شکایت پیش نظر کتاب میں بھی درج ہے۔ ایران کے فضلاء کو بہت رقم بطور مدد معاش بھیجتا تھا۔

حضرت سید حسنؒ کی وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ کو ہوئی۔ (۳۰۔ب)

اس کتاب سے حضرت سید عبد اللہ ٹھٹھوی مشہور بہ صحابیؒ کے سال وصال کا تعین بھی ہو جاتا ہے لکھا ہے ”کہ میں نے اپنے والد سید عبد اللہ کی وفات کے بعد جزائر دریائے شورشات سال تک چلہ کشی کی (۵۔۱) اس مدت کے پورا ہونے کے بعد طویل سفر کے بعد ہم دہلی پہنچے تو اس وقت اور انگزیب کی سلطنت کا ابتدائی زمانہ تھا۔“ اور انگزیب عالمگیر ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہوا اگر اس سنہ میں سے مدت چلہ سات سال اور مدت سفر کم و بیش ایک سال منہا کر دی جائے تو حضرت سید عبد اللہ صحابیؒ ٹھٹھوی کا سال وفات حدود ۱۰۶۰ھ برآمد ہو جاتا ہے۔

۱۵ جون ۱۹۷۷ء

خوارق العادات، مقدمہ

حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ

لاہور کے ایک مشہور عالم اور شیخ طریقت، متعدد عربی و فارسی کتابوں کے مصنف اور بخاری شریف کی نہایت ہی بسیط شرح کے مؤلف۔

حضرت شاہ محمد غوث بن سید حسن پشاور بن عبد اللہ معروف بہ صحابی ٹھٹھوی بن محمود بن عبد القادر بن عبد الباسط بن حسین بن احمد بن شرف الدین قاسم بن شرف الدین یحییٰ بن بدر الدین حسن بن علاء الدین علی بن شمس الدین محمد بن شرف الدین یحییٰ بن شہاب الدین احمد بن ابو صالح نصر بن عبد الرزاق بن حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، پشاور میں ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء کو ولادت ہوئی۔ (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ ص ۷۷)۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا اور اپنے والد کے زیر سایہ اٹھارہ سال کی عمر میں مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے (شاہ محمد غوث: رسالہ در کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت، پشاور ۱۲۸۳ھ ص ۳۵) اور اپنے والد سے ہی طریقہ قاریہ میں بیعت ہوئے (ایضاً ص ۳۷) اپنے والد کی وفات ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء کے بعد مزید علم ظاہری و باطنی حاصل کرنے کے لیے تقریباً سارے پاک و ہند کا سفر کیا اور حافظ عبد الغفور نقشبندی کشمیری پشاور بن حضرت شیخ یحییٰ انکی، میاں نور محمد در نواح انک، شاہ ربانہ مجذوب، شاہ محمد فاضل انکی، اخوند ملا محمد نعیم ساکن پرگنہ محمود کامہ جلال آباد کابل سے تلوچ و توضیح پڑھی، مفتی شاہ حسین شافعی کبروی پکھلی، شاہ چراغ ساکن پوٹھوہار، شاہ لطیف بری راولپنڈی، شیخ پیر محمد سچیار نوشاہی نوشہرہ (متصل ہجرات) رسالہ کسب سلوک، تحائف قدسیہ قلمی، مرآۃ الغفور یہ قلمی ورق ۱۰۶)، میاں محمد جعفر سنجابی اور لاہور میں شیخ حامد قاری، میاں جان محمد ساکن پرویز آباد، میان جان محمد ساکن قصاب پورہ، میاں نور محمد مدقق، شیخ عبدالنبی، حاجی محمد سعید، حاجی یار بیگ، مولوی عبدالہادی، میاں برادنا دینا، نواح سرہند میں سید میراں بھیکہ چشتی، سرہند میں حضرات مجددیہ شیخ صبغۃ اللہ، حضرت عبد الاحد وحدت معروف بہ میاں گل انہوں نے اپنی تصنیف خزائن النبوة عنایت کی اور علامہ محمد فرخ

مجددی سے ملاقات کے بعد شاہ جہان آباد تشریف لے گئے جہاں شیخ محمد چشتی اور شیخ کلیم اللہ چشتی سے ملاقات کی شاہ کلیم اللہ نے اپنی تصنیف لقیما (کشل کلیمی) عنایت کی، یہیں میر سید اللہ از اولاد سید محمد گیسو دراز سے بھی ملے اور اکبر آباد میں شاہ مشتاق مجذوب سے ملے، گجرات کے قصبہ ساہن پال میں شاہ عصمت اللہ نوشاہی نبیرہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے پاس حصول فیض کے لیے بارہ سال تک جاتے رہے، (رسالہ کسب سلوک، محمد حیات: تذکرہ نوشاہی، قلمی ص ۲۱۶) شام چوراسی (قریب لاہور) میں شیخ عبدالنبی سے بھی ملاقات کی، پشاور میں شیخ سرور اور میاں شیخ احمد لنڈی قریب پشاور سے بھی حظ وافر حاصل ہوا (رسالہ کسب سلوک ۳۰-۳۵) تبلیغ دین کے سلسلہ میں آپ کشمیر بھی جاتے رہتے تھے (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسیہ ۹۱) آپ نے اپنی ساری زندگی تبلیغ دین میں صرف کی تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت بھی کرتے تھے اور صدہا اصحاب کو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور کیا، آپ کو شاہان و امراء کی صحبت سے کمال نفرت تھی، اور نگ زیب عالمگیر نے آپ کے والد حضرت سید حسن پشوری کو خانقاہ کے لیے پشاور میں وسیع قطعہ زمین نذر کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور نگ زیب نے زمین کا فرمان دوبارہ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں پشاور بھیجا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا مجبوراً اخلاف نے قبول کر لیا، یہ فرمان آج بھی کراچی کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

جب نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس نے آپ کی بزرگی سے متاثر ہو کر خواہش کی کہ حضرت کی دائمی صحبت میسر آجائے لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، نادر شاہ فتح حاصل کرنے کے بعد مخلصانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا (غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۲۰۰-۲۰۱) ایک صدی روایت ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ احمد شاہ ابدالی کی صاحبزادی تھی (از افادات مولانا سید محمد امیر شاہ مدظلہ)

آپ نے لاہور میں قرآن و حدیث کا باقاعدہ درس جاری کیا، آپ کے مدرسہ میں پنجاب، سرحد، کابل اور غزنی کے طلبہ علم حاصل کرتے تھے۔ (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسیہ ۹۲) آپ کے چار فرزند تھے یعنی میر سید محمد عابد، میر سید شاکر، میر باقر، میر شاہ میر مظفر آبادی اور یہ چاروں آپ کے خلفاء بھی تھے، ان کے علاوہ حافظ محمد سعید، حافظ محمد صدیق، شیخ محمد غوث، شیخ وجیہ الدین معروف بہ پیر زہدی لاہوری اور آپ کے پوتے میر غلام کشمیری مصنف خوارق العادات بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے ۱۷۱۱ھ / ۱۱۵۲ھ میں انتقال کیا (غلام کشمیری: ترجمہ الشاہ محمد غوث مشمولہ رسالہ کسب سلوک، قلمی) پیام شاہ

جہانپوری کو آپ کے سال وفات کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میر غلام کشمیری نے واضح طور پر آپ کا سال وفات ۱۱۵۲ھ لکھا ہے۔ آپ کی اولاد تاحال یکہ قوت پشاور، آزاد کشمیر، مقبوضہ کشمیر اور لاہور میں موجود ہے۔ آپ کا عرس ۷ ربیع الاول کو نہایت اہتمام سے ہوتا ہے۔ خانقاہ کا انتظام محکمہ اوقاف نے سنبھال رکھا ہے، آپ کی اولاد کے حالات پر ایک مستقل کتاب تذکرہ مشائخ قادریہ حسیہ مولفہ محمد امیر شاہ قادری شائع ہو چکی ہے ان میں اس وقت مولانا محمد امیر شاہ قادری نہایت ذی علم بزرگ ہیں شرح شائل ترمذی اور تذکرہ علماء و مشائخ سرحد و ان کی تالیفات میں سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ نہایت بلند پایہ اور دقیق کتابوں کے مصنف تھے اب تک فقط ان کتابوں کا سراغ

مل سکا ہے:

۱۔ شرح غوثیہ، ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں تصنیف کی، یہ بخاری شریف کے پہلے تین پاروں کی شرح ہے

جو بڑی تقطیع کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، مولانا محمد یوسف بنوڑی مدظلہ کا خیال ہے کہ یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ حسیہ ص ۹۴) اس کے خطی نسخے فوزی آغاز۔ پشاور (بخط مصنف)، پشاور یونیورسٹی نمبر ۴۲، مصنف کے ایک اور خود نوشت نسخے کاروٹو گراف مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پاس پشاور میں محفوظ ہے، اب حضرت سید امیر شاہ قادری مرحوم نے تینوں جلدیں شائع کر دی ہیں۔

۲۔ رسالہ در کسب سلوک و بیان معرفت و حقیقت (فارسی نثر)۔ یہ رسالہ طالبان راہ

طریقت کی راہنمائی کے لیے لکھا گیا ہے اور اس موضوع پر اپنے اختصار کے باوجود نہایت جامع رسالہ ہے۔ فوزی آغاز صاحب پشاور کے ہاں مصنف کا خود نوشت خطی نسخہ موجود ہے اس پر میر غلام کشمیری بن سید محمد عابد بن شاہ محمد غوثؒ نے عربی میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں شاہ محمد غوثؒ کے حالات درج ہیں، اس کی متعدد نقلیں راقم کی نظر سے گذری ہیں، اس کا فارسی متن ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں پشاور سے شائع ہوا تھا، اسرار الطریقت کے نام سے ابک محرف اور غلط اردو ترجمہ لاہور سے کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۱۔ حضرت شاہ محمد غوث کے سبب وصال میں اختلاف ہے، آپ کی اولاد پہلے مذکورہ سن پر اتفاق رکھتی تھی لیکن مولانا محمد امیر شاہ مرحوم کی صاحبزادی ام سخی گیلانی کے بیانیہ ذی مقالہ

شاہ محمد غوث، اولیاء ملی نصرت میں فی حقیقت پیش کی ہے کہ یک سال وراثت ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء ہے (مقالہ ص ۱۰۱)

۳۔ رسالہ ذکر جہر (عربی و فارسی نثر) اس رسالہ میں آیات و احادیث اور اقوال علماء سے ذکر جہر کا

جواز پیش کیا گیا ہے اس کا قلمی نسخہ مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پاس ہے۔

۴۔ شرح خمریہ قصیدہ غوثیہ (فارسی نثر)۔ قصیدہ کی عام فہم اور صوفیانہ شرح ہے یہ رسالہ پیر

عبد الغفار شاہ مرحوم نے ۱۹۱۰ء میں لاہور سے شائع کر دیا تھا۔

۵۔ اسرار التوحید (عربی)۔ اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ فصوص الحکم کے مطالعہ کے

دوران مجھے کچھ اشکال پیدا ہوئے تو باطنی طور پر ان کا حل مصنف نے بتایا (رسالہ کسب سلوک ص ۴۶)

اس موضوع پر عربی و فارسی میں متعدد رسائل لکھے تھے اس رسالہ کا اردو ترجمہ ڈاکٹر ام سلی گیلانی کے

مقالہ میں شامل ہے۔

۶۔ رسالہ توحید۔ اس کے ایک بخط مصنف، نسخے ڈاکٹر ام سلی گیلانی کے

اس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

۷۔ رسالہ وحدت الوجود (فارسی نثر) اس رسالہ کا اردو ڈاکٹر ام سلی گیلانی کے

پاس دیکھا تھا، جو مصنف کے خود نوشت خطی نسخے کا عکس ہے۔

۸۔ رسالہ مناجات (عربی نثر) اس رسالہ میں نہایت ہی الحاج و زاری کے ساتھ دعائیں تحریر کی گئی

ہیں۔ ان دعاؤں میں آپ کی پوری زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، قلمی بخط مصنف مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری،

پشاور، عکس نسخہ خطی مشمولہ مقالہ ڈاکٹر ام سلی گیلانی مع اردو ترجمہ۔

۹۔ رسالہ اصول حدیث (عربی) اس موضوع پر یہ نہایت ہی جامع رسالہ ہے، شروع سے ہی

دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے، اردو ترجمہ کے ساتھ پشاور سے شائع ہو چکا ہے۔

ماخذ

- ۲۔ وہی مصنف: شرح غوثیہ روٹوگراف (بخط مصنف) مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری، یکہ قوت، پشاور
- ۳۔ وہی مصنف: رسالہ وحدت الوجود قلمی بخط مصنف روٹوگراف مملوکہ مولانا سید محمد امیر شاہ۔
- ۴۔ وہی مصنف: رسالہ مناجات قلمی بخط مصنف مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری۔
- ۵۔ غلام کشمیری، میر بن سید محمد عابد بن شاہ محمد غوث: خوارق العادات (حالات سید حسن پشاور بربان شاہ محمد غوث لاہوری) ۱۱۸۹ھ قلمی مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ
- ۶۔ وہی مصنف: ترجمہ شاہ محمد غوث بر خطی نسخہ مصنف رسالہ کسب سلوک مملوکہ فوزی آغا، پشاور
- ۷۔ محمد حیات نوشاہی: تذکرہ نوشاہی ۱۱۴۶ھ قلمی، مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور
- ۸۔ پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ ۱۱۸۶ھ قلمی مملوکہ مولانا سید شرافت نوشاہی، گجرات
- ۹۔ امام بخش نوشاہی لاہوری: مرآۃ الغفوریہ ۱۱۹۰ھ روٹوگراف مملوکہ سید شرافت نوشاہی۔
- ۱۰۔ محمد امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد۔ پشاور ۲ جلد، ۱۹۷۲ء
- ۱۱۔ وہی مصنف: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ، پشاور ۱۹۷۲ء
- ۱۳۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم حصہ سوم قلمی مملوکہ مصنف مدظلہ
- ۱۴۔ پیام شاہ جہانپوری: تذکرہ شاہ محمد غوث، لاہور
- ۱۵۔ نامی، غلام دستگیر: سوانح حیات حضرت شاہ محمد غوث لاہوری، لاہور ۱۹۵۹ء
- ۱۶۔ محمد صالح گنجابی: سلسلہ الاولیاء / ۱۲۶۷ھ قلمی بخط مصنف مملوکہ قریشی احمد حسین احمد، گجرات
- ۱۷۔ محمد امیر شاہ قادری: تذکرہ شاہ عبداللہ ٹھٹھوی، پشاور ۱۹۷۱ء
- ۱۸۔ ام سلمیٰ گیلانی: محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث پشاور شمل لاہوری کی علمی و دینی خدمات، پشاور، ۱۹۹۰ء

یکم اگست ۱۹۷۵ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

شیخ فضل قادری لاہوری اور ان کی کتاب عین التصوف

پنجاب کے علماء و مشائخ کے حالات پر اب تک کوئی قیمتی کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے، عمومی تذکرہ نویسوں نے اس خطے کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے، پنجاب کے ہر قصبہ سے عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے مصنفین و شعراء کے شاہکار جستجو سے مل سکتے ہیں، اس وقت پنجاب کے علماء و مشائخ کے ایک ایسے نادر تذکرے سے روشناس کروایا جا رہا ہے جس سے زمانہ حال کے محققین نے استفادہ نہیں کیا۔

اس کتاب کا نام عین التصوف ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ تصوف کے عمومی مسائل پر مشتمل ہے اور آخری حصہ مصنف کے آباء و اجداد، اساتذہ اور ہم مشرب احباب کے حالات سے بھرپور ہے۔

یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی اور بصورت مخطوطہ اس کا نسخہ جناب عبدالرشید سیالکوٹی مالک کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار، لاہور کے پاس ہے، چونکہ مخطوطہ ناقص الاول ہے اس لیے مصنف کا پورا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ایک دو مقامات پر مصنف نے اپنے اشعار نقل کرتے ہوئے اپنا تخلص 'فضل' بتایا ہے۔ 'اپنے والد کا نام سید مصطفیٰ بن سید عبدالرزاق معروف بہ شاہ چراغ لاہوری بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن سید محمد غوث بالا پیرا اوچی بن سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم لکھا ہے۔' گویا مصنف کا تعلق اوج کے سادات سے ہے چونکہ مصنف کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے اس لیے ہم نے سادات اوج کے تذکرے دیکھے تو سید علی اصغر گیلانی کے شجرہ الانوار میں سید مصطفیٰ کی زینہ اولاد میں سے صرف سید مجتبیٰ کا نام ملا اور پھر سید مجتبیٰ کے دو لڑکوں سید عبدالقادر اور سید ابو نصر فضل الدین کا ذکر کیا گیا ہے، خیال ہوا کہ غالباً انہی فضل الدین نے اپنے نام کی مناسبت سے 'فضل' تخلص کیا ہو گا۔

فضل الدین کے بارے میں اس شجرہ میں بتایا گیا ہے:

سید ابو نصر فضل الدین (صاحب سجادہ) متوفی ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۲۸ھ، زوجہ اش بی بی جمنی

دختر سید اسماعیل بن شاہ چراغ لاہوری مذکور، زوجہ ثانیہ عصمت خاتون بنت نصر اللہ، سید

فضل الدین، درہنگامہ سکھاں در عہد فرخ سیر شہادت یافت، نقش ایشاں میداشتند^۱

سید فضل الدین کے ایک بیٹے پیر بخش اور بیٹی بی بی سخاوت معروف بہ سعادت النسا کا ذکر اسی شجرۃ الانوار

میں کیا گیا ہے نیز لکھا ہے کہ پیر بخش لا ولد تھے۔^۲

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شجرۃ الانوار کو سید مصطفیٰ کے صرف ایک ہی صاحبزادے سید مجتبیٰ کا علم

ہو سکا ہے یا عین التصوف کے کاتب نے قصد اسید فضل الدین کو براہ راست سید مصطفیٰ کا بیٹا لکھ دیا ہے لیکن یہ قیاس

آرائی بھی درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مصنف اپنے والد کے حالات کا عین شاہد ہے نیز خود مصنف نے اپنے کسی

بھائی مثلاً سید مجتبیٰ کا ذکر نہیں کیا۔

کتاب کے اندرونی شواہد سے مصنف کی زندگی کا یہ خاکہ تیار ہوا ہے مصنف کا تعلق اوج کے اس

خانوادے سے تھا جو اوج سے ہجرت کر کے لاہور آگیا تھا شعر بھی کہتے تھے فضلی تخلص کرتے تھے، اپنے اشعار

کتاب میں نقل کیے ہیں۔^۳ والد کی وفات (۱۰۶۵ھ) کے وقت کم سن تھے۔ اس لیے عم بزرگوار سید محمود (ف

۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵) نے ان کی تربیت کی، لکھتے ہیں:

”بعد از انتقال قبلہ گاہی تربیت بندہ ایشاں فرمودند و سجادہ نشینی دادہ اند“^۴۔

لیکن مصنف کی روحانی تشنگی اس کے باوجود باقی رہتی ہے اور ان کے اجداد کے عرسوں کے موقع پر ایک

بزرگ شخصیت حضرت شاہ محمد فاضل سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ ان دنوں مصنف کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی یہ

۱۔ علی اصغر گیلانی: فجر الانوار، قلمی خزائن کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

۲۔ قلمی مملوک مصنف درق ۵۳ پ ۵۵۵۔ حدائق الانوار (مترجمہ مرقع شرافت نوشاہی) ص ۱۳۸۔

۳۔ علی اصغر، درق ۵۵۔

۴۔ لفظ: عین التصوف، درق ۹

۵۔ مینا درق ۱۰۸ پ

ملاقات مسلسل ہوتی رہی آخر مصنف ان سے بیعت ہو جاتے ہیں۔^۱

شاہ محمد فاضل لاہوری (متوفی ۱۰۹۹ھ) کے علاوہ مصنف نے ملا فتوحی لاہوری سے بھی اسماعظام کے پڑھنے کی اجازت لی تھی، لکھا ہے:

”بندہ را اجازت خواندن اسماعظام از ملا صاحب است“^۲

ان کے علاوہ پنجاب کے دیگر مشائخ سے بھی مصنف کے گہرے روابط کا پتا چلتا ہے، ان مشائخ کے حالات تو اس تذکرے کے علمی فوائد کے تحت آئیں گے لیکن ان کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں۔

میاں شاہ عبدالصبور، میاں عبدالرشید، شاہ بازید افغان، صوفی دوست، شیخ یحییٰ بن شیخ عبدالکریم لاہوری شاہ دولہا سبھرائی، شیخ ضیاء الدین خادم درگاہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری اور میر احمد شہید۔

کتاب پر ایک نظر

کتاب کا ابتدائی حصہ تصوف کے عمومی مسائل پر مشتمل ہے اور آخری حصہ مصنف کے آبا و اجداد اور احباب کے حالات پر مبنی ہے، اس کتاب کی اہمیت ان نکات سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے:

۱: کتاب کے تذکرے کا حصہ مصنف کے ذاتی مشاہدات اور عینی شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے منفرد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ مصنف کو ایک حد تک تذکرہ نویسی کا شعور تھا جو اسے دیگر معاصر تذکرہ نویسوں سے ممتاز کر دیتا ہے اور وہ یہ کہ حالات کے اندراج کے ساتھ ساتھ صاحب ترجمہ کی تاریخ و سال وفات کا اہتمام اور اگر ان میں سے کوئی مصنف تھا تو اس کی تصانیف کے اقتباسات اور اگر کسی کی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا تو اس کی غزلیات ہی نقل کر دی ہیں، اس طرح پنجاب کی کئی غیر معروف شخصیات کے سنین وفات پہلی مرتبہ اس تذکرے کے ذریعے منظر عام پر آ رہے ہیں۔

کتاب کا سال تصنیف

نسخہ کے ناقص الاول ہونے کی وجہ سے اس کا صحیح سال تصنیف معلوم نہیں ہو سکا، ہم نے اس مقالہ میں مصنف کے احباب کے حالات کے دوران سنیں ۱۱۰۳ھ، ۱۱۰۶ھ اور ۱۱۱۲ھ نقل کیے ہیں۔ ایک مقام پر مصنف نے عالم مکاشفہ میں سید محمد غوثؒ سے اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بیعت ۱۱۲۰ھ کا واقعہ ہے۔^۱ گویا ۱۱۲۰ھ موخر ترین سنہ ہے جو کتاب میں مذکور ہوا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہ کتاب حدود ۱۱۲۰ھ/۷۰۹ء میں تالیف ہوئی ہے، کتاب کے آخر میں کاتب نے ۱۲۳۱ھ سال کتابت دیا ہے۔ لیکن اسے سنہ تسوید لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔

یہ کتاب ۱۱۳۳ اوراق پر مشتمل ہے، سہوہائے کتابت اس کثرت سے ہیں کہ دیگر نسخوں کی دریافت کے بغیر تصحیح ممکن نہیں، اس وقت تک ہمیں اس کے کسی دوسرے نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مصنف نے اپنے اجداد میں سے حضرت سید محمد غوث اوجہؒ (ف ۹۲۳ھ) کے حالات حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ کی کتاب اخبار الاخیار سے نقل کیے ہیں لیکن بعض نکات ایسے بھی ہیں جو اخبار الاخیار میں نہیں ہیں مثلاً

حضرت شیخ نے گویند حضرت مولانا عبد الرحمن جامی باسماع خبر فضائل اوجہ بجاں ادا شعاری فرستادند^۲ فضل نے لکھا ہے:

فیما بین مولوی جامی و ایشان مکاتبات شوقیہ بود^۳

حضرت شیخ نے سید محمد اوجہؒ کا سال وفات نہیں لکھا لیکن فضل نے ۲۷ رجب ۹۲۳ھ سال وصال بتایا

ہے۔^۴

۱ مینا ۱۰۳-۱۰۴

۲ عبدالحق، فتح: المہد الاغیاء، میرٹھ، ۱۲۷۷ھ/۱۹۰۵ء

۳ فضل، ذمینی اصول ۹۹-۱۰۰

۴ مینا ورق ۱۰۰-۱۰۱

نیز سید عبد القادر ثانی بن سید محمد غوث مذکور، سید زین العابدین بن شیخ عبد القادر (ف ۹۳۸ھ) سید محمد غوث بن زین العابدین مذکور (ف ۹۵۹ھ) حاجی عبد القادر ثالث اور سید عبد الوہاب بن حاجی بن عبد القادر کے بارے میں لکھا ہے:

حقیقتِ عمر و فاتِ ایشان معلوم نشد^۱

سید عبد الرزاق معروف بہ شاہ چراغ لاہوری کا سنہ و سالِ وفات ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ لکھا ہے^۲۔ مصنف نے اپنے والد سید مصطفیٰ بن شاہ چراغ لاہوری کے بارے میں چند اہم نکات تحریر کیے ہیں: مسجد جامع کلان در روضہ اجداد خود بہ تکلف بسیار بمقابلہ اجورہ مبلغ چہل ہزار روپیہ یک دفعہ بنا کر دند^۳ نیز لکھا ہے کہ سید مرتضیٰ خان نے ایک مرتبہ اسی ہزار روپے بطور نذر پیش کیے اور درخواست کی کہ اگر مجھے آپ کی دعا سے پنج ہزاری منصب مل جائے تو ایک لاکھ روپے پیش کروں گا لیکن آپ نے یہ نذر قبول نہیں کی۔^۴ کمال خان لنگا کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی آپ کا مرید تھا۔

سید محمود عم بزرگوار مصنف

برادر حقیقی و مرید والد کاتب حروف۔۔۔۔۔ رحلت فرمودند روز چہار شنبہ وقت استواجمادی الاول سنہ یک ہزار ہشتاد و شش مرید والد کاتب الحروف کہ برادر حقیقی ایشان بود بعد از انتقال قبلہ گاہی تربیت بندہ ایشان فرمودند و سجادہ نشینی دادہ اند۔^۵

۱۔ ایضاً ۱۰۳۱ھ

۲۔ ایضاً ۱۰۵۵ھ

۳۔ ایضاً ۱۰۵۵ھ

۴۔ صحنہ انصاف ۱۰۷۱ھ

۵۔ ایضاً ۱۰۷۱ھ

مصنف نے اپنے والد سید مصطفیٰ کا سال وفات ۱۰۶۵ھ لکھا ہے (۱۰۶۱ھ) لیکن سند علی اصغر گیلانی نے ۱۰۸۴ھ تحریر کیا ہے۔ (فجر الانوار، درق ۵۴۔ ب)

۶۔ صحنہ انصاف ۱۰۸۰ھ

مصنف نے اپنے اجداد کے علاوہ جن احباب کے حالات لکھے ہیں ان میں سے چند اہم نکات کا تجزیہ کیا جا

رہا ہے۔

شاہ یتیم اللہ ابوالاسرار

در عمر ہفت سالگی از وطن۔۔۔ ہجرت نمودہ در کوہ ہائے کشمیر و تبت در طلب حق جل و علا آمدہ اند^۱

پھر بغداد سے حکماء پنجاب آئے اور لاہور پہنچ کر محلہ و چھو والی میں قیام کیا۔

حضرت ایشان۔۔۔ از انجاب لاہور قدوم ارزانی فرمودند در محلہ و چھو والی کہ از جملہ محلہ ہای آن شہر

است در یک مسجدی کہ از بنا محمد مقیم مشہور است^۲

یہیں شاہ محمد فاضل لاہوری سے ان کی ملاقات ہوئی دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ زیر بحث رہا، شاہ

ابوالاسرار دنیا میں رویت کے قائل تھے اور شاہ محمد فاضل آخرت میں رویت کے قائل تھے، شاہ ابوالاسرار اور

علمائے لاہور کے درمیان اس موضوع پر تحریری مباحثہ بھی ہوا۔

شاہ محمد فاضل نے اس مباحثہ اور شاہ ابوالاسرار کے دیگر کلمات معارف اپنی کتاب وصالیہ میں تفصیل

سے لکھے ہیں۔^۳

شاہ ابوالاسرار کے پنجاب میں یہ چار خاص مرید تھے شاہ محمد فاضل، حافظ محمد صادق، ملا امام الدین اور

میاں نور محمد۔

اب ان چاروں حضرات کے مختصر حالات ملاحظہ کریں۔

۱۔ میں انصاف در حق ۱۰۹۔ الف

۲۔ مینار حق ۱۰۹ ب (ان مباحث کی تفصیل محدثان النکین میں درج ہے کہ وہ علماء جو سرفہر میں اور مغرب کے ساتھ رہے تھے، انہوں نے حلقہ بہار کوہلی کے ساتھ رویت باری تعالیٰ

کے بارے میں بحث کی۔)

۳۔ مینار حق ۱۱۲ ب

شیخ محمد فاضل بن شیخ عبدالفتاح لاہوری

مولد شریف ایشان در دیہہ رسول پور متصل فرید آباد حد صد گھرہ کہ در راہ ملتان می آید مقرر است و والد ایشان شیخ عبدالفتاح نام ولی مرد و خضر پیکر (است)۔۔۔۔ در ظاہر ہشتم زمینداری و ریاست پر گنہ مذکور۔۔۔۔ ابتدا در مدت عمر پانزدہ سال در لاہور برائے کسب علوم دینی آمدہ پیش سید ولی کہ صاحب کمال بود و در شہر لاہور شہرت بسیار داشت و مسجد سید مشار الیہ برب دریائے راوی بر راج گھاٹ واقع است۔۔۔۔

”چند مدت در قریہ چک بلوچاں کہ متصل پر گنہ ناظر است اقامت داشتند و چند مدت در صد گھرہ بودند بعدہ بموجب تقاضای سخت پدر بزرگوار خود تزویج کردند لیکن اولاد نشد و چند کتاب تصنیف ہم دارند مسمی بہ مصالیہ و راحت الواصلین و بے اختیار نامہ و مثبت الرویہ“

شاہ محمد فاضل، مصنف کے والدہ کے مرض موت میں عیادت کے لیے صد گھرہ گئے تھے۔
شاہ محمد فاضل کا انتقال ۲ محرم ۱۰۹۹ھ کو ہوا، پہلے آپ کو آپ کے مسکن متصل دریائے راوی میں دفن کیا گیا لیکن دو اڑھائی سال کے بعد دریا میں طغیانی کے خدشہ سے ان کی نعش وہاں سے لا کر لاہور شہر بیرون دروازہ راج پورہ میں دفن کیا گیا:

وصال ایشان شب جمعہ آخر وقت مغرب دوم ماہ محرم الحرام سنہ یک ہزار و نو دودنہ۔۔۔ بعد از رحلت دو نیم سال جای مقبرہ متبرکہ کہ متصل دریائے راوی در دیہہ مسکنت شان بود چون آب دریا طغیان کرد چنانچہ خوف غرق قبر متصور شد ازیں سبب از انجا تا بوقت مبارک شان بر آوردہ در لاہور بیرون دروازہ راج پورہ کہ روی او طرف شمال است مقبرہ نمودہ شد۔۔۔“

۱۔ بیان راج ۱۱۳۔ الف

۲۔ بیان ۱۱۵۔ پ

۳۔ بیان ۱۱۸۔ پ

۴۔ بیان راج ۱۱۹۔ الف

حافظ محمد صادق

اپنے پرگنہ کے قاضی اور تحفۃ الصادقین کے مصنف تھے، لکھا ہے: مولد شریف ایٹان میکہ بہقان کہ متصل صد گہرہ است از انجا بعد ہوشیاری برائے طلب علم دینی در فرید آباد تشریف آوردہ کسب علم ظاہری نمودہ۔۔۔ بدرجہ کہ ہمہ عالمان آن دیار امور فتویٰ شرعی آن دیار ایٹان تفویض نمودند۔۔۔ بعد ازاں بخدمت بندگی حضرت شاہ ابوالاسرار (یتیم اللہ مذکور) توصل نمودند۔۔۔ تمام عمر در تلاوت و تنہای صرف نمودند و اکثر ہر روز ختم کلام مجید میکردند و عمر شریف ایٹان ظاہر تاجہ چہل سال رسید۔۔۔

ان کو قضائے حاجت کے دوران سیاہ سانپ نے ڈس لیا جس سے اس ان کی وفات ہو گئی۔
وصال نمودند در سنہ یک ہزار (و) ہشتاد و شہر صفر تاریخ بیست و پنجم آخر شب یک شنبہ رحمۃ اللہ علیہ و قبر شریف ایٹان در مقام العاشقین متصل فرید آباد کہ جائے سکونت ایٹان بود ہست جائے پر فیض زیارت گاہ است۔
ایٹان چند کتب تصنیف است از ان جملہ کتاب تحفۃ الصادقین کتاب عالی مضمون است۔
قاری میں شعر بھی کہتے تھے صادق تخلص کرتے تھے۔

ملا امام الدین

پنجابی میں بہت سوز انگیز شعر کہتے تھے، شاہ ابوالاسرار مذکور کے مرید تھے، ان کا والد ہندو تھا اور سرکشی کے باعث قید ہوا اور شاہ جہان آباد میں ہی بحالت قید مر گیا، ملا امام الدین لاہور چلے آئے یہاں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

باشوق خیالہائے پنجابی می ساختند وہ قولان آموختہ می شنیدند و جان گذاری میکردند۔۔۔ اکثر خیالہای ملا امام الدین بزبان پنجابی مشہور است کہ از شورش احوال می بستند سرود میکردند و در قصص می فرمودند و مردمان بہر طرف در دکن و پورب و سندھ پہنچائے ایٹان می خواندند و کلام سوز انگیز است ہر کہ می شنود آہ و فریاد پروردی

۱ مینار ورق ۱۲۰ پ

۲ مینا

۳ افسار کے لیے ملاحظہ ہو ورق ۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴

سرزند و یک کتاب در زبان ہندی ساختہ اند نام آن ”در پن سادہان“ یعنی آئینہ راستان کلام سکر آمیز و نکتہ دردا نگیز در آن تحریر یافتہ و کاتب حروف (مصنف) بعضی پہ ہائے ایشان بزبان فارسی تغیر دادہ می نویسد۔^۱

ان کا کلام حدِ حصر سے زیادہ تھا۔^۲

ابیات کے فارسی ترجمہ کے مطابق ان کا تخلص امام الدین تھا۔

ان کی سکونت قصبہ رینگی میں تھی وہاں کے کسانوں سے عداوت کی وجہ سے لاہور آگئے تھے ۱۱۰۴ھ

میں انتقال کیا، قبر کلانور میں ہے۔

”در سن یک ہزار و یک صد و چہار داعی حق را لبیک فرمودند، قبر شریف ایشان ”پرگنہ کلانور واقع

است۔“^۳

میاں نور محمد

شاہ ابوالاسرار کے چوتھے مرید تھے، ان کی ولادت لاہور میں ہوئی اور سکونت اندرون موچی دروازہ لاہور میں تھی، ذی علم بزرگ تھے، ان کی قبر دریائے راوی کے کنارے دیہ سہنا لبیان (جوار صد گہرہ) کے متصل تھی، انہوں نے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔^۴

اب پنجاب کے بعض ایسے حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو مصنف کے ہم مشرب تھے اور جن کی صحبت سے

مصنف کو فوائد حاصل ہوئے۔

بندگی شاہ عبدالصبور

ان کی ولادت قصبہ جمبھر میں ہوئی یہ سات سال کے تھے والد انتقال کر گئے، اپنے عم بزرگوار کے ہمراہ

اکبر آباد جا کر نزدستہ الارواح کے چند اجزا پڑھے جس سے طلب کی آرزو پیدا ہوئی، مرضِ شکم میں ۱۱۱۲ھ کو انتقال کیا

۱ ابیات کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو معین المصنف درق ۱۲۲ پ ۱۳۳۔ الف

۲ مینا

۳ مینا درق ۱۲۳ پ

۴ مینا ۱۲۴۔ الف

برہان پور میں دفن ہوئے لیکن ان کے مریدین ان کا تابوت نکال کر جمبھڑ لے گئے، جہاں ان کے حجرہ میں انہیں دفن کر دیا، لاہور میں ان کے کئی مرید تھے۔ شاہ عبدالصبور شاعر بھی تھے مصنف نے ان کی چار غزلیں نقل کی ہیں۔^۱

میاں عبدالرشید

موقوف سے گہرے روابط تھے لاہور میں سکونت پذیر تھے اور شاہ محمد فاضل لاہوری کے احاطہ میں دفن ہیں لکھا ہے:

مولدِ ایشان قریہ قنچنبر متصل حجرہ شاہ محمد مقیم در صفر سن از وطن برآمدہ در لاہور رسیدہ از آنجا با ہم خود اکبر آباد رفتہ آنجا با شاہ عبدالجلیل بغدادی بیعت نمودہ ترک دنیا نمودہ۔۔۔ ازان بعد در لاہور ساکن اندر در باغ میر شریف۔ عمر طویل یافتہ تابہ شاد بیش یا کم در مدت بے وضو گاہی نماندہ۔۔۔ از غلبہ مستی ابیات فارسی و کلام مجید و غیرہ اکثر اوقات می خواندند۔۔۔ با کاتب حروف شفقت بسیار دارند گاہ گاہی از راہ بندہ نوازی بہ فقیر خانہ تشریف می فرمانید۔۔۔ قبر ایشان در مقبرہ متبرکہ حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل لاہوری) است بتاریخ ہفت یاد ہم یا یاد ہم بہر تقدیر ہفتہ دوم ماہ شعبان رحلت ایشان است۔^۲

ملا فتوحی

مصنف کے ہمسایہ، استاد اور مصنف کے اجداد کے اجازت یافتہ تھے ان کی قبر بھی شاہ محمد فاضل لاہوری کے احاطہ میں ہے، لکھا ہے:

مردی با کمال است علم تکسیر و علم دعوت بوجہ احسن میسر اند، ہمسایہ کاتب حروف است۔۔۔ و ایشان اجازت ذکر نفی و اثبات از قبلہ گاہی علیہ الرحمۃ (سید مصطفیٰ لاہوری) (است) دریں صورت بیک واسطہ مشغول بذکر مذکور۔۔۔ و ملا مشائز الیہ علم تکسیر و دعوت از سید حامد مرحوم برادر حقیقی جد بندہ سید عبدالرزاق مشہور شاہ

چراغ لاہوری حاصل نموده و بندہ را اجازت خواندن اسماء عظام از ملا صاحب است۔۔۔ و در علم رمل نیز دخل دارند
در لاہور قحط عظیم واقع شدہ کہ ہزار ہزار عالم بہ سبب قاقہ بعالم قنارخت برستہ۔۔۔ کہ ناگاہ شب یازدہم ماہ ربیع الآخر
ہمانہ عمر را آخر کردہ بخوار رحمت حق پیوستند قبر ایشان نیز در مقبرہ حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل مذکور)
است۔^۱

شاہ بازید افغان

مجبذب سالک تھے۔ ایک دن مصنف کے گھر گئے اور کہا:
اللہ اسم ذات است و دیگر اسم صفات اللہ اللہ گفتہ باشد
ان دنوں مصنف کم سن تھے، ان کی قبر شاہ جہان آباد میں ہے جو بازار اسپان کے متصل پر فیض زیارت
گاہ ہے۔^۲

صوفی دوست

مصنف سے قریبی تعلقات تھے سماع ساتھ ساتھ سنتے تھے، لاہور میں مدفون ہیں، شیخ نظام الدین
تھانیسری سے بیعت، لکھتے ہیں:
مرید شیخ نظام الدین تھانیسری است اول تاجر بود در بلخ با شیخ مذکور صحبت داشت۔۔۔ عمر طویل یافت تا
ہشتاد کم زیادہ لاہور وطن شان بود۔۔۔ قبر ایشان در لاہور است اندرون مندوی شہر یار۔۔۔ با کاتب حروف بسیار
شفقت داشتد چنانچہ وقت سماع فقیر را می طلبیدند و خود رقص میکردند و در عین حال با فقیر مصافحہ می فرمودند۔۔۔^۳

۱۔ ہجاء ۱۳۰ ب

۲۔ ہجاء ۱۳۱۔ الف

۳۔ ہجاء اول ۱۳۱۔ الف۔ ب

۴۔ ہجاء اول ۱۳۱۔ ب

شیخ یحییٰ بن شیخ عبدالکریم لاہوری

نوے سال کی عمر پائی، شاہ محمد فاضل نے تفسیر حسینی انہیں سے پڑھی تھی اور مصنف پر بہت مہربان تھے لکھا ہے:

عمر دراز یافتہ تاسہ نو در سیدہ باشد مردی است پیر کمال و صاحب صورت صفوت بر جبین او لایح و حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل مذکور) تفسیر حسینی را پیش شیخ تکرار فرمودند با کاتب حروف بسیار شفقت دارند۔۔۔ ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

وفات ایشان روز سہ شنبہ یازدہم جمادی الآخر سنہ یک ہزار و یک صد و شش مشہور چشتی شیخ طریقت اور مصنف شیخ عبدالکریم لاہوری کے صاحبزادے تھے۔

شاہ دولہ گجراتی

معمربودند تا صدر سیدہ است۔۔۔ دست شفقت بر سر فقیر مالیدہ بودند و شیرینی عنایت کردند قبلہ گاہی را تنہا بہ حجرہ خود بردہ چیزی کلمہ کلام فرمودند معلوم نہ شد الا آن در قصہ گجرات خُرد (است)'

شیخ ضیاء الدین

در گاہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری لاہوری کے خادم تھے مصنف کے ساتھ بہت دوستی تھی ایک سو بیس سال عمر پائی:

رحلت فرمودند بتاریخ بیست و یکم ماہ ذی قعدہ روز سہ شنبہ سعادت غسل و جنازہ و در قبر داخل کردن باین احقر میسر آمدہ و قناعت بدرجہ داشتند کہ بیک جامہ مدت چہل سال گذارانیدہ بود۔

کتاب کے آخر میں دو شہدا کا ذکر ہے اول میر احمد شہید جو تیس سال کی عمر میں ۱۰۹۴ھ میں شہید ہوئے

تھے۔

۱۔ بیاض ۱۳۲۔ الف ب

۲۔ ۱۳۳۔ الف

۳۔ بیاض ۱۳۴۔ الف

دوسرے ولد اربیک شہید، جو مصنف کے مرشد شاہ محمد فاضل کے مخلص تھے، ہجرات شاہ دولہ میں مقیم تھے، شہادت کے بعد ان کی نعش ان کے مقام ولادت صد گھرہ میں لا کر دفن کی گئی، مصنف کے ساتھ زندگی کا زیادہ حصہ گزارا تھا، تیس کی عمر میں شہادت پائی اور سال شہادت ۱۰۹۳ھ ہے۔

فکر و نظر، اسلام آباد

ج ۱۵، ش ۳، ستمبر ۱۹۷۷ء

شیخ سید پیر محمد گجراتی

حضرت سید پیر محمد گجراتی بارہویں صدی ہجری کے ایک نامور صوفی، مولف، شاعر اور ایک عظیم کتب خانہ کے مالک تھے۔

حضرت شیخ پیر محمد کے والد سید امین الدین تھے جن کے اجداد میں سے میراں شمس الشیخ مدینہ منورہ سے آکر بیجاپور (Bijapur) میں مقیم ہو گئے وہیں ۱۵ شعبان ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء کو سید پیر محمد کی ولادت ہوئی والد ان کی پیدائش سے چند ماہ قبل فوت ہو گئے اور والدہ ان کی ولادت کے بعد انتقال کر گئیں اس طرح ان کی کفالت اور تعلیم و تربیت ان کے چچا سید عبدالرحمن عرف سید علی قادری بیجاپوری (ف ۱۱۱۹ھ / ۱۶۰۸ء) نے کی جنہیں اپنے والد سید محمد مدرس (ف ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء) سے اجازت و خلافت حاصل تھی اور اپنے اجداد کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے (Sufis of Bijapur, p. 205) وہ بعد (سید محمد مدرس خلیفہ تھے شیخ عبدالعظیم مکی کے اور وہ خلیفہ تھے سید صبغتہ اللہ کے اور وہ اجازت یافتہ تھے شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے، جو شاہ محمد غوث شطاری گوالیاری کے خلیفہ تھے (نور الشیوخ ۱۳-۱۴)

شیخ پیر محمد گجراتی غیر معمولی طور پر ذہین و طباع تھے انہوں نے صرف سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا، نو سال کی عمر تک کئی درسی کتب مکہ مکرمہ جا کر اساتذہ سے پڑھ لیں، گیارہ سال کی عمر میں حج کیا اور ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء کو مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہاں بھی تحصیل میں مصروف رہے اور پھر اپنے چچا سید عبدالرحمن مذکور کے حکم پر واپس ہندوستان آئے طویل سیاحت کے بعد ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۲ء کو گجرات میں آکر اس کے معروف خطے احمد آباد میں مقیم ہو گئے (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۱۰۴) انہیں اپنے چچا سے صوفیہ کے تمام مروجہ سلاسل میں اجازت حاصل تھی (نور الشیوخ ۱۳-۸۳)

شیخ پیر محمد اپنی زندگی کے چالیس سال تک احمد آباد میں رہے اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا وہیں اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں سے بے شمار اصحاب نے روحانی فیض حاصل کیا۔

شیخ پیر محمد فارسی اور اردو کے شاعر تھے ان کی زیادہ تر تصانیف فارسی اور قدیم اردو (ہندی) میں ہیں، جو نظم کی صورت میں لکھی ہیں۔ فارسی میں ان کے مکاتیب کا ایک مجموعہ بھی ہے جس میں کل ۱۹ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے مریدین کو لکھے تھے۔ ان کی چار نظمیں یعنی پیر نامہ، پیر گنج، خلعت شریف اور خلعت دُرر ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء کو لکھی گئیں جو ایک طالب، مرید اور پیر کی راہنمائی کے لیے تالیف کی تھیں۔

۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء کو پیر محمد گجراتی نے فارسی نظم میں نور الشیوخ لکھی جو صوفیہ کے مروجہ تمام سلاسل کے اتصال اور ان کے سلسلہ وار اصحاب و مشائخ کے اسما پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان رواں اور عام فہم ہے، یہ کتاب درگاہ ٹرسٹ پیر محمد شاہ احمد آباد سے ۱۹۷۷ء کو طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں اشعار کا اردو ترجمہ بھی ہے۔

شیخ پیر محمد گجراتی ۱۱۴۱ھ تا ۱۱۴۵ھ / ۱۷۲۸-۱۷۳۲ء سکر کی حالت میں رہے۔ جب کہ غلبہ فرو ہوا تو اپنے مکاشفات تحریر کیے یہ کتاب مکاشفات اقدس کے نام سے ہے اس میں اقدس اور شہید تخلص لکھا ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر وحدت الوجود کا کتنا غلبہ تھا۔

(Growth of Indo-Persian literature in Gujrat, p. 81)

۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء کو شیخ پیر محمد نے اردو میں تصوف کی ایک منظوم کتاب عشق اللہ کے نام سے لکھی جس میں ۴۸۰ شعر ہیں، یہ کتاب موقف کے ظاہری و باطنی علوم پر کامل دسترس کی آئینہ دار ہے، اس میں سلوک کے اہم مسائل جن کا سالک کے لیے جاننا لازم ہے عام فہم طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب درگاہ پیر محمد ٹرسٹ، احمد آباد گجرات سے ۱۹۷۷ء کو چھپ چکی ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ان کی تالیف ہیں جو شائع نہیں ہوئیں (تاریخ اولیاء گجرات ۱۱۹ حاشیہ) شیخ پیر محمد کا ۲۷ جمادی الاول ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء کو وصال ہوا۔ اندرون شہر احمد آباد (گجرات) متصل حویلی صلاح الدین خان دفن کیے گئے مریدین نے قبر پر گنبد، مسجد اور باغیچہ بنوایا (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۱۰۴-۱۰۵)۔

درگاہ:

شیخ پیر محمد گجراتی ۱۱۲۳ تا ۱۱۶۳ھ چالیس سال احمد آباد میں رہے اور اس دوران دعوت و عزیمت کے کام میں لگے رہے گجرات سے بہت سے طالب سلوک حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے جن میں قوم بوہرہ (Bohrah) کے لوگ بکثرت آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے (ہما نجا ۱۰۴)

آپ چونکہ والد کی جانب سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور والدہ کی طرف سے خواجہ سید محمد گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے گویا نجیب الطرفین سید تھے جو آپ کی عظمت خاندان و سلوک پر شاہد ہے اس بنیاد پر بھی ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے لوگ ان کے مرید ہوئے، انہوں نے گجرات کے سنی بوہروں میں تبلیغ کا کام بھی کیا اور ان کے عقائد سنوارنے پر خاص توجہ دی۔ (تذکرہ اقدس ۴۱-۴۳ و بعد)

آج کل آپ کے شاندار مزار سے ملحق ایک پر شکوہ مسجد، ایک خوشنام مدرسہ، خانقاہ اور کتابخانہ کی عمارت بھی ہے۔ درگاہ کی دیکھ بھال کے لیے ایک فعال کمیٹی موجود ہے۔ درگاہ کا ایک ٹرسٹ بھی ہے یہ نہ صرف خانقاہ کی نگرانی کرتا ہے بلکہ کتابوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے اب تک اس درگاہ کی طرف سے کئی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اس وقت یہ درگاہ پیر محمد شاہ روڈ، پانکور ناکہ، احمد آباد

(Pir Muhammad Shah Road, Pankorenaka, Ahmadabad) میں واقع ہے۔

(وضاحتی فہرست کتب خانہ درگاہ پیر محمد ۴ / ۱-۲)

کتابخانہ

شیخ پیر محمد شاہ کو کتابوں کے مطالعہ اور نادر قلمی نسخوں کو جمع کرنے کا بہت شوق تھا، جو کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں وہ انہیں حفظ ہو چکی تھیں، ان کے وصال کے بعد ان اہم مخطوطات کو ایک کمرہ میں محفوظ کر دیا گیا، آپ کے مریدین کو بھی مطالعہ و جمع کتب کا ذوق تھا جس کے نتیجے کے طور پر شیخ کی وفات ۱۱۶۳ھ کے بعد بھی اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا (تذکرہ اقدس ۴۸-۵۱)

گجرات میں علماء کے بہت سے کتب خانے تھے جو پہلے تو خود ان کے ورثا کی ٹاٹا اہلی کے باعث برباد ہوئے ان میں سے کئی اہم کتابیں پیر محمد کے کتب خانہ احمد آباد کے لیے ان کے مریدین نے خرید لیں، پھر مرہٹہ (Marhata) گردی میں تباہ ہوئیں۔ لیکن شیخ پیر محمد کی درگاہ کا کتب خانہ نہ صرف محفوظ رہا بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا (گجرات کے مشاہیر علماء ۱۳۰-۱۳۱، گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۱۸-۲۵۰)

اس کتابخانے کو محفوظ کرنے اور ترتیب دینے میں مولانا ابو ظفر ندوی مرحوم نے اہم کردار ادا کیا۔ آج اس کتب خانے میں تقریباً تین ہزار مخطوطات اور چھ ہزار مطبوعات ہیں (وضاحتی فہرست کتابخانہ درگاہ پیر محمد ۱/ ۳-۲)

عربی، فارسی اور قدیم اردو کے بیش بہا مخطوطات یہاں محفوظ ہیں۔ ان میں قرآن، تجوید، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، فلسفہ، منطق، صرف و نحو، تاریخ، ادب، عروض اور دیگر فنون پر مشاہیر علماء کی تصانیف محفوظ ہیں۔ مخطوطات کے علاوہ یہاں بہت سی دستاویزات بھی موجود ہیں۔ جو برصغیر کی تاریخ و مذہب سے متعلق ہیں۔ دنیا بھر سے اہل علم ان مخطوطات سے استفادہ کے لیے یہاں آتے ہیں۔ یہاں کے مخطوطات کئی اعتبار سے اہم ہیں کتابت کی قدامت کے لحاظ سے خطِ کوفی، نسخ، نستعلیق وغیرہ میں کتابت شدہ سات آٹھ سو سال قدیم مخطوطات بھی محفوظ ہیں۔ ان خطی نسخوں میں چند ایسے بھی ہیں جو مصنفین کے خود نوشت ہیں۔ اس کتابخانے میں گجرات کے نامور علماء کی تصانیف اور بعض پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حواشی بھی ہیں۔ ایسے بہت سے قلمی نسخے یہاں ہیں جن پر مشاہیر علماء کی مہریں ثبت ہیں۔ فہرست سازی کا کام جاری ہے اور تین ہزار مخطوطات میں سے عربی، فارسی اور اردو کے ۱۳۰۰ خطی نسخوں کی وضاحتی فہرست چھ جلدوں میں درگاہ ٹرسٹ کی جانب سے ۱۹۹۲ تا ۱۹۹۳ء شائع ہو چکی ہے، باقی مخطوطات کی فہرست نگاری کا کام جاری ہے (وضاحتی فہرست ۱/ ۳-۶) ان مخطوطات میں عرب و ایران کے مشاہیر اہل علم کے نادر مخطوطات محفوظ ہیں جو محققین کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

ماخذ

۱۔ ابو ظفر ندوی: تذکرہ اقدس (سوانح پیر محمد شاہ احمد آبادی)، اعظم گڑھ، ۱۹۳۳ء

۲۔ ایضاً: گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں) اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء

- ۳۔ پیر محمد شاہ: نور الشیوخ، احمد آباد، پیر محمد شاہ درگاہ ٹرسٹ، ۱۹۷۷ء
- ۴۔ ایضاً: عشق اللہ، احمد آباد، درگاہ ٹرسٹ، ۱۹۷۷ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: یادایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
- ۶۔ ایضاً: نزہۃ الخواطر، جلد ۶، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۷ء
- ۷۔ علی محمد خان، مرزا محمد حسن: خاتمہ مرآۃ احمدی مرتبہ نواب علی، بڑودھا، ۱۹۳۰ء
- ۸۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (اردو ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) مترجم ابو ظفر ندوی، گجرات اردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء
- ۹۔ محمد زبیر قریشی: گجرات کے مشاہیر علماء، گجرات، اردو سائیتیہ اکیڈمی، ۱۹۹۶ء
- ۱۰۔ ملکا پوری، عبد الجبار: محبوب المنین تذکرہ اولیاء دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ
- ۱۱۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ پیر محمد شاہ۔ گجرات کے مخطوطات عربی، فارسی، اردو، احمد آباد، درگاہ پیر محمد

ٹرسٹ، جلد ۴، ۹۹۲-۱۹۹۴ء

- 12- Eaton, R.M: Sufis of Bijapur, Princeton, University Press, 1978.
- 13- Siddiqui, Anwarjahan: Pir Muhammad Shah and his works (article in Grwoth of Indo-Persian literature in Gujrat) Baroda, 1985.

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ سید جمال الدین اندرابی

شیخ جمال الدین اندرابی تیرہویں صدی ہجری کے صوفیہ میں سے تھے ان کا تعلق خطہ کشمیر تھا۔

شیخ جمال الدین کے والد میر سید کمال الدین اندرابی (ف ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء) بھی ایک باکمال صوفی

اور قادری سلسلہ کے مشہور بزرگ حاجی عتیق اللہ (ف ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء) کے فرزند تھے جو ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء

کے کشمیر کے بلوہ عام کے بانی ہونے کی تہمت میں افراسیاب بیگ خان حاکم کشمیر کے ہاتھوں شہید ہوئے (تاریخ

حسن ۲ / ۶۱۹)

شیخ جمال الدین کے دادا حاجی عتیق اللہ قادری ملکی سیاست میں عمل دخل رکھنے کے باوجود صوفی مشرب،

بزرگ تھے (اسرار الاخیار ۳ / ۷۹) ان کے دادا میر افضل اندرابی (ف ۱۱۱۳ھ) بھی قادری سلسلہ کے صوفیہ میں

سے تھے (ایضاً ۷۲)

میر سید جمال الدین اندرابی شاہ حفیظ اللہ نوری کے خلیفہ تھے، نوے سال تک مسلسل دعوت و ارشاد کا

سلسلہ جاری رکھا اور لمحہ بھر کے لیے اس میں توقف نہ کیا۔ (ایضاً ۹۲)

میر سید جمال الدین اندرابی کا پورا خانوادہ علماء و صوفیہ میں سے تھا، ہزار ہا افراد نے ان سے فیض پایا، کشمیر

کے اہل دل حضرات اس خاندان کے دل و جان سے شیدائے تھے۔ (ایضاً ۷۲، ۷۹، ۹۱، ۹۲)

میر سید جمال الدین اندرابی نے طویل عمر پائی اور ۵ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء کو فوت ہوئے (اسرار

الاخیار ۳ / ۹۳، تحائف الابرار ۷۹)

مآخذ

- ۱۔ بہاء الدین متو کشمیری: سلطانی (مناقب اولیائے کشمیر)، لاہور ۱۳۵۰ھ
- ۲۔ شعری، ابو محمد حسن: تحفہ اشرفیہ (حالات شیخ محمد اشرف فہم کدلی)، لاہور، ۱۳۵۲ھ
- ۳۔ غلام حسن کھویہاوی: تاریخ حسن مرتبہ حسن شاہ، سری نگر، ۱۹۵۴ء
- ۴۔ ایضاً: اسرار الاخیار (تاریخ حسن کا تیسرا حصہ احوال اولیائے کشمیر)، سری نگر، ۱۹۶۰ء
- ۵۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر، سری نگر، ۱۳۵۵ھ
- ۶۔ مسکین، محی الدین: تحائف الابرار، امرتسر، ۱۳۲۱ھ

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

۱۰ نومبر ۲۰۰۴ء

مولانا ابو الحیات قادری پھلواری

مولانا ابو الحیات تیرہویں صدی ہجری کے مشہور عالم دین اور صوفی تھے۔

شیخ ابو الحیات حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے، ان کے تمام اجداد اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے چند نام یہ ہیں۔ شیخ ابو الحیات بن شیخ نعمت اللہ (ف ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء) بن شیخ مجیب اللہ (ف ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء) بن ظہور اللہ جعفری پھلواری۔۔۔۔۔ ان کے اجداد میں سے امیر عطاء اللہ سب سے پہلے پھلواری میں جا کر آباد ہوئے۔ پھلواری (Phulwari) صوبہ بہار میں پٹنہ (Patna) کے مضافات میں ایک مشہور قصبہ ہے۔

شیخ ابو الحیات اسی قصبہ میں ذی قعدہ ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء کو پیدا ہوئے (نہضۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے والد شیخ نعمت اللہ اپنے عہد کے نامور عالم و صوفی بزرگ تھے۔ (ہمانجا ۷ / ۵۰۶)، شیخ ابو الحیات نے مروجہ علوم کی تکمیل مولانا احمدی بن وحید الحق پھلواری (۱۱۷۶-۱۲۵۲ھ / ۱۷۶۲-۱۸۳۶ء) کی خدمت میں رہ کر کی جو ایک عالم قبحر اور علوم عقلیہ کے ماہر استاد تھے (ہمانجا ۷ / ۱۳، ۴۹)

اس خاندان کے افراد مشہور قادری صوفی شاہ قیس قادری ساڈھوری (Sadhware) سے روحانی تعلق رکھتے تھے (محی الملک والدین ص ۵) شیخ ابو الحیات نے بھی قادری سلسلہ سلوک کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی (نہضۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے استاد شیخ احمدی بھی اسی روحانی سلسلہ کے ایک عالم صوفی تھے جن کی صحبت سے انہوں نے باطنی استفادہ بھی کیا۔ (محی الملک والدین ص ۵)

شیخ ابو الحیات کا انتقال پھلواری ہی میں رمضان ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء کو ہوا (نہضۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے فرزند شیخ یحییٰ پھلواری ان کے علم و معرفت کے وارث ہوئے (ہمانجا)

شیخ ابو الحیات کی تالیفات میں سے تذکرۃ الکرام اہم ترین کتاب ہے جو پھلواری خصوصاً اپنے خاندان کے حالات اور علمی کمالات پر مشتمل ہے۔ یہ ضخیم تذکرہ فارسی نثر میں ہے۔ زبان سادہ اور بیان عام فہم ہے۔

تذکرۃ الکرام بہار کے ۳۵ علماء و مشائخ کا تذکرہ ہے۔ جن میں سے زیادہ کا تعلق اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی سے ہے۔ اس اعتبار سے یہ تذکرہ نہایت اہم ہے کہ اس میں مؤلف کے معاصرین کے حالات ہیں۔ مؤلف اس میں درج اکثر روایات کے خود امین ہیں۔ اس کا آغاز شیخ محمد وارث رسول نمابٹاری (۱۰۸۳-۱۱۶۶ھ / ۱۶۷۳-۱۷۵۳ء) کے حالات و کمالات سے ہوتا ہے اور آخری جس شخصیت کے حالات اس میں درج ہیں وہ ہیں شیخ برہان الدین (ف ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۶ء) ہیں۔

اس کتاب کے خطی نسخے ایشیائک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ اور خدا بخش لاہوری پٹنہ، بہار میں پائے جاتے ہیں (ستوری: ادبیات فارسی ۱ / ۲ / ۱۰۴۰)۔

اس تذکرے کا مکمل فارسی متن لکھنؤ سے ۱۸۸۰ء کو طبع ہوا تھا۔ اس تذکرے میں علماء و صوفیہ کے حالات کے ضمن میں برطانوی عہد کے ہندوستان کے بارے میں دلچسپ معاشرتی نکات بھی ملتے ہیں۔ جن میں سے چند نکات حسب ذیل ہیں:

بنارس کے عیسائیوں نے درخواست دی کہ ہم تین کروڑ روپیہ دینے کے لیے تیار ہیں کہ بنارس سے مسلمانوں کو نکال دیا جائے (تذکرۃ الکرام ص ۲۹۳)۔

انگریزوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر شاہ نعمت اللہ قادری پھلواری (ف ۱۲۳۷ھ / ۱۸۳۲ء) نے کہا کہ ان کافروں کے تسلط سے دل جس تکلیف میں مبتلا ہے اس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے (ہما نجا ۲۹۳)۔

مغل حکومت کے زوال کے بعد جہاں دوسرے قصبے غیر مسلم افواج کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے تھے ان میں قصبہ پھلواری بھی شامل ہے (ہما نجا ۲۲۶)۔ خانقاہ پھلواری کے بزرگ انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور ان کا خانقاہ میں داخلہ بند تھا۔ ہفتے میں کئی مرتبہ قلعہ کشی کے باوجود انہوں نے کبھی انگریزوں سے مالی امداد قبول نہیں کی (ہما نجا ۳۱۹، ۵۲۹)۔

خانقاہ پھلواری نے اکابر علماء پیدا کیے۔ شیخ جنید ثانی پھلواری کے ذکر میں لکھا ہے اس خاندان کے تیس چالیس افراد عالم پھلواری میں مصروف کار ہیں۔ (ہما نجا ۱۳۵)۔

ماخذ

- اطہر شیر: عربی، فارسی اور علوم اسلامیہ میں بہار کا حصہ، پٹنہ ۱۹۸۳ء

۱- ابوالحیات قادری پھلواری: تذکرۃ الکرام، لکھنؤ ۱۸۸۰ء

۲- عبدالحی حسنی: نزہۃ النحواط ج ۶، ۷ حیدر آباد دکن ۱۹۵۹ء

۳- عون احمد قادری: محی الملت والدین (سوانح شاہ محمد محی الدین قادری پھلواری) پھلواری ۱۹۸۳ء

4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۴ جنوری ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

مخدوم حامد محمد شمس الدین اوچی گیلانی

مخدوم حامد محمد شمس الدین چودھویں صدی ہجری کے قادری صوفی، مؤلف اور شاعر تھے۔ مخدوم حامد محمد، شیخ عبدالقادر گیلانی ملقب بہ غوث اعظم (ف ۵۶۱ھ / ۱۱۶۶ء) کی اولاد میں سے تھے۔

اس خانوادے کے پہلے فرد مخدوم سید ابو عبد اللہ محمد غوث متخلص بہ قادری صاحب دیوان فارسی شاعر ہیں جو بغداد سے آکر اوچ میں سکونت پذیر ہوئے اور یہیں فوت ہو کر دفن بھی کیے گئے۔ اوچ شہر میں ان حضرات کے سجادہ نشینوں کا طویل سلسلہ تھا۔

سید محمد شاہ معروف بہ شیخ حامد محمد شمس الدین سادس اٹھارہویں سجادہ نشین تھے۔ ان کے والد سید حامد محمد گنج بخش خامس (۱۲۲۷-۱۲۸۳ھ / ۱۸۱۲-۱۸۶۷ء) بن سید علی عباس معروف بہ مخدوم حامد محمد شمس الدین خامس (ف ۱۲۳۱ھ / ۱۸۶۱ء) بن سید حسن بخش ملقب بہ شیخ حامد محمد گنج بخش رابع مشہور بہ جنگاور (Jangawar) (ف ۱۲۴۱ھ / ۱۸۰۶ء) بن مخدوم حامد محمد گنج بخش ثالث بانی قلعہ اوچ (شہید ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء) بن مخدوم عبدالقادر خامس شہید (ف ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) بن ----- (شریف التواریخ ۱ / ۸۳۷-۸۳۳)

مخدوم حامد محمد شمس الدین سادس صاحب علم، مؤلف اور شاعر تھے، ان کا تخلص سید محمد تھا۔ تصنیف و تالیف سے خصوصی لگاؤ تھا۔

ان کی زوجہ محترمہ شیخ موسیٰ پاک شہید گیلانی کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ سید حسن بخش (سجادہ نشین)، سید مراد شاہ، سید جیون شاہ، ولایت شاہ۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین کا انتقال ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶-۸۵ء کو ہوا اور مقبرہ قادریہ اوچ میں دفن ہوئے (ہمانجا ۸۳۵)

مخدوم حامد محمد شمس الدین سادس کی ۲۴ تصانیف کتابخانہ قادریہ مخادیم گیلانیہ اوچ میں محفوظ ہیں۔ جن

کے اسماء حسب ذیل ہیں:

فارسی رسائل:

- | | |
|-----------------|-----------------------------|
| ۱۔ ہند نامہ | ۲۔ رسالہ مراقب |
| ۳۔ اسرارِ قادری | ۴۔ تحفۃ العرفان (فارسی نظم) |
| ۵۔ چند پند | ۶۔ ترجمۃ الانفاس |
| ۷۔ لطائفِ قادری | ۸۔ زبدۃ الاخلاق |

انہوں نے شاہ امجد عرف شاہ مدن کے رسائل تصوف کا فارسی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

اردو رسائل:

- | | |
|---------------------------------------|--------------------------------------------------------|
| ۹۔ زبدۃ السلوک ترجمہ تحفۃ الملوک | ۱۰۔ میراث العاشقین |
| ۱۱۔ نزمۃ العاشقین | ۱۲۔ ترجمۃ الصلوۃ |
| ۱۳۔ چراغ عابدین ترجمہ منہاج العارفین | ۱۴۔ اسرار العاق ترجمہ بی سرنامہ |
| ۱۶۔ مرآۃ الجمال | ۱۷۔ مظہر الصفات ترجمہ رسالہ شاہ ابو علی قلندر پانی پتی |
| ۱۸۔ رسالہ موحدین ترجمہ رسالہ خواجہ | ۱۹۔ جامع المواعظ |
| عبداللہ انصاری | |
| ۲۰۔ مواعظ الحسنی | ۲۱۔ آثار القادریہ |
| ۲۲۔ اسرار الشہود ترجمہ رسالہ فیخ عطار | ۲۳۔ مفادِ گیلانیہ |
| ۲۴۔ نہال الانوار کالشجر الاطہر | ۲۵۔ بیخ منج عشق |

موخر الذکر کتاب میں تشریح عمل صالح، خیرات، پند نامہ، وصیت نامہ، مصطفوی بجناب مرتضوی۔

(شریف التواریخ ۱ / ۸۴۴-۸۴۵) درج ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ احمد اختر اوجی: تاریخ اوج، سررشتہ تالیفات ریاست بہاول پور (س۔ن)
- ۲۔ حفیظ، محمد حفیظ الرحمن بہاولپوری: تاریخ اوج، دہلی ۱۳۳۳ھ
- ۳۔ شرافت، شریف احمد نوشاہی: شریف التواریخ جلد اول، ساہن پال، گجرات ۱۹۷۹ء

۱۵ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

سلسلہ نوشاہیہ کے مشائخ و چند مولفین

پاک و ہند میں صوفیائے کرام کے جو سلاسل مروج ہیں، ان میں سے ایک سلسلہ ”نوشاہی“ بھی ہے، جو قادری خاندان کی ایک اہم اور مشہور شاخ ہے، یہ سلسلہ آج بھی پنجاب، بیرون پنجاب اور پاکستان کے قریبی ممالک میں ترقی پذیر ہے، اس سلسلہ کے بانی شیخ الاسلام حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش ابن حاجی علاء الدین حسین غازی علویؒ تھے، اسی نسبت سے آپ کے پیروکار ”نوشاہی“ کہلاتے ہیں۔ (روضۃ الزکیہ قلمی) آپ قادری سلسلہ میں حضرت شاہ سلیمان نوری بھلوالی متوفی ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء کے مرید و خلیفہ اکبر تھے۔

آپ کی ولادت یکم رمضان ۹۵۹ھ / ۲۱ اگست ۱۵۵۲ء میں بمقام گھوگانوالی ضلع گجرات پنجاب میں ہوئی (مناقب نوشاہیہ قلمی) آپ نے ظاہری تعلیم مدرسہ جاگو تارڑان ضلع گجرات میں مولانا حافظ قائم الدین قاری اور مولانا حافظ بڈھا قاری سے حاصل کی (روضۃ الزکیہ، تحقیقات چشتی) چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا (خزینۃ الاصفیاء) اور علوم معقول و منقول میں سند حاصل کی (تذکرہ نوشاہی، قلمی) آپ کی شادی موضع نوشہرہ تارڑاں ضلع گجرات میں ہوئی اور وہیں آپ نے سکونت بھی اختیار فرمائی (الاعجاز، قلمی) اکبری عہد میں اس گاؤں کی آباد کاری ساہن پال کے نام سے ہوئی اور یہی گاؤں آپ کا دارالارشاد قرار پایا (تاریخ ساہن پال، قلمی)

حضرت حاجی محمد نوشہؒ نے تمام عمر اسلام کی تبلیغ کی اور پنجاب کے علاوہ مصر بھی گئے، وہاں شیخ علقادویؒ سے

ملاقات کی (چہار بہار قلمی)۔ سات مرتبہ حج و زیارت کے شرف سے مشرف ہوئے (ہفتاد اولیاء)

سندھ کا سفر بھی کیا وہاں میاں جام ماتھی سلطان کو فیضیاب کیا (تشریف الفقراء، قلمی) لاہور میں شیخ

عبدالوہاب متقیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا (تذکرہ نوشاہی، قلمی، ثواقب المناقب، قلمی) سیالکوٹ میں مولانا

عبدالحکیم سیالکوٹی کو مستفیض کیا (تحائف قدسیہ قلمی) آپ کے خلفاء میں سے میاں لال اذیر نے سندھ میں

(تشریف الفقراء، قلمی) خواجہ فضیل کابلی نے افغانستان میں، سید شاہ محمد نے قندھار میں، حافظ طاہر نے کشمیر میں

اور شیخ نور محمد نے مرکزی ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کی (رسالہ الاعجاز، قلمی، تذکرہ نوشاہی، قلمی، تحائف قدسیہ) حضرت نوشہ اور آپ کے خلفاء کی سعی سے تقریباً دو لاکھ کفار نے اسلام قبول کیا۔ (خطبات گارساں دتاسی) آپ کی یہ تبلیغی مساعی اکبری دور الحاد و گمراہی میں باطل کے خلاف جہاد سے کم درجہ نہیں رکھتی۔ شاہ جہاں آپ کا معتقد تھا (تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت) اس کو قندھار کی فتح آپ کی دعا سے حاصل ہوئی (تذکرہ نوشاہی۔ تحائف قدسیہ) چنانچہ اس نے درگاہ کے مصارف کے لیے دو گاؤں موضع ٹھٹھ عثمان اور بادشاہ پور فاجن کا خراج دو ہزار اکہتر روپیہ سالانہ تھا بطور جاگر دیئے تھے۔ (فرائین شاہان مغلیہ، قلمی)

حضرت نوشہ پنجاب کے سب سے پہلے اردو اور پنجابی کے صاحب دیوان شاعر ہیں، حضرت نوشہ، نہایت دقیق اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں آپ کی اب تک حسب ذیل تصانیف دریافت ہوئی ہیں:

- ۱۔ معارف تصوف، فارسی منظوم، مطبوعہ مجلہ بصائر اپریل تا اکتوبر ۱۹۷۰ء کراچی۔
- ۲۔ کلیات نوشہ اردو نظم مشتمل بر ۷۵ رسائل تقریباً دو ہزار تین سوا شعرا، مطبوعہ دارالمور خین، لاہور

۱۹۷۳ء

- ۳۔ کلیات نوشہ پنجابی نظم مرتبہ سید شرافت نوشاہی مشتمل بر ۱۲۶ رسائل چار ہزار اشعار، قلمی مملوکہ

مرتب

- ۴۔ گنج الاسرار، اردو منظوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۳ھ

- ۵۔ موعظہ نوشہ پیر مرتبہ سید شرافت نوشاہی، پنجابی نثر، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۸ھ

ان کے علاوہ حضرت نوشہ کے ملفوظات کے مجموعے حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ چہار بہار، فارسی، جامع شیخ محمد ہاشم نوشاہی تھریپالوی بسال ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۳ء، قلمی
- ۲۔ ذخائر الجواہر معروف بہ ارشادات نوشاہیہ اردو مرتبہ سید شرافت نوشاہی، قلمی مملوکہ مرتب
- ۳۔ کلمات طیبات معروف بہ ملفوظات نوشاہیہ، فارسی، مرتبہ سید شرافت نوشاہی قلمی مملوکہ مرتب
- ۴۔ جواہر متون معروف بہ اسرار و معارف مرتبہ سید شرافت نوشاہی مطبوعہ
- ۵۔ لطائف الارشادات مرتبہ سید شرافت نوشاہی۔

حضرت حاجی محمد نوشہ کی وکالت بعمر ۱۰۵ سال قمری ۸ ربیع الاول ۱۰۶۳ھ / ۱۷ جنوری ۱۶۵۳ء عہد شاہ جہان میں ہوئی، آپ کا مزار ساہن پال شریف، ضلع گجرات، پنجاب میں دریائے چناب کے شمالی کنارے پر واقع ہے (تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت)

آپ کے دو صاحبزادے تھے اول حضرت سید حافظ محمد برخوردار بحر العشق مصنف جوامع الاسرار جو آپ کے سجادہ نشین و خلیفہ اعظم تھے، نواب سعد اللہ خان نے آپ کو شاہ جہاں کے دربار میں منصب دلانا چاہا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، آپ مولانا عبد اللہ لاہوری اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے شاگرد تھے، خط نسخ و نستعلیق کے ماہر خطاط اور پنجابی کے بہترین شاعر تھے، حافظ برخوردار نے ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ / ۵ نومبر ۱۶۸۲ء کو انتقال کیا۔ (لطائف گل شاہی، قلمی، بیاض قادری، قلمی) آپ کا مزار حضرت نوشہ کے روضہ سے متصل جانب مشرق ہے۔ دوسرے فرزند سید محمد ہاشم متوفی ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء بھی کامل بزرگ تھے آپ کا مزار لاہور میں ہے (تحفۃ الابرار، نزہۃ الخواطر)

حضرت نوشہ کی اولاد میں سے اس وقت مولانا سید شرافت نوشاہی مدظلہ سجادہ نشین ہیں، آپ ایک سو سترے کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے اکثر سلسلہ نوشاہیہ کی تاریخ پر مبنی ہیں، ان میں شریف التواریخ سات ہزار صفحات کی ایک ضخیم و جیم کتاب سلسلہ نوشاہی کے رجال کے تراجم پر مشتمل ہے، جو دنیائے تاریخ میں ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ (احوال و آثار سید شرافت نوشاہی، مطبوعہ)

سلسلہ نوشاہیہ نے بڑے بڑے عظیم علماء، مشائخ، شعراء، ادباء اور مورخین پیدا کیے ہیں۔ مثلاً

۱۔ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء

۲۔ قاضی رضی الدین سنجابی، مصنف تذکرہ

۳۔ شیخ عبد الرحمان پاک بھڑی والا متوفی ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۳ء

۴۔ شیخ میر محمد سہیار نوشہروی متوفی ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء آٹھ ہزار احادیث کے حافظ تھے (خزینۃ الفقراء،

قلمی)

۵۔ مولانا محمد اکرم غنیمت سنجابی متوفی ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء مصنف مثنوی نیرنگ عشق و رقعات

۶۔ مولانا سید حافظ جمال اللہ فقیہ اعظم متوفی ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۹ء، مصنف حقائق الآثار

- ۷۔ مولانا سید حافظ نور اللہ بر خور داری مفتی رسول عمر متوفی ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء، مصنف فتاویٰ نوشاہیہ۔
- ۸۔ احمد یار مرالوی متوفی ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء پنجابی شاعر، مصنف روضۃ الاحباب وغیرہ
- ۹۔ مولانا سید حافظ قل احمد نوشاہ ثانی متوفی ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء مصنف ثمرات الافکار، وسائل العلوم
- ۱۰۔ مولانا غلام قادر شائق رسول نگری متوفی ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء مصنف بیاض شائق
- ۱۱۔ مولانا محمد اعظم میر ودالی متوفی ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء مصنف بے مثل بشر و شرح قصیدہ نعمان

ماخذ

- ۱۔ احمد بیگ لاہوری مرزا: رسالہ ۱۱۰۷ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی، ساہن پال، ضلع گجرات
- ۲۔ قاضی رضی الدین کنجاہی: تحفۃ رضویہ ۱۱۰۷ھ قلمی مشمولہ رسالہ مذکورہ
- ۳۔ محمد ماہ صداقت کنجاہی: ثواب المناقب ۱۱۲۶ھ مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی مشمولہ اور پینٹل کالج میگزین لاہور
- ۴۔ محمد حیات ربانی، حافظ: تذکرہ نوشاہی ۱۱۴۶ھ، قلمی مخزنہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور نمبر ۶۱۸۸
- ۵۔ فرامین شاہان مغلیہ ۱۱۴۸ھ، قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۶۔ گل محمد بر خور داری، سید: لطائف گل شاہی ۱۱۳۰-۱۱۷۰ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۷۔ کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۱۱۶۳ھ، اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور
- ۸۔ پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ ۱۱۸۶ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۹۔ امام بخش جالندھری: مرآۃ الغفوری قلمی مملوکہ شیخ فضل حسین، موضع بھلوال، ضلع سرگودھا
- ۱۰۔ محمد ہاشم شاہ تھریپالوی: چہار بہار ۱۲۰۹ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۱۱۔ محمد اشرف منجری: کنز الرحمت ۱۲۲۰ھ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۱ء
- ۱۲۔ غلام علی مجددی شاہ: مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور
- ۱۳۔ فقیر غلام محی الدین بخاری لاہوری م ۱۲۳۱ھ تشریف الفقراء قلمی مخزنہ فقیر خانہ، لاہور
- ۱۴۔ ایضاً: کشکول نوشاہیہ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

- ۱۵۔ علی الدین مفتی لاہوری: عبرت نامہ ۱۲۷۰ھ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء
- ۱۶۔ الہی بخش بر خورداری، حافظ ۱۲۵۳ء: روضۃ الزکیہ، قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۱۷۔ محمد ابراہیم جالندھری: کلید گنج الاسرار ۱۲۷۴ھ قلمی مملوکہ فضل حسین موضع بجلوال، سرگودھا
- ۱۸۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی ۱۸۶۲ء مطبوعہ لاہور
- ۱۹۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء ۱۲۸۰ھ مطبوعہ شہر ہند پریس، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۲۰۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ منشی نوکسور، لکھنؤ
- ۲۱۔ ایضاً: گنجینہ سروری، مطبع نوکسور، لکھنؤ
- ۲۲۔ احمد علی: قصر عارفان ۱۲۹۱ھ، مطبوعہ لاہور
- ۲۳۔ عمر بخش رسول نگری م ۱۳۱۱ھ: مناقبات نوشاہیہ، قلمی مملوکہ سید فرحان علی نوشاہی بمقام اگروہ، ضلع گجرات
- ۲۴۔ غلام مصطفیٰ نوشاہی سید: فیض محمد نوشاہی ۱۳۳۵-۱۳۸۳ھ۔ دس ۱۰ جلدیں قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۲۵۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ ۳ جلد ۱۳۵۵ھ قلمی مملوکہ مصنف یعنی سید شرافت نوشاہی
- ۲۶۔ ایضاً: تاریخ ساہن پال ۱۳۹۲ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی مصنف
- ۲۷۔ ایضاً: الوارِ نوشاہیہ مطبوعہ لاہور
- ۲۸۔ ایضاً: اذکارِ نوشاہیہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء
- ۲۹۔ ایضاً: ذکرِ نوشاہی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء
- ۳۰۔ ایضاً: مواعظِ نوشہ پیر مطبوعہ لاہور ۱۳۸۸ھ
- ۳۱۔ ایضاً: مقدمہ گنج الاسرار مطبوعہ لاہور ۱۳۸۳ھ
- ۳۲۔ نور الدین گنجوی، حافظ: خزینۃ الفقراء، قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی
- ۳۳۔ آفتاب بیگ مرزا: تحفۃ الابرار، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۳ھ
- ۳۴۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، (س۔ن)

- ۳۵۔ احمد اختر مرزا کیرانوی: تذکرہ اولیائے ہند، (س۔ن)
- ۳۶۔ نیاز علی خان: گلشن مشاہیر، مطبوعہ ۱۳۰۹ھ
- ۳۷۔ شریف احمد مراد سہروردی: ہفتاد اولیاء، (س۔ن)
- ۳۸۔ محمود خان شیرانی، حافظ: پنجاب میں اردو مطبوعہ لاہور (س۔ن)
- ۳۹۔ محمد ابراہیم خان اعوان: نور نہال قادری، مطبوعہ ۱۹۱۰ء
- ۴۰۔ مقبول محمد جلالوی: سبیل سلسیل، مطبوعہ ۱۳۴۲ھ
- ۴۱۔ محمد دین دبیردوی: باغ اولیائے ہند (پنجابی) مطبوعہ لاہور
- ۴۲۔ معظم بیگ مرزا: گلزار نوشاہی، مطبوعہ (س۔ن)
- ۴۳۔ نامی، غلام دستگیر: سوانح شاہ محمد غوث لاہوری، مطبوعہ لاہور
- ۴۴۔ گارساں دتاسی: خطبات، مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔ حیدر آباد دکن ۱۹۳۵ء
- ۴۵۔ عبدالحی حسنی علامہ: نزہۃ الخواطر (عربی) جلد سادس، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء
- ۴۶۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار سید شرافت نوشاہی، مطبوعہ دارالمورخین، لاہور ۱۹۷۱ء
- ۴۷۔ قریشی، احمد حسین احمد: ”فرائین شاہان مغلیہ متعلق بہ خاندان نوشاہیہ“ مشمولہ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، جولائی ۱۹۶۶ء
- نوٹ: سلسلہ نوشاہیہ پر اس مقالہ کے لکھنے (۱۹۷۳ء) کے بعد کئی تحقیقی کتابیں اور مقالات شائع ہوئے ان سب کا احاطہ اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ہے۔

۹ فروری ۱۹۷۳ء

اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، لاہور

حضرت سید شرافت نوشاہی اور ان کی کتاب شریف التواریخ

عالم اسلام میں صوفیہ کے جو تذکرے تصنیف ہوئے ان میں سے ابتدائی تذکروں کی حیثیت صوفیہ کے مناقب، ان کی تعلیمات اکابر کی نصیحت آموز حکایات کے مجموعوں کی سی ہے، چنانچہ اگر ہم ان ابتدائی تذکروں کا ایک سرسری جائزہ لیں تو صوفیہ کے تذکروں کی ترتیب میں بہت نمایاں فرق نظر آئے گا، ابتدائی تذکرے یہ ہیں:

۱: تاریخ مشائخ از محمد بن علی حکیم ترمذی (ف ۲۵۵ھ)

۲: کتاب طبقات النساک از ابو سعید احمد بن محمد غزی ابن الاعرابی (ف ۳۲۱ھ)

۳: کتاب اخبار الصوفیہ والزهاد از ابو بکر محمد بن داؤد بن سلیمان (ف ۳۲۲ھ)

۴: اللہ از محمد بن احمد بن ابراہیم مشہور بہ ابو بکر مفید جرجانی (ف ۳۶۳ھ)

۵: کتاب اسمائے مشائخ فارس از ابو عبد اللہ محمد بن خفیف (ف ۳۷۱ھ)

۶: معجم الشیوخ از ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن داؤد مستطی بلخی (ف ۳۷۶ھ)

۷: طبقات الصوفیہ از ابو العباس احمد بن زکریا زاهد نسوی خراسانی (ف ۳۹۶ھ)

۸: تاریخ ابو بکر محمد بن عبد اللہ رازی (استاد سلمی) (ف حدود ۴۰۰ھ)

۹: حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم (ف ۴۳۰ھ)

۱۰: طبقات الصوفیہ از ابو عبد الرحمن سلمی (ف)

۱۱: طبقات الصوفیہ از عبد اللہ انصاری ہروی (ف ۴۸۱ھ)

۱۲: کشف المحجوب از علی بن عثمان ہجوری ملقب بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری (ف حدود ۵۰۰ھ)

۱۳: التصفیہ فی احوال المتصوفہ از قطب الدین ابو مظفر منصور بن اردشیر العبادی (ولادت ۴۹۱ھ)

مسلمانوں کے فنون میں ایک اہم فن تذکرہ نویسی ہے، ہمارے نزدیک اسے تاریخ کی ایک شاخ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول خدا ﷺ کی سیرت پاک کی تدوین و تالیف کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو گیا تھا اور اسلامی تاریخ نویسی کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا، گویا تذکرہ نویسی یا سوانح نگاری کو تاریخ نویسی پر تقدم زمانی حاصل ہے لیکن تاریخ نویسی کے فن اور مورخین کو بہت جلد اہل ثروت کا سہارا مل گیا اور اس نے اتنی ترقی کہ عہد حاضر کے مورخین نے تذکرہ نویسی کو علم تاریخ کی ایک شاخ ہی قرار دے دیا، حضرت رسول خدا ﷺ کی سیرت کے بعد سوانح نگاری حدیث کے راویوں کے حالات جانے کا ذریعہ بنی رہی اس طرح علم اسماء الرجال کے فن کی مستقل طور پر بنیاد رکھ دی گئی۔

پھر صحابہ کرام، تابعین، حفاظ اور صالحین کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں، اس طرح سوانح نگاری کا فن بتدریج لیکن سبک رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد صوفیہ کی عملی زندگی عوام کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہو سکتی تھی اس لیے اب سوانح نگاری کا مدار یہی شخصیات بننے لگیں۔

صوفیہ کے سوانح نگاری کا آغاز ہماری دانست کے مطابق اس طرح ہوا کہ ابتدا میں ان کی تعلیمات و اقوال کو عام کرنے کے لیے انہیں یکجا کیا جانے لگا، پھر ان اقوال کی تشریح و توضیح کے لیے رسائل مرتب ہونا شروع ہوئے، پھر صاحب اقوال کے حالات و کمالات اور نام و نسب کے بارے میں بھی ان پر اضافے ہونے لگے۔ اس طرح صوفیہ کے تذکرے وجود میں آئے، ابتدا میں یہ تذکرے نہایت سادہ نوعیت کے تھے اور ان کا مقصد وحیدان کی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہوتا تھا۔

پھر علاقائی تقاضوں اور وہاں کے باشندوں کے مزاج کے مطابق ان تذکروں میں ابواب و فصول کا اضافہ ہوتا رہا، ہم اس وقت صرف پاکستان و ہند میں تصنیف ہونے والے صوفیہ کے تذکروں پر بحث کریں گے۔

پاک و ہند میں وجود میں آنے والے ابتدائی تذکرے بڑی حد تک ان تذکروں کا پر تو ہیں جن کی فہرست ہم نے شروع میں دی ہے، یعنی عرب و عجم خصوصاً ماوراء النہر میں جو تذکرے لکھے گئے، پاکستان و ہند کی تذکرہ نویسی پر اس کے گہرے اثرات ہیں یہاں تصنیف ہونے والے صوفیہ کے تذکروں میں حسب ذیل خصائص پائے جاتے

ہیں:

۱۔ حالاتِ زندگی سے زیادہ ان کے مناقب احاطہ تحریر میں لائے گئے۔

۲۔ ابتدا میں جو صوفیہ یہاں آئے ان کا مقصد حیاتِ تبلیغ دین تھا، ان کے راستے میں رکاوٹ بننے والے یہاں کے غیر مسلم مذہبی رہنما شعبدہ باز، جادوگر اور کاہن تھے جو اپنے کرتبوں سے یہاں کے سادہ لوح عوام کو اپنے جال میں پھنساتے تھے، ان کے مقابلے میں صوفیہ کرام توکل و رضا کے پیکر تھے۔ جب یہ لوگ ان کے آڑے آئے تو ان مسلمان صوفیہ کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کرامت کے اظہار کی قوت مرحمت فرمائی یعنی انہیں اظہارِ کرامت کے وصف سے نوازا اور بہت سے عوام صوفیہ کرام کی محض کرامات سے متاثر ہو کر ہی راہِ راست پر آ گئے۔

۳۔ پھر یہ کرامات صوفیہ کے تذکروں میں تحریر کی جانے لگیں اور آہستہ آہستہ صوفیہ کے تذکرے محض کرامات کا مجموعہ ہی بن کر رہ گئے، بعض تذکرے تو اول سے آخر تک صوفیہ کی کرامات سے مملو ہیں۔

۴۔ اس طرح تذکروں کا مقصد تصنیف بڑی حد تک مجروح ہوا یہاں تک کہ ایک ایسا دور آیا کہ صوفیہ کے ذاتی حالات اور تعلیمات بالکل پس منظر میں چلی گئیں اور ان کی خرقہ عادات کے قصے مزے لے لے کر بیان کیے جانے لگے۔

۵۔ بہت سے غیر محتاط، کم علم اور عقیدت کیش مریدین نے اپنے مشائخ کے اس قسم کے تذکرے مرتب کیے اور ان میں غیر ثقہ باتوں کو ان سے منسوب کر دیا کہ اگر انہیں واقعی صاحبِ سوانح سے کوئی نسبت دی جائے تو ان کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔

۶۔ ایک اور اہم نکتہ یہاں کی تذکرہ نویسی کے بارے میں یہ ہے کہ یہاں تذکرہ نویسی کا فن باقاعدہ عرب محدثین و ماہرین رجال حدیث کے ذریعے متعارف نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ عربی تذکروں میں جس احتیاط، جرح و تعدیل اور اسناد و اصل کا خیال رکھا گیا ہے وہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سوا کسی ہندی تذکرہ نویس کے ہاں نہیں ملتا، اس کے برعکس جن ہندوستانی مسلمانوں کے تذکرے خود ہندوستانی مصنفین نے عرب میں عرصہ تک رہ کر لکھے ہیں ان میں احتیاط کی تمام مذکورہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً نانچ الحرمین (در حالات حضرت شیخ آدم بنوڑی) (ف ۱۰۵۳)۔

۷۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۳۲ء) چونکہ محدث اور نہایت محتاط مصنف تھے اس لیے انہوں نے صوفیہ کا تذکرہ اخبار الاخبار لکھ کر پاکستان و ہند کے تذکرہ نویسوں کے لیے ایک مثال قائم کر دی گویا یہاں کے صوفیہ کی تذکرہ نویسی میں ایک نئے یعنی انتقاد و روایات کا رواج پڑ گیا گو اس کی پیروی بہت کم مصنفین نے کی تاہم اس باب میں جدید سائنٹیفک تحقیقات کی خشتِ اول حضرت شیخ محدث نے ہی رکھی۔

۸۔ حضرت شیخ محدث نے اخبار الاخبار (۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لکھ کر تذکرہ نویسی کے فن میں جس انقلاب، تبدل، تجدد اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اس کی پیروی کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔

۹۔ رہیں سیاسی کتب تاریخ، تو وہ سماجی زندگی کے آثار اور علماء و صوفیہ کے حالات سے (بجز چند) خالی ہیں، دراصل تذکرہ نویسوں نے تذکرہ نویسی کے فن کو بلاوجہ نہیں اپنایا اور یہ خیال بھی خام ہے کہ صوفیہ نے اپنی مدح سرائی کے لیے اپنے حالات پر تذکرے لکھوائے بلکہ تذکرہ نویس شعوری طور پر سیاسی کتب تاریخ کی اس ناانصافی کو محسوس کر چکے تھے، کئی تذکرہ نگاروں نے واضح الفاظ میں اس کی شکایت بھی کی ہے مثلاً ”محمد غوثی شطاری کی گلزار ابرار (۱۰۲۳ھ) میں قاضی منہاج سراج کی طبقاتِ ناصری میں اس وقت کے علمی اور مذہبی حالات سے کلیۃً اجتناب کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے“^۱

۱۰۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے عموماً ایسے تذکرے وجود میں آئے جن میں ہر قسم کی روایات کو محفوظ کرنے کے خیال سے جمع کر دیا گیا، حضرت شیخ محدث کی اخبار الاخبار کے بعد تذکرہ نویسوں میں روایت کو پرکھنے کا قدرے شعور ہوا، دریافت شدہ تذکروں میں یہ شعور خاصی ست رفتاری کے ساتھ ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شیخ محدث کے بعد صوفیہ کے جو عمومی تذکرے لکھے گئے ہیں یعنی گلزار ابرار، کلمات الصادقین، ثمرات القدس، مجمع الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، معارج الولاہ، ریاض الاولیاء، آثار الکرام اور خزینۃ الاصفیاء ان تذکروں کی انفرادی خوبیوں سے قطع نظر ان میں صحتِ روایت، اصولِ درایت، اور شیخ محدث کے طریقہ کار کی نہ تو تقلید ہی ملتی ہے اور نہ ہی ان کی فکر کو آگے بڑھانے کی سعی کا احساس ہوتا ہے۔

۱۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ) نے رسالہ ”الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ لکھ کر پاکستان و ہند کی تذکرہ نویسی میں مزید احتیاط، غور و فکر اور صحتِ روایت کی مثال قائم کی جس سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتب فکر کو عملی صورت میں استعمال کیا گیا۔

۱۲۔ آزاد بلگرامی کی مآثر الکرام میں بھی تنقیدِ روایت، صحتِ اندراج اور اسناد کا اہتمام کیا گیا ہے اسی طرح مفتی غلام سرور لاہوری (ف ۱۳۰۷ھ) نے کئی متضاد روایات نقل کرنے کے بعد ان میں سے مرجح روایت کی صحت کے بارے میں دلائل دینے کا اہتمام کیا ہے پھر خصوصیت سے صوفیہ کے سینین ولادت و وفات کی دریافت نے بعد کے تذکرہ نویسوں کو نئی نئی راہیں نکالنے کے لیے دعوتِ فکر دی۔

صوفیہ کے جدید تذکرے

جدید تذکروں سے مراد صوفیہ کے وہ تذکرے ہیں جنہیں اسلامی اصولِ رجال، روایت و درایت کے ساتھ ساتھ جدید سائنٹفک اصولوں کے مطابق تصنیف کیا گیا ہو، ہماری تحقیق کے مطابق پاکستان و ہند میں جدید تذکرہ نگاری کا آغاز اس وقت ہوا جب مستشرقین یورپ نے صوفیہ کی تصانیف کے متون ایڈٹ کر کے ان پر تنقیدی حواشی و مقدمات کے اضافے کیے جب یہ ایڈیشن یہاں پہنچے تو یہاں کے مصنفین کو روایتی تذکرہ نویسی کی روش سے ہٹ کر جدید طرزِ اپنانے کا خیال ہوا۔

مولانا شبلی و حالی کے سوانحی ادب نے مزید غور و فکر کی دعوت دی، اردو کے مشہور رسالہ معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (اجراء ۱۹۱۶ء) میں صوفیہ کرام پر تحقیقی مقالات نے اس کام کو زیادہ تقویت دے کر تصنیف و تالیف کے لیے میدان ہموار کیا۔

سید مقبول احمد صمدی کی حیاتِ جلیل (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) حکیم سید شمس اللہ قادری کے صوفیہ پر مقالات اور رسالہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، میں پاکستان و ہند کے صوفیہ پر مختلف اہل قلم کے گراں بہا تحقیقی مقالات نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس نے صوفیہ کی تصانیف کی نہ صرف اہمیت واضح کر دی بلکہ ان پر تحقیقی کام کے لیے بھی اہل علم کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

ان حالات میں جن مصنفین نے اس میدان میں نمایاں کام کیا ان میں جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تاریخ مشائخ چشت، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ فرید الدین گنج شکر (سوانح بزبان انگریزی) اور ترتیب و تحقیق خیر المجالس وغیرہ نے اپنے کام کا مدار صوفیہ کرام کے احوال و آثار کی دریافت اور جدید طریقہ کار کے مطابق ان کی ترتیب و تہذیب کی، ان کے بعد ہمارے ملک کے نامور محقق جناب پروفیسر محمد ایوب قادری نے تذکرہ علماء ہند کا جدید ترجمہ، تعلیقات اور مقدمات کے ساتھ اشاعت کی جس سے متاثر ہو کر اہل علم حضرات نے اپنے کام کے دھارے اس طرف موڑ لیے۔

تذکروں کی اقسام

صوفیہ کرام کے تذکرے کئی قسم کے ہیں ان میں عمومی تذکرے وہ ہیں جو سارے عالم اسلام کے صوفیہ کے احوال و مقامات کے بارے میں لکھے گئے ہیں پھر ان کی بھی کئی اقسام ہو گئیں یعنی ایک ملک کے تمام سلاسل کے صوفیہ کے حالات پر عمومی تذکرے وجود میں آنے لگے۔

تذکروں کی دوسری قسم خصوصی تذکرے ہیں یعنی صرف ایک سلسلہ سلوک کے مشائخ ان میں بھی سلاسل کی شاخوں کے مطابق الگ الگ تذکرے مرتب ہوئے ہیں مثلاً چشتی سلسلہ میں شاخ فریدیہ، نظامیہ اور صابریہ وغیرہ۔

بعد کو تذکرہ نویسوں نے صرف اپنے سلسلہ سلوک کے مشائخ کے حالات تحریر کرنے پر اکتفا کی۔ تذکرہ کی تیسری قسم مفرد تذکرے ہیں ان میں ایسے تذکرے شامل ہیں جو فرد واحد کے احوال و آثار و افکار و مناقب پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی اگر کسی سلسلہ سلوک کا راہنما ایسی جالب و جاذب شخصیت کا مالک ہے تو اس کے لیے مفرد تذکرہ تحریر کیا گیا اس کا اطلاق غالباً ہر سلسلہ پر ہو سکتا ہے۔

تذکرہ نگاری کے قواعد و ضوابط

تذکرہ نگاری کے اصول و ضوابط پر اب تک کوئی مستقل کتاب وجود میں نہیں آئی اور نہ تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں اس موضوع پر بحث کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ اس فکر سے بے بہرہ تھا، چند محدثین تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر جنہوں نے علم الرجال میں جرح و تعدیل سے استفادہ کیا ہے باقی تمام تذکرہ نویس تنقید روایات

اور سند و اصل کے اصول کو فراموش کر کے تذکرے مرتب کرتے رہے، اس لیے ان کے ہاں اس فن کے قواعد و ضوابط کی تلاش بے سود ہوگی۔

البتہ تذکرہ نگاروں کے احوال و آثار پر چند کتابیں ضرور لکھی گئی ہیں۔ جن میں اس فن کے اصول و ضوابط پر توجہ نہیں دی گئی، پہلی کوشش میں جو کچھ ان تذکرہ نویسوں کے ذہن میں آیا انہوں نے اسے تنقیدی افکار کے بغیر ہی صفحہ قرطاس پر نقش کر دیا۔ صوفیہ کے تذکرے ایک دوسرے کی بے ہنگم تقلید کے باعث شدید تنقیدات کی زد میں آ گئے۔

پنجاب میں تذکرہ نویسی

چونکہ کتاب حاضر کا تعلق خطہ پنجاب سے ہے، اس لیے ہمیں اس مقدمہ میں صرف پنجاب کے صوفیہ کے تذکروں کے بارے میں چند نکات پیش کرنا ہیں:

تذکرہ نگاری کے اعتبار سے پنجاب نہایت ہی محروم قسمت خطہ ہے، یہاں کا علمی سرمایہ حملہ آوروں اور مسلم دشمن حکومتوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہے، جو بچ رہا تھا خود مسلمانوں کی بے حسی کی وجہ سے دیمک کی نذر ہو کر تاریک کنوؤں اور دریا کی موجوں میں سمو چکا ہے، باقی مآخذ اس قدر کم تعداد میں ہیں کہ اگر سنین تصنیف کے اعتبار سے ان کی فہرست مرتب کی جائے تو ایسے خلا نظر آتے ہیں جنہیں پر کرنا ناممکن ہے۔

پنجاب میں تذکرہ نگاری کی ابھی تک کوئی باقاعدہ اور تحقیقی تاریخ نہیں لکھی گئی، اس موضوع پر کام کرنے والوں نے فقط رسمی ابواب کے تحت چند باتیں بنا کر ٹال دیا ہے، اس سلسلہ میں صوفیہ کے تذکروں کو اہمیت دینا یا انہیں مآخذ کی حیثیت سے استعمال کرنا تو درکنار انہیں چھو کر بھی نہیں دیکھا گیا۔

بزرگ جہان: مسئلہ انقلابی مسئلہ علم و ادب، اردو، ۱۹۵۹ء

علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی ادبی و ادبی پاکستان، جہان

احمد عظیم سالی: تاریخ تذکرہ نویسی، جہان

لہان شاہ پوری: اردو شعراء کے تذکرے، اردو، ۱۹۷۲ء

مہر علی: اردو شعراء کے تذکرے، اردو، ۱۹۷۲ء

حلیف نقوی: اردو شعراء کے تذکرے، جہان

ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب کی سیاسی، ثقافتی اور روحانی تاریخ میں جو خلا پائے جاتے ہیں انہیں پُر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

ذیل میں ہم پنجاب کے صوفیہ کے چند بنیادی تذکروں کی فہرست دے رہے ہیں جن کی بنیاد پر مذکورہ کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

شریف التواریخ

قادریہ سلسلہ طریقت کی ایک مشہور شاخ ہے سلسلہ کو شاہیہ، جس کے بانی حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری (ف ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء) تھے یہ سلسلہ زیادہ تر پنجاب میں رائج ہوا، پیش نظر کتاب اسی طریقہ تصوف کی ایک تاریخ ہے۔

ضخیم و جہیم شریف التواریخ جس کی تین جلدیں اور آٹھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں، پنجاب کی تاریخ تصوف کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے یقیناً سلاسل تصوف میں سے کسی سلسلہ کا اتنا بڑا اور جامع تذکرہ آج تک مرتب نہیں ہوا جتنا شریف التواریخ ہے۔

مجھے شریف التواریخ کو ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء سے اب تک کئی مرتبہ دیکھنے، اس کے مختلف حصے پڑھنے اور مطلوبہ مواد کی نقل و اقتباس کا موقع ملا ہے نیز اس کتاب کی تیسری جلد (۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء تا ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء) راقم کی موجودگی میں تالیف کے مراحل طے کرتی رہی ہے، مجھے مولف کو اس کے لیے مواد جمع کرتے اور مسودہ کو بیضہ کی صورت دیتے ہوئے متعدد بار مشاہدے کا موقع ملا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے عمل کے معنی شاہد کی حیثیت سے مجھے چند اہم نکات پیش کرنا ہیں:

۱: جب ہم اس کتاب کا بلحاظ توقیت (Chronology) مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ جلد اول دوسری دونوں جلدوں سے طریقہ تحقیق و تصنیف، استدلال، استخراج نتائج، وقائع کے تقابل اور اصول نقد و نظر کے اعتبار سے مختلف ہے۔

۲: صوفیہ کے تذکروں میں ایک خامی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ سنین (ولادت، وفات، اہم حوادث) سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن شریف التواریخ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مولف کو تذکروں کے اس خلا کا خاصہ

احساس ہے انہوں نے نہ صرف غیر متحقق سنین کی تصحیح اور حک و اصلاح کی کوشش کی ہے بلکہ قدیم مصنفین کو اندراج سنین میں جن وجوہ کی بنا پر اشتباہات پیدا ہوئے ان کی بھی نشان دہی کی ہے نیز مولف نے متقدمین کے جو سنین خود متعین کیے ہیں ان کے لیے محکم دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

گویا صحت سنین کے لیے اس کتاب کا تذکرہ میں مفرد مقام ہے۔

۳: صوفیہ کے بعض تذکرے اس لیے اہم ہیں کہ ان میں صوفیہ کے احوال و آثار محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کئی صوفیہ کے رسائل آج ہم تک صرف اس لیے پہنچے ہیں کہ ان کو کسی نہ کسی تذکرہ نگار نے بعینہ اپنے تذکرے کا جزو بنالیا ہے یا ان کے بعض کلمات ان کی تصانیف سے نقل کر دیئے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے افکار سے ہم آگاہ ہوئے، ان میں معارج الولايت (۱۰۹۶ھ) کا نام سرفہرست ہے جو اپنے اندر صوفیہ کے رسائل کے متون سمیٹے ہوئے ہے، یہی حال پیش نظر کتاب شریف التواریخ کا ہے اگر صاحب ترجمہ کا ایک مکتوب ہی ملا ہے تو وہ بھی نقل کر کے اس کتاب میں محفوظ کر لیا گیا ہے اگر ایسے آثار کی فہرست مرتب کی جائے جو محض شریف التواریخ کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں یا آج تک محفوظ ہیں تو یہ خاصا طویل کام ہو جائے گا۔

۴: ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مولف خود خطاط ہیں اور انہوں نے اپنی اس تالیف کی جس حسن و خوبی کے ساتھ کتابت کی ہے اس دور میں اس کی مثال ملنا دشوار ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے کاتبوں کے حوالے کرنے کی بجائے اسی خود نوشت نسخہ مولف کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

۵: شاید قارئین کو اس کتاب کی زبان پر اعتراض ہو کہ ادبی و لسانی اعتبار سے اس میں نقائص پائے جاتے ہیں لیکن ہم اس باب میں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولف نے اس کتاب میں زیادہ توجہ واقعات و سنین کی صحت پر دی ہے، اسے آب حیات یا شعر العجم کی طرح خواہ مخواہ دلچسپ بنانے کے شوق میں لسانی قلابازیاں اور خیالی گھوڑے نہیں دوڑائے بلکہ نہایت سہل انداز بیان میں حقائق نویسی کو پر لطف بنا دیا ہے دور آخر کے تذکرہ ہائے صوفیہ میں خزینۃ الاصفیاء کو جو مقبولیت حاصل ہے اس کی ایک وجہ اس کی نہایت آسان، سادہ اور عام فہم زبان بھی ہے نیز ہم پاکستانیوں کے لیے یہ سرمایہ افتخار ہے کہ ہمارے ملک کی قومی زبان اردو میں ایک بیش بہا کتاب کا اضافہ ہو رہا ہے یقیناً دنیا کے کسی ادب میں اس موضوع پر ایسی اور اتنی بڑی کتاب تالیف نہیں ہوئی ہوگی۔

۶: شریف التواریخ کی ضخامت دیکھ کر اس کے فرد واحد کی تالیف باور کرتے ہوئے اہل علم کو متردد پایا

کیا ہے لیکن اس کی ضخامت سے زیادہ جب ہم اس کے مذکورہ محاسن سے آگاہ ہو جائیں تو شاید بعض حضرات کا وہ تردد یقین میں بدلتے ہوئے دیر نہ لگے بے شک و شبہ کتاب حاضر کے مؤلف نے تنہا نہایت دل جمعی کے ساتھ ایسا کام انجام دیا ہے جو اس قلیل عرصہ (ترپن ۵۳ سال) میں مؤلفین کا ایک بورڈ بھی اس طریقہ پر نہیں کر سکتا تھا جس طرح حضرت مؤلف نے مستقل مزاجی سے کیا ہے۔

شریف التواریخ پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کے نام بھی الگ الگ ہیں:

پہلی جلد موسوم بہ تاریخ الاقطاب (تاریخی نام) ۱۳۵۵ھ بطور فی صفحہ ۲۰

اس جلد کے مآخذ میں پانچ سو سے زائد کتابوں میں ۵۷ مخطوطات ہیں، اس میں چار فہرستیں اور طویل

اشاریہ ان کے علاوہ ہے۔

اس جلد کے مقدمہ میں مدارج ولایت، اقسام اولیا اللہ، قطب، غوث وغیرہ، حالت ہائے اولیا اللہ، قلندر، سالک، مجذوب وغیرہ، اثبات کرامات اولیا، قرآن، حدیث اور حکمت وغیرہ سے دلائل و مسائل بیعت، خلافت و ارشاد، ایک سو چوالیس (۱۴۴) سلاسل اولیا کا تذکرہ مع شجرات طریقت بیان کیا گیا ہے، اس مقدمہ کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ کے حالات سے لے کر حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ تک ان کے شجرہ طریقت کے مطابق مشائخ کے حالات لکھے گئے ہیں، اس جلد کی تکمیل ۱۳۵۵ھ پر ان اکابر نے تقریظات و قطعات تاریخ لکھے ہیں:

مولانا سید غلام مصطفیٰ نوشاہی، پیر غلام سنگیر نامی اور مولانا قاضی سلام اللہ شائق ساکن چک عمر ضلع

گجرات۔

جلد دوم۔ اس کی جلد دوم کا نام طبقات نوشاہیہ ہے، تاریخ تکمیل ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۸۱ھ۔ صفحات

۱۴۶۶۔ بطور فی صفحہ ۲۲

اس جلد کو مزید سات طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ طبقہ اول۔ نوشاہیہ آبائیہ۔ اس میں مؤلف نے اپنے مورث اعلیٰ اور امام سلسلہ نوشاہیہ حضرت حاجی

محمد نوشہ گنج بخشؒ سے لے کر اپنے آباؤ اجداد کے حالات اپنے تک لکھے ہیں۔ اس طبقہ میں گیارہ حضرات کے حالات

ہیں۔

۲۔ طبقہ دوم نوشاہیہ بر خور داریہ، اس میں حضرت نوشہ کے فرزند اکبر سید حافظ محمد بر خور دار بحر العشق کی اولاد کے حالات گیارہ ابواب میں سلسلہ نسب کے مطابق لکھے ہیں جن کی تعداد ۲۵۵ ہے۔

۳۔ طبقہ سوم نوشاہیہ ہاشمیہ، اس میں حضرت نوشہ کے چھوٹے صاحبزادے سید محمد ہاشم دریادل کی اولاد کے حالات نو ابواب میں پشت وار لکھے ہیں، ان کی تعداد ۷۹ ہے۔

۴۔ طبقہ چہارم نوشاہیہ سلیمانیہ، اس میں حضرت سخی شاہ سلیمان نوری بھلوالی کی اولاد کے حالات دس ابواب میں تحریر کیے ہیں جن کی تعداد ۶۰ ہے۔

۵۔ طبقہ پنجم نوشاہیہ رحمانیہ، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ شیخ عبدالرحمن معروف بہ پاک رحمن نوشاہی بھڑی والہ اور ان کے متولیوں کے حالات زمانہ حاضریہ تک درج کیے ہیں جن کی تعداد ۴۲ ہے۔

۶۔ طبقہ ششم نوشاہیہ سچار، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ شیخ پیر محمد سچیار نوشہروی اور ان کی اولاد کے حالات نو ابواب میں لکھے ہیں جن کی تعداد ۲۶ ہے۔

۷۔ طبقہ ہفتم نوشاہیہ صالحیہ، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ سید صالح محمد چک سادہ، ضلع گجرات اور ان کی اولاد کے حالات نو ابواب میں بہ تعداد ۲۲ تحریر کیے ہیں۔

گویا اس جلد میں پانچ سو سے زائد رجال کے حالات لکھے گئے ہیں، اس کے مآخذ کی تعداد ۲۷۵ ہے جن میں ۱۲۶ مخطوطات بھی شامل ہیں۔

جلد سوم، اس کی جلد سوم کا نام تذکرۃ النوشاہیہ ہے، آغاز ۲۰ رجب ۱۳۴۹ھ، تکمیل ۲ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ اس کی ضخامت چونکہ پہلی دونوں جلدوں سے زیادہ ہے اس لیے مؤلف نے اسے بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے، جس کے کل صفحات ۵۱۷۰ ہیں، ہر حصہ کو الگ الگ نام سے موسوم کیا ہے، یعنی:

اول۔ تحائف الاطہار، ذکر بالاد واسطہ مریدین حضرت نوشہ

دوم۔ لطائف الاخبار، اس میں صرف ایک واسطہ سے حضرت نوشہ کے حلقہ مریدین میں شامل حضرات

کا تذکرہ ہے۔

سوم۔ معارف الابرار، تیسری پشت کے اکابر کا تذکرہ۔

چہارم۔ مآثر الاخبار، چوتھی پشت کے بزرگوں کا تذکرہ۔

پنجم۔ عوارف الانوار، پانچویں پشت کے افراد کا تذکرہ۔

ششم۔ صحائف الاسرار، چھٹی پشت کے حضرات کا تذکرہ۔

ہفتم۔ منہاج الاسرار، ساتویں پشت کے صاحبان کا تذکرہ۔

ہشتم۔ شواہد الافکار، آٹھویں پشت کے درویشوں کا تذکرہ۔

نہم۔ فوائد الاذکار، نویں پشت کے اہل اللہ کا تذکرہ۔

وہم۔ عمائد الادوار، دسویں پشت کے صوفیوں کا تذکرہ۔

یازدہم۔ روائع الازہار، گیارہویں پشت کے فقراء کا تذکرہ۔

دوازدہم۔ طوابع الاطفا، اس کی ابتداء میں ان نوشاہی بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ جن کا شجرہ طریقت

مؤلف کو دستیاب نہیں ہو سکا، اس کے بعد اس میں مؤلف نے ایسے معاصرین کے حالات لکھے ہیں جن سے ان کی

ملاقات ہوئی اور ان سے کسی نوع کے تاثرات و افکار قبول کیے، ان میں سے اکثر ایسے معاصرین کے حالات شامل

ہیں جنہوں نے مؤلف کی فرمائش پر اپنے خود نوشت حالات مؤلف کو فراہم کیے۔ گویا اس حصہ کا تعلق مؤلف کے

حالات زندگی سے زیادہ ہے، اس کی اہمیت معاصر دستاویز کے علاوہ یہ بھی ہے کہ مؤلف کے افکار و نظریات کے

نشیب و فراز میں جن افراد کا دخل رہا ہے ان کا ذکر اسی آخری حصہ میں مل سکتا ہے۔

اولیات شریف التواریخ

اس گرانہا تصنیف کے مندرجات کا بغور و تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس کا بہت سا مواد بالکل منفرد نظر آتا

ہے۔ مثلاً اس کی فہرست مآخذ میں مخطوطات کا شمار ۱۰۵۶ ہے جن میں سے بعض کے نام اس کی تین جلدوں اور

تیسری جلد کے بارہ حصوں کی فہرست مآخذ میں مکرر بھی آئے ہیں، لیکن ان میں محولہ نوے مخطوطات ایسے ہیں جنہیں

پہلی مرتبہ صرف اسی مصنف نے استعمال کر کے اہل علم سے متعارف کروایا ہے اور بجا طور پر دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ

دنیا کے مآخذ و مخطوطات میں ان نوے خطی مآخذوں کی دریافت کا سہرا اسی فاضل مصنف کے سر ہے۔

ذیل میں اسی قسم کے مآخذ کی مجمل فہرست دی جا رہی ہے تاکہ محققین بآسانی ان کا جائزہ لے سکیں، ان

میں ناموں سے پہلے لکھے ہوئے نمبر اس کی مختلف جلدوں کی فہرست مآخذ کے شمار کے مطابق ہیں:

جلد اول

- ۲۵۔ اسرارِ قادر۔ مولوی محمد جان قادری بٹالوی
- ۳۴۔ انوار الصالحین۔ پیر معصوم شاہ نوشاہی
- ۳۶۔ انوار القادریہ۔ حکیم غلام قادر شاہ اثر جالندھری
- ۴۰۔ اوراد القادریہ۔ مخدوم سید عبدالقادر اوچی
- ۴۶۔ بحر السرائر۔ سید سعد اللہ موسوی قادری
- ۸۲۔ تحائفِ قدسیہ۔ پیر کمال نوشاہی لاہوری
- ۱۰۰۔ ترجیعاتِ قادری۔ مخدوم سید محمد غوث گیلانی اوچی
- ۱۰۱۔ ترویج القلوب۔ سید حافظ محمد حیات ربانی نوشاہی
- ۱۲۶۔ مکملہ مفتاح الفتوح شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- ۱۳۴۔ ثواب المناقب۔ شیخ محمد ماہ صداقت سنجاہی
- ۱۵۰۔ چہار بہار (ملفوظاتِ نوشہ صاحب) از شیخ محمد ہاشم تھریپالوی
- ۲۰۰۔ ذکر الائمہ۔ سید جلال الدین حسین جعفری شیرازی
- ۲۰۸۔ (رسالہ احمدیگ) مرزا احمد بیگ لاہوری
- ۲۳۲۔ سر مکنون۔ میاں فقیر اللہ برقدازی کیرانی
- ۳۴۴۔ کتاب الفوائد۔ سید حافظ محمد شاہ نوشاہی
- ۵۴۔ کلید منج الاسرار۔ خلیفہ محمد ابراہیم برقدازی جالندھری
- ۳۶۳۔ گلزارِ فقر۔ حکیم کرم الہی فاروقی بیگوالی۔
- ۳۶۵۔ گلشنِ گلزار۔ سید حسن علی شاہ شوکی
- ۳۷۲۔ لطائفِ گل شاہی۔ سید گل محمد نوشاہی
- ۴۰۳۔ مرآۃ الغفور پیہ۔ میاں امام بخش نوشاہی لاہوری
- ۴۲۴۔ مصطلحات طالب حق۔ خواجہ عمر الدین گڑھ شکاری

۳۶۲۔ مناقباتِ نوشاہیہ۔ سید عمر بخش نوشاہی رسول نگری

۳۸۱۔ نتائج الاخبار۔ خلیفہ محمد اور یس اوچی

۳۸۸۔ نسب نامہ سادات۔ پیر کوٹ سدھانہ، جھنگ

جلد دوم

۱۔ آبِ حیات۔ سید عمر بخش نوشاہی رسول نگری

۱۴۔ انشائے نور اللہ۔ سید حافظ نور اللہ نوشاہی فرشتہ صفات

۲۳۔ بنجیہ۔ شیخ بہلول جالندھری

۳۵۔ تشریف الفقراء۔ فقیر سید غلام محی الدین نوشاہی لاہوری

۵۴۔ ثمرات الافکار۔ سید حافظ قل احمد نوشاہ ثانی

۵۸۔ جوامع الاسرار۔ سید حافظ برخوردار بحر العشق نوشاہی

۶۸۔ حقایق الآثار۔ سید حافظ جمال اللہ نقیہ اعظم نوشاہی

۶۹۔ حقایق نوریہ۔ سید حافظ نور اللہ نوشاہی فرشتہ صفات

۷۳۔ خزینۃ الفقراء حافظ نور الدین نوشاہی گنجوی

۹۲۔ روضۃ الرسیۃ۔ سید حافظ الہی بخش مظہر حق نوشاہی

۱۳۱۔ فتاویٰ نوشاہیہ۔ سید حافظ نور اللہ نوشاہی فرشتہ صفات

۱۳۹۔ تصامیم حکیم جے سنگھ گوجرانوالہ

۱۷۰۔ مجمع اللطائف۔ سید حافظ محمد حیات ربانی نوشاہی

۲۰۲۔ مصطلحات الصوفیہ۔ سید حافظ نور اللہ نوشاہی فرشتہ صفات

۲۰۸۔ مقامات قطبیہ۔ میاں محمد شیر قریشی

۲۳۶۔ مکتوبات نور اللہ۔ سید حافظ نور اللہ نوشاہی فرشتہ صفات

حاشیہ۔ تلقین نوشاہی۔ سید عمر بخش نوشاہی رسول نگری

جلد سوم - حصہ ۱

- ۶۱۔ اسرار الصدق۔ قاضی فضل حق صدیقی
 ۵۶۔ تذکرہ صدیقیان۔ شیخ نادر حسین صدیقی
 ۶۲۔ تفنگ عشق مثنوی۔ مولوی عبدالحق چشتی
 ۹۱۔ خطوط و مراسلات۔ فقیر عزیز الدین بخاری (ذخیرہ شیرانی)
 ۱۰۹۔ ذخیرہ معلومات۔ شیخ نادر حسین صدیقی
 ۱۳۳۔ شجرۃ انساب (ذخیرہ شیرانی)
 ۱۶۷۔ کرامات حضرات مجددیہ۔ مولوی کلیم اللہ مچھیانوی
 ۱۷۰۔ کشکول نوشاہی۔ فقیر غلام محی الدین لاہوری

جلد سوم حصہ ۲

- ۴۷ / ۲۔ رقعات غنیمت۔ شیخ محمد اکرم غنیمت کنجاہی
 ۵۴۔ شرح نیرنگ عشق۔ مولوی دوست محمد
 ۵۶۔ طب فرقانی۔ حافظ حبیب اللہ الیاسی
 ۶۶۔ کلیات اشرف۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منجری (فارسی، اردو، پنجابی)
 ۷۶۔ مثنوی ارژنگ عشق۔ شیخ عطاء محمد زیرک
 ۸۱۔ مثنوی دستور ہمت۔ میر محمد مراد لائق
 ۸۲۔ مثنوی شمع محافل۔ میر محمد عطا حسین خاں تحسین

جلد سوم حصہ ۳

- ۱۹۔ تذکرۃ المشائخ۔ مولوی پیر میر احمد نوشاہی جھنگی والہ
 ۶۵۔ رسالہ تصوف۔ میاں غلام مرتضیٰ نوشاہی نظام آبادی
 ۶۸۔ وحدت نامہ۔ فقیر غلام محی الدین نوشاہی لاہوری

۶۹۔ زاد المسافرین۔ خواجہ غلام محمد نوشاہی

جلد سوم۔ حصہ ۴

۸۰۔ رسالہ وراثت۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منجری

۸۲۔ رقعات نور اللہ۔ سید حافظ نور اللہ فرشتہ صفات نوشاہی

۸۳۔ رموز عشق۔ سخی امام شاہ نوشاہی وزیر آبادی

۱۱۹۔ کلیات قل احمد۔ مولوی قل احمد فاروقی نوشاہی

۱۲۵۔ گیان پرکاش۔ شیخ ہاشم شاہ نوشاہی تھریپالوی

۲۰۰۔ گیان مالا۔ شیخ ہاشم شاہ نوشاہی تھریپالوی

۲۳۵۔ مصباح الطب۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منجری

جلد سوم۔ حصہ ۵

۳۹۔ سیرۃ الاولیاء۔ مولوی غلام حسن نوشاہی راجہ پوری

۶۱۔ مجمل تاریخ خاندان۔ فقیر صاحبان، لاہور

جلد سوم۔ حصہ ۶

۸۔ انوار العاشقین۔ سید وارث علی شاہ بھاکری نوشاہی

۱۰۳۔ گلزار معانی۔ خلیفہ محمد ابراہیم برقدازی جالندھری

۱۰۸۔ مجموعہ خطوط بنام فقیر عزیز الدین رضالاہوری

۱۱۳۔ مراسلات و روزنامہ فقیر عزیز الدین رضالاہوری

۱۳۰۔ نیازنامہ اہل بیت از فقیر نور الدین منور لاہوری

جلد سوم۔ حصہ ۷

۱۔ احوال زمانہ۔ میاں محمد بخش نوشاہی رسولپوری

۱۰۸۔ شمس القصص۔ میاں صالح محمد نوشاہی، کوٹ بے سنگھ والہ

- ۱۰۹۔ طب احمد یار۔ مولوی احمد یار نوشاہی مرالوی
 ۱۱۱۔ عجیب منظر (مثنوی) مولوی شہباز خاں لمہی نوشاہی
 ۱۲۳۔ قصہ چہار درویش۔ حاجی پیر بخش نوشاہی
 ۱۲۶۔ قصہ حاجی یار محمد قادری۔ قاضی نبی بخش ساڈو گورہا یہ
 ۱۴۰۔ گلزارِ آدم۔ حکیم کرم الہی فاروقی نوشاہی بیکووالیہ
 ۱۴۸۔ لوا مع الاعلام لسوا طع الالہام۔ مولانا محمد اعظم نوشاہی میردوالی
 ۱۵۲۔ مرآۃ القوانین۔ فنی گنیش داس وڈیرہ گجراتی

جلد سوم۔ حصہ ۸

- ۱۴۔ آئینہ عرفان۔ حکیم غلام قادر شاہ اثر نوشاہی جالندھری
 ۷۳۔ مثنوی چٹاں چٹیں۔ حکیم غلام قادر اثر

جلد سوم۔ حصہ ۹

- ۱۔ دیوان الفارز عربی۔ مولانا نجم الدین فارز نوشاہی شادیوالی
 ۲۔ مجموع الخطب عربی۔ مولانا نجم الدین فارز
 ۳۱۔ فضائل و مناقب اہل بیت۔ مولانا نجم الدین فارز
 ۴۹۔ مکتوبات محمد شاهی۔ سید حافظ محمد شاہ نوشاہی

جلد سوم۔ حصہ ۱۲

- ۱۴۔ تاریخ سادات۔ سید مراد علی شاہ بخاری گنیا نوالہ

جالب توجہ مآخذ کے علاوہ اس کی مختلف جلدوں میں ان گنت ایسے رجال کے حالات محفوظ ہو گئے ہیں جن سے اس فن کی اکثر مطبوعہ و متعارف کتابیں یکسر خالی ہیں، جیسا کہ کتاب کے مندرجات سے ظاہر ہے سلسلہ نوشاہیہ کے صوفیہ کے حالات کے لیے یہ کتاب اہم ہے تاہم اس میں اس سلسلہ سے غیر متعلق افراد کے حالات

کے لیے یہ کتاب مخصوص ہے۔ پنجاب کے مشائخ کے حالات کے علاوہ اس کتاب میں اس خطہ کے بہت سے شعراء کے حالات شامل کیے ہیں کہ اگر انہیں اس کتاب میں سے الگ کر لیا جائے تو شعراء کا ایک ضخیم تذکرہ بن سکتا ہے۔ تاہم ذیل میں ایسے شعراء کی فہرست دی جا رہی ہے جن کے احوال و آثار کی نشاندہی پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اس کتاب کی جلد اول متقدمین صوفیہ کے حالات پر مشتمل ہے جن کے حالات متعارف کتب و تذکروں میں مل جاتے ہیں۔

شعراء جلد دوم

حافظ برخوردار بحر العشق نوشاہی، حافظ محمد حیات نوشاہی، حافظ قل احمد نوشاہی، حافظ محمد شاہ محمد، پیر مکھن شاہ نوشاہی لاہور، سید عبدالہادی نوشاہی ہادی۔

شعراء جلد سوم

قاضی خوشی محمد سنجابی، قاضی رضی الدین سنجابی، خواجہ فضیل وحی کابلی، حافظ قائم الدین برقداز، شاہ مراد شرقپوری، شیخ محمد فتوحی جہلمی، میاں نوشیر سندھی، عبدالرحیم سداکنبوہ، شاہ نظام، علیم اللہ کیلیا نوالہ، میاں غلام مرتضیٰ نظام آبادی، بابا امام شاہ سید پوری، ہدایت اللہ مفتون، حکیم قل احمد فاروقی، محمد حسین حسین، امام شاہ وزیر آبادی، مرزا شاہ امانت برقدازی، حکیم پیر بخش فاروقی، سید محکم الدین، میاں محمد جان فاروقی، میاں مردان، پیر کمال لاہوری، فقیر غلام محی الدین لاہوری، میاں پیر بخش، شاہ فقیر اللہ مکرانی، حافظ فیض بخش، خلیفہ محمد ابراہیم جالندھری (استاد گرامی) میاں کرم بخش لاہوری، محمد امین نوشاہی، میاں محمد بخش رسول پوری، مولوی نور الدین فاروقی اور مولوی عبدالرشید عادل گڑھی۔

کتاب حاضر کے مؤلف جناب سید شریف احمد شرافت نوشاہی دوسو سے زائد کتب و رسائل کے مؤلف، منج شریف کے مرتب، سلسلہ توشاہیہ کے اشہر ترین فرد اور اپنے سلسلہ کے دائرۃ المعارف کی حیثیت سے علمی حلقوں میں اب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے ادارہ دار المورخین کو اس نابغہ روزگار شخصیت کو اہل علم سے متعارف کروانے میں اولیت کا شرف حاصل ہے، ہمارا کتابچہ ”احوال و آثار سید شرافت نوشاہی“ (۱۳۹۱ھ /

۱۹۷۱ء) اور پھر دارالمورخین کی ایک اور قابل فخر پیش کش منج شریف اور اس پر ہمارے مفصل مقدمے کے ذریعہ اہل علم اس نادر الوجود شخصیت کے علمی کمالات سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

لیکن موصوف کا اصل کارنامہ شریف التواریخ جیسے بیش بہا تذکرہ کی تالیف ہے، جس کی اس وقت پہلی جلد شائع کی جا رہی ہے۔ اور جو مشائخ الیہ کی ناقابل فراموش علمی خدمت اور جو چھپنے سے پہلے ہی اپنی ضخامت اور مذکورہ خوبیوں کی وجہ سے خاصی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اور اہل علم کو ایک عرصہ سے اس کتاب کی طلب تھی جسے بحمد اللہ اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ یہ کتاب ادارہ معارف نوشاہیہ مرید کے اور اسلام آباد سے مکمل صورت میں ۱۵ مجلدات میں طبع ہو چکی ہے۔

جون ۱۹۷۹ء

سلسلہ قادریہ شطاریہ

حضرت سید احمد توختہ ترمذی لاہوری

سید احمد توختہ ساتویں صدی ہجری کے صوفیہ میں سے تھے۔ پنجاب میں ان سے سلسلہ شطاریہ کو فروغ

10

سید احمد توختہ امام زین العابدین کی اولاد میں سے تھے اور سات واسطوں سے ان کا نسب امام زین العابدین سے ملتا ہے (تذکرہ حمیدیہ ۲۳، تاریخ جلیلہ ۱۲۷) سادات کا یہ خانوادہ مدینہ منورہ اور حمص میں مقیم رہا پھر سید محمد مدنی عرف سید ناصر ترند چلے گئے انہی کی اولاد میں سے سید احمد توختہ بن سید علی کا کی لاہور آ گئے۔ (نقش حیات ۲/۲۶، تاریخ جلیلہ ۱۲۸)

سید احمد ترمذی کے دو القاب تھے تمثالِ رسول (ﷺ) اور توختہ، تمثالِ رسول سے مراد ہے حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثل صورت مبارک کے شبیہ (نقشِ حیات ۱ / ۲۶) اور توختہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایستادہ (کھڑا) ایک شب ان کے مرشد نے انہیں طلب کیا اور پھر معمول کے اذکار میں مصروف ہو گئے سید احمد حاضر ہوئے تو حجرے کا دروازہ بند پایا رات بھر باہر ہی کھڑے رہے صبح شیخ نے دروازہ کھولا تو انہیں دیکھ کر فرمایا

سید احمد ”توختہ“ جس سے ان کا لقب ہی یہی ہو گیا۔ (ہما نجا ۱ / ۲۶، تاریخِ جلیلہ ۱۲۷، اذکارِ قلندر ی ۱۰۳-۱۰۴)

سید احمد تونسلی سلسلہ شطاریہ میں شیخ احمد نور بخش کے خلیفہ تھے۔ اور وہ شیخ نجم الدین سمرودی کے وہ شیخ شرف الدین جرجانی کے وہ شیخ تقی الدین صفا کے اور وہ مقری الصباغ جرجانی کے۔۔۔۔۔۔ یہ سلسلہ شیخ بایزید بسطامی پر منتہی ہوتا ہے (تذکرہ حمید یہ ۱۹)

سید احمد توختہ باشارہ غیبی ترمذ سے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے ان کی دو صاحبزادیاں بی بی حاج اور بی بی تاج بھی ہمراہ تھیں آپ نے ترمذ سے جو آپ کا وطن مالوف تھا ہجرت کی اور پہلا قیام کچھ مکران (Kech Mikran) میں ہوا آپ کی نیک نامی سن کر وہاں کا حاکم قطب الدین محمد زیارٹے کے لیے حاضر ہوا۔ اس کا بیٹا شہزادہ

بہاء الدین محمد بھی ہمراہ تھا۔ سلطان ان کی پاکدامنی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے بیٹے سے سید احمد توختہ کی صاحبزادی کے نکاح کی درخواست کی، اس طرح بی بی حاج کا نکاح شہزادہ بہاء الدین محمد سے ہو گیا، (تذکرہ حمید یہ ص ۱۸-۱۹، اذکار قلندری ۱۰۱)

اس صاحبزادی کے بطن سے جو اولاد ہوئی ان میں سلطان حمید الدین حاکم بھی تھے جو کچھ مکران کے حکمران بنے بعد ازاں حکومت و ریاست ترک کر دی اور فقر کا راستہ اختیار کر لیا۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہوئے اور سلوک کی تکمیل شیخ رکن الدین رکن عالم ملتانی کی خدمت میں کی۔ معراج نامہ مولد نامہ اور بزبان ہندی انہی سلطان حاکم کی تالیفات ہیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد ایک سو بیس بتائی جاتی ہے۔ صاحب دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کا دیوان گلزار کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ (تذکرہ حمید یہ ۶۱، ۴۷) سلطان حمید الدین حاکم کا ۷۳۷ھ / ۱۳۳۷ء میں انتقال ہوا (ہمانجا ۵۷) کچھ مکران سے رخصت ہو کر سید احمد توختہ لاہور آئے اور باقی زندگی لاہور میں ہی تلقین و ارشاد میں گزار دی۔ (اذکار قلندری ۱۰۳-۱۰۴) لاہور ہی میں ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء میں وصال ہوا۔ اور محلہ چہل بی بیاں طویلہ غلام الدین اندرون موچی دروازہ۔ میں ان کا مزار ہے (حدیقۃ الاولیاء ۱۸۸، تاریخ جلیلہ ۱۳۳) اس خاندان سے سب سے معروف شخصیت شیخ عبد الجلیل چوہڑ بندگی لاہوری (ف ۹۱۰ھ / ۱۵۰۳ء) ہیں جن سے لاہور اور سارے ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کی خوب ترقی ہوئی۔ موصوف کا نسب چند واسطوں سے سلطان حمید الدین حاکم (نواسہ سید احمد توختہ) سے جاملتا ہے۔ شیخ عبد الجلیل کے حالات پر ایک نہایت اہم کتاب تذکرہ قطبیہ کے نام سے لکھی جا چکی ہے۔

لاہور کے مشہور مزار چہل بی بیان میں مدفون دختران نیک اختر انہی سید احمد توختہ کی اولاد میں سے ہیں

(اذکار قلندری ۱۰۳، تاریخ جلیلہ ۱۳۳)

مآخذ

- احمد، حسین احمد مدنی: نقش حیات (خودنوشت سوانح مولانا حسین احمد مدنی)، لاہور ۱۹۸۷ء
- جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی: تذکرہ قطبیہ مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور ۱۹۵۲ء
- حاکم، حمید الدین: گلزار (کلیات فارسی سلطان حاکم) مرتبہ غلام دستگیر نامی۔ لاہور ۱۹۳۶ء

- ۳۔ شہر اللہ ملتانی: تذکرہ حمیدیہ اُردو ترجمہ غلام دستگیر نامی، لاہور ۱۹۵۹ء
- ۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حقیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۷۶ء
- ۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء
- ۶۔ فرحت، فرح بخش: اذکارِ قلندری مرتبہ غلام دستگیر نامی۔ لاہور ۱۹۵۷ء
- ۷۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخِ جلیلہ، لاہور ۱۹۶۰ء
- ۸۔ نامی: حالاتِ بی بیان پاک دامن بناتِ حضرت توختہ۔ لاہور ۱۹۳۶ء
- ۹۔ نامی: حالاتِ بابرکات حضرت سید احمد توختہ ترمذی۔ لاہور ۱۹۱۳ء
- ۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی۔ لاہور، پیسہ اخبار۔

۳۰ ستمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ بہاء الدین شطاری انصاری

شیخ بہاء الدین انصاری دسویں صدی ہجری کے ایک نامور شطاری صوفی اور مؤلف تھے۔ شیخ بہاء الدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ قادری شطاری حسینی کی ولادت اور پرورش قصبہ جیند (Jind) میں ہوئی جو سرہند (Sirhind) کے مضافات میں واقع ہے۔ (اخبار الاخبار ۱۹۸، نزہۃ الخواطر ۳ / ۵۹) اب یہ قصبہ ہریانہ میں ہے جو سکھوں کا مرکز ہے (انسائیکلو پیڈیا آف سکھ ازم / ۳۸۰)

شیخ بہاء الدین نے علم فقہ، اصول اور عربی ادبیات کی خوب تحصیل کی اس کے بعد مشائخ سے ملاقات کے لیے طویل سفر کیے اور حرمین الشریفین بھی حاضر ہوئے۔ وہاں قادری سلسلہ کے شیخ سید احمد گیلانی قادری شافعی سے بیعت ہوئے تو انہوں نے حرم پاک میں خلافت و اجازت مطلقہ سے نوازا (رسالہ شطاریہ برگ ۲۴۵، اخبار الاخبار ۱۹۸)

شیخ بہاء الدین واپس ہندوستان آگئے کئی مقامات پر قیام رہا حاکم مانڈو (Mandow) کی درخواست پر مانڈو کو اپنا مستقر قرار دیا (اخبار الاخبار ۱۹۸) مالوہ کا حاکم غیاث شاہ خلجی (۸۷۳-۹۰۶ھ / ۱۳۶۹-۱۵۰۰ء) علماء و صوفیہ کی صحبت کو پسند کرتا تھا یقیناً اسی کے کہنے پر آپ نے مانڈو میں مستقل سکونت اختیار کی۔

شیخ بہاء الدین نے مانڈو میں سلسلہ شطاریہ کی خانقاہ قائم کی جو برس ہا برس اس سلسلہ کے مریدوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت انجام دیتی رہی۔ شیخ بہاء الدین نے مانڈو ہی میں ۹۲۱ھ / ۱۵۱۶ء کو وصال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ (اخبار الاخبار ۱۹۸، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۱۱۵، نزہۃ الخواطر ۳ / ۵۹)

اب تک شیخ بہاء الدین شطاری ے دور سارے دستیاب ہوئے ہیں دونوں فارسی نثر میں اور سلسلہ شطاریہ کے بارے میں ہیں:

۱۔ تحفۃ الاذکار:

رسالہ کے آغاز میں خود وضاحت کرتے ہیں کہ اس میں مختلف قسم کے چند اذکار کا بیان ہے جو عربی سے فارسی میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔ تاہم مؤلف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے کن کتابوں سے ان اذکار کا ترجمہ کیا۔ مؤلف نے مشاہدہ کیا کہ مریدین کی تربیت کے لیے اس قسم کی ایک کتاب کا مرتب ہونا لازم ہے۔

اس رسالے میں اذکار کے علاوہ سلسلہ شطاریہ کے اعمال کے مطابق چند مراقبات کی ترکیبیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ گویا سلسلہ شطاریہ کے مریدین کے لیے اس میں روزمرہ کے اوقات اور اوراد و اشغال کو یکجا کر دیا گیا۔

اس رسالے کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد، پاکستان میں ہے۔ نمبر ۷۹۴ (فہرست نسخہ ہائی

خطی کتابخانہ گنج بخش ۲ / ۶۱۷)

۲۔ رسالہ شطاریہ:

یہ رسالہ دراصل سلسلہ شطاریہ کے اصول، قواعد، ضوابط اور اعمال پر مشتمل ہے۔

انہوں نے اس رسالے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کے راستے انسان کے سانس کے برابر

ہیں لیکن تین طریقے زیادہ مشہور ہیں:

اول طریق اخیار یعنی صوم و صلوٰۃ، تلاوت قرآن، حج و جہاد۔۔۔

دوم اصحاب مجاہدات و ریاضات، تزکیہ نفس، تصفیہ دل و تجلیہ بروح۔۔۔۔۔

سوم طریق شطاریہ طریقہ بدایات میں سے ہے لیکن اکثر کے نزدیک نہایات میں سے ہے۔

یہ طریقہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کا سب سے زیادہ بہتر طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں واصل ہونے کے

لیے دس اوصاف کا ہونا لازم ہے۔۔۔۔۔

(رسالہ شطاریہ فصل اول ص ۲۲۵-۲۳۰)

اس رسالے کی چار فصلیں ہیں:

فصل اول: کیفیت سلوک

فصل دوم: شرائط ذکر

فصل سوم: کلمات مراقبات

فصل چہارم: اذکار متفرقہ عربی، فارسی اور ہندی

توحید و بعضی از سلوک جوگیہ (Jogis) و آداب ہندووان دریں خصوص۔۔۔

ان کے نزدیک ذکر کے دوران سانس پر قابو حاصل کرنا سب سے اہم مرحلہ ہے۔ اور یہی اس سلسلہ میں سب سے مؤثر بھی ہے۔

مقامی نقطہ نظر سے اس رسالے کے اہم ترین مندرجات وہ ہیں جن میں مؤلف نے ہندو جوگیوں (Jogis) کے طریقہ گیان کو اپنایا ہے۔ اور ان کی مشقوں کو مسلمان صوفیہ کی ریاضت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک اور اہم بات تسخیر قلوب کی ہے جو شطاریوں کے ہاں سب سے زیادہ رائج ہے۔ اس میں ایسے عملیات کا ورد ہوتا ہے جس سے ایک انسان دوسرے کے دل کو تسخیر کر سکتا ہے۔ یہاں تک کے اس سلسلہ میں جوگیوں کے منتر اور جادو سے بھی کام لیا جائے تو معیوب نہیں ہے۔

رسالہ شطاریہ سلسلہ شطاریہ کے لیے ایک تحریری قانون یا مسودہ آئین ہے جس پر عمل کر کے اس سلسلہ کا صوفی اپنی مشق جاری رکھ سکتا ہے۔

شاہ محمد غوث گوالیاری شطاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۳ء) سے قبل اس سلسلہ کے صوفیہ میں یہی رسالہ بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا شیخ گوالیاری نے اپنی تالیفات خصوصاً جواہر خمسہ کے ذریعہ ان مشقوں میں بہت سی اصلاحات کیں، انہوں نے رسالہ شطاریہ کو اس طریقے سے اپنی کتابوں میں ضم کر لیا ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب اسی رسالے کی شرح معلوم ہوتی ہے۔

دانشگاہ تہران میں فارسی ادبیات کے پی ایچ ڈی کے مقالہ شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری کے ساتھ بطور ضمیمہ رسالہ شطاریہ کے فارسی متن کو بھی ایڈٹ کر کے شامل کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر محمد ادریس اعوان نے لکھا تھا جو تاحال غیر مطبوعہ ہے۔

ماخذ

- ۱۔ بہاء الدین شطاری: رسالہ شطاریہ، مشمولہ شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری، پایان نامہ دانشگاہ، تہران
- ۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ
- ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۴ء
- ۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۵۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، میرپور خاص، سندھ ۱۹۶۴ء
- ۶۔ محمد ادریس اعوان: شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری، پایان نامہ (غیر مطبوعہ) دانشگاہ تہران، بسال ۵۰-۱۳۵۱ ش / ۷۱-۱۹۷۲ء
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء
- ۸۔ ایضاً: فہرست نسخہ ہائی خطی کتابخانہ مہنج بخش ج ۲، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء
- 9- Nizami, K.A: Shattari saints and their attitude towards the state, Medieval India, Vol.I No.2. Oct. 1950.
- 10- Encyclopaedia of Sikhism, Patiala, 2001

۱۵ مئی ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ عیسیٰ بن قاسم جند اللہ برہانپوری

شیخ عیسیٰ برہانپوری (۵ ذی الحج ۹۶۲ - ۱۳ شوال ۱۰۳۱ھ / ۱۵۵۵ - ۱۶۲۲ء) نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے: ”عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین معروف بہ شہاب الدین شہابی جندی سندی ہندی براری عشقی شطاری قادری کہ ملقب بہ عین العرفاء و مخاطب بہ ابو البرکات“ (عین المعانی خطی بحوالہ برہان پور کے سندھی اولیاء (۳۳)

تعلیم کا آغاز اپنے چچا شیخ طاہر محدث (ف ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء) سے کیا، والد کی وفات ۵ محرم ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء کے بعد ۹۸۲ھ / ۱۵۷۳ء کو آگرہ گیا۔ ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء میں تلاش شیخ میں سیاحت کا آغاز کیا۔ اسی اثنا میں اجین مالوہ (Ujain Malwa) میں شیخ عبدالکریم بن شیخ راجہ محمد قادری عینی کی خانقاہ میں پناہ لی۔ چند دنوں کے بعد سارنگ پور (دیواس سیٹ، مالوہ میں ایک قصبہ) پہنچا تو وہاں شیخ عبدالملک شطاری (خلیفہ شیخ وجیہ الدین گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) سے ملاقات کی اور وحدت الوجود کے کچھ رموز حاصل کیے۔ اس کے بعد گوالیار جا کر شاہ محمد غوث شطاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کی درگاہ کی زیارت کی وہاں سے آگرہ آکر قاضی جلال الدین ملتانی کے مدرسہ میں گیا جہاں شیخ طاہر محدث کے برادر زادہ ہونے کی حیثیت سے بڑی عزت کی گئی، پھر سفر پر روانہ ہوا اور شیخ لشکر محمد شطاری (ف ۹۹۳ھ / ۱۸۵۸ء) کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو ان کو روحانی سرور حاصل ہوا۔ (یہ تمام احوال شاہ عیسیٰ سندھی نے محمد غوثی سے بیان کیے تھے، گلزار ابرار ۳۶۲ - ۳۶۳) شیخ عیسیٰ سے اصول فقہ و کلام میں سند حاصل کی، شاہ فتح اللہ شیرازی (ف ۹۹۷ھ / ۱۵۷۷ء) سے ریاضی و علم عروض سیکھا (برہانپور کے سندھی اولیاء ۳۶، وہ بعد) مشہور علم پرور امیر عبدالرحیم خان خانان (ف ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء) نے سارنگ پورہ میں قیام کے دوران تین چار سو روپے بطور نذر پیش کیے جو انہوں نے اسی وقت تقسیم کر دیئے (ایضاً ۴۰)

۳۔ انوار الاسرار۔ یہ صوفیانہ طرز کی تفسیر قرآن مجید ہے۔ جو عربی نثر میں ہے غوثی نے اس کے آغاز کی طویل عبارت نقل کی ہے (گلزار ابرار ۳۶۷-۳۷۲)

۴۔ رسالہ حواس پنج گانہ۔ اس رسالہ میں آپ نے حضرات خمس کے ساتھ مطابقت دی ہے (ایضاً)

۵۔ حاشیہ بر انسان کامل۔ شیخ عبدالکریم جیلی کی اس کتاب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں (ایضاً ۳۶۶)

۶۔ شرح فارسی قصیدہ بردہ (ایضاً)

۷۔ رسالہ قبلۃ المذاهب الاربعہ مع اشارات اہل تصوف (ایضاً)

۸۔ حاشیہ بر شرح ضیائیہ۔ (حاشیہ بر شرح جامی اپنے فرزند بزرگ شیخ عبدالستار کو درس دینے کے دوران

لکھا (ایضاً)

۹۔ فتح محمدی در علوم مایعلق بہ التفسیر (برائے فرزند اصغر خود شیخ فتح محمد تالیف شدہ بود)

۱۰۔ شرح ماتہ عامل، یہ شرح میر فتح اللہ شیرازی نے شروع کی تھی لیکن مکمل نہیں کر سکے تھے۔ آپ نے

یہ شرح میر سید علی ابن عم قاضی نور اللہ شوستری کی فرمائش پر مکمل کی (ایضاً ۳۶۶)

۱۱۔ رسالہ عقود، ارباب حدیث کے لیے حدیثوں کے شمار پر یہ رسالہ لکھا۔ (ایضاً ۳۶۶)

۱۲۔ شرح دور بائی (ایضاً ۳۶۶)

۱۳۔ ترجمہ اسرار الوحی۔ رسالہ اپنے کشف سے لکھا تھا۔ (ایضاً ۳۶۷)

یہ تمام تر کتب وہ ہیں جن کا ذکر غوثی نے اپنی تالیف گلزار ابرار میں کیا ہے جو ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء کی تالیف

ہے اس کے بعد آپ مزید ۹ سال بقیہ حیات رہے یقیناً اور کتابیں بھی لکھی ہوں گی۔ لیکن سید راشد برہانپوری کو اس کے بعد کے صرف دور سائل کا علم ہو سکا ہے۔ یعنی

۱۴۔ رسالہ وحدت الوجود۔ شیخ عبداللہ بلینی نے حدیث ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ کی شرح عربی

میں لکھی تھی، یہ رسالہ اس کا فارسی میں ترجمہ ہے جو رسالہ عربی و فارسی کے برجستہ اشعار سے مزین ہے۔ اس کا خطی نسخہ سید راشد کے ذخیرہ کتب میں ہے (برہان پور کے سندھی اولیاء ۷۳)

۱۵۔ رسالہ وقیقہ (در تعینات و حقیقت محمدیہ)

سید راشد نے یہ رسالہ مکمل طور پر اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے (ایضاً ۷۴-۸۰) دیگر خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے فہرستوارہ ۷ / ۳۵۶

مآخذ

- ۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد
- ۲۔ ایضاً: فہرستوار کتابہائی فارسی (ج ۷-۸) تہران ۱۳۷۲ ش
- ۳۔ حارثی، محمد بن رستم: تاریخ محمدی مرتبہ نثار احمد فاروقی۔ رامپور، ۲۰۰۳ء
- ۴۔ خلیل الرحمن: تاریخ برہانپور، برہانپور، ۱۳۱۶ھ
- ۵۔ رازی، عاقل خان: ثمرات الحیات (ملفوظات شاہ برہان الدین شطاری)، حیدر آباد، دکن
- ۶۔ راشد، سید محمد مطیع اللہ برہانپوری: برہانپور کے سندھی اولیاء، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۵۷ء
- ۷۔ رحمن علی: تذکرہ علماء ہند تحقیق و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۵۶ء
- ۸۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء
- ۹۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار، مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۱۰۔ غلام سرور مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- 11- Fatima Zehra Bilgrami: History of the Qadiri Order in India, Delhi, 2005
- 12- Rizvi, S.A.A: History of Sufism in India, Delhi, 1986.
- 13- Nizami, K.A: Shattari Saints and their attitude towards the state, Medieval India, Aligarh, 1950.

۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری سندیلوی

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی کے ایک معروف شیخ طریقت، عالم اور کتب تصوف کے مؤلف تھے۔

صوفی عبد اللہ شطاری کے اجداد کا تعلق ہرات سے تھا ان کے والد کمال الدین پھول بن چاند بن جنید بن محمد برہان الدین بن عزالدین محمود بن نجم الدین احمد بن مولانا شمس الدین ہروی عثمانی تھے۔ آپ کے اجداد میں سے پہلے کون برصغیر پاکستان و ہند آیا اس کا علم نہیں ہے، صوفی عبد اللہ شطاری کی ولادت لکھنؤ کے مضافات بسمت مغرب ایک قدیم قصبہ سندیلہ (Sandelah) میں، دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۹۲۴ھ / ۱۵۱۸ء کو ہوئی (گلزار ابرار ۴۱۶) ان کے مرید خاص نور الدین شطاری نے ۱۱ ربیع الآخر کی تاریخ درج کی ہے (مجالس ابرار) غوثی مانڈوی اور نور الدین دونوں شیخ صوفی عبد اللہ کے معاصر تھے لیکن نور الدین کو زیادہ قرب حاصل تھا اس لیے ان کے بیان کو ترجیح حاصل ہے۔

خدا طلبی کا جوہر ان میں قدرت نے ودیعت کیا تھا اس لیے ۹ سال کی عمر میں ہی تلاش شیخ میں نکلے اور مخدوم شیخ صفی سارن پوری (مرید شیخ مبارک سندیلوی، اخبار الاخبار ۳۸۶) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، پھر سولہ سال کی عمر میں اکتساب علوم ظاہری کے لیے قصبہ گوپامو (Gopamu) گئے جہاں ان کے خویش مادری شیخ الہ داد بن شیخ سعد اللہ عثمانی (سال وفات نامعلوم نزہۃ الخواطر ۴ / ۴۰) اور تحصیل کا آغاز کیا۔

ایک روحانی اشارہ پر خواجہ بدر الدین بدایونی کے مزار پر مستکف رہے، پھر اسی نوعیت کے اشارہ پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار سے فیض یاب ہونے کے لیے دہلی کا رخ کیا، تو شہر کے دروازہ پر شیخ معز الدین بخاری سے ملاقات ہوئی انہوں نے بہت مہربانی کا سلوک کیا، اور کہا کہ روضہ مبارک پر حاضری کے دوران یہاں کے مدرس سے تحصیل بھی کرو، چنانچہ صوفی عبد اللہ وہاں ایک مدت تک مقیم رہے، روحانی اشارہ کے تحت ہی آپ نے

حصار جا کر مولانا برہان الدین ملتانی کی خدمت میں پڑھا اس دوران جب وہ گجرات احمد آباد گئے تو صوفی عبد اللہ شطاری نے وہاں جا کر بقیہ کتب کا درس لیا، وہیں مولانا شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) سے علوم حکمیہ کی تحصیل کی، شیخ مبارک دانشمند شطاری گوالیاری اور میر عبد الاول دولت آبادی سے بھی پڑھا، فصوص الحکم کی اجازت مولانا مصطفیٰ رومی سے لی (گلزار ابرار ۳۱۷)

گویا بیس برس کی عمر تک تمام مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور پھر گوالیار میں ہی شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کی خدمت میں روحانی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے، انہوں نے دو ماہ میں تمام اسباق لکھا کر ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء کو خانقاہ کے درویشوں کی تعلیم و تربیت کے لیے متعین کیا، آپ دس سال تک اس خدمت میں مصروف رہے، پھر حج کے لیے حرمین الشریفین حاضر ہوئے اور کامل پانچ سال مدینہ منورہ میں رہ کر ریاضت کی، واپس احمد آباد (گجرات) آکر شادی کی اور تقریباً پندرہ سال اسی شہر میں دعوت و ارشاد میں مصروف رہے ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء کو اپنے شیخ شاہ محمد غوث کے مزار کی زیارت کے لیے گوالیار گئے اور دو سال تک روضہ شیخ پر معتکف رہے، اور ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء کو آگرہ جا کر مٹیا محل (Matia Mehal) کے قریب حجرۂ اعتکاف میں باقی تمام عمر بسر کر دی اور کہیں نہیں گئے۔ (ایضاً ۳۱۷)

صوفی سراج الدین عبد اللہ کا انتقال دو شنبہ ۲۳ جمادی الاول ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء کو آگرہ ہی میں ہوا اور وصیت کے مطابق اپنے مذکورہ حجرۂ اعتکاف میں دفن کیے گئے (ایضاً ۳۱۷، مجالس الابرار ۲۱۹)

آپ کے ایک فرزند شیخ عبد النبی اکبر آبادی ایک فاضل اجل تھے، شیخ عبدالحی فرنگی محلی نے ان کی بہت سی عربی و فارسی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے (طرب الاماثل ۲۲۷-۲۲۹) شیخ عبد النبی نے اپنے والد صوفی عبد اللہ شطاری کے احوال پر ایک مستقل کتاب ”جوامع کلم صوفی“ کے نام سے لکھی تھی (گلزار ابرار ۳۱۸، نزہۃ الخواطر ۵ / ۲۶۱) ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطات تصوف (شمارہ ۳۵، ۳۶۸، ۱۵۳۳)

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری کئی کتابوں کے مؤلف تھے، انہوں نے اپنے شیخ شاہ محمد غوث گوالیاری کی کتاب جواہر خمسہ کی طرز پر سراج السالکین لکھی، دیگر تصانیف: ادراذ صوفیہ، رسالہ صوفیہ، انیس المسافرین، اسرار الدعوت، شرح رسالہ کنز الاسرار فی حل اشغال الشطار (گلزار ابرار ۳۱۸)

ان میں سے اسرار الدعوت کا خطی نسخہ کتابخانہ قاضی عبداللہ فضلی شیر گڑھ، پاکستان میں موجود ہے (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۴۵) جس میں مؤلف نے اپنے شیخ شاہ محمد غوث کے مرتب کردہ اوراد و وظائف سے استفادہ کیا ہے۔

انہی میں سے ایک رسالہ صوفیہ (رسالہ عرفانی) کا خطی نسخہ کتابخانہ ضیاء العلوم سرمدانی، شیخوپورہ پاکستان میں ہے (ایضاً ۳ / ۱۳۹۲) جس کے آغاز میں مؤلف نے اپنا پورا نام بھی درج کیا ہے۔ صوفی عبداللہ شطاری نے بوارق الالہام فی تکفیر من بحر السماع مؤلفہ احمد طوسی کا فارسی ترجمہ بھی کیا تھا، متن ترجمہ میں مترجم کا نام غلط طور پر عبداللہ شطاری لاہوری لکھا گیا ہے، اس ترجمہ کا خطی نسخہ کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے (ایضاً ۳ / ۱۳۲۲)

شیخ سراج الدین عبداللہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مجال نام کے ایک عالم نے جمع کیا تھا جس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطات تصوف، فہرست ص ۹۵) اسی طرح شیخ شطاری کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مجالس الابرار کے نام سے ان کے مرید خاص شیخ نور الدین شطاری عرف قطب الدین عباسی نے مرتب کیا تھا جو شیخ کے حین حیات تالیف ہوا اس میں ملفوظات و سخنان کا آغاز جمادی الاول ۹۹۸ھ / ۱۵۲۲ء سے ہوتا ہے اور شیخ کے یوم وفات ۲۳ جمادی الاول ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء کے فرمودات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، کوئٹہ پاکستان کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔

ماخذ

- معتمد خان حارثی بدخشی: تاریخ محمدی ج ۲ حصہ ۵ مرتبہ غلام احمد قاری، راولپور، ۲۰۰۳ء

۱- احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲- تصوف کے نادر مخطوطات پر سیمینار کے مقالات، پٹنہ، ۱۹۹۲ء

۳- عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۴ ش

۴- عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۳ء

- ۵۔ عبدالحی فرنگی محلی: طرب الاماثل تراجم الافاضل، لکھنؤ، ۱۹۲۱ء
- ۶۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۷۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، میرپور خاص، پاکستان ۱۹۶۳ء
- ۸۔ نبی احمد سندیلوی: تذکرہ مشاہیر سندیلہ، لکھنؤ، ۱۹۷۶ء
- ۹۔ نور الدین عباسی شطاری: مجالس الابرار (ملفوظات شیخ سراج الدین عبداللہ)، خطی مملوکہ مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی، کوئٹہ، پاکستان۔
- ۱۰۔ عبد الرحمن چشتی: مراۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فرای، کوئٹہ، پاکستان
- 10- Fatima Zehra Bilgrami: History of the Qadiri order in India (16-18) Delhi, 2005.
- 11- Muhammad Latif: Agra, Calcutta, 1896.

۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ برہان الدین برہانپوری (راز الہی)

شیخ برہان الدین برہانپوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف تھے۔ آپ نسباً امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے آپ کے والد شیخ کبیر محمد بن علی صدیقی گجراتی تھے۔ (ثمرات الحیات ص ۵)

شیخ برہان الدین کی ولادت ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء کو موضع راجھی (Rajehi) از موضع خاندیش (Khandesh) میں ہوئی اور نشو و نما دکن کے معروف شہر برہانپور (Burhanpur) میں ہوئی (ہمانجا ص ۵، برہانپور کے سندھی اولیاء ۲۶۳)

ابتداء میں ملک حسین بنانی (Banbani) (ف ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد شطاری سلسلہ کے معروف عالم و بزرگ صوفی شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی ثم برہانپوری ملقب بہ جند اللہ (ف ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کامل پندرہ سال اپنے اس شیخ خدمت میں رہے (ثمرات الحیات ۶) مختلف علوم کی تحصیل بھی انہی کی سرپرستی میں کی۔ شیخ عیسیٰ جند اللہ شیخ عارف محمد لشکر کے خلیفہ تھے اور وہ شاہ محمد غوث گوالیاری کے جانشین تھے (مرآۃ العالم ۲ / ۴۰۸)

برہانپور میں شیخ برہان الدین راز الہی کی خانقاہ مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت مشہور تھی۔ اور نگزیب عالمگیر شہزادگی کے زمانے میں کئی بار شیخ برہان الدین سے ملا تھا۔ ایک بار ان کے پاس جا کر دارا شکوہ کے ملحدانہ عقائد کے بارے میں تفصیلات بیان کیں اور تحت نشینی کی جنگ (۵۷-۱۶۵۸ء) میں اور نگزیب نے اپنی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ نے اُسے بہت سی نصیحتوں کے ساتھ سلطنت کی بشارت دیتے ہوئے دعا دی۔ (منتخب اللباب ۲ / ۱۱، مرآۃ العالم ۲ / ۴۰۸)

شیخ برہان الدین کا لقب راز الہی تھا (ثمرات الحیات ص ۵)

ان کا وصال ۱۵ شعبان ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء کو ہوا اور برہانپور میں انہیں ان کی خانقاہ میں ہی دفن کیا گیا۔

(منتخب اللباب ۲ / ۵۵۳-۵۵۴، معارج الولايت ۶۶۵-الف)

عبداللہ خویشگی تصوری برہانپور میں شیخ برہان الدین سے کئی بار ملا تھا اور ان سے جواہر خمسہ کے اعمال کی

اجازت لی تھی (معارج الولايت برگ ۵۶۵ الف، ب)

شیخ برہان الدین کئی کتب تصوف کے مؤلف تھے۔ نیز ان کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی دریافت ہو

چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ پیم کہانی:

یہ کتاب عشق حقیقی کے موضوع پر ہے۔ ۴۵ دوہرے بزبان ہندی مؤلف کے پیش نظر تھے جن کی

شرح فارسی نثر میں شیخ برہان الدین نے کی ہے۔ شارح نے صوفیہ کے اقوال، احادیث اور آیات بھی بطور سند پیش

کرتے ہوئے اپنے مباحث کو مدلل بنایا ہے۔ اس کے علاوہ عراقی اور حافظ وغیرہ کے اشعار بھی شرح کے دوران

نقل کیے ہیں۔ آخری عنوان ”مناجات اہل نجات“ ہے۔ اس شرح کا کچھ حصہ راشد برہانپوری نے اپنی کتاب

برہانپوری کے سندھی ادبیات (ص ۳۰۹-۳۱۷) نقل کیا ہے۔

۲۔ مکتوب:

شیخ برہان الدین کا یہ طویل مکتوب ایک مستقل رسالے سے کم نہیں ہے۔ ان کے معاصر سید عبدالرحمن

نے آپ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کی وضاحت چاہی تو اس کے جواب میں آپ نے عربی میں ایک مکتوب

لکھا۔ اس کا پورا متن راشد برہانپوری نے محفوظ کر لیا ہے (ہما نجا ۳۱۸-۳۲۷)

۳۔ وصیت نامہ:

یہ وصیت نامہ فارسی نثر میں ہے۔ اور عالمانہ نصائح اور مواعظ کا نمونہ بھی ہے۔ اس کا تلخیص اردو ترجمہ اور

بعض اقتباسات بشیر احمد خان نے رسالہ معارف، اعظم گڑھ (۱۹۵۳ء) میں شائع کر دیئے تھے۔

۴۔ شرح آمنت باللہ:

یہ رسالہ حدیث آمنت باللہ و ملائکہ و کتبہ و کی شرح پر مشتمل ہے۔ فارسی نظم و نثر دونوں کو اظہار مطالب کا ذریعہ بنایا ہے۔ شرح صوفیانہ ہے۔

اس شرح کے کئی خطی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/

(۱۵۷۹)

۵۔ ثمرات الحیات:

یہ شیخ برہان الدین راز الہی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے مرید میر علی عسکری مخاطب بہ نواب ناکل خان متخلص بہ رازی نے جمع کیا۔ اس کا سال ترتیب ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء ہے۔ یعنی شیخ برہان الدین کے حیات حیات مرتب ہوا تھا۔ (ثمرات الحیات ص ۴)

شیخ کے یہ ملفوظات فارسی نثر میں ہیں۔ نثر خاصی رواں اور برجستہ ہے۔ اس کے جامع خود شاعر، اور نگزیب کے منصب دار، مورخ اور شیخ برہان الدین راز الہی کے خاص مرید تھے ان کے ساتھ عقیدت کی بناء پر ہی ان کے لقب راز الہی کی مناسبت نے اپنا تخلص رازی اختیار کیا تھا۔

یہ مجموعہ تصوف کے عمومی مسائل کے ساتھ ساتھ صاحب ملفوظات کے حالات کے لیے بھی درجہ اول کا ماخذ ہے۔ کئی مقامات پر اپنے مشائخ کا تذکرہ بھی کیا ہے (ص ۳۵) مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ ایک مقام پر لکھا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ سے ایک متلاشی کو مرشد مل جاتا ہے (ص ۳۲) ہر نئی بات کو ثمرہ کا عنوان دیا ہے حدود ۱۰۰ ثمرات ہوں گے۔

ثمرات الحیات کا ایک خوش خط ایڈیشن مطبع شمس الاسلام حیدر آباد، دکن سے طبع ہوا تھا۔

۶۔ روائع الانفاس:

یہ شیخ برہان الدین راز الہی کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے ایک خلیفہ شیخ ابراہیم نے جمع کیا اور ان کی وفات کے بعد شیخ عبدالحی حسنی حسینی نے ان منسخر اوراق کو جمع کر کے ایک دیباچے کا اضافہ کیا۔ اس

میں تحریر ہے کہ شیخ ابراہیم بن شیخ موسیٰ بن شیخ احمد (از نوادگان شیخ فرید الدین گنج شکر) اس کے مرتب ہیں۔ ان ملفوظات سے عہد شاہ جہان اور اورنگزیب کی سیاسی، مذہبی اور ثقافتی، و علمی سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔ سلاطین و امراء کی شیخ برہان کی خانقاہ میں آمد و رفت اور کئی سیاسی امور پر بحث بھی اس میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں کئی ہندی دوہرے بھی ملتے ہیں۔ شیخ گفتگو کے دوران ہندی میں بھی وضاحت فرماتے تھے۔ اس مجموعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ برہان الدین فارسی میں شعر بھی کہتے تھے ان کا ایک شعر بھی نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے برہان بطور تخلص استعمال کیا ہے (روائع الانفاس ۴۱) ہر نئی بات کو ”رایحہ“ کا عنوان دیا ہے۔ اور حدود ۳۲۲ روائع پر مشتمل ہے۔ روائع الانفاس کے خطی نسخے نیشنل میوزیم کراچی، کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد اور کتابخانہ دانشگاہ سندھ میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳ / ۱۵۳۱)

مآخذ

- ۱۔ بختاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی۔ لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۲۔ خانی خان، محمد ہاشم: منتخب اللہباب، کلکتہ، ۱۸۷۴ء
- ۳۔ رازی، عاقل خان: ثمرات الحیات، حیدر آباد دکن، مطبع شمس الاسلام۔
- ۴۔ ایضاً: واقعات عالمگیری مرتبہ عبد اللہ چغتائی، لاہور، ۱۹۳۶ء
- ۵۔ راشد، مطیع اللہ: برہانپور کے سندھی اولیاء، کراچی، ۱۹۵۷ء
- ۶۔ عبدی، عبد اللہ خوینگلی قصوری: معارج الولایت، خطی، ذخیرہ آذر، کتابخانہ دانشگاہ پنجاب نمبر 25H
- ۷۔ ملکاپوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن، ۱۳۳۱ھ

۷ مئی ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

رکھتا ہے پوری سرعت کے ساتھ تجلیات الہیہ کا ادراک کر لیتا ہے جبکہ دیگر سلاسل سلوک میں عرفانی منازل درجہ بدرجہ طے ہوتی ہیں۔^۱

شاہ عبد اللہ شطاری کے افکار و تجربات کو ان کے دو خلفاء شیخ محمد اعلاء معروف بہ شیخ قاضی بنگالی اور شیخ حافظ جونپوری نے عملی شکل دی۔ اول الذکر کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ ان کے فرزند و جانشین شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (ف حدود ۹۴۶ھ / ۱۵۷۸ء) نے سلسلہ شطاریہ کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ شیخ ظہور حمید الدین حصور (ف ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) نے اس سلسلے کو ترقی دی ان حضرات کی سرگرمیاں بہار اور اس کے نواح تک رہیں۔

حاجی حصور کے بعد ان کے خلیفہ اعظم شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۲۶ء) سے سلسلہ شطاریہ کی خوب اشاعت ہوئی اور تقریباً سارے پاکستان و ہند میں ان کے خلفاء مصروف کار نظر آنے لگے۔ سلاطین و امراء بھی ان کے حلقہ بگوش تھے بابر، ہمایوں اور اکبر کو شاہ محمد غوث گوالیاری سے بڑی عقیدت تھی۔^۲ شاہ محمد غوث گوالیاری سے قبل اس سلسلے کو بہت کم اصحاب جانتے تھے اس سلسلے کا اصل کام شاہ محمد غوث اور ان کے خلفاء نے انجام دیا۔

گزشتہ صفحہ ۱۳

۱۔ خط شطاری کی توضیحات کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ شطاریہ جو اس سلسلے کے اہل عمل، اہل مادہ اور دوزخ کے معمولات پر مشتمل ہے یہ اہم رسالہ شیخ بہاء الدین ابراہیم شطاری (ف ۹۲۱ھ / ۱۵۱۵ء) کی تالیف ہے۔ اس رسالے کا مکمل متن ڈاکٹر محمد ادریس ادریس نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ احوال و آئینہ شیخ شاہ محمد غوث گوالیاری (ص ۲۲۲-۲۷۳) میں شامل کر دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو پائلس الابرار، عقلی نو مملوک مولانا محمد ہاشم ہاشمی، مدنی، مکتبہ سائنس و ادب، لاہور۔

۲۔ شاہ محمد غوث گوالیاری کے سلاطین و امراء سے تعلقات اور سیاسی معاملات میں ان حضرات کے عمل و فعل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Nizami, K.A: The Shattari Saints and Their attitude towards the state. (Medieval India, Aligarh, Vol I, No 2, pp. 56-70)

نیز ملاحظہ کیجئے:

۱۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، مہرچند رستم، لاہور، ۱۹۶۳ء

۲۔ ادریس، محمد ادریس: احوال و آئینہ شاہ محمد غوث گوالیاری، پی این ڈی، لیر مطبوعہ کتابخانہ و منشا و تہران، ایران (۱۹۷۲ء)

۳۔ شیخ اشرف جہانگیر سنہ (ف حدود ۸۳۲ھ) کے خطرات طائف اشرفی (۱/ ۳۸۹) میں ہے: ہرچند کہ اس سلسلہ شہرت نہ ہو۔

شاہ محمد غوث گوالیاری کے خلفاء میں سے شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی ایک اجل عالم اور معروف صوفی تھے۔^۱ شیخ علوی کے ایک خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ بہرہ پچی نے سلسلہ شطاریہ کو حرمین الشریفین میں پھیلا یا ان کے مرید شیخ احمد قشاشی اور ان کے جانشین ملا شیخ ابراہیم قرالی کے ذریعے یہ سلسلہ جزائر انڈونیشیا، جاوا اور سماٹرا تک وسیع ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس سلسلے کا خرقہ شیخ ابوطاہر کردی سے حاصل کیا اور سفر حجاز پر جاتے ہوئے جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت شیخ محمد اشرف لاہوری کے خلیفہ حاجی محمد سعید لاہوری سے لی۔^۲

سلسلہ شطاریہ کے افراد پاکستان و ہند کے بہت سے خطوں میں مصروف عمل تھے۔ پہلا مرکز بہار، پھر گجرات، گوالیار اور پنجاب کی سرزمین بھی ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز بنی رہی۔

متاخر شطاری روایات کے مطابق مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری اوچی (ف ۷۰۷۔ ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) نے اویسی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے اس سلسلے کو اخذ کیا تھا اور مخدوم جہانیاں سے بابو تاج الدین بخاری کے اسی سلسلے میں فیض یاب ہونے کی روایت اگر صحیح ہے^۳ تو اس سلسلہ کے شاہ عبداللہ شطاری (ف ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء) سے بہت پہلے پنجاب کی سرزمین آشنا تھی۔ تاہم مخدوم جہانیاں بخاری کے ذریعے پنجاب یا ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اس سلسلے کی اشاعت کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے خلفاء میں سے دو براہ راست پنجاب میں تشریف لائے اول سید ابوتراب معروف بہ شاہ گدا شطاری لاہوری (ف ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء) جن کے چھ اکابر خلفاء پنجاب اور دیگر مقامات پر مصروف کار تھے۔^۴

۱ حالات کے لیے ملاحظہ ہو احوال مشائخ گجرات، جلد اول۔

۲ بیضا

۳ شاہ ولی اللہ: اجمالی مسائل و جوابات، جلد اول، ۱۵۶-۱۵۹

۴ شاہ شطاری لاہوری: ارشاد العاشقین، ص ۹۰-۹۱

شاہ شطاری کا انتقال ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء کو ہوا اور نہ کوہ کتاب انہوں نے ۱۰۶۸-۱۰۶۹ میں تالیف کی تھی۔

۵ دلائم سرور لاہوری: خزینۃ الاسماء، ۲ / ۵۳، ص ۵۵-۵۶، ۱۹-۱۸

دوسرے صاحب ملفوظات حاضر شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے دادا پیر شیخ بایزید ثانی پنجاب کے مردم خیز خطہ سرہند میں وارد ہوئے اور یہیں رہ کر دعوتِ ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان کے علاوہ دیگر شطاری بزرگوں میں سے شیخ قاضی محمد فاضل لاہوری بن شیخ اسد اللہ لاہوری میں درس و تدریس اور افتاء کے فرائض ادا کرتے رہے ان کے فرزند شاہ رضا قادری شطاری لاہوری (ف ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) پنجاب کے نہایت معروف اور ذی علم مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے کے اعمال، اشغال اور معمولات پر کئی اہم کتابیں تالیف کیں جن میں سے ارشاد السالکین اس موضوع پر ضخیم ترین کتاب ہے جو ۱۰۶۸ھ میں تالیف کی تھی۔^۱

شاہ رضا قادری شطاری کے خلفاء میں سے شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری (ف حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۸ء) ایک اجل عالم اور متعدد فقہی کتابوں کے مؤلف تھے۔^۲ پنجابی کے معروف شاعر بلے شاہ قصوری انہی کے نامور خلیفہ تھے۔^۳ شاہ عنایت قادری کے ایک اور معاصر شطاری بزرگ شیخ فتح شاہ شطاری لاہوری (ف ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۸ء) بھی اس سلسلے کی اشاعت میں معروف رہے۔^۴

پنجاب کے مرکز لاہور میں سلسلہ شطاریہ کے قدیم ترین مشائخ میں سے شاہ گدالاہوری کے بعد صاحب ملفوظات حاضر شیخ محمد اشرف لاہوری ہی ہیں۔

شیخ محمد اشرف لاہوری نے اپنے والد گرامی کا نام شیخ یونس لکھا ہے 'موصوف کے آباد اجداد اور جائے مولود کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ مقامی روایات سے صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ شیخ محمد اشرف قوم کے ماچھی تھے اور ان کے اجداد ماہی گیری^۵ کا شغل تجارت رکھتے تھے۔

۱ حدیث الاولیاء ۲۰۱

۲ بیاض ۶۱۳، ارشاد السالکین، ص ۶۷۷، صرف مراد القیاد احمد ریس (نہجہ النواظر ۶/ ۳۰۵)

۳ بیاض ۳۳ حاشی

۴ بیاض ۶۹-۷۰

۵ بیاض ۲۰۰

۶ محمد اشرف لاہوری: جامع القوامہ علمی، برگ ۱- ملف

۷ چنی، نور احمد: تحقیقات چنی ۱۳۶

۸ علی الدین، ملحق: حیرت جلد ۲ / ۷، تحقیقات چنی ۳۶

شیخ محمد اشرف نے آغاز شباب سے اپنے مرشد شیخ فرید ثانی سے منسلک ہونے تک کے واقعات خود لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

خدا اطلبی کے جذبے سے لگلا تو جہاں کہیں کسی صاحب دل کا سنا اس کی صحبت اختیار کر لی۔ شدید ریاضتیں کیں خطہ سرہند میں پہنچا وہاں سے ہندوستان کے دیگر شہروں کا سفر بھی اسی مقصد سے کیا۔ لیکن کہیں بھی مطلوب حاصل نہ ہوا۔ پھر سرہند کی طرف واپس آیا۔ سرہند سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ عالم رویا میں نبی کریم ﷺ نے امر فرمایا کہ تمہارا مقصود شیخ فرید ثانی ہیں ان کی خدمت میں سرہند جاؤ، میں اس حکم پر ان کی خدمت میں پہنچا۔ مسلسل پانچ روز تک ان کے پاس شب و روز بیٹھا رہا کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ ایک روز تمام خواطر کو بشرح تمام بیان فرمایا۔ اور تعلیم سلوک کا آغاز کر دیا۔ اس طرح کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر اخذ فیوض کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ نے اپنی وفات اور ایام وصال کے دوران مجھے طلب کیا آپ ان دنوں سرہند سے ساٹھ ستر کردہ کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ سلطان پور میں تھے۔ میں پہنچا تو فرمایا کہ تم پر اعتماد کامل ہے۔ اور یہ آرزو کی کہ اب تم شب و روز یہیں رہو میں وہیں عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گیا ان دنوں میرا وہاں تیرہ یوم تک قیام رہا آخر بیچ الاول روز پندرہ شب کو ان کا وصال ہو گیا۔ اس وقت ان کے دونوں صاحبزادے بھی حاضر تھے، شیخ فرید ثانی کو سرہند ہی میں ان کے مرشد شاہ بایزید ثانی کے روضہ سے متصل دفن کیا گیا۔ اور آپ کے دونوں صاحبزادے آپ کے جانشین بنے۔ اس کے بعد شیخ محمد اشرف اپنے وطن مولوف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور لاہور میں قیام کر لیا جہاں ان کی اکثر فضلاء و صلحاء سے ملاقات رہنے لگی۔

شیخ محمد اشرف لاہوری کے مرشد شیخ فرید ثانی ملقب بہ سلطان الموحدين تھے۔ شیخ فرید کے نام کے ساتھ نسبت ”کھر وال“ درج ہے۔ جو قومی (قبائلی) نسبت ہے۔ اس کا تلفظ کھر وال (Kahrwal) ہے جو امتداد زمانہ

۱ توہما بھی (Machhi) یعنی محل لاہور، رہ کر نے، دلی قوم کو بھیجے یعنی محل کلائے واسے کہتے ہیں۔ یہاں کے تلفظ اختلاف میں اس قوم کے افراد کی تحصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

ibetson: The Tribes and castes of the panjab. pp. 306-7

۲ محمد اشرف لاہوری: جامع التوابع، صلی، لاہور، خان: مراد، عالم ۱۸/۲، ص ۸۲، تاریخ ۸۲

۳ ایضاً،

۴ لاہور، خان: مراد، عالم ۱۸/۲، ص ۸۲، تاریخ ۸۲

سے گھڑوال (Gharwal) معروف ہو گیا۔ یعنی ک گ سے بدل دیا گیا، دراصل یہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جو پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہے^۱۔

شیخ فرید سرہندی کے والد شیخ بایزید سرہندی تھے جو براہ راست شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ) کے خلیفہ تھے اور انہوں نے شاہ وجیہ الدین کے فرزند شاہ عبد اللہ شطاری گجراتی اور ان کے بیٹے شیخ حیدر سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا^۲۔

چونکہ شاہ وجیہ الدین علوی خود ایک نامور عالم اور مدرس تھے اس لیے ان کے یہ خلیفہ یعنی شیخ بایزید سرہندی بھی ایک بڑے عالم اور درس و تدریس کے ماہر استاد تھے ۱۰۲۵ھ کو انتقال ہوا سرہند میں دفن کیے گئے جہاں ان کا روضہ معروف ہے ان کا لقب سلطان المحققین تھا^۳۔ انہی کے فرزند و جانشین شیخ فرید ثانی سرہندی تھے جو اپنے والد ہی کے فیض یافتہ تھے^۴۔

شیخ فرید ثانی کے حالات مروجہ تذکروں نہیں ملتے ان کا وصال روز پندرہ شنبہ ماہ ربیع الاول میں ہوا^۵، شیخ محمد اشرف لاہوری جو بوقت وصال ان کی خدمت میں موجود تھے مذکورہ ماہ و یوم وصال تو لکھا ہے لیکن سال وفات نہیں دیا۔ کتاب تحفۃ السلاسل میں جو ۱۰۵۰ھ میں تالیف ہوئی تھی ان کے عرس کی تاریخ ماہ ربیع الاول ہی درج ہے جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ موصوف ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ شیخ فرید کو بھی سرہند میں اپنے والد شیخ بایزید کے روضہ سے متصل ہی دفن کیا گیا^۶۔

۱ Rose, H.R. (ed.) Glossary of tribes and casts of the panjab and..., Vol. II p.284

۲ تحفۃ السلاسل، علی ورق ۳۲، جامع الخوامد ورق ۱۹، المصنف، کتاب حاضر

۳ محمد صادق کشمیری، مرقیہ طبقات شاہ جہانی ۵۷ (مقدیمہ)

۴ محمد اشرف لاہوری، جامع الخوامد، ورق ۱۹، الف

۵ فتح فرید ثانی کی ولادت فتح بایزید سرہندی کا شمار تذکروں میں ملتا ہے، مکتبہ جامع الخوامد، تحفۃ السلاسل، ورق ۱۸، ب

۶ جامع الخوامد

۷ تحفۃ السلاسل ۷۹، ب

۸ جامع الخوامد

طویل صحبت کے بعد آپ اپنے وطن مولوف لاہور کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو مختلف ملاقاتوں کے دوران صرف اور نگزیب کی پیش کردہ نذر کی رقم اسی ہزار روپے تھی اس نقد کے علاوہ اجناس بھی تھیں دیگر امراء اور اہل لشکر نے بھی نذر و نیاز کی بارش کی، ان تمام انعامات کی بار برداری کے لیے بادشاہ نے بیس گھوڑے بھی دیئے جن پر لاہور آپ یہ سب کچھ لاہور لے آئے یہاں آکر انہوں نے اس رقم سے ایک عالی شان مسجد اور وسیع خانقاہ تعمیر کروائی۔

یہ خانقاہ و مسجد کب تعمیر ہوئی لاہور کے مقامی مورخین اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے جب انہیں سمار کیا تو اس کے تاریخی کتبات بھی اسی وقت ٹوٹ کر ضائع ہو گئے، دوسرے اتنی بڑی رقم اور نذر و نیاز کا اندراج معاصر کتب تاریخ میں نہیں ہو سکا جب کہ اس سے پہلے ۱۰۷۴ھ اور ۱۰۷۵ھ میں ملنے والے انعامات کا تذکرہ عالمگیر نامہ مؤلفہ محمد کاظم شیرازی کے حوالے سے کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب عالمگیر کے پہلے دس سالہ واقعات یعنی ۱۰۷۸ھ / ۱۶۶۸ء پر مشتمل ہے۔ اگر اس دوران یہ رقم ملتی تو اس میں ضرور اس کا تذکرہ کیا جاتا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سنہ کے بعد یہ رقم دی گئی اور انہوں نے اسے اپنی وفات ۱۱۰۴ھ سے کچھ عرصہ پہلے تعمیر کروایا ہو گا۔ عہد عالمگیر کے متاخر تاخذ اور دیگر کتب تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ کاظم شیرازی کے بعد بختاور خان قدیم ترین مورخ ہے جس نے شیخ محمد اشرف لاہوری کو اور نگزیب سے انعام ملنے کا ذکر کیا ہے کہ ”از پیشگاہ فضل و احسان مبلغ معتد بہ یافتہ“ بختاور خان نے مرآۃ العالم ۱۶۶۹ء اور ۱۶۸۰ء کے مابین تالیف کی تاہم اس میں بھی مذکورہ مقامی روایت کے مطابق انعام کی رقم کا تعین نہیں کیا گیا یہ کتاب بھی شیخ محمد اشرف کے حین حیات تالیف ہوئی تھی ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ مذکورہ مسجد اور خانقاہ کی تعمیر ۱۶۸۰ء میں ہوئی۔

۱۔ مرتبی: قرآن السعدین، ج ۱، ص ۱۰۱۔ الف

”آپ سلطان اور نگزیب کو نذر گزرا نیدہ و بود گوید کہ ہزار ہزار روپیہ بود و اجناس و دیگر ہم ملاوہ آں کردہ لائل و نقرہ نیر۔۔۔ و نذر حاصل شدہ بود آوردن آں بر وطن مولوف تعمیر داشت پادشاہ بہت محفل ہر روز دادہ تا حاصل داشت بر آں ہزار ہزار روپیہ و سماند بجز آہن سہا ایں نہایت دشوہ و خانقاہ وسیع بنا کرد کہ مشہور خاص و عام بہت“ (قرآن السعدین

(ص ۱۰۰)

۲۔ تصانیف آگے آ رہی ہیں۔

۳۔ مرآۃ العالم ۲ / ۴۱۸

شیخ محمد اشرف نے اپنی مسجد لاہور کے معروف دروازہ بھائی کے باہر بنوائی تھی اس سلسلے کی قدیم ترین روایت مرآۃ العالم میں ہے کہ لاہور میں شیخ اشرف نے اپنی حویلی کے نزدیک عالی شان مسجد بنوائی اور ان کی اقامت بھی وہیں پر تھی۔ شیخ اشرف کی مسجد اور مزار کالاہور کی شاندار عمارتوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کی اندرونی دیواروں پر ماربل استعمال کیا گیا تھا اور بیرونی حصے پر سرخ ٹائیلوں کا کام کیا گیا تھا جو اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کا تھا۔ مسجد اور مزار پر سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ اندرونی حصے پر کانس کی کاری کی گئی تھی۔

اس مسجد اور خانقاہ کے گرد اتنی وسیع آبادی ہو گئی تھی کہ یہ محلہ شیخ اشرف کے نام سے محلہ شاہ شرف کہلانے لگا۔ یہ محلہ بھائی دروازہ سے لے کر ضلع پکھری اور برف خانہ تک وسیع تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء) کے عہد میں ۱۸۱۳ء / ۱۸۶۹ء تک بیرون بھائی دروازہ میں شیخ محمد اشرف کی یہ مسجد موجود تھی اور سردار جہاں داد خان کو جب رنجیت سنگھ نے لاہور بلایا تو اسے اس مسجد سے متصل مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا تھا۔ لاہور شہر کو حملہ آوروں سے بچانے کے لیے اس کی فصیل کے گرد اگر دھندل کھودی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ بھائی دروازے کے باہر جہاں شیخ محمد اشرف کی یہ مسجد اور خانقاہ تھی ایک کھلا میدان ہو اس لیے رنجیت سنگھ کے حکم سے یہ مسجد اور خانقاہ مسمار کر دی گئی۔ اس کا بیش قیمت پتھر اتر واکر امرتسر کے گولڈن ٹمپل کی آرائش کے لیے بھیج دیا گیا۔ شیخ محمد اشرف کی نعش نکلوا کر ان کے ایک خلیفہ حاجی محمد سعید کے مزار کے جوار میں دفن کی گئی یہ کام

۱۔ مہین لال سوری: مہاراجہ رنجیت سنگھ / ۲

۲۔ مرآۃ العالم / ۵

M Lati & Lahore, pp. 194

۳۔ مہین لال سوری: مہاراجہ رنجیت سنگھ / ۲

۴۔ مہین لال سوری: مہاراجہ رنجیت سنگھ (انتخاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تصانیف)

۵۔ مہین لال سوری: مہاراجہ رنجیت سنگھ / ۲ (۱۸۶۹ء میں لاہور فتح کرنے پر فصیل کی مرمت کا کام ہدی قادیان شہر کے حیدر علی کے لیے رنجیت سنگھ فصیل کے گرد

ایک لکھنوی کوٹا بنوانے کے لیے مزار کے مسمار کر دیا گیا / ۱۰۶) جس کا مطلب ہے کہ شیخ محمد اشرف کی مسجد اور خانقاہ قبل ۱۸۶۰ء مسمار کی گئی۔

۶۔ مہین لال سوری: مہاراجہ رنجیت سنگھ / ۲

رنجیت سنگھ نے اپنے طبیب فقیر نور الدین کی معرفت کروایا۔ رنجیت سنگھ کے حکم سے مزار کے لیے ایک چبوترہ بھی بنوایا گیا۔

مقامی روایت کے مطابق شیخ محمد اشرف کا انتقال لاہور میں ۱۱۰۴ھ / ۹۲-۱۶۹۳ء کو ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مزار بنالیا تھا۔

ان ایام میں شیخ محمد اشرف لاہوری کا مزار جنرل پوسٹ آفس کے بالمقابل بینک سکوائر کے عقب میں آبادی کے اندر ہے۔ پہلے اس مزار پر ترخان قابض تھے پھر حاجی محمد سعید لاہوری کی دختری اولاد نے اس پر مقدمہ دائر کر کے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور اب تک انہیں کے پاس ہے اور یہ چار دیواری مقفل رہتی ہے۔ شیخ محمد اشرف لاہوری کے فرزندوں کے حالات تو درکنار اسماء تک معلوم نہیں ہیں صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر نے ان کے بیٹوں کی مدد معاش کے طور پر ایک گاؤں دیا تھا۔ یہ گاؤں کہاں تھا معلوم نہیں ہے۔

شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے بکثرت مریدین و خلفاء تھے امراء اور فوج کے بہت سے افسران بھی ان کے حلقہ بگوش تھے۔ لیکن افسوس کہ ان کے خلفاء کے اسماء محفوظ نہیں ہیں۔ صرف دو ناموں کا علم ہو سکا ہے۔ اول لاہور کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف حاجی محمد سعید لاہوری اور کتاب حاضر کے مؤلف شیخ سلیمان بن سعد اللہ۔

۱ جینا

۲ جرنیل لاہور ۸۴

۳ جرنیل لاہور ۸۴، محمد لطیف لاہور ۱۹۳

تذکرہ ساجدہ طوی نے سید اشرف لاہوری بتاوی حوالہ ۱۱۳ھ کو شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے فرزند الامام (۱/ ۱۹۶) میں سے ان کا ذکر دو سال وقات لکھ دیا ہے (مرآۃ العالم ۱/ ۳۱۸ حاشیہ) اسی طرح مہد اللہ چٹائی مرحوم نے سند شیخ اشرف حوالہ ۱۰۲۳ھ مرید میں میر لاہوری کو شیخ اشرف شطاری کہاں کر کے اس پر بھیجے ہوئے کا سراہ کیا ہے (لاہور سنگھوں کے مہد میں ص ۶۶) جو لکھنا محض ہے بلکہ ۱۰۲۳ھ میں فوت ہونے والے کا تعلق اور عجیب مانگیر سے کیسے ہو سکتا ہے؟

حاصل بحث یہ ہے کہ حیران بھائی دروازہ لاہور کی معروف شخصیت اور کتاب حاضر کے صاحب نظر خات شیخ محمد اشرف بن شیخ لاہوری کا سال وقات ۱۱۰۴ھ ہی درست ہے اور شیخ شرف بتاوی قم لاہوری اور شیخ اشرف مرید میں میر لاہوری ایک ایک شخصیتیں ہیں۔

جرنیل لاہور ۸۴، ۲۹۲ کا بیان کہ اورنگزیب نے ان کا حوالہ بنالیا تھا (۲۹۱) لیکن دیگر بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ اشرف ۔۔۔ مراد خود فقیر کو دیا تھا۔۔۔ مخالف کے بیان میں تضاد ہے اول لکھا ہے کہ شیخ اشرف نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں بنالیا (۸۴) دوسرا

مرآۃ العالم ۲/ ۳۱۸، فرحان عظیم ۸۲

میں نے حدیث اللہ لہد کے حوالہ (ص ۲۰۱) میں شیخ عبد الملک کو شیخ محمد اشرف لاہوری کا فرزند لکھ دیا ہے جو لکھنا محض ہے حالانکہ شیخ عبد الملک تو شیخ فرید مانی کے بیٹے تھے۔

حاجی محمد سعید لاہوری (ف ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء) کئی سلاسل میں اجازت یافتہ تھے ان سے نامی گرامی علماء و صوفیہ نے فیض حاصل کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حج پر جاتے ہوئے جب لاہور سے گذرے تو انہوں نے جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت حاجی محمد سعید لاہوری سے حاصل کی۔ اس طرح صوبہ سرحد کے ایک بڑے عالم شیخ محمد مسعود پشاورى بھی سلسلہ شطاریہ میں حاجی محمد سعید لاہوری سے اجازت یافتہ تھے۔ سندھ کے معروف عالم اور شیخ طریقت شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری (ف ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۹ء) انہی شیخ محمد مسعود پشاورى کے خلیفہ تھے۔

شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے دوسرے مرید و خلیفہ شیخ سلیمان بن سعد اللہ تھے جو کتاب حاضر کے مرتب و جامع ہیں۔

شیخ محمد اشرف لاہوری یقیناً کئی کتابوں کے مؤلف ہوں گے لیکن افسوس کہ وہ دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں اب تک ان کی صرف ایک تالیف جامع الفوائد، چند فارسی نظمیں اور ملفوظات کا صرف ایک مجموعہ یعنی احوال مشائخ کتاب ہی دستیاب ہو سکے ہیں جن کا مختصر سا تعارف کروایا جا رہا ہے:

جامع الفوائد:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور عمومی مسائل دینیہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے حسب ذیل نو ابواب

ہیں:

باب اول در تفسیر کلام اللہ

باب دوم در خواص و فوائد بعضی آیات و سور، در بیان احادیث قدسی۔۔۔

باب سوم در بیان مطاببات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب چہارم در رفع سبابہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب پنجم در حقائق احوال انبیاء و علویان آنحضرت علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام

۱ شاہ ولی اللہ: الامجدی سلاسل اولیہ ۱۵۷-۱۵۸

۲ کتابت شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری ص ۳۱۶

۳ ہمدان کہ تصدیق کے لیے طاہرہ و عطاء مرقی ص ۳۰۷

۴ تفصیل احوال مشائخ کتب میں طاہرہ لکھی۔

سراغ ملا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب جامع الفوائد میں درج کی ہیں ان میں ایک حمد باری تعالیٰ ہے اور دوسری نعت ہے۔ ان کے بارے میں شیخ اشرف نے کہا ہے کہ یہ منظومات خود ان کی تصنیف ہیں جامع الفوائد کا خطی نسخہ کرم خوردہ ہے جس کے باعث اس کے سارے شعر پڑھے نہیں جاسکے تاہم قابل قرأت شعر یہاں نقل کیے جا رہے ہیں۔

در مناجات باری تعالیٰ عز اسمہ جل شانہ

علی عالی اعلیٰ مجد ماجد اعظم	رحیم راحم ارحم کریم مکرم اکرم
بنہ اوراقِ فلکی بین بقرطاس زمین بگر	دو جزو اوراقِ را کاتبِ حروف ممکن عالم
بخلاتی و زاتی سری عالم آمد	بہ ستاری و غفاری پناہی ہر یک مردم
جمال حسن او پیدا بہر مظهر مبین شد	ظہوری او بہر مظهر ولی در مظهر آدم
دلادر عشق او گوشی بہ جین احوال مدہوشی	کہ مدہوشی بہوشی آرد نماید سر از مدغم
عنارادر رضا بہ سپر بہ تسلیش ہمہ بگر	دوی خود از میاں خیزد ز غیریت بکن ماتم
فتارا چوں فتادیدی بقاء کشتی بقاء دیدی	بملک جاودانی رو ثبوت و سالم و اسلم
قتادر ذات او خواهد بجان و دل فقیر اشرف	دلی مجروح گریابد ز قرب حق چنیں مرہم

قصیدہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

صبح ہدی دردمید از تنق مستقر	شمس عطا بر شد از طلعت نور البشر
منبر روی زمین باہرہ انگلندگی	کشت چو عرش برین از قدمش مغفر
چتر و لولاک بر فرق عظمتش	فرق ز احمد احد بین زعیون بھر
توبہ صد سالہ آدم و حوا کہ بود	اسم محمد شفیع گشت ز راہِ خطر
میم سر ملک دین جا بحیات ابد	میم بملت شریف داد بدلہا خبر
نور فزائی بصدق اکبر صدیق داں را	ظلمت تشکیک کفر رفت بعدل عمر
عثمان صاحب نظر کل ضیا در کشید	چشم بقرآن کشاد کرد مرتب بر
آنکہ بھر علوم منتسب باب شد	ناد علیا ندا یافت زرونی خبر

تج توالع ہمہ مشعل نوری ہدیٰ باز مشائخ کرام پیش روی راہبر
آنکہ بعظمت نہاد روی قدم بر رقاب شخص جہاں را بعین کردہ قدمش بھر
نقش بہ محبوبیش کرد سبحان درست ہر کہ ورا منکر است منفعل و بی خبر
شیخ کبیر النیر شمع صفایا بہا عالم از و در گرفت عشق خدا سر بسر
عرمہ روی زمین گلش معنی ازو عاشق و عارف ازو منتظر یک قدر
مرشد راہ خدا سرور دین صفا شاہ فریدون زمان ملک بقارا قمر
ہر کہ زمین بوس او کرد از روی صفا شد بصف عارفان مخزن گنج و گہر
بندۂ اشرف دعا خوان و ثنا ہر کجا بو کہ بقرب حضور گاہ شود معتبر

در وصف رونق ایام پیری بخاطر در آمدہ نوشتہ شد

بشوق اندر جوانی چون پیر گردد در اقلیم شہادت میر گردد
برائی چشم زخم ہر شیطین قدش قوس و عصا چون تیر گردد

شخصی بنفس چراغ را گل کرد بجز دیدن این مضمون بخاطر در آمدہ

چراغ چون فروزد شعلہ نار یکدم می شود آں کشتہ چون ناچار
دی کہ سر دی بی مطلب خاص وجودش ظلمت آرد از تن نار
بنام مردہ گرفتن حیات مطلب شد اگر ہمردی خود زندہ دوئم شدہ ای

حمد و نعت اور دیگر اشعار سے صوفیانہ افکار صاف جھلکتے ہیں۔

احوال مشائخ کبار

یہ شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جو ان کے عین حیات مرتب و جمع کیا گیا ہر جگہ شیخ اشرف کے نام کے ساتھ ان کی طوالت عمر کے لیے دعائیہ جملہ ”مرشد الانامی مدظلہ السامی“ لکھا ہے ساری کتاب میں کہیں نہ درج نہیں ہے۔ اور نہ ہی مسلسل ملفوظات و سخنان شیخ کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ ملفوظات شیخ کی

خدمت میں حاضری کے دوران جو گفتگو ہوئی وہ مؤلف نے قلم بند کر لی۔ ان ملفوظات کا موضوع شیخ محمد اشرف کے مشائخ کے مناقب اور ان کی کرامات کا بیان ہے۔

اس مجموعے میں کئی الفاظ اور مصرعے تک ہندی زبان کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ فارسی میں ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں اگرچہ اس مجموعہ کو عہد عالمگیر کا کوئی بہترین نثری نمونہ قرار نہیں دیا جاسکتا البتہ سبک ہندی اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ابتداء میں اورنگ زیب کے لیے طویل القاب استعمال کیے گئے ہیں جو پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ کے سلاطین سے تعلقات کو سمجھنے کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک ملفوظ سے شیخ محمد اشرف لاہوری کی اورنگ زیب سے ناراضی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ جس سے تحقیقات چشتی میں درج ایک داستان کہ کس طرح اورنگ زیب ان سے وقتی طور پر کبیدہ خاطر ہوا تھا تصدیق ہوتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے سارے ہندوستان کے تمام سلاسل کے صوفیہ سے تعلقات تھے کئی آزاد مشرب صوفیہ کا اس نے محاسبہ بھی کیا تھا۔ کئی علماء و مشائخ اورنگ زیب نے اپنی تصانیف میں نہایت اور شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ کتاب حاضر میں بھی اُسے ”مجدد قوانین سنت نبوی موکد براہین شرع مصطفوی“۔۔۔ قرار دیا ہے جو حقائق کے عین مطابق ہے۔

احوال مشائخ کبار کے جامع سلیمان بن شیخ سعد اللہ کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے ہیں انہوں نے رسالے کے آغاز میں اورنگ زیب عالمگیر کے لیے جو طویل القاب لکھے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک صوفی ہونے کے ساتھ عالمگیر کے منصب دار بھی ہوں گے۔ ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ کئی امراء اور اہل لشکر شیخ محمد اشرف کے ارادت مندوں میں شامل تھے اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سلیمان بھی کوئی منصب دار ہوں گے۔ اور شیخ محمد اشرف نے اورنگ زیب کی صحبت میں رہنے کا جو جواز پیش کیا تھا کہ میری سفارش سے بند گان خدا کے کام سنور جاتے ہیں، انہوں نے کئی اصحاب کی ملازمت کے لیے اورنگ زیب سے سفارش بھی کی تھی۔

۱۔ ان امور کی تفصیلات کے لیے صفحہ ۱۰۰۰ء کے حوالہ ملاحظہ کیجیے۔

۲۔ قرآن السہیل، جلد ۱۰۰، ص ۱۰۱۔

ہم نے کتب تاریخ میں اس نام کی شخصیتوں کو تلاش کیا تو ایک معاصر کتاب تاریخ محمدی میں ایک شیخ سلیمان کا حال ملا جسے متذکرہ بالا قیاسی دلائل کی روشنی میں ملفوظات ہذا کے جامع سلیمان بن شیخ سعد اللہ ہونے کا قیاس کر لیا، دوسرے وہ شیخ محمد اشرف کے معاصر بھی ثابت ہوئے ان کے حالات یوں درج ہیں:

”شیخ سلیمان مخاطب بہ فضائل خان، از فضلاء عصر و امرائی عالمگیر شاہی، در جمادی الاولیٰ (۱۱۰۳ھ) فوت شد، ہزار و پانصدی“

یعنی شیخ سلیمان جن کا خطاب فضائل خان تھا اپنے عہد کے فضلاء میں سے تھے اور عالمگیر نے انہیں ہزار و پانصدی کا منصب دیا تھا۔ جمادی الاول ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ان کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں نہ ہی ان کے والد کا نام کتب تاریخ میں درج ہے صرف اس قدر معلوم ہے کہ موصوف داروغہ عدالت تھے اور انہیں ۱۰۹۱ھ / ۸۰-۱۶۸۱ء میں فضائل خان کا خطاب اور نگزیب نے دیا تھا۔

شیخ سلیمان کے ایک نبیرے صبغۃ اللہ خان جو ”داروغہ مستغیثان“ میں سے تھے دہلی میں ۱۱۳۶ھ / ۱۷۳۳ء کو فوت ہوئے۔

شیخ سلیمان نے اپنے والد کا نام شیخ سعد اللہ لکھا ہے۔ ہمارا قیاس ہے کہ یہ بھی شیخ محمد اشرف لاہوری سے منسلک ہوں گے، کیوں کہ شیخ محمد اشرف کی خانقاہ بیرون بھائی دروازہ کے جوار میں ایک حاجی سعد اللہ کی درگاہ موجود تھی۔ شیخ محمد اشرف کی خانقاہ کے مسمار ہونے سے پہلے کا ایک مشاہدہ مفتی علی الدین لاہوری نے درج کیا ہے:

درگاہ سید صدر دیوان بیرون شہر دروازہ شاہ عالمی است نزدیک ایشاں درگاہ شیخ اشرف ماہی گیر و متصل آں چلہ حضرت فرید الدین شکر گنج و درگاہ حاجی سعد اللہ و نزدیک ایشاں متصل چوبارہ چمچو بھگت۔

سعد خان، محمد مائی، آثار عالمگیری ۱۸۹، حریم آباد کے لیے دیکھیے:

Mughal Nobility under Aurangzeb, pp. 255

تاریخ محمدی ۸۶

علی الدین: ہجرت ۵۴۰ھ / ۱۱۴۰

تقریباً سارا علاقہ وہ ہے جسے محلہ شاہ اشرف (شرف) کہا جاتا تھا۔ اس لیے ہمارا قیاس یقین میں بدل جاتا ہے کہ شیخ سلیمان کے والد بھی حاجی سعد اللہ لاہوری ہی ہیں جن کی درگاہ محلہ شیخ اشرف میں ان کی خانقاہ کے جوار میں تھی اور یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ باپ بیٹا دونوں اسی سلسلے سے منسلک تھے۔

چھو بھگت کا چوبارہ اس وقت میو ہسپتال لاہور کی حدود میں ہے اور اس کے سامنے تعمیر ہونے والی نیو چلڈرن وارڈ کے دائیں جانب جس قبر پر سبز رنگ کر دیا گیا ہے وہ انہی حاجی سعد اللہ کی درگاہ ہے۔

احوال مشائخ کبار کا خطی نسخہ ہمارے ذاتی کتابخانے میں ہے۔ اس کے کاتب بھی وہی شیخ عبدالرحیم ہیں جو جامع النواد کے ہیں۔ اس کا سال کتابت ۱۱۵۷ھ ہے۔ یہ نسخہ نہایت بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ اس کا مطالعہ اور نقل از بس مشکل تھی جا بجا کرم خوردگی کے باعث کئی الفاظ پڑھے ہی نہیں جاسکے۔ اسے اس لیے شائع کیا جا رہا ہے کہ شاید اس کا کبھی اور دوسرا نسخہ دستیاب ہو تو اس سے تقابل کرنے میں مدد مل سکے۔

برادر مڈاکٹر سید عارف نوشاہی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کے ایسے الفاظ بھی پڑھ ڈالے جو بری طرح کرم کی نذر ہو چکے تھے، یہ انہی کی دقت نظر کا حاصل ہے کہ ایک تباہ شدہ مخطوطہ حیات نو لے کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

۱۱۴ اپریل ۱۹۹۸ء / ۱۴۱۸ھ

(احوال مشائخ کبار، مقدمہ، ناشر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان)

شیخ شاہ محمد رضا شطاری لاہوری

شیخ محمد رضا بن شیخ محمد فاضل بن اسد اللہ لاہوری قادری، لاہور کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ موصوف اپنے والد شیخ محمد فاضل قادری لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے، نیز انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مشائخ سے ملاقات اور اجازت کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ محمد رضا کے والد لاہور کے قاضی تھے (نزہۃ الخواطر ۶ / ۳۰۵) اور والد کی وفات کے بعد انہیں بھی لاہور کا قاضی بنایا گیا تھا (ایضاً) شیخ محمد رضا شطاری نے اپنے والد کے علاوہ جن اصحاب سے فیض پایا ان میں سید نور (مرید سید محمد جلال وہو مرید شیخ عبدالرحمن وہو مرید شیخ الہداد)۔۔۔۔۔ (آداب مریدی برگ ۲۷ ب) یہ شیخ الہداد قادری اکبر آبادی تھے (ایضاً)

خود وضاحت کی ہے کہ مجھے تمام مروجہ سلاسل میں اپنے شیخ سے اجازت تھی، لکھتے ہیں شیخ الہداد قادری اکبر آبادی کے علاوہ شیخ محمد، شیخ شاہ اسماعیل، شیخ عبدالغفار صدیقی، شیخ شہباز محمد، بابو تاج الدین بخاری (ارشاد العاشقین، ۱۰۳۸ھ آخرین فصل)

شیخ محمد رضا کا سلسلہ طریقت اپنے والد شیخ محمد فاضل سے اس طرح شاہ محمد غوث گوالیاری سے حاصل

ہوتا ہے:

شیخ محمد رضا مرید و خلیفہ شیخ محمد فاضل لاہوری وہ مرید شیخ الہداد قادری اکبر آبادی وہ مرید شیخ محمد جلال اور وہ مرید سید نور اور وہ مرید سید زین العابدین حسینی اور وہ مرید شیخ عبدالغفور اور وہ مرید شیخ وجیہ الدین گجراتی اور وہ مرید تھے شاہ محمد غوث شطاری گوالیاری کے (حدیقۃ الاولیاء ۶۲-۶۳)

شیخ محمد رضا شطاری قادری کا انتقال ۱۲ جمادی الاول ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء کو ہوا اور لاہور میں دفن ہوئے

(ایضاً ۶۳) اس وقت ان کا مزار نزدیکی بازار پولیس سٹیشن جج محمد لطیف سٹریٹ (لاہور) میں واقع ہے (ایضاً ۲۶)

شاہ محمد رضا شطاری لاہوری کی حسب ذیل تالیفات کا سراغ مل سکا ہے:

۱۔ آداب مریدی:

یہ فارسی نثر میں علم سلوک پر ہے۔ اور مریدی کے آداب کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ جس میں ابوب و فصول کے تحت اہم موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (اسلام آباد) میں ہے نمبر ۵۳۱۹

۲۔ باغ دنیا:

یہ کتاب بھی سیر و سلوک، مرید و مریدی، سماع اور آداب درویشی کے موضوع پر ہے۔ ”باغ دنیا“ اس کا مادہ تاریخ تالیف ہے جس سے ۱۰۶۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔ گویا یہ کتاب انہوں نے اس سنہ میں تالیف کی۔ اس کا ایک خطی نسخہ نمبر ۳۶۸۸ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہے (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۱۳)

۳۔ پاس انفاس:

یہ کتاب مولف نے شیخ عبدالرحمن بن اسحق کے لیے ۱۱ شوال ۴۵ جلوس عالمگیری (۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۲ء) میں تالیف کی اس میں صوفیہ کے آٹھ سلاسل کا بیان ہے۔ اس کتاب کے دو خطی نسخے کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہیں۔ (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۲۸)

۴۔ ارشاد العاشقین:

اس کتاب میں سلسلہ شطاریہ کے اوراد، وظائف، اشغال اور عملیات کو ابواب و فصول کے تحت یک جا کر دیا ہے۔ اس میں مولف کے مشائخ کی مشقیں اور ان کے اثرات بھی بیان ہوئے ہیں۔ ”ارشاد العاشقین“ اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس میں سے ۱۰۶۷ھ برآمد ہوتا ہے (ورق ۲ الف ب) یہ کتاب مقدمہ، چہار مقالہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے پھر کئی کئی فصول میں تقسیم ہوئے ہیں۔

مقدمہ الکتاب در بیان معتقدات امور اسلامیہ و احوال خلفاء الرشیدین ہے۔۔۔ باب نہم در بیان خواص حروف تہجی و مقالہ سیم در بیان بعضی عطایات والبرکات مرشدان کبار در فن شرب شطار۔۔۔ و ترتیب یافتہ اس مقالہ بر مقدمہ و شش باب۔ اس باب میں مولف نے سلسلہ شطاریہ میں بعض مشائخ کے تجربات اور اجازت نامے

بھی نقل کیے ہیں۔ باب ششم میں مؤلف نے احوال خرقہ و خلافت۔۔۔ اسی باب کی فصل چہارم در بیان ہشت شجرہ کہ از طرف مرشد دارد و ایناں نیز از طرف ہر شجرہ خود دارند۔۔۔

مؤلف نے بتایا ہے کہ اس کتاب کا سنہ تالیف رمضان ۱۰۶۸ھ ہے لیکن ”تقدیم، خیر اور تغیر و تبدل“ کے باعث ۱۰۹۱ھ کا زمانہ آگیا ہے اسی دوران فرزند نے اپنے والد کی زیر نگرانی ۲۳ سال تک مشق کی اور اس تربیت کے بعد اُسے تکمیل کا مرحلہ نصیب ہوا۔ اس طرح مؤلف نے بتایا ہے کہ انہیں ان اعمال کی اجازت مرشدی شیخ عبدالواحد شاگرد و مرید مولوی شہباز محمد، شیخ محی الدین محمد منا خلیفہ مولوی شہباز محمد، مرشدی حاجی سکندر خلیفہ شیخ محی الدین منا۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں شامل بعض اعمال مطالع الطالبین تالیف شیخ محمد شریف قادری سے منقول ہیں۔ (ارشاد العاشقین ۸)

مطالع الطالبین کا وہ خطی نسخہ جو شاہ محمد رضا شطاری کے استعمال میں رہتا تھا اور اس پر کئی مقامات پر ان کے اپنے ہاتھ کی تحریریں ہیں کتابخانہ گنج بخش (اسلام آباد) نمبر ۱۱۳۶، میں محفوظ ہے ان تحریرات کا عکس ہم نے حدیقۃ الاولیاء (ص ۶۲) پر شائع کر دیا تھا۔

ارشاد العاشقین ۱۲ صفحات کا ایک ضخیم مخطوطہ ہے جس کا خطی نسخہ اس وقت جناب خلیل الرحمن داؤدی، لاہور پاکستان کے کتب خانے میں ہے، ہم نے اسی سے استفادہ کیا ہے، شاہ محمد رضا شطاری کے خلفاء میں سے شاہ عنایت قادری قصوری نے بہت شہرت حاصل کی جن کے خلیفہ پنجابی کے نامور صوفی شاعر بلے شاہ قصوری گذرے ہیں (حدیقۃ الاولیاء ۶۳، ۶۹)

ان کے علاوہ مؤلف نے اپنی حسب ذیل دیگر تالیفات کے حوالے دیئے ہیں:

- ۱۔ تذکرۃ الاولاد
- ۲۔ خیر الاولاد
- ۳۔ متاع الفیض
- ۴۔ ہیکل نور
- ۵۔ ارشاد المریدین (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۱۸)

مآخذ

- ۱۔ محمد رضا شطاری لاہوری: آداب مریدی۔ خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ بخش، تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ نمبر ۵۳۱۹ (اسلام آباد)
- ۲۔ ایضاً: باغ دنیا، خطی۔ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش (اسلام آباد) نمبر ۳۶۸۸
- ۳۔ ایضاً: پاس انفاس، خطی نسخہ در کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد ۳۶۸۸ (ہم جلد)
- ۴۔ ایضاً: ارشاد العاشقین، قلمی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمن داؤدی، لاہور۔
- ۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تطبیق محمد اقبال مجددی لاہور ۱۹۷۶ء

جنوری ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ عنایت قادری شطاری قصوری ثم لاہوری

شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری پنجاب کے بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے اکابر علماء و صوفیہ میں سے تھے، پنجابی کے مشہور شاعر بابا بلھے شاہ قصوری انہی کے خلیفہ تھے۔

شاہ عنایت نے اپنی کتابوں میں اپنا پورا نام یوں لکھا ہے: ابوالمعارف محمد عنایت اللہ حنفی قادری شطاری قصوری ثم لاہوری (غایۃ الحواشی، خطی)، آپ قرآن مجید کے حافظ بھی تھے (ذیل الاغلاط، خطی)، آپ کے اسلاف قوم باغبان (زمیندار) سے تعلق رکھتے تھے (خزینۃ الاصفیاء ۱۸۷)۔

شاہ عنایت نے ظاہری علوم کی تحصیل مولانا سید ابوالنصر عرف سید الیاس اور مولوی عبدالبہادی لاہوری (شرح شمائل النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی۔ (غایۃ الحواشی، لطائف غیبیہ خطی، کلمات التامات خطی) اور سلوک کی تعلیم شیخ علی رضا فاروقی سرہندی (ف ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء)، شیخ محمد سلطان بخاری اور شاہ محمد رضا لاہوری (ف ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) سے حاصل کی (لطائف غیبیہ، خطی، خزینۃ الاصفیاء ۱۸۹)۔

شاہ عنایت ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء تک قصور میں رہے، پھر وہاں کے حاکم حسین خان خویشی سے نزاع ہوئی اور آپ لاہور چلے آئے۔ (خزینۃ الاصفیاء، طبع اول لاہور ۱۸۶-۱۸۷)۔

آپ کے اپنے معاصر علماء و مشائخ سے قریبی تعلقات تھے، حاجی محمد شریف قصوری (ف ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) سے علمی مراسلت تھی آپ نے حاجی محمد شریف کے جواب میں پانچ رسائل تالیف کیے، تمباکو نوشی کے موضوع پر بھی علماء خصوصاً حاجی محمد شریف سے مباحثہ ہوا تھا۔ (غلام حسین قصوری: شجرۃ الانساب۔ خطی مملوکہ مولوی محمد شفیع، لاہور)

شاہ عنایت کا سال وفات کسی معاصر تذکرہ نویس نے نہیں لکھا، سب سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری نے بغیر کسی حوالہ کے آپ کا سال وصال ۱۱۴۱ھ لکھ دیا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱۸۷)۔ اس کے بعد تمام تذکرہ نویسوں نے

یہی سنہ لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ سال وفات اس لیے غلط ہے کہ شاہ عنایت کے ایک معاصر عالم حاجی محمد شریف قصوری جن کے ساتھ ان کے گہرے روابط کا ذکر کیا جا چکا ہے اپنے ایک مکتوب بنام شاہ عنایت میں شاہ عنایت قادری ”سلمہ اللہ تعالیٰ“ لکھ کر اپنی مہر ”العبد الفقیر محمد شریف ۱۱۳۸ھ“ ثبت کی ہے (مکتوب حاجی محمد شریف قصوری، خطی، مملوکہ، محمد اقبال مجددی، لاہور) جس سے ظاہر ہے کہ شاہ عنایت ۱۱۳۸ھ / ۱۷۳۵ء تک بقید حیات تھے، اور تخمیناً ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء کے بعد فوت ہوئے۔

شاہ عنایت قادری کے دو فرزند تھے اول محمد زاہد (غایۃ الحواشی، خطی ورق ۳ب) اور دوم محمد زمان (سلیم التواریخ ۳۷۴) پہلے فرزند سے اولاد کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ عنایت کے بہت سے خلفاء تھے جن میں پنجابی کے معروف شاعر بابلے شاہ قصوری کا نام سرفہرست ہے (کلام بابلے شاہ ۳۹، ۵۳، ۶۲ و بہ بعد) شاہ عنایت کی اب تک صرف مندرجہ ذیل تصانیف کا سراغ مل سکا ہے:

۱۔ تنقیح المرام فی بحث الوجود بسال ۱۱۱۰ھ (نزہۃ الخواطر ۶ / ۱۹۵)۔

۲۔ لطائف غیبیہ (فارسی نثر) بسال ۱۱۱۱ھ (در سلوک سلسلہ شطاریہ)، قلمی مملوکہ جناب عبدالرشید قاسمی، لاہور۔

۳۔ اذکارِ قادریہ (فارسی نثر) خطی مخزنہ کتابخانہ ایشیائک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ (ایوانوف: فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی کتابخانہ مذکورہ شمارہ ۱۳۲۳)۔

۴۔ غایۃ الحواشی (عربی نثر) حواشی بر شرح وقایہ بسال ۱۱۳۳ھ، قلمی، مخزنہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور۔ شمارہ ۶۴۱۰، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے پی ایچ ڈی کے طلبہ نے اسے ڈاکٹریٹ کے لیے مرتب کیا تھا جس میں سے محمد اشرف آصف جلالی کا مرتبہ حصہ شائع ہو چکا ہے، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ ملقط الحقائق شرح کنز الدقائق۔

۶۔ مجموعہ عرفانی شرح مجموعہ سلطانی (فارسی نثر) قلمی مخزنہ ذخیرہ شیرانی کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور، شمارہ ۶۵۷۔

۷۔ رسالہ فی حل شرب الدخان (عربی نثر) در رد حاجی محمد شریف قصوری، خطی مملوکہ آقا

عبدالرشید قاسمی، لاہور۔

۸۔ رسالہ فی حل تنباکو (عربی نثر)، قلمی مملوکہ جی معین الدین لاہور۔

۹۔ لباس برہنہ حواشی بعضی مقامات مغلقہ فتاویٰ برہنہ تصنیف مولوی نصیر الدین لاہوری (فارسی نثر)،

خطی، مملوکہ آقا سید محمد طیب ہمدانی، قصور۔

۱۰۔ دستور العمل (بحوالہ فوق: تذکرہ علمائے لاہور ص ۵۲)۔

۱۱۔ حواشی جواہر خمسہ، خطی مخزنہ کتابخانہ اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

۱۲۔ دستور العمل۔

۱۳۔ اصلاح العمل۔

۱۴۔ ارشاد الطالبین یہ کتب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے میاں سراج دین شطاری (از اولاد شاہ)

عنایت لاہور کے پاس تھیں جو درگاہ شاہ عنایت کے سجادہ نشین تھے۔ ان میں سے دستور العمل کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، پاکستان میں ہے (فہرست مشترک ۳ / ۱۳۵۲)۔

۱۵۔ رد تحفۃ الاخوین (فارسی نثر) مخزنہ کتابخانہ مدرسہ مجددیہ نعیمیہ، کراچی (غایۃ الحواشی مرتبہ

محمد اشرف آصف جلالی ۱ / ۲۶)۔

مجموعہ رسائل شاہ عنایت قادری، خطی اس میں مندرجہ رسائل شامل ہیں:

۱۶۔ رسالہ در مسئلہ حربی و دار الحرب بجواب مکتوب حاجی محمد شریف قصوری (فارسی نثر)۔

اس میں ہندوستان کی اس وقت کی فضا کے پیش نظر ہندوستان کے ہندو اکثریت والے صوبوں کو

دار الحرب قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اس وقت مرکزی حکومت بہت کمزور ہو گئی ہے، اقوام راجپوت اور برار اعلانیہ علامات کفر کے مرتکب ہیں۔

۱۷۔ ذیل الاغلاط فی مسائل الغصب بالافراط (فارسی نثر) در رد حاجی محمد شریف قصوری۔

۱۸۔ کلمات التامات فی رد مطاعن الثقات (عربی نثر) در رد حاجی محمد شریف قصوری۔

۱۹۔ رسالہ ہبۃ الطاعات (عربی نثر) در رد حاجی محمد شریف قصوری۔

۲۰۔ رسالہ فی رد من قال ان الدعاء فی الرزق کفر (عربی نثر)

ماخذ

- ۱۔ شاہ عنایت قادری: مجموعہ رسائل، مخطی، مخزنہ کتابخانہ لاہور میوزیم، لاہور شمارہ ۷۵۰
- ۲۔ غلام رسول قصوری، شجرۃ الانساب، مخطی، مخزنہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی۔
- ۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لاہور ۱۲۸۳ھ
- ۴۔ رحمن علی: تذکرۃ علمائے ہند اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء
- ۶۔ فقیر محمد جہلی: حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء
- ۷۔ محمد شفیع لاہوری: اولیائے قصور، لاہور، ۱۹۷۲ء
- ۸۔ بلجے شاہ قصوری: کلام بلجے شاہ، مرتبہ نذیر احمد، لاہور،
- ۹۔ فوق، محمد دین: تذکرہ علمائے لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء
- ۱۰۔ اکبر علی: سلیم التواریخ، امرتسر، ۱۹۱۹ء
- ۱۱۔ اخلاق احمد، میاں، تذکرہ شاہ عنایت قادری، لاہور، ۱۹۸۳ء
- 12- Ivanow: Cat. Persian MSS. of Asiatic Society, Calcutta, 1924.

۲۶ فروری ۲۰۱۱ء

برائی دانشنامہ شبیہ قارہ، تہران، ایران

سلسلہ سہروردیہ،

فردوسیہ، مغربیہ

شیخ مخدوم احمد چرمپوش سہروردی

مخدوم احمد چرمپوش آٹھویں صدی ہجری کے ایک سہروردی شیخ طریقت تھے۔ مخدوم احمد کے والد مخدوم سید موکی رضا تھے۔ مخدوم احمد کی والدہ بی بی حبیبہ معروف صوفی بزرگ مخدوم شہاب الدین جگجوت (Jagjot) کی بیٹی تھیں، اس طرح مخدوم جگجوت مخدوم احمد کے نانا ہوئے۔

مخدوم احمد، فردوسی سلسلہ کے نامور عالم و صوفی مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (متوفی ۷۸۲ھ / ۱۳۷۸ء) کے خالہ زاد بھائی تھے۔ (مرآۃ الکونین ۳۴۹، وسیلہ شرف ۵۸)

مخدوم احمد چرمپوش کی بہار میں الگ خانقاہ تھی جہاں مریدوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

مخدوم احمد نے طویل سفر کیے اور وسطی ایشیا سے ہوتے ہوئے واپس ہندوستان آئے تو فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کی حکومت تھی سلطان فیروز شاہ ان سے بہت متاثر تھا۔ اور اس نے خانقاہ میں جا کر مخدوم احمد سے ملاقات کی تھی۔ مخدوم احمد ہر موسم میں چمڑے (Leather) کا لباس پہنتے تھے اس لیے چرمپوش مشہور ہو گئے۔ (مرآۃ الکونین ۳۴۹)

مخدوم احمد چرمپوش نہایت درجہ راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھے اور باقی تمام فرقوں کو باطل قرار دیتے تھے۔

مخدوم احمد کی خانقاہ بہار میں مرجع خلافت تھی۔ آپ کے خلفاء اور مریدین کی بہت بڑی تعداد تھی لیکن اس کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے ملفوظات مونس القلوب میں کئی بار ان کا ذکر بڑے احترام سے آیا ہے۔

مخدوم شیخ احمد چہ پوش کا انتقال ۷۷۶ھ / ۱۳۷۵ء کو ہوا مخدوم منیری بھی اس موقع پر حاضر اور تدفین کے عمل میں شریک تھے (وسیلہ شرف ۵۸)

مخدوم احمد کا روضہ محلہ انبیر (Anbir) بہار میں واقع ہے۔ (تاریخ سلسلہ فردوسیہ ۲۳۳، وسیلہ شرف

(۵۸)

مخدوم احمد کی تالیفات میں سے ایک دیوان اور ملفوظات یادگار ہیں۔

ضیاء القلوب

یہ مخدوم احمد چہ پوش کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جو فارسی نثر میں ہے۔ اس کے جامع مخدوم کے خلیفہ شیخ علاء الدین علی بن ابراہیم ہیں۔ ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں کس قدر غیر اسلامی رسم و رواج اور بدعات راہ پاگئی تھیں۔ مسلمان کو راسخ العقیدہ رہنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ بدعتی فرقوں کو بالکلیہ باطل قرار دیا گیا ہے۔

ضیاء القلوب کا فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا بہار سے ۱۳۲۱ھ میں اس کا مخلص اردو ترجمہ چھپا تھا جس کی

عبارت کافی بے ربط سی ہے۔

دیوان احمد

مخدوم احمد چہ پوش فارسی شاعر بھی تھے اور احمد تخلص کرتے تھے۔ اس شعری مجموعہ میں زیادہ تر کلام صوفیانہ ہے۔ مخدوم حافظ شیرازی کے معاصر تھے اس لیے کلام میں حافظ کا رنگ بھی کہیں کہیں جھلکتا ہے۔ مخدوم احمد کا دیوان مطبع نو لکھنؤ سے کئی بار طبع ہو چکا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کے کلام میں معروف ایرانی صوفی اور شاعر شیخ احمد جام زندہ بیل کا کلام اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ اسے الگ کرنا دشوار ہے۔ جب تک شیخ احمد کا کلام الگ سے قدیم نسخے کی صورت میں دستیاب نہ ہو اس وقت تک ان کی شاعری کی قدر و افادیت کا اندازہ بھی بظاہر ممکن نہیں ہے۔ مخدوم احمد کے دیوان کا ایک خطی نسخہ خدابخش اور نیشنل پبلک لائبریری ہانگی پور پٹنہ میں محفوظ ہے۔

ماخذ

- ۱۔ احمد چہ پیش: دیوان (منسوب بہ مخدوم احمد چہ پیش و شیخ احمد جام) نوکسور ۱۳۰۵ھ
- ۲۔ دردائی، محمد معین الدین: تاریخ سلسلہ فردوسیہ، گیا ۱۹۶۲ء
- ۳۔ صوفی، شاہ فرزند علی منیری: وسیلہ شرف و ذریعہ دولت مرتبہ محمد طیب ابدال، پٹنہ ۱۹۶۵ء
- ۴۔ علاء الدین علی: ضیاء القلوب تلخیص و ترجمہ اردو، بہار ۱۳۲۱ھ
- ۵۔ غلام نبی فردوسی: مرآۃ الکونین (تذکرہ صوفیہ) لکھنؤ، مطبع نوکسور ۱۹۱۰ء

۲ / اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شہید قاری

شیخ امیر ماہ، سید افضل الدین ابو جعفر

امیر ماہ آٹھویں صدی ہجری کے معروف صوفی عالم اور مولف تھے۔

امیر ماہ امام زین العابدین کی اولاد میں سے تھے۔ یعنی سید افضل الدین ابو جعفر امیر ماہ بن سید نظام الدین

بن سید حسام الدین۔۔۔۔۔ (آئینہ اودھ ۱۵۴)

امیر ماہ کے اجداد بغداد کے رہنے والے تھے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۸ء میں جب ہلاکو خان (۶۵۳-۶۶۳ھ /

۱۲۵۶-۱۲۶۵ء) نے بغداد پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کیا تو ان کے والد سید نظام الدین بغداد سے ہجرت کر کے

براہ راستہ غزنی ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی چلے گئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن

(۶۶۳-۶۸۳ھ / ۱۲۶۶ء / ۱۲۸۷ء) کی حکومت تھی۔ اس نے سیادت و بزرگی کے اعتراف میں ان کا کچھ وظیفہ

مقرر کر دیا۔ (ہما نجا ۱۵۴، مرآۃ الاسرار برگ ۲۸۸۔ الف، ب)

سلطان محمد شاہ تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) نے جب دہلی کے علماء و مشائخ کو پھر دکن کی

طرف جانے کا حکم دیا تو امیر ماہ کے والد نے دکن جانے کی بجائے اودھ کے ایک پر نضا مقام بہرائچ (Pah-raich) پر

پی ہندوستان کے قصبات میں سے ایک قصبہ) کو پسند کیا اور وہیں طرح اقامت ڈال دی۔ امیر ماہ کے والد ایک عظیم

الشان صوفی اور بلند مقامات کے مالک شیخ تھے بہرائچ ہی میں دفن ہیں (مرآۃ الاسرار، برگ ۲۸۸ ب)

امیر ماہ کی ولادت بہرائچ میں ہوئی، انہوں نے بہرائچ کو اپنا مولد و منشاء خود لکھا ہے۔ (مطلوب فی عشق

المحبوب، محولہ در مرآۃ الاسرار، برگ ۳۸۹۔ الف)

۱ آئینہ اودھ میں والد کی بجائے دادا سید حسام الدین کی ہجرت کا ذکر ہے جبکہ قریب القصد مرآۃ الاسرار میں ان کے والد سید نظام الدین کے ہجرت کر کے وارد ہند ہونے

کا ذکر کیا گیا ہے۔ تھری

تعلیم و تربیت کے بعد امیر ماہ میر سید علاء الدین جاوری سہروردی سے بیعت ہوئے اور پھر خلافت یاب بھی۔ شیخ جاوری اکابر مشائخ میں سے تھے اور براہ راست شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ دہلی کے قریب قصبہ جاوری میں مدفون ہیں (مرآۃ الاسرار ۲۸۸ ب)

شیخ جاوری کے علاوہ امیر ماہ نے شیخ جمال نبیہ شیخ نظام الدین ابوالموید کی صحبت میں بھی کچھ وقت گزارا تھا (ہما نجا ۲۸۸ ب)

امیر ماہ نے کمال و تکمیل کے بعد بہرائچ میں خانقاہ بنائی اور مریدین کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ (ہما نجا ۲۸۸-۲۸۹ الف ب)

سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) جسے صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی جب ۷۵۳ھ / ۱۳۵۳ء میں بنگال کے سفر پر جاتے ہوئے بہرائچ پہنچا تو امیر ماہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور خوب گرم بحث میں سلطان کے بعض شکوک و شبہات رفع کیے، اس ملاقات کے بعد سلطان کا دنیا سے دل سرد پڑ گیا۔ اور اس پر مذہبیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ (مرآۃ الاسرار ۲۸۹ ب مرآۃ مسعودی ۹۹ تاریخ فیروز شاہی عقیف ۳۷۳ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۱۴)

سلطان فیروز شاہ تغلق نے امیر ماہ کی خانقاہ کے مصارف کے لیے اودھ کے چند دیہات دیئے ان کے بیٹے بھی پابندِ شرع صوفی اور اپنے والد کی طرح دعوت و ارشاد میں مصروف رہتے۔ (آئینہ اودھ ۱۵۴-۱۵۵) نواب شجاع الدولہ (۱۷۳۱-۱۷۷۵ء) کے عہد تک اس خانقاہ کے سجادہ نشین اجداد کی علمی و روحانی روایت رکھے ہوئے تھے۔ جب نواب مذکور نے ان کی جائیداد کی ضبطی کے احکام جاری کیے تو انہوں نے اپنا مذہب بدل کر مذہب امامیہ اختیار کر لیا۔ جس سے ان کی نصف جائیداد بچ گئی۔ اب ان کی خانقاہ میں جو دعوت و ارشاد کا مرکز تھی تعزیر داری کی مجالس منعقد کرنے لگے۔ پھر نواب سعادت علی خان (۱۲۱۲-۱۲۳۹ھ / ۱۷۹۸-۱۸۱۳ء) کے عہد میں باقی جائیداد بھی ضبط ہو گئی (آئینہ اودھ ۱۵۵)

معروف صوفی شیخ عین الدین قتال بن شیخ سعد اللہ کیسہ دراز، امیر ماہ کے خلیفہ تھے (مرآۃ الاسرار ۲۸۸ ب) دیگر خلفاء کے حالات بھی تذکروں میں ملتے ہیں۔

امیر ماہ نے طویل عمر پائی تھی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۷۵ / ۱۳۵۶ء) اور شیخ اشرف جہانگیر سمنانی سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ شیخ اشرف جہانگیر نے اپنے مکتوب میں امیر ماہ کی پاکیزگی باطن کا ذکر کیا ہے۔ (مکتوبات اشرف جہانگیر سمنانی محولہ مرآۃ الاسرار ۲۸۹۔ الف)

امیر ماہ کی اولاد میں سے میر سید احمد جہانگیر کے زمانے میں سرگرم عمل صوفی تھے۔ شیخ عبدالرحمن چشتی کے زمانے میں اس خاندان کے ایک فرد میر سید علاء الدین صلاح و تقویٰ سے آراستہ بزرگ بہرائچ میں امیر ماہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ (ہما نجا ۲۸۹ ب)

شیخ عبدالرحمن چشتی کے ایک بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر ماہ کئی کتابوں کے مصنف تھے لیکن انہوں نے ان کے صرف ایک رسالے المطلوب فی عشق المحبوب کا ہی ذکر کیا ہے اور اس کے بعض مندرجات و اقتباسات بھی دیئے ہیں۔ امیر ماہ وحدت الوجودی فکر کے ائمہ میں سے تھے۔

المطلوب فی عشق المحبوب

امیر ماہ کا یہ صرف ایک ہی رسالہ ملتا ہے۔ یہ رسالہ دراصل وحدت الوجود کے مختلف مسائل پر ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۱۴) لیکن اس میں کسی دوسرے دیگر مباحث کے ساتھ اصل موضوع عشق حقیقی کا بیان ہے۔ اس کے ابواب و فصول کا خلاصہ اس طرح ہے۔

باب یکم در بیان عشق در سہ فصل

باب دوم در بیان دل و درو فصل

باب سوم در تجاہد دل و در چہار فصل

باب چہارم در وصول الی اللہ در چہار فصل

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے جس میں اشعار بھی بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔

ہر نئی بات ”ای عزیز“ کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ (فہرست مشترک ۳ / ۱۹۳۶)

اس رسالے میں مؤلف نے خطہ بہرائچ پر کفار کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے (اقتباس رسالہ مشمولہ مرآۃ

کوئٹہ میں سلطان الطاف علی کے کتب خانہ میں اس رسالے کا ایک ایسا خطی نسخہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ماہ نے یہ رسالہ سلطان فیروز شاہ تغلق مذکور کے لیے تالیف کیا تھا۔ (فہرست مشترک ۳ / ۱۹۳۶) لیکن اس رسالے کے دیگر خطی نسخوں سے یہ جملہ حذف ہو چکا ہے۔

اس رسالے کے تین قلمی نسخے کتابخانہ منج بخش اسلام آباد میں ہیں اور چوتھا کوئٹہ کا مذکورہ خطی نسخہ (ہمانجا) اس کا ایک قدیم خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے کتب خانہ علی گڑھ میں بھی ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۱۳)

امیر ماہ کا وصال (۷۷۲ھ / ۷۱-۱۳۷۰ء) میں ہوا (معارج الولايت۔ برگ ۵۰۳ الف ب) ان کا مزار بہرائچ میں آبادی شہر کے قریب ہے مزار پر ایک گنبد خشتی بھی ہے (آئینہ اودھ ۱۵۵)

ماخذ

- ۱۔ ابوالحسن مائیکپوری: آئینہ اودھ۔ کانپور، مطبع نظامی ۱۳۰۵ھ
- ۲۔ امیر ماہ، افضل الدین ابو جعفر: مطلوب فی عشق المحبوب۔ خطی نسخہ کتابخانہ منج بخش مرکز تحقیقات فارسی۔ اسلام آباد نمبر ۱۰۵۰۰
- ۳۔ عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولايت۔ خطی نسخہ ذخیرہ آذر، مخزنہ کتابخانہ مرکزی دانشگاه پنجاب لاہور نمبر H-25
- ۴۔ عبدالرحمن چشتی: مرآة الاسرار۔ خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ
- ۵۔ عبدالرحمن چشتی: مرآة مسعودی۔ اردو ترجمہ۔ مطبع علوی ۱۲۷۷ھ
- ۶۔ عقیف، شمس سراج: تاریخ فیروز شاہی۔ کلکتہ ۱۸۹۱ء
- ۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۳۔ اسلام آباد ۱۹۸۳ء
- ۸۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، نصرت المطالع ۱۲۹۹ھ
- ۹۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی ۱۹۵۸ء
- 10- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian literature, Delhi, 1995.
- 11- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nasir ul din Chiragh-i-Dehli, Delhi, 1981.

۱۵ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

اوج کی تین معروف خانقاہوں میں سے ایک مخدوم سید احمد کبیر کی تھی۔ یہ خانقاہ مریدین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مسافروں اور سیاحوں کی پناہ گاہ بھی تھی۔ (الدر المنظوم ۳۱۰، ۴۰۳) مخدوم احمد کبیر کے مریدین کثیر تعداد میں تھے۔ اور خلفاء بھی تعداد میں کچھ کم نہیں تھے۔

مخدوم احمد کبیر الدین کے فرزند مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (۷۰۷-۷۸۵ھ / ۱۳۰۸-۱۳۸۴ء) کو روحانی و علمی دنیا میں جو شہرت نصیب ہوئی وہ صوفیہ میں بہت کم کسی کے حصے میں آئی ان کے دوسرے فرزند شیخ راجو قتال (ف ۸۲۷ / ۱۳۲۴ء) بھی معروف مشائخ میں سے تھے۔ (سیر العارفین ۱۵۹-۱۶۰)

مخدوم احمد کبیر الدین کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ مخدوم جہانیاں نے خود لکھا ہے کہ میں سات سال کا تھا کہ میرے والد نے حصول علم کے لیے مجھے استاد کے حوالے کیا (سیر العارفین ۱۵۶) ابتدائی تعلیم کے بعد اوج سے ملتان گئے وہاں سے واپس اوج آئے تو ان کے والد یعنی مخدوم احمد کبیر بقید حیات تھے۔ اگر حصول علم کی مدت اور عمر ۲۴ سال فرض کی جائے تو مخدوم احمد کبیر کا سال وفات حدود ۷۳۱ھ / ۳۰-۱۳۳۱ء قیاس کیا جاسکتا ہے (۷۳۱ = ۲۴ + ۷۰۷)

مخدوم احمد کبیر کے خلفاء میں سے شیخ جلال مجر د سلہٹی (Silhati) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے بنگال و سلہٹ میں اسلام کی شمع روشن کی اور ان کی سعی سے اس سرزمین پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور بہت سے غیر مسلم ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (تذکرہ شیخ صدر الدین عارف ۱۷۴-۱۸۹)

مآخذ

- ۱۔ احمد معین علوی: سراج الہدایہ (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری) مرتبہ قاضی سجاد حسین، دہلی ۱۹۸۳ء
- ۲۔ حفیظ الرحمن: تاریخ اوج، دہلی ۱۹۳۱ء
- ۳۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۷۶ء
- ۴۔ صدیق حسن خان، نواب: الفرع النبی عن الاصل السامی۔ بھوپال ۱۳۰۱ھ

- ۵۔ علاء الدین علی: جامع العلوم (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، مرتبہ قاضی سجاد حسین۔ دہلی ۱۹۸۲ء اردو ترجمہ الدر المنظوم از ذوالفقار احمد نقوی۔ دہلی ۱۳۰۹ھ
- ۶۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۷۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، کراچی ۱۹۷۵ء
- ۸۔ محمد رمضان: حالات و مقامات شیخ جلال الدین سرخ بخاری، خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمن داؤدی،

لاہور

- 9- Nizami, K.A: Religion and Politics in India (13th century), Delhi, 1974.

۲۱ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

شیخ احمد معشوق الہی

شیخ احمد معشوق الہی آٹھویں صدی ہجری کے سہروردی صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ احمد کے والد محمد قندھاری افغانستان کے معروف خطہ قندھار میں رہتے اور تجارت کرتے تھے۔ شیخ احمد نشے کی حالت میں رہتے تھے والد نے انہیں اسی وجہ سے تجارت سے الگ کر دیا۔ وہ تجارت کی غرض سے ہی قندھار سے ملتان آ گئے۔ یہیں آکر کاروبار تجارت شروع کر دیا گیا۔

ایک روز ملتان ہی میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے وہاں ان کے فرزند شیخ صدر الدین عارف (ف ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) سے ملاقات ہوئی اور شیخ احمد ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ تجارت ترک کر دی اور مال و اسباب فقراء میں تقسیم کر کے ان کے حلقہ مریدین شامل ہو گئے۔ (سیر العارفین ۱۸۴، سیر الاولیاء ۷۰۸، تاریخ فرشتہ ۲ / ۴۱۳)

شیخ احمد شیخ صدر الدین عارف کے اکابر خلفاء میں تھے۔ ایک روحانی اشارے پر انہیں معشوق کا خطاب القا ہوا تب سے زبان زد عام و خواص ان کا لقب ہی معشوق الہی ہو گیا (نوائد الفواد ۴۳۶، ۴۳۹)

شیخ احمد معشوق کچھ عرصہ بدایوں میں بھی رہے (تجلیات اولیائے سہروردی ص ۳۷)

شیخ صدر الدین عارف سے بیعت کے بعد ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور مدتوں اسی استغراق و محویت خدا میں رہے۔ آخر اس کیفیت سے نکلے اور حالتِ محو میں آئے لیکن ان پر پھر سے غلبہ سکر طاری ہو جاتا تھا۔ (سیر العارفین ۱۸۴، سیر الاولیاء ۷۰۷-۷۰۸، تاریخ فرشتہ ۲ / ۴۱۳-۴۱۴)

شیخ احمد نے شیخ صدر الدین عارف کے خلیفہ کی حیثیت سے سہروردی سلسلہ کی اشاعت میں خاص کردار ادا کیا۔ خانقاہ میں مریدین کی خدمت انہی کے سپرد تھی۔ وہ اس قدر قوی جاذبہ الہی اور عشق حقیقی کے مالک تھے کہ بعد کے اکابر صوفیہ کی مجالس میں ان کی وارفتگی کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا چنانچہ معروف صوفی خواجہ

نظام الدین اولیاء دہلوی کی مجلس میں ان کے معشوق الہی ہونے کا تذکرہ بڑے دل نشین انداز میں کیا گیا ہے (فوائد الفواد ۴۳۶، ۴۳۹)

مخدوم احمد معشوق الہی کا وصال ۷۷۳ھ / ۱۳۲۲ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۴۶) ملتان ہی میں مدفون

ہیں۔

ماخذ

- ۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء
- ۲۔ امیر خور: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ، اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور ۱۹۸۰ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۷۶ء
- ۴۔ ضیاء القادری بدایونی: تجلیات اولیاء سہرورد، ملتان ۱۹۵۸ء
- ۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۶۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، لکھنؤ، مطبع نو لکھنؤ ۱۸۶۴ء
- ۷۔ فریدی، نور احمد خان: تذکرہ حضرت صدر الدین عارف، ملتان ۱۹۵۸ء

۱۲ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

شیخ جمال خنداں رو

شیخ جمال الدین اوچی آٹھویں صدی ہجری کے عالم، محدث اور صوفی بزرگ تھے۔

شیخ جمال الدین اوچی سہروردی سلسلہ کے نامور مشائخ میں سے تھے اور شیخ صدر الدین عارف ملتانی (ف)

۷۷۰ھ / ۱۳۰۹ء) بن شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی (ف ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء) کے خلیفہ تھے۔

شیخ جمال الدین اپنی خانقاہ اوج (Ouch) میں دائمی طور پر درس دیتے تھے (خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم

۲۳) ان کے ہاں ہدایہ، بزدوی، مشارق، مشکوٰۃ اور عوارف المعارف کا درس جاری رہتا تھا۔ (ایضاً ۴۳۶، ۴۷۸)

دو مشہور صوفیہ و علماء شیخ عبداللہ یافعی (ف ۷۶۸ھ / ۱۳۶۷ء) اور شیخ عبداللہ مطری (ف ۷۶۵ھ /

۱۳۹۳ء) کا قول ہے کہ مشائخ صوفیہ میں جو مرتبہ شیخ جمال الدین اوچی کو حاصل ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہے

(ایضاً ۴۳۰) اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شیخ جمال الدین حرمین الشریفین بھی گئے ہوں گے۔ شیخ جمال نہایت

سادہ زندگی بسر کرتے تھے ایک تنگہ کا کپڑا خرید کر اسی سے لباس و دستار بنوا لیتے تھے (ایضاً ۱۱۹)

شیخ جمال کی نسبت ”خنداں رو“ معاصر ماخذ جامع العلوم میں درج نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم ترین

ماخذ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی قبل ۸۳۲ھ / ۱۴۲۸ء) کے ملفوظات لطائف اشرفی (۱ / ۳۸۳) ہیں جہاں

آپ کے نام کے ساتھ ”خنداں رو“ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ جمالی دہلوی (ف ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء) نے سیر

العارفین (۱۸۱ و بعد) میں یہی عرف لکھا ہے۔

شیخ جمال الدین کو شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا براہ راست خلیفہ بتایا ہے

(لطائف اشرفی ۱ / ۳۸۳) لیکن اس سلسلہ کی دوسری کتب میں جو حکایت درج ہے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ

آپ مرید تو شیخ بہاء الدین زکریا کے تھے لیکن آپ کی باطنی تعلیم و تربیت شیخ صدر الدین عارف (ف ۷۷۰ھ /

۱۳۰۹ء) نے کی تھی۔ شیخ جمال الدین اوچی مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے،

آپ کے اجداد میں سے حاجی رجب غزنوی ہندوستان آئے اور اویچ میں طرح اقامت ڈال دی لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات میں ہوا موصوف سید احمد کبیر رفاعی کے مرید و خلیفہ تھے۔ (خطہ پاک اویچ ۱۸۷، ذکر کرام ۸۵) شیخ جمال الدین کی طبیعت استغنا پسند تھی۔ بادشاہوں نے بعض دیہات بطور نذر پیش کیے لیکن قبول کرنے سے انکار کرتے رہے آخر اپنے مشائخ کے اتباع میں قبول کر لیا (جامع العلوم ۳۲۸)

شیخ جمال کے کئی فرزند تھے (ایضاً ۴۳۰) لیکن ان میں سے شیخ رضی الدین (۶۶۷-۷۰۰ھ / ۱۲۶۸ھ / ۱۳۰۱ء) اپنے والد کے جانشین ہوئے اور خانقاہ کا انتظام بطریق احسن انجام دیتے رہے اپنے تبحر علم کے باعث ”منج علم“ کا خطاب پایا (ذکر کرام ۸۵-۸۶)

شیخ جمال الدین خنداں رو کے بہت سے شاگرد و خلفاء تھے لیکن شاگردوں میں جو شہرت مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (۷۰۷-۷۸۵ھ / ۱۳۰۸-۱۳۸۳ء) کو ملی کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آئی (جامع العلوم ۲۴) شیخ جمال خنداں رو کے سال وفات میں اختلاف ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے ۶۷۶ھ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۷) حفیظ الرحمن حفیظ نے ۷۰۰ھ (ذکر کرام ۸۵) اور نور احمد فریدی نے بھی ۷۰۰ھ ہی لکھا ہے (تذکرہ شیخ صدر الدین عارف ۵۵) لیکن یہ تینوں سنیں درست نہیں ہیں اس لیے کہ مخدوم جہانیاں جہان گشت (متولد ۷۰۷ھ) سات سال کی عمر میں حصول علم کے لیے شیخ جمال کی خدمت حاضر ہوئے تھے (جامع العلوم ۲۴ و بعد) گویا کسی معاصر شہادت سے ان کا سال وصال معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں فوت ہوئے، اویچ میں دفن ہوئے ان کی خانقاہ مشہور ترین درگاہوں میں سے ہے۔

ماخذ

- ۱۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۲۔ حفیظ، حفیظ الرحمن: ذکر کرام، دہلی، محبوب المطابع، ۱۳۵۷ھ
- ۳۔ شہب، مسعود حسن: خطہ پاک اویچ، بہاول پور، اردو اکیڈمی، ۱۹۶۷ء
- ۴۔ ایضاً: اولیائے بہاول پور، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۲ء
- ۵۔ مبدائی حسن: نزہۃ (الخواطر) حیدر آباد، دکن، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۶۶ء

- ۵۔ علاء الدین علی قرشی: خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم مرتبہ غلام سرور، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء
- ۶۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع ثمر ہند ۱۸۷۳ء
- ۷۔ فریدی، نور احمد: تذکرۃ شیخ صدر الدین عارف، ملتان، ۱۹۵۸ء
- ۸۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، کراچی ۱۹۷۵ء
- ۹۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی (ملفوظات و احوال، شیخ اشرف جہانگیر سمنانی) دہلی، نصرت المطالع،

۱۲۹۹ھ

برائی دانشنامہ شیبہ قارہ

۹ نومبر ۲۰۰۳ء

شیخ سماء الدین سہروردی دہلوی

شیخ سماء الدین نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی کے معروف عالم، مؤلف و شیخ طریقت تھے۔
 شیخ سماء الدین کے والد شیخ فخر الدین تھے (گلزار ابرار ۱۸۸) جو شیخ صدر الدین محمد معروف بہ راجو قتال
 بخاری بن سید احمد کبیر کے تربیت یافتہ تھے اپنے بیٹے شیخ سماء الدین کے حق میں نیک رہنے کی دعا کیا کرتے تھے (سیر
 العارفین ۲۵۵)

شیخ سماء الدین کا تعلق خطہ ملتان سے تھا اور کنبہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے اکابر نے شیخ
 بہا الدین زکریا ملتانی کے حضور اسلام قبول کیا تھا، شیخ کے دادا حاجی جمال کو شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی نے دہلی بھیجا
 کہ اپنی قوم کے افراد میں دین کی تبلیغ کریں۔ (تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ۴۵۶)

شیخ سماء الدین ملتان سے بغرض سیاحت نکلے اور قصبہ پلا تہ (نزد رنتھنبور) میں مقیم رہے پھر دہلی کا رخ
 کیا۔ (سیر العارفین ۲۶۳)، شیخ راجو قتال بخاری کے ولی عہد شیخ کبیر الدین اسماعیل ایک بزرگ شخصیت کے مالک
 تھے، شیخ سماء الدین نے ان سے بیعت کی، ریاضیات شاقہ کے بعد خلافت یاب ہوئے (ایضاً ۲۵۵)

شیخ سماء الدین دہلی میں اشراق اور چاشت کی نمازوں کے مابین کتب درسیہ پڑھاتے تھے اور باقی اوقات
 دعوت و ارشاد میں صرف فرماتے تھے (ایضاً ۲۵۷) آخر عمر میں ان کی پینائی جاتی رہی پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے
 بغیر کسی علاج کے تندرست ہو گئے۔

شیخ سماء الدین نے شیخ فخر الدین عراقی کی لمحات پر حواشی لکھے تھے جو اس دقیق کتاب کے ”حل معانی
 کے لیے کافی و کافی“ تھے (اخبار الاخبار ۴۲۰) شیخ سماء الدین نے مطلع الاسرار کے نام سے ایک اور عرفانی کتاب
 تالیف کی تھی جو شیخ عزیز الدین نسفی کے رسائل پر مبنی تھی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نظر سے یہ کتاب گزری
 تھی انہوں نے اس کے اقتباسات دیئے ہیں (ایضاً ۴۲۱-۴۲۳)

محمد چشتی نظامی ساکن دہلی نے شیخ سماء الدین کے ایک رسالہ در احوال شیخ ترک بیابانی (ف ۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء) ان کے لقب شمس العارفین کی مناسبت سے اردو ترجمہ تذکرہ شمس العارفین کے نام سے ۱۳۵۷ء کو دہلی سے شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کے اصل متن کے وجود کا حال علم نہیں ہے، نیز کسی معاصر یا قریب العبد تذکرہ نویس نے اس رسالہ کا ذکر نہیں کیا جو اس کا انتساب شیخ سماء الدین سے تسلیم کر لیا جائے۔

شیخ سماء الدین کے دو فرزند تھے اول شیخ عبد اللہ بیابانی مجذوب اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ دوسرے شیخ نصیر الدین تھے جو والد کے بعد جانشین ہوئے، جمالی نے ان کے ایک فرزند شیخ، عبد الغفور عرف لاڈن کا ذکر کیا ہے جن کو شیخ نصیر الدین نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا (سیر العارفین ۲۶۶)، شیخ سماء الدین کی اولاد ہندوستان میں برطانوی دور حکومت میں امر وہہ میں رہتی تھی حامد علی خان بیر سٹر بن حکیم امجد علی خان جو مخدوم سماء الدین کی چندرہویں پشت میں سے تھے مخدوم کی قبر پر کتبہ نصب کیا تھا جس کی نقل ظفر حسن خان نے اپنی مرتبہ فہرست عمارات دہلی میں دی ہے (۶۳ / ۳)

مخدوم سماء الدین کے بکثرت مریدین و خلفاء تھے جن میں سے مشہور تذکرہ نویس حامد بن فضل اللہ جمالی قابل ذکر ہیں جنہوں نے سیر العارفین کے نام سے عرفاً کا ایک عمدہ تذکرہ تالیف کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔

مخدوم سماء الدین کا وصال ۱ جمادی الاول ۹۰۱ھ / ۱۳۹۶ء کو ہوا ان کا روضہ بالائی حوض شمس دہلی میں ہے (اخبار الاخبار ۴۲۱، سیر العارفین ۲۶۸) غوثی، نذوبی نے ان کا سال وفات ۹۰۹ھ درج کیا ہے جو اخبار الاخبار اور سیر العارفین کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا (گلزار ابرار ۱۸۹) صاحب کلمات الصادقین (ص ۱۰۵) نے سال وفات ۱ جمادی الثانی ۹۰۷ھ دیا ہے حالانکہ وہ اخبار الاخبار کی لفظی نقل ہے، البتہ مخدوم سماء الدین کا سال ولادت ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء درج کیا ہے جس سے دیگر تذکرے خالی ہیں اور مقام ولادت ملتان ہی بتایا ہے۔

مخدوم شیخ سماء الدین جب گجرات گئے تو مشہور محدث و عالم شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) بقید حیات تھے، مخدوم ان سے ملے تو انہوں نے بہت ہی احترام کیا (سیر العارفین ۲۶۲)، احمد آباد ہی میں مخدوم نے شیخ احمد کھٹو مغربی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۳۵ء) سے ملاقات کی اور فیض یاب ہوئے (گلزار ابرار ۱۸۸)

مشائخ سہروردیہ نے سلاطین عصر کے ساتھ اختلاط قائم کیا جس سے شرعی امور کا رواج ہوا اور سلاطین کا مذہبی رجحان برابر ترقی پذیر رہا:

Nizami, K A: Suharwardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics (Medieval India, Aligarh, Vol.III no. 1-2 (1957) pp. 109-149)

سلطان حسین شرقی کو سلطان بہلول پر حملہ کرنے سے روک کر اس کی قوت بڑھادی، بہلول کی وفات کے بعد اس کی قبر پر شیخ کا مراقبہ اور اُسے خوش دیکھنا (سیر العارفین ۲۶۱) جو اس کی عزت و شہرت میں اضافہ کا باعث بنا، اس کا جانشین سکندر لودھی تخت پر بیٹھنے سے پہلے شیخ سماء الدین کی خدمت میں گیا اور کتاب میزان شیخ کی خدمت میں پڑھنے کی خواہش کی، شیخ نے اُسے نصیحت کی اور دعادی تو وہ رخصت ہوا (واقعاتِ مشتاقی ۳۱، تاریخ شاہی ۳۳، ۳۷-۳۸، تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی ۱ / ۲۱۸-۲۱۹، سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۴۳، ۴۵۳-۴۵۴)

ماخذ

- ۱۔ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، مرتبہ شمیم زیدی، اسلام آباد، ۱۹۷۴ء
- ۲۔ ائمہ یادگار: تاریخ شاہی مرتبہ محمد ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین اردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی، ٹونک، ۱۹۸۸ء
- ۵۔ سماء الدین سہروردی: تذکرہ شمس العارفین، اردو ترجمہ محمد چشتی نظامی، دہلی ۱۳۵۷ھ
- ۶۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ھ
- ۷۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکر، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۸۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۹۔ مشتاقی، رزق اللہ: واقعاتِ مشتاقی مرتبہ اقدار حسین صدیقی و وقار الحسن صدیقی، رام پور، ۲۰۰۲ء
- ۱۰۔ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۶۰ء
- ۱۱۔ نور احمد خان فریدی: تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی، ملتان، ۱۹۶۱ء
- ۱۲۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی ۱۹۵۸ء

- 12- Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics, (Medieval India, Aligarh, Vol.III, no.1-2 (1957)
- 13- Zafar Hasan: Monuments of Delhi, Delhi, 1997.

۱۶ / اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ کشیہ قارہ

حاجی عبد الوہاب، بخاری

حاجی عبد الوہاب بخاری کی ولادت ۸۶۹ھ / ۱۴۶۵ء کو ہوئی۔ (تذکرۃ الابرار۔ قلمی ورق ۴۵ ب، کلمات الصادقین ۱۰۷)، ان کا نسب ۲۶ واسطوں سے سید الانبیاء ﷺ سے واصل ہوتا ہے، اور آٹھ واسطوں سے سید جلال اعظم حسینی بخاری سے ملتا ہے یعنی:

حاجی عبد الوہاب بن محمد بن رفیع الدین احمد بن محمد بن عبد الوہاب بن محمد بن ابی الکرم حسین بن محمد بن سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری (تذکرۃ الابرار ورق ۴۵ ب ۴۶ الف) اسی طرح ماں کی جانب سے ان کا نسب صرف پانچ واسطوں سے مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری سے واصل ہوتا ہے (ایضاً ۴۶ الف)

آغاز میں ملتان میں قیام تھا (اخبار الاخبار ۲۱۵) آپ اپنے خسر شیخ صدر الدین بن سید حسین بخاری کے مرید و خلیفہ تھے (تذکرۃ الابرار ۴۶ الف) اولین سفر حج سے مراجعت کے دوران عالم رویا میں اپنے شیخ کے حکم پر دہلی میں قیام کیا (ایضاً ۴۷ ب)۔ دہلی میں ہی شاہ عبد اللہ قریشی بن یوسف از اولاد مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی سے بیعت ہوئے اور محبت مرشد میں فتانی الشیخ کا مرتبہ حاصل کیا (ایضاً ۹۲ الف، اخبار الاخبار، ۲۱۴-۲۱۵، کلمات الصادقین ۱۰۶)۔

حاجی عبد الوہاب دوسری مرتبہ دہلی سے حج کے لیے گئے، سید الانبیاء ﷺ کی بشارت پر دہلی میں آکر قیام کیا (تذکرۃ الابرار ۴۹ الف)۔ حاجی عبد الوہاب بخاری کا ۶۳ سال کی عمر میں ۹۳۲ھ / ۱۵۳۶ء میں وصال ہوا اسی روز بابر بادشاہ نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔ انہیں شاہ عبد اللہ قریشی کے مزار کے جوار میں قدیم دہلی میں دفن کیا گیا (تذکرۃ الابرار ۵۲ ب، اخبار الاخبار ۲۱۵، کلمات الصادقین ۱۰۸، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۶۶، نزہۃ النواظر ۴ / ۲۲۳)

شاہ عبد اللہ قریشی کا مزار جوار مزار حضرت شاہ چراغ دہلی میں ہے۔ (سیر المنازل ۹۳)

حاجی عبد الوہاب بخاری کے چار بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں، فرزندوں میں سے شاہ ابو الغیث، شیخ محمد مشائخ، شاہ مزل اور شیخ مدثر تھے، موخر الذکر تینوں بیٹے اور ان کی اولاد بادشاہوں اور امراء کے ہاں منصب دار بھی تھے اور سجادہ مشیخت کی زینت بھی رہے (تذکرۃ الابرار ۵۲ ب ۶۵۳ الف)

حاجی عبد الوہاب بخاری کے بہت سے مریدین و خلفاء تھے ان میں سے شاہ جلال شیرازی (ت ۹۳۴ھ / ۱۵۳۷ء)، سید رفیع الدین شیرازی (ت ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء) شاگرد امام سخاوی و مولانا جلال دوانی، شیخ محمد حسین خیالی (ت ۹۳۴ھ / ۱۵۳۷ء)، شیخ عبدالعزیز (ت ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) شاگرد میاں قاضی خان، شیخ سلیم چشتی فتح پور سیکری، شیخ جلال تھانیسری (ت ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء)، شیخ عبداللہ بہتہ (ت ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء)، شیخ محمود بن شیخ زکریا (ت ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء)، مولانا اسماعیل عرب اور مولانا حاجی محمد کشمیری (ت ۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں (تذکرۃ الابرار ۱۰۸ ب ۱۱۷ الف)

سلطان سکندر لودھی کو حاجی عبد الوہاب سے بڑی عقیدت تھی (تاریخ داؤدی ۷۹، تاریخ شاہی ۶۲-۶۳) حاجی عبد الوہاب بخاری کئی عربی و فارسی کتابوں کے مصنف تھے ان میں تفسیر، حدیث اور تصوف جیسے موضوعات پر ان کی تصانیف ہیں۔ (تذکرۃ الابرار ۳۹ ب ۹۶ الف)۔

حاجی عبد الوہاب کا رسالہ جس میں انہوں نے اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں تذکرۃ الابرار کے مؤلف نے من و عن نقل کر کے محفوظ کر لیا ہے (برگ ۹۳ الف تا ۹۶ الف) اور شامل النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ بھی ان کی تالیف ہے (نہجہ الخواطر ۴ / ۲۲۴)

ان کے علاوہ تفسیر انوری کے نام سے انہوں نے عربی میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی (تذکرۃ الابرار ۳۹ ب ۹۶ الف) معاصر مؤلف شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تفسیر کے بعض اقتباسات بھی دیئے ہیں، اور بتایا ہے کہ اس میں انہوں نے بہت سے دقائق عشق اور اسرار محبت درج کیے ہیں، سارے قرآن پاک کو آپ ﷺ کی نعت بتایا اور لکھا ہے کہ یہ تفسیر غلبہ حال و استغراق میں تالیف کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعض موضوع ظاہری طور پر نامرعی معلوم ہوتے ہیں (اخبار الاخیار ۲۱۵-۲۱۹)۔

عبد الغفور اسدی نے حاجی عبد الوہاب بخاری کی ایک فارسی غزل کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ (تذکرۃ

ماخذ

- ۱۔ عبدالغفور اسدی: تذکرۃ الابرار ۱۰۳۵ھ تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی زیر چاپ
- ۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین، تصحیح و تعلیق محمد سلیم اختر۔ اسلام آباد ۱۹۸۸ء
- ۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی، تصحیح و تعلیقات شریف حسین قاسمی، ٹونک ۱۹۸۸ء
- ۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۴ء
- ۶۔ عبد اللہ: تاریخ داؤدی مرتبہ عبدالرشید، علی گڑھ
- ۷۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی طبع محمد ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء

مراجع دیگر

- ۱۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: طبقات شاہ جہانی۔ خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن نمبر ۷۰۵ Ethe
- ۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: تذکرہ مصنفین دہلی، تحقیق و تعلیق شمس اللہ قادری، حیدر آباد، دکن
- ۳۔ محمد غوثی مانڈوی: اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار، لاہور ۱۳۹۵ھ
- ۴۔ سنگین بیگ مرزا: سیر المنازل مرتبہ شریف حسین قاسمی، دہلی ۱۹۸۲ء
- ۵۔ غلام سرور، لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۶۔ رحمن علی: تذکرۃ علماء ہند ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء
- ۷۔ احمد خان، سرسید: آثار الصنادید، دہلی ۱۹۶۵ء
- ۸۔ محمد عالم قریدی: مزارات اولیاء دہلی، دہلی ۱۳۳۶ھ
- ۹۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی ۱۹۹۰ء
- ۱۰۔ خلیق احمد نظامی: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی ۱۹۵۸ء

(دانشنامہ جہان اسلام، تہران)

حضرت میر سید جمال الدین سہروردی

میر سید جمال الدین سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے اور مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (۷۷۵-۷۸۵ھ / ۱۳۰۸-۱۳۸۳ء) کے ساتھ ان کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے ملتا ہے۔

میر جمال الدین بخاری مشہور عالم و صوفی حاجی عبد الوہاب بخاری دہلوی (۸۶۹-۹۳۲ھ / ۱۴۶۳-۱۵۲۶ء) کے مرید و خلیفہ تھے، حاجی عبد الوہاب جو پہلے اس سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ صدر الدین بخاری کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے، پھر ان کی وفات کے بعد شاہ عبد اللہ قریشی دہلوی (ف ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) سے خلافت یاب ہوئے تھے، حاجی عبد الوہاب کئی کتابوں کے مؤلف تھے ان میں سے تفسیر انوری سب سے زیادہ معروف ہے جو نبی کریم ﷺ کے خصائص پر مشتمل ہے (اخبار الاخیار ۲۱۵)

میر سید جمال الدین بخاری کا حاجی عبد الوہاب سے نسبی تعلق تھا اسی لیے ان کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے تھے، لیکن بعض متاخر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حاجی عبد الوہاب کے برادر حقیقی تھے (خزینۃ الاصفیاء ۸۵/۲)، تذکرہ شاہ رکن عالم ۳-۵، خطہ پاک ادج ۳۱۵) جو صحیح نہیں ہے بلکہ معاصر مؤلف عبد الغفور نے لکھا ہے کہ حاجی عبد الوہاب بخاری تو سید محمد بن رفیع الدین احمد کے اکلوتے بیٹے تھے (تذکرۃ الابرار، خطی وراق ۳۵-اب) میر جمال الدین کا قیام زیادہ دہلی میں رہا۔

میر سید جمال الدین بخاری کشمیر میں وارد ہونے والے پہلے صوفی بزرگ تھے جن کی بدولت اُس خطے میں سلسلہ سہروردیہ کا آغاز ہوا، آپ آخری سلاطین کشمیر کے عہد میں کشمیر گئے تھے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲)، تذکرہ اولیائے کشمیر ۵۶) سلسلہ سہروردیہ کی ترویج کے علاوہ آپ نے کشمیر میں اشاعت اسلام کی خدمات انجام دیں، وہاں ان سے فیض یاب ہونے والوں میں مخدوم حمزہ کشمیری (۹۰۰-۹۸۳ھ / ۱۴۹۵-۱۵۷۶ء) کا نام سرفہرست ہے۔ بلکہ مورخین کشمیر تو ان کے ورود کشمیر کا مقصد ہی مخدوم حمزہ کی تعلیم و تربیت بتاتے ہیں اور اس فرض کی ادائیگی کے

بعد وہ واپس دہلی چلے گئے تھے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲) ان کے خلیفہ مخدوم حمزہ سے کشمیر میں نہ صرف سلسلہ سہروردیہ کو فروغ ہوا بلکہ دینی و معاشرتی فوائد بھی عوام کو پہنچے۔ مخدوم شرع اسلامی کے پابند اور نشہ کے سخت خلاف تھے (کشمیر سلاطین کے عہد میں ۳۵۲) مخدوم حمزہ کے حالات و دینی خدمات پر خواجہ حسن قاری کشمیری راحت الطالبین اور خواجہ میرم بزاز کا تذکرۃ المرشدین معاصر اور قابل توجہ کتابیں ہیں، مخدوم کے خلفاء میں سے مفتی کشمیر علامہ فیروز دین اور بابا داؤد خاکی کے اسماء قابل ذکر ہیں موخر الذکر نے مخدوم کے احوال و مناقب پر ورد المریدین کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی (ان کتب کے خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست مشترک ۱۱ / ۸۵۳-۸۵۷)

میر جمال الدین کے فیض یافتگان کشمیر میں سے ایک اور نام شیخ حسن لالو (Lalo) کا بھی ہے، جو خواجہ فرید الدین عطار کی اولاد میں سے تھے اور مدرسہ ملا ابوالفتح میں درس دیتے تھے اور دینی علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے طویل عمر پا کر ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۸ء کو فوت ہوئے۔ (تاریخ کشمیر اعظمی ۱۸۲، خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۱۰۹)

میر جمال الدین بخاری کا انتقال دہلی میں ۹۳۸ھ / ۱۵۳۱ء کو ہوا اور وہیں دفن ہوئے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲، خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۸۵)

میر جمال الدین بخاری کے حالات و مقامات پر جمال العارفین کے نام سے ایک مستقل کتاب مرتب ہوئی تھی (تحفۃ الابرار، جدول چہارم ص ۲۴) جس کے کسی خطی یا مطبوعہ نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

ماخذ

- ۱۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر اعظمی، سری نگر، ۱۳۵۵ھ
- ۲۔ شہاب، مسعود حسن: خطہ پاک اوج، بہاولپور، ۱۹۶۷ء
- ۳۔ عبدالغفور اسدی: تذکرۃ الابرار، خطی، مرتبہ محمد اقبال مجددی، زیر طبع
- ۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
- ۵۔ فریدی، نور احمد خان: تذکرہ شاہ رکن عالم ملتان، ملتان، ۱۹۶۱ء
- ۶۔ کھوئی ہامی، غلام حسن: تذکرہ اولیائے کشمیر (تاریخ حسن ج ۳)، سری نگر، ۱۹۶۰ء
- ۷۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء
- ۸۔ محمد نواب میرزا بیگ: تحفۃ الابرار، دہلی، ۱۳۲۳ھ
- ۹۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

حضرت شاہ عالم بخاری گجراتی

شاہ عالم گجراتی نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی کے معروف ترین سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے۔

شاہ عالم کے والد شیخ عبداللہ برہان الدین ملقب بہ قطب العالم (ف ۸۵۷ھ / ۱۴۵۷ء) اپنے عہد کے نامور عالم و شیخ طریقت تھے، انہوں نے اپنے آبائی مستقر اوج (Uch) سے گجرات کا سفر کیا تو وہیں احمد آباد کے مضافات کے ایک قصبہ بٹوہ (Batwah) میں سکونت اختیار کر لی وہاں کے سلاطین و امراء و عوام نے انہیں بہت ہی احترام سے رکھا، وہ اپنے والد سید ناصر الدین محمود کے خلیفہ تھے جو مشہور صوفی بزرگ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (ف ۸۵۷ھ / ۱۳۸۳ء) کے فرزند تھے۔ (خاتمہ مرآۃ احمدی ۲۶)

شاہ عالم انہی شاہ قطب عالم کے فرزند تھے جن کا نام سید محمد، سراج الدین خطاب، ابو البرکات کنیت اور شاہ عالم لقب تھا۔ (ایضاً ۳۷) چونکہ وہ اپنے والد کے منجھلے بیٹے تھے اس لیے ”میاں منجھن“ (Mian Manjhan) کے نام سے مشہور ہوئے لیکن عوام میں انہی دو القاب سے جانے گئے (اخبار الاخبار ۳۲۲)

شاہ عالم کی ولادت ۹ ذی قعدہ ۸۱۷ھ / ۱۴۱۵ء کو گجرات میں ہوئی (گلزار ابرار ۱۳۵) مقامی مورخ علی محمد خان نے ۷ ذی قعدہ درج کی ہے (خاتمہ مرآۃ احمدی ۳۷) ان کی والدہ گجرات کے منصب دار کریم خان بن عماد الدین خداوند خان کی بیٹی بی بی آمنہ تھیں۔

اپنے والد گرامی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، ان کے علاوہ شیخ احمد کھٹو مغربی (ف ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶ء) اور شیخ سراج الدین علی چشتی احمد آبادی سے تحصیل کی (اخبار الاخبار ۳۲۳، گلزار ابرار ۱۳۵) شاہ عالم بڑے ذی علم بزرگ تھے خصوصاً علم حدیث پر کامل عبور تھا، ان کے ملفوظات سے ان کے تبحر عالم ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

اپنے والد کی خدمت میں سلوک کی مشق کی سترہ سال کے تھے کہ خلافت یاب ہوئے اور اسی عمر میں شیخ

احمد کھٹو مغربی سے بھی سلسلہ مغربیہ میں اجازت ملی (خاتمہ مرآۃ احمدی ۳۷۷، اخبار الاخبار ۳۲۳)

شاہ عالم اور ان کے والد شاہ قطب العالم کی سلاطین گجرات بہت عزت کرتے تھے اور ان کے حلقہ

ارادت سے وابستگی سعادت سمجھتے تھے، سندھ کے حاکم جام جونہ (جانوہ) کی دو بیٹیاں تھیں بی بی مغلی اور بی بی مرکی،

اول الذکر حاکم گجرات سلطان محمد شاہ (۸۴۵-۸۵۵ھ / ۱۳۲۱-۱۳۵۱ء) سے منسوب ہوئی جس کے بطن سے

فتح خان تولد ہوا جو بعد میں سلطان محمود بیگڑھ (Begarah) (۸۶۲-۹۱۷ھ / ۱۳۵۸-۱۵۱۱ء) کے نام سے

مشہور ہوا، شاہ قطب العالم کی پیش گوئی کے مطابق مذکورہ دونوں بہنیں یکے بعد دیگرے شاہ عالم کے عقد میں آئیں

اور سلطان محمد شاہ کے انتقال (۸۵۵ھ / ۱۳۵۱ء) کے بعد بی بی مغلی بھی شاہ عالم کے عقد میں آئیں کیوں کہ ان کی

پہلی بیوی بی بی مرکی کا انتقال ہو گیا تھا۔ (مرآۃ سکندری ۸۹) بی بی مغلی کا فرزند محمود بیگڑھ اس وقت کم عمر تھا، شاہ

عالم نے اس کی تربیت کی، شاہ عالم کے آخری گیارہ سال اسی سلطان محمود بیگڑھ کے زمانہ میں گزرے۔ اگرچہ شاہ

عالم نے عہد کیا تھا کہ وہ نہ تو ملکی سیاست میں حصہ لیں گے اور نہ ہی سلاطین و امراء سے ربط و تعلق رکھیں گے (گلزار

ابرار ۱۳۵) لیکن حالات کے تقاضے سے سلاطین و امراء ان کی خدمت میں باقاعدہ آنا سعادت تصور کرتے تھے،

سلطان قطب الدین کو ان سے بڑی عقیدت تھی، بعد میں ان سے تعلقات قدرے کشیدہ بھی ہو گئے تھے۔ سلطان

احمد (۱۳۱۱-۱۳۴۳ء) نے ایک بار اعتراف کیا تھا کہ میرا دادا سلطان مظفر (۱۳۹۲-۱۴۱۱ء) مخدوم جہانیاں جہان

گشت کا مرید تھا، شاہ عالم کی سنی میں اپنے والد کے ساتھ سلطان احمد کے دربار میں گئے تھے، یہ انہی حضرات کی

کوششیں تھیں کہ سلاطین و امراء شریعت اسلامی کے نفاذ میں سرگرم عمل رہے:

(Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on
medieval Indian Politics, p.p. 36-41)

شاہ عالم کا تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ جمادی الثانی ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء کو انتقال ہوا آپ کا مزار احمد آباد

گجرات کے ایک مضافاتی قصبہ رسول آباد میں ہے (گلزار ابرار، ۱۳۶، اخبار الاخبار ۳۲۳، مرآۃ احمدی، خاتمہ ۷۷)

(۳۸) شاہ عالم کے والد کی اولاد حضرات قطبیہ اور شاہ عالم کی حضرات شاہیہ کہلاتی ہے۔ ان کی اولاد میں پانچ فرزند

اور چار صاحبزادیاں تھیں (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۳۸) ان کے فرزند اکبر شاہ راجو ان کے جانشین بنے۔ شاہ عالم کا

مزار سلطان محمود بیگڑھ کے ایک امیر تاج نے تعمیر کروایا تھا، ملحقہ مسجد اور دیگر عمارات کی تفصیل علی محمد خان نے دی ہے (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۳۸)

شاہ عالم کے مریدین و خلفاء بکثرت تھے ان میں سے ملک عبداللطیف داور الملک معروف بہ داول شاہ (ف ۵۸۷۹ھ / ۱۲۷۴ء) نے جب شہادت پائی تو شاہ عالم نے کبر سنی کے باوجود جہاد کا ارادہ کر لیا۔ (روضات شاہی مؤلفہ سید جعفر بدر عالم بحوالہ جرنل لاہوری پیر محمد، احمد آباد، شمارہ ۳ ص ۱۸)

شاہ عالم نہایت ذی علم بزرگ تھے ان کے ملفوظات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ایک عظیم کتب خانہ بھی تھا اور اس سے ملحقہ مدرسہ بھی طالبان علم کی تشنگی دور کرنے کے لیے موجود تھا (گجرات کی تمدنی تاریخ ۹۸، ۲۲۰) (Muslim Education and learning in Gujrat, p.p. 146-147)

شاہ عالم کثیر التصانیف بزرگ تھے لیکن زمانہ کے نشیب و فراز سے یہ کتب ضائع ہو گئی ہیں صرف چند دریافت شدہ کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ موصل الطالبین:

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور معرفت، تفسیر، تزکیہ وغیرہ کی تفصیلات پر ہے اس کا ایک نسخہ کتابخانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد گجرات میں ہے (فہرست مخطوطات ۴ / ۱۶۵)

۲۔ الوصول الی اللہ:

فارسی نثر، یہ رسالہ سالکین کے وصول کے موضوع پر ہے (ایضاً ۵ / ۱۸۷) خطی نسخہ کتابخانہ درگاہ پیر محمد زکوریہ میں ہے۔

۳۔ ملفوظات قطبیہ:

فارسی نثر، اس رسالہ میں مؤلف نے اپنے جد اعلیٰ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری کے مناقب لکھے ہیں۔ قلمی نسخہ کتابخانہ درگاہ زکوریہ میں ہے (ایضاً ۶ / ۷۷)

۴۔ زینت المفاتیح کنز اللہ

۵۔ رسالہ مفاتیح خزائن اللہ

یہ دونوں رسائل شیخ شاہ عالم کے مجموعہ وظائف لطائف شاہیہ سے منقول ہیں، ان دونوں رسالوں کے خطی نسخے کتابخانہ مذکور میں ہیں (ایضاً ۶ / ۲۴۱-۲۴۲)

۶۔ مناجات شاہ عالم

یہ شاہ عالم سے منسوب ہے درگاہ مذکورہ میں خطی نسخہ ہے (ایضاً ۶ / ۲۴۲)

۷۔ رسالہ تصوف:

یہ مختصر رسالہ فارسی نثر میں ہے اور عبد اللہ خوینگی قصوری نے پورا رسالہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے (معارج الولايت، خطی، برگ ۵۰۸ ب تا ۵۱۳ ب)

۸۔ لطائف شاہیہ:

اس مجموعہ کا متن شاہ عالم کا مرتبہ جسے بعد میں ان کی اولاد کے ایک ذی علم بزرگ سید محمد مقبول عالم گجراتی (۹۸۹-۱۰۴۵ھ / ۱۵۸۱-۱۶۳۵ء) نے ترتیب دیا تھا یہ رسالہ ڈاکٹر سید وارث علی ترمذی نے مرتب کیا اور اہی سے ۱۹۷۶ء کو طبع ہوا۔

شاہ عالم کی ساری اولاد اہل علم حضرات تھے جن کی بکثرت کتب دنیا کے کتابخانوں میں پائی جاتی ہیں جن میں سے صرف خاندانی احوال پر قابل توجہ کتب کے نام لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ اللطائف البرہانیۃ (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری) مؤلفہ عبد اللطیف ہشتی (بسال ۸۵۴ھ)

۲۔ رشد زاہدی از زاہد بن قطب عالم ۳۔ لب اللباب از سید احمد بن محمد مقبول عالم ۴۔ اذکار اظہار فی

مناقب المشائخ الکبار از محمد مقبول عالم ۵۔ سیرۃ السادات از محمد مقبول عالم (تعارفی مقالہ مشمولہ جرتل شمارہ ۳ درگاہ

پیر محمد شاہ احمد آباد) ۵۔ اعمال السادات مؤلفہ بدر عالم جعفر بن جلال الدین، یہ تمام مخطوطات کتابخانہ درگاہ پیر محمد

شاہ، احمد آباد میں موجود ہیں جن کا تعارف کتابخانہ کی فہرست کی پہلی ۶ مجلدات میں کروایا گیا ہے۔

صدر الصدور سید جلال بخاری رضوی (ف ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء) صاحب دیوان شاعر تھے اور رضا تخلص کرتے تھے، سالار جنگ میوزیم کے دیوان رضا کے خطی نسخے پر ڈاکٹر نذیر احمد کا مفصل مقالہ ارمغانِ علمی (پاس خدمات علمی ڈاکٹر وحید قریشی) میں شامل ہے، اسی طرح سید جلال الدین ابو محمد حسین ماہ عالم بھی فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے، اور جلالی تخلص کرتے تھے (ایضاً ۴۶۰)۔ دین مریدین، رسالہ سوال و جواب اور احساء الاسماء یہ تینوں کتب شیخ محمد بن جلال شاہی کی تصنیف ہیں (نقد عمر ۳۰-۴۰)

چہل حکایت موخر الذکر مؤلف کی تالیف نہیں ہے بلکہ سید مقبول عالم کی ہے جو شاہ عالم گجراتی کی کرامات و خوارق عادات پر مشتمل ہے، اس کے خطی نسخے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور نیشنل میوزیم آف پاکستان میں ہیں (نذیر احمد: خانوادہ، حضرات شاہیہ گجرات کے فضلاء کی تصانیف، مقالہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ ۹۲-۹۷، نقد عمر ۳۰)

روضاتِ شاہی مؤلفہ سید جعفر بدر عالم یہ کتاب چوبیس جلدوں میں ہے اور خاندان شاہ عالم گجراتی کے اصحاب کا تذکرہ ہے جس کا آغاز نبی اکرم ﷺ سے ہوتا ہے اور شاہ عالم گجراتی تک کے حالات تفصیل لکھے گئے ہیں، اس کی جلد اول کتابخانہ ہمدرد یونیورسٹی، کراچی میں ہے (خضر نوشاہی: روضاتِ شاہی اور اس کا مصنف، معارفِ اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۳ء) اس کی سترہویں جلد نیشنل آرکائیوز دہلی میں ہے (ضیاء الدین دیبائی: بیرون گجرات کی علمی خدمات کے مآخذ، مقالہ مشمولہ جرنل شمارہ ۳ درگاہ پیر محمد، گجرات ص ۱۷-۲۱)

شاہ عالم گجراتی کے ملفوظات بھی جمع کیے گئے تھے، موصوف صرف جمعہ کے روز مجلس منعقد کرتے تھے (مرآۃ سکندری ۹۸) اسی مجلس میں املا کا سلسلہ بھی ہوتا تھا اور اسی مناسبت سے ان کے ملفوظات کے مجموعوں کو جمعاتِ شاہیہ کا نام دیا گیا، روضاتِ شاہی کی طرح یہ بھی بہت ضخیم کتاب ہے اس کی جلد ششم و ہفتم کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہیں، جلد ششم میں یکم محرم ۸۷۶ھ سے ۲۰ ذی الحج ۸۷۶ھ کے ملفوظات ہیں اور جلد ہفتم میں ۴ محرم ۸۷۷ھ سے لے کر ذی الحج ۸۷۷ھ تک ملفوظات ہیں، یہ ملفوظات شاہ عالم کے وصال کے عرصہ دراز کے بعد اس خانوادہ کے اہم فرد سید محمد جعفر بن سید جلال مقصود عالم نے مرتب کیے (مقالاتِ نذیر ۳۵۷-۳۸۲) ساتویں جلد کا تعارف ملفوظات شاہ عالم گجراتی کے عنوان سے پروفیسر محمد اسلم نے کروایا، ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت ۲۳۷-۲۶۱)

ملفوظات کے سلسلہ میں ایک نیا انکشاف یہ ہوا ہے کہ شاہ عالم کے ملفوظات کی جمع آوری کا آغاز ۶ ذی الحج ۸۷۱ھ و ۱۱ اور ماہ وصال جمادی الثانی ۸۸۰ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا، جس کا آغاز باقاعدہ شاہ عالم کے حین حیات بندگی میاں سید محمد حضرت میاں منجمن شاہ کے امر سے ہوا، اس کی پہلی جلد کا آغاز ۶ ذی الحج ۸۷۱ھ سے لے کر ۱۹ ذی الحج ۸۷۳ھ تک کے ملفوظات پر مشتمل ہے جس کے جامع فرید بن محمد بن دولت شاہ جلواتی تم کبڑ بنجی (Kibazbanji) ساکن رسول آباد توابع احمد آباد ہیں، اس جلد کا قدیم بوسیدہ خطی نسخہ مخدومی خلیل الرحمن داؤدی مرحوم (لاہور) کے پاس تھا جس کے ابتدائیہ سے مذکور امور کا علم ہوا اس جلد اول کا نام خزائنہ السالکین ہے، اس سے ڈاکٹر نذیر احمد کے قیاسی سنین و مجلدات کا تعین محل نظر ہو جاتا ہے (مقالات نذیر ۴۶۸)

شاہ عالم گجراتی اور ہندی (اُردو قدیم) میں بھی گفتگو کرتے تھے (ایضاً ۴۶۲، اُردو کی ابتدائی نشوونما میں

صوفیہ کرام کا کام ص ۱۸-۲۰)

ماخذ

- ۱۔ ابو ظفر ندوی: گجرات کی تمدنی تاریخ، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۶۲ء
- ۲۔ اکبر ثبوت: نگاہی پہ ملفوظات شاہ عالم، مقالہ مشمولہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ، مرتبہ محی الدین بھٹی والہ، دہلی، ۱۹۸۸ء
- ۳۔ خضر نوشاہی: روضات شاہی اور اس کا مصنف، مقالہ مشمولہ معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۳ء
- ۴۔ دیپائی، ضیاء الدین: بیرون گجرات کی علمی خدمات کے ماخذ، مقالہ مشمولہ جرنل شمارہ ۳، کتابخانہ درگاہ پیر محمد، احمد آباد، گجرات، ۲۰۰۴ء
- ۵۔ عارف نوشاہی: نقدِ عمر، لاہور، ۲۰۰۵ء
- ۶۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الانبیاء مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ش
- ۷۔ عبدالحق: اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، دہلی، ۲۰۰۱ء
- ۸۔ علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ مرتبہ نواب علی، بڑودہ، ۱۹۳۰ء
- ۹۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) مترجم ابو ظفر ندوی، احمد آباد، ۱۹۹۳ء
- ۱۰۔ غلام محمد: مرآۃ محمدی (تاریخ گجرات)، بمبئی ۱۳۴۲ھ

- ۱۱۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
- ۱۲۔ فہرست مخطوطات کتابخانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد، گجرات ۱۹۹۲-۱۹۹۹ء
- ۱۳۔ محمد اسلم: ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت، لاہور، ۱۹۹۵ء
- ۱۴۔ محمد مقبول عالم (مرتب) لطائف شاہیہ مرتبہ سید وارث علی ترمذی، کراچی، ۱۹۷۶ء
- ۱۵۔ منجم بن اکبر، سکندر: مرات سکندری مرتبہ ستیش چندر مصر او محمد لطف الرحمن، بڑودہ، ۱۹۶۱ء
- ۱۔ نذیر احمد: مقالات نذیر، دہلی، ۲۰۰۲ء
- ۲۔ ایضاً: خانوادہ حضرات شاہیہ کے فضلاء کی تصانیف، مقالہ مشمولہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ، دہلی، ۱۹۹۸ء
- ۳۔ ایضاً: صدر الصدور سید جلال بخاری، عہد شاہ جہانی کے ایک صاحب دیوان شاعر، مقالہ مشمولہ ار مغان علمی (پاس خدمات علمی ڈاکٹر وحید قریشی) مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، عارف نوشاہی، تحسین فراقی، لاہور، ۱۹۹۸ء
- ۱۶۔ عبد اللہ عبدی خوینگی قصوری: معارج الولايت، خطی، ذخیرہ آذر، کتابخانہ دانشگاہ پنجاب لاہور،
- 17- Desai, Z.A: Persian and Arabic Epigraphy of Gujrat, Baroda, 1982.
- 18- Quraishi, M.A: Muslim Education and learning in Gujrat, Baroda, 1972.
- 19- Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on medieval Indian Politics, medieval India, Vol.III, No. 12 (1957) Aligarh, 1957

۹ نومبر ۲۰۰۷ء

برائی و الشامہ شہ قارہ

(گلزار ابرار ۲۰۴) تذکرہ حمیدیہ بحوالہ تاریخ جلیلہ ۲۲۳، گلزار ابرار ۲۰۵، بستانِ اخیار ۳۹، اذکار قلندری ص ۱۳۴) سال وفات کسی متعارف تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔

آپ کی اولاد ”ہرج مرج“ زمانہ کے باعث آگرہ کی اقامت ترک کر کے قصبہ ہانسی میں سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ اس خانوادہ کے ایک فرد شیخ عبدالنبی ہانسی حصار کے قصبہ گڑھی میاں بھائی خان بلوچ (ضلع مظفر نگر تھانہ بھون سے ۵ میل کے فاصلہ پر ہے) چلے گئے جہاں دعوت و عزیمت میں عمر صرف کی۔ عبدالغنی، میاں محبوب شاہ بن میاں الہی بخش اور شیخ عبدالرحیم ظاہری و باطنی کمالات کے مالک تھے (اذکار قلندری ۱۳۴-۱۳۵)

تالیفات

شیخ جمال الدین ابو بکر کی صرف تین تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

آپ نے وصایائے امام محمد اور اصولِ بزدوی از ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی کی شرحیں لکھیں (گلزار ابرار ۲۰۴، بستانِ اخیار ۳۹) یہ شروح اب دستیاب نہیں ہیں۔

تذکرہ قطبیہ (فارسی نثر)

یہ کتاب شیخ جمال الدین ابو بکر نے اپنے برادر بزرگ قطب العالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری (ف ۹۱۰ھ / ۱۵۰۳ء) کے مناقب میں لکھی ہے، اس کا سال تالیف واضح طور پر معلوم نہیں ہے اسے حدود ۹۳۷ھ / ۱۵۲۴ء کی تالیف قیاس کرنا چاہیے، اس میں حضرت قطب العالم کی کرامات بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ضمناً اس میں بہت سی تاریخی باتیں بھی درج ہو گئی ہیں، جن سے اس عہد کی کتب تاریخ خالی ہیں، خاص طور پر لاہور کے بارے میں کئی اہم اشارات ملتے ہیں مثلاً قبرستان میانی کو پنج ڈھرہ کہتے تھے، خانقاہ شیخ عبدالجلیل کے قریب کا علاقہ کوٹ کروڑ کہلاتا تھا، جہاں امراء کی عمارتیں تھیں جن میں غازی خان کا تالاب اور دولت خان لودھی کی بادلی تھی، اسی تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے حملہ سے ان عمارات کو نقصان پہنچا تھا، تذکرہ قطبیہ سے دریائے راوی کی گذر گاہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ دریائے راوی کوٹ کروڑ اور مزار شاہ کا کو (یعنی مسجد شہید گنج، لنڈا بازار) کے درمیان بہتا تھا پھر آپ کی زندگی میں دریائے اپنارخ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ (تذکرہ قطبیہ، دیباچہ

نوشتہ شجاع الدین) اس تذکرہ میں چند مقامات پر سندھی دوہڑے اور پنجابی جملے بھی نقل ہوئے ہیں، موکف نے خود بھی پنجابی الفاظ استعمال کیے ہیں، موکف کی نوشتہ فارسی میں مقامی زبانوں کے عناصر نمایاں ہیں، بعض جملوں کی ساخت تو فارسی انداز بیان سے خاصی مختلف ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۱ / ۳۳۲-۳۳۳)

تذکرہ قطبیہ کا فارسی متن اس خانوادہ کے تذکرہ نویس پیر غلام دستگیر نامی نے مرتب کر کے لاہور سے ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء کو شائع کیا، پھر رسالہ سہرورد، لاہور میں اس کے مکمل متن کا عکس طبع کیا گیا۔

ماخذ

- ۱۔ جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی: تذکرہ قطبیہ مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۲ء
 - ۲۔ شہر اللہ لانگاہ ملتانی: تذکرہ حمیدیہ (احوال شیخ سلطان حمید الدین حاکم) ترجمہ اردو از غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۹ء
 - ۳۔ فرحت، فرح بخش: اذکار قلندری (احوال شیخ عبد الجلیل چوہڑ بندگی لاہوری ف ۹۱۰ھ) مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۷ء
 - ۴۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، ج ۱، لاہور، ۱۹۶۳ء
 - ۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء
 - ۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء
 - ۷۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ (احوال خانوادہ شیخ عبد الجلیل چوہڑ بندگی مذکور)، لاہور، ۱۹۶۰ء
 - ۸۔ ایضاً: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء
 - ۹۔ غوثی، حسن شطاری: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء
 - ۱۰۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور
- نوٹ: ہمارے مقالہ غلطی سے دانشنامہ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، تہران جلد دوم میں جناب ڈاکٹر محمد اقبال شاقب کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

حضرت شاہ جمال قادری سہروردی لاہوری

شاہ جمال، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کے معروف مشائخ اور لاہور کے مشہور صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

شاہ جمال سہروردی سلسلہ میں شیخ گکرا بیگ (Kikra Baig) سے ارادت رکھتے تھے جن کا سلسلہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (ف ۶۶۱ھ / ۱۲۳۳ء) کی وساطت سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (ف ۶۳۲ھ / ۱۳۲۳ء) سے حاصل ہوتا ہے۔

شاہ جمال حسینی سید تھے ان کے پس ماندگان عرصہ سے سیالکوٹ (Sialkot) میں مقیم ہیں۔ شاہ جمال اور شاہ کمال دونوں حقیقی بھائی تھے، علم ظاہری و باطنی میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۹۸) شاہ جمال کا خاندان ایران سے کشمیر جا کر آباد ہو گیا تھا ان میں سے یہ دونوں بھائی لاہور آ گئے جن سے یہاں سلسلہ قادریہ و سہروردیہ کو فروغ ہوا، شاہ جمال نے اپنے حین حیات اپنی خانقاہ دمدہ (Beattery) کی طرح سات منزلہ تعمیر کروائی تھی جس کی اب صرف دو منزلیں باقی ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۹۸، تحقیقات چشتی ۶۲۲) شاہ جمال عوام و خواص میں بہت ہی ہر دل عزیز تھے سہروردی کے علاوہ آپ قادری سلسلہ میں بھی بیعت ارادت رکھتے تھے (ایضاً)

شاہ جمال قادری کا انتقال لاہور میں ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۱۰۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۷۳، بزرگان لاہور ۱۴۴) تذکرہ نویسان لاہور کا ان کے سال وفات میں خاصا اختلاف ہے، نور احمد چشتی، کنھیالال اور سید محمد لطیف نے ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۰ء درج کیا ہے (تحقیقات چشتی ۶۲۲، تاریخ لاہور ۳۱۸، لاہور ۲۰۰)

ان سب مؤلفین نے کوئی عصری حوالہ پیش نہیں کیا اور یہ محض ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں، ہم نے مفتی غلام سرور لاہوری کے درج کردہ سال وصال ۱۰۴۹ھ کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ موصوف کو صوفیہ کے تذکروں پر تخصص حاصل تھا۔

شاہ جمال کا مزار لاہور میں اچھرہ (Ichrah) سے مشرق کی جانب ہے جو آپ کے نام کی مناسبت سے شاہ جمال کالونی کہلاتا ہے۔ یہ مقبرہ دو منزلہ وسیع چبوترے پر واقع ہے، مزار پر گنبد بھی ہے، اس کے ایک طرف چھوٹی سی قدیم وضع کی مسجد بھی ہے، گنبد سے باہر شاہ جمال کے خاندان کے بعض افراد کی قبریں بھی ہیں۔

ماخذ

- ۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور ۱۸۶۵ء
 - ۲۔ عبد الحمید لاہوری: بادشاہ نامہ، کلکتہ ۷۲-۱۸۶۶ء
 - ۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء
 - ۴۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء
 - ۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء و المشائخ، لاہور، ۱۹۲۰ء
 - ۶۔ کنہوہ، محمد صالح: عمل صالح (شاہ جہان نامہ) مرتبہ غلام یزدانی و وحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء
 - ۷۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۸ء
 - ۸۔ محمد الدین ہوشیار پوری: باغ اولیائے ہند، لاہور، ۱۹۲۸ء
 - ۹۔ محمد امین قزوینی: پادشاہ نامہ (بخش تراجم عیان، مشمولہ رسالہ اردو، کراچی ج ۵۵۔ ش ۱۔ ۲، ۱۹۷۹ء)
- متن مرتبہ محمد سلیم اختر

10- Muhammad Latif: Lahore, its History, Lahore, 1892.

شیخ سید باقر بن عثمان بخاری اُچی

سید باقر بخاری اُچی بارہویں صدی کے صوفیہ اور مولفین میں سے تھے۔

سید باقر کے خانوادے کا تعلق اُچ کے بخاری سادات سے تھا اور چودہ واسطوں سے ان کا نسب معروف صوفی سید جلال بخاری (بزرگ) سے واصل ہو جاتا ہے۔ یہی سید جلال بخاری (ف ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء) اُچ (Uch) کے خانوادہ سادات کے موسس تھے۔

اس خاندان کی سب سے معروف شخصیت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء) ہیں۔ سید باقر بخاری کی زندگی بالکل ان سے مشابہہ تھی۔

سید باقر بخاری کے والد سید عثمان بخاری ایک عالم، زاہد اور متقی بزرگ تھے انہیں اپنے والد سید داؤد بخاری سے خلافت تھی اور والد کی وفات کے بعد خانقاہ اُچ بخاری کے سجادہ نشین بنے تھے (جواہر الاولیاء ۲۹۶) یہی سید عثمان متعدد اور اہم کتب تصوف کے مؤلف تھے (مقدمہ جواہر الاولیاء ۵۰)

سید باقر بخاری کے حالات اس سلسلہ کے تذکروں میں نہیں ملتے انہوں نے اپنی کتاب جواہر الاولیاء میں مختلف مقامات پر اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہی ان کے حالات کا ماخذ ہے۔

سید باقر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سید عثمان کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اس کے بعد مخدوم سید شمس الدین بخاری گجراتی سے تحصیل کی (جواہر الاولیاء ۱۱۳) اپنے والد ہی سے سلوک کی تربیت حاصل کر کے خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے (ہما نجا ۲۹۶)

سید باقر بخاری نے حصول معرفت کے لیے طویل سفر بھی کیے سندھ کے معروف شہر ٹھٹھہ (Thatha) میں بھی قیام رہا (ہما نجا ۵۵۲)

شامل ہیں جو آج دست برد زمانہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔ مؤلف کی محولہ کتب کی کل تعداد ۷۲ ہے۔ (مقدمہ جواہر الاولیاء ۷۶-۷۹)

جواہر الاولیاء کا سال تالیف مؤلف نے کہیں بھی وضاحت سے نہیں لکھا ہے اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۶ء تک زیر تالیف تھی (ہامنجا ۸۲)

جواہر الاولیاء فارسی نثر میں ہے زبان بہت سادہ اور عام فہم استعمال کی گئی ہے۔ یہ کتاب نثر سادہ و عربی آمیزی کا بہتر نمونہ پیش کرتی ہے۔

اس کتاب میں دینی و عرفانی اصطلاحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں۔ عربی الفاظ بہت برجستگی کے ساتھ فارسی نثر میں لائے ہیں۔ محاورات عربی و فارسی بھی بکثرت اس میں مستعمل ہیں۔ نادر اور کمیاب لغات بھی اس کتاب میں ملتے ہیں جن سے مروجہ فارسی کی کتب لغت خالی ہیں (ہامنجا ۱۳۴)

سید باقر بخاری شاعر بھی تھے انہوں نے اپنے چند اشعار جواہر الاولیاء میں نقل کیے ہیں۔ جن میں سے بیشتر اشعار وزن سے خارج ہیں (ہامنجا ۵۹)

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام (ص ۳۷۳) اور مسعود حسن شہاب نے خط پاک اوج میں کتاب باقر الانوار کو اشتباہاً سید باقر بخاری کی تالیف سمجھ لیا ہے (ہامنجا ۵۹)

مآخذ

- ۱۔ باقر بن عثمان بخاری اوجی: جواہر الاولیاء، بہ تصحیح و تحشیہ غلام سرور، اسلام آباد ۱۹۷۶ء
- ۲۔ شہاب، مسعود حسن: خطہ پاک اوج، بہاولپور ۱۹۶۷ء
- ۳۔ غلام سرور، دکترا: مقدمہ جواہر الاولیاء، اسلام آباد ۱۹۷۶ء
- ۴۔ قانع، میر علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۵۹ء
- ۵۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، کراچی ۱۹۶۳ء

۷ مارچ ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور کا شجر نسب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ساتھ اس طرح ملتا ہے۔

مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی حافظ محمد نقی ابن مفتی محمد تقی بن مولانا کمال الدین خرد بن مفتی عبدالسیح بن مولانا عتیق اللہ ابن مولانا برہان الدین بن مفتی محمد محمود بن شیخ الاسلام عبدالسلام بن شیخ عنایت اللہ بن مولانا کمال الدین بن شیخ مخدوم مشہور بہ میاں کلاں بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین انور بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ قدس اسرار ہم۔^۱

خاندان

مفتی صاحب کے خانوادہ عالی کے سارے افراد اپنے زمانے کے باکمال اصحاب تھے۔ ان میں سے چند ایک کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

مفتی غلام محمد

یہ موقف کے والد تھے۔ مروجہ علوم میں داخل تھا۔ عابد و زاہد، طبیب حاذق، مدرس اور معلم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور مولانا غلام رسول لاہوری سے حاصل کی۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں انتقال کیا۔^۲

^۱ مفتی محمد عالم مرحوم نے خواجہ محمد اجاب لاہوری (مصنف شرح شری) کو مفتی محمد تقی کا فرزند لکھا ہے اور انہیں اپنے فخر و نسب میں شامل کر لیا ہے جو درست نہیں۔ خود مفتی غلام

سرور نے خواجہ اجاب کو مفتی محمد تقی کا شاگرد لکھا ہے۔ (ترجمہ ۲/ ۳۷۰) خود مفتی غلام سرور سے مفتی رحیم اللہ کے بعد مفتی محمد تقی کا نام لکھا ہے (جینا)

^۲ غلام سرور مفتی: صریحہ طاولا، ۱۱۸-۱۱۹

^۳ غلام سرور مفتی: صریحہ طاولا، ۱۱۸-۱۲۰ ترجمہ ۱۱۸/ ۱۲۰ خود عالمہ ذکر جمیل ۶۸-۶۹

مفتی رحیم اللہ

اپنے والد مفتی رحمت اللہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ تمام عمر اپنی آبائی مسجد مفتیاں کوٹلی میں درس و تدریس میں گزاری۔ آپ کا دور سکھ گردی کی بدترین مثال تھا۔ آپ کا خاندان بھی دو دفعہ سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنا۔ کوٹلی مفتیاں کی حویلیاں سکھوں کے ہاتھوں مسمار ہو گئیں۔ مسجد ویران ہو گئی۔ برسوں کا جمع شدہ کتب خانہ بھی برباد ہو گیا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی اور اس حال میں یہیں مقیم رہے اور ہدایت خلق خدا میں مصروف نظر آتے تھے۔ ۱۲۳۵ھ میں انتقال کیا۔^۱

مفتی رحمت اللہ

حافظ مفتی محمد تقی کے فرزند، خلیفہ و جانشین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور طب وغیرہ میں مہارت رکھتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد کوٹلی مفتیاں میں مدرس تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا زمانہ حیات بہت ہی پر آشوب تھا۔ پاک و ہند، مرہٹہ گردی، سکھ ظلم و ستم اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ان حالات میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہ آیا۔^۲

حافظ محمد تقی

حافظ مفتی محمد تقی کے فرزند تھے۔ ۱۱۳۶ھ میں انتقال کیا۔ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔^۳

مفتی محمد تقی

مفتی کمال الدین خرد کے خلف اکبر تھے۔ لاہور کے جید علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں انتقال کیا۔^۴

۱۔ محمود عالم: ذکر جمیل ۶۶

۲۔ نلام سرور ملق: حدیث الاولیاء ۱۱۸-۱۱۹

۳۔ ملق محمود عالم مرحوم نے انہیں خواجہ ابوب قرینی کا فرزند لکھا ہے (ذکر جمیل ۵۹) جو خود ملق نلام سرور ملق کی تحریرات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

۴۔ محمود عالم: ذکر جمیل ۶۵-۶۶

۵۔ پنجاس ۵۴

شیخ الاسلام مفتی عبدالسلام لاہوری

خلف شیخ مفتی عنایت اللہ تھے والد نے انہیں صحن حیات ۱۰۱۴ھ / ۱۹۰۴ء میں اپنا جانشین مقرر کر کے آبائی مسجد مفتیاں کی امامت و خطابت و تولیت اور فتویٰ نویسی کے فرائض آپ کو تفویض کیے۔ ۱۰۳۱ھ / ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا۔^۱

مخدوم مفتی شیخ محمد قریشی معروف بہ میاں کلاں

اس خاندان مفتیاں میں سے پہلے بزرگ ہیں جو ملتان سے لاہور آکر آباد ہوئے۔^۲ سلطان بہلول لودھی نے آپ کو ملتان سے عہدہ افتا پر مامور کر کے لاہور بھیجا تھا اور علاقہ ہیبت پور (موجودہ پٹی قبل تقسیم ہند ضلع لاہور، حال ضلع امرتسر) بطور مدد معاش دیا تھا۔ آپ لاہور آکر محلہ علاول خاں لوہانی (حال گذر حویلی میاں خاں اندرون موچی دروازہ لاہور) میں اقامت گزیرے ہوئے۔ اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی تعمیر کی اور ایک محلہ آباد کیا جو کوٹلی مفتیاں کے نام سے مشہور رہا۔ آپ نے ۸۹۱ھ میں انتقال کیا۔^۳

مولانا حکیم مفتی غلام سرور لاہوری مفتی غلام محمد کے فرزند سوم تھے۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۳۷ء میں اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ طب بھی انہیں سے پڑھی۔ سلسلہ سہروردیہ میں انہیں سے بیعت تھی۔ پھر مولانا غلام اللہ لاہوری کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ، ادب، صرف و نحو، معانی و منطق اور تاریخ کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے بے مثل عالم، ادیب، شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مورخ، شہرہ آفاق تذکرہ نویس کہلائے۔

۱ مفتی محمود عالم نے مفتی عبدالسلام کے والد کا نام قاضی مفتی محمد طاہر لکھا ہے جو درست نہیں بلکہ مفتی غلام سرور نے ان کے والد کا نام مفتی عنایت اللہ تحریر کیا ہے۔ (حدیث الاولیاء)

۲ محمود عالم: ذکر جمیل (۱۳۱۷ھ) مفتی عبدالسلام بن عنایت اللہ کے معاصر مفتی عبدالسلام بن عبدالعزیز لاہوری (مصنف تاریخ المسلمین) ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء بھی لہجہ وقت کے

نامور عالم تھے (اعظم فقہ و اصحاب مفتی عبدالسلام لاہوری مقالہ مشمول الحدائق صفحہ ۱۹۷۰ء)۔

۳ غلام سرور: حدیث الاولیاء، ۱۱۹

۴ محمود عالم: ذکر جمیل، ۷۹-۸۰

تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ زندگی کا ابتدائی حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ پہلے سردار بھگوان سنگھ رئیس لاہور و جاگیر دار فتح گڑھ چوئیاں کی جائیداد کے مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا لال ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن نے جو آپ کے تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلا دی تھی۔ مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے بعد یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لیے موزوں تھی۔

جون ۱۸۹۰ء میں آپ اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سید محمد کی معیت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ بیس ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک دبائے ہیضہ پھوٹ پڑی اور پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمہرات کے روز چوبیس ذالحجہ ۱۳۰ھ، ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو وفات پائی۔ منزل بیر بالا حسانی (مضافات جنگ بدر) میں دفن کیے گئے۔^۱

مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے جو رفیق سفر تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

مؤلف کا ماحول

طبع عالی میں حد درجہ استغناء تھا۔ حکام وقت سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پنڈت بیچ ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائسنر جسٹس اور پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے سے گریز نہ کریں کہ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ لیکن آپ نے کہا کہ نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان

۱ لاہور میں آخری مجلس بیت قدس اس کا والد ہر شمس سنگھ ظفّر دہو تھا سنگھ رحمت سنگھ کے امراء میں سے تھا۔ جس کے بعد دیکھ عرصہ کشمیر کی حکامت بھی رہی تھی۔

۲ کنھیا لال ف ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء طبیب طبخ حبہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ سلسلہ ملازمت لاہور میں گزارا فارسی و اردو میں کامل دستاورد تھی۔ ہندی ٹھکس تھا ملازمت

کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شوق بھی تھا۔ گزاردہ ہندی، ہند کی دس، ایشیاں یادگار ہندی، مناجات ہندی، مخزن التوحید، اخلاق ہندی، قنبر نامہ، رحمت سنگھ معروف بہ رحمت

۳۔ تاریخ پنجاب، نگارین ۴۷ اور تاریخ لاہور اس کی معروف اور مطبوعہ تصانیف ہیں۔ (کسری سنبھال: سورتھن لاہور۔ نمبر ص ۹۸۱-۹۸۵)

۴۔ محمد عالم: ذکر جیل ص ۱۰۱-۱۰۳

سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائسنز کے اصرار کے باوجود آپ نے پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بننا بھی منظور نہ کیا اور تادم زیست اپنے اسی مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں سر سید احمد خاں نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لیے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دوست خاں بہادر ڈپٹی برکت علی کے ہاں فروکش ہوئے۔ خاں بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمائندہ جلسہ اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دروازہ لاہور میں بلایا۔ جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خاں بہادر نے آپ کا تعارف سر سید سے کرایا۔ سر سید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے! نام سنا ہوا تھا۔ آج مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام ان کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: ”سید صاحب! میں اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوں میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے، اس مقصد کے لیے بہت مفید ہے اور پھر جماعتی اتحاد کے لیے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں میں یہاں نہیں دیکھتا۔“ سر سید آپ کا یہ جواب سن کر خاموش رہے۔

آپ کی ساری عمر عزیز تصنیف و تالیف میں صرف ہوئی۔ آپ کا دور نہایت ہی پر آشوب تھا۔ ہندوستان کی سلطنت انگریز مسلمانوں سے چھین چکے تھے اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، اخلاق و اطوار اور مسلمان اعیان کے کارناموں کو فرسودہ قصبے کہہ کر رد کیا جا رہا تھا۔ ایسے ماحول میں آپ کے قلم نے معلم اخلاق بن کر ایک زبردست تذکرہ نویس کے روپ میں گرتی ہوئی قوم کو سنبھالنے کی سعی کی۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

حدیقۃ الاولیاء کے علاوہ مفتی غلام سرور کی دوسری تالیفات کا ذکر یہاں سنن تصنیف کے اعتبار سے کیا جا

رہا ہے۔

- ۱۔ گلدستہ کرامت: (۱۲۷۷ھ) (مناقب غوثیہ تالیف شیخ محمد صادق شہبانی) کا عام فہم اردو ترجمہ ہے۔ لاہور اور پھر متعدد مرتبہ نو لکھنؤ نے شائع کیا۔
- ۲۔ خزینۃ الاصفیاء: (۱۲۸۰-۱۲۸۱ء) صوفیہ کرام خصوصاً اہل ہندوستان کے مجمل حالات پر بہترین شہرہ آفاق کتاب ہے۔ لاہور ۱۹۸۳ء، پھر مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۳ء کانپور ۱۳۱۲ھ اور پھر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ صفحات تقریباً ۱۱۷۶۔ (مکتبہ المعارف لاہور نے خزینۃ الاصفیاء کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ پہلا حصہ چھپ چکا ہے۔
- ۳۔ گنجینہ سروری معروف بہ اسم تاریخی گنج سروری: (۱۲۸۳ھ) اس میں حضرت نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور زمانہ تصنیف تک کے صوفیہ کرام اور علماء کے سین و وفات نظم کیے گئے ہیں۔ مطبع نو لکھنؤ نے شائع ہوئی ہے۔
- ۴۔ تاریخ مخزن پنجاب: ۱۲۸۵ھ، پنجاب کی عام تاریخ اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ لاہور ۱۲۸۵ھ میں پھر لکھنؤ سے دو مرتبہ ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔
- ۵۔ اخلاق سروری اردو: مطبوعہ لاہور ۱۲۸۸ھ، لکھنؤ ۱۸۷۸ء
- ۶۔ گلشن سروری: (۱۲۸۹ھ) اخلاق، سیاست مدن اور روزمرہ کے مسائل پر مشتمل منظوم کتاب ہے مطبوعہ لاہور ۱۸۷۳ء، لکھنؤ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
- ۷۔ مخزن کرامت (اخلاقی باتیں): لاہور ۱۸۷۱ء۔ لکھنؤ ۱۸۷۸ء
- ۸۔ دیوان سروری: مناقب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ لاہور ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء، ۱۲۹۲ھ
- ۹۔ نعت سروری: اردو نظم (لاہور ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۷ء، لکھنؤ ۱۸۷۸ء / ۱۸۸۰ء)
- ۱۰۔ حدیقۃ الاولیاء: ۱۲۹۲ھ

معلق صاحب کی اس کتاب کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ پاک ہند کے کسی اور تذکرہ اصفیاء کو نہیں ہوئی۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی صوفیہ کرام کے حالات پر ۱۲۸۱ھ کے بعد کام ہوا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء اس میں بہ حیثیت ماخذ ضرور شامل نظر آتی ہے۔ نسو سامسز سنوری (ج ۱۔ حصہ ۲ ص ۹۲۳-۱۳۴۷) نے اس کے کلمات سے حوالے دیئے ہیں۔

۱۱۔ بہارستان شاہی یا گلزار شاہی (اردو) ہندوستان کی عام مختصر تاریخ تا عہد انگریزی۔ لکھنؤ ۱۸۷۷ء

۱۲۔ زبدۃ اللغات یا لغات سروری۔ عربی، فارسی اور دیگر غیر ملکی الفاظ کے معنی اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔

لکھنؤ ۱۸۷۷ء

۱۳۔ دیوان حمد ایزدی (اردو) لکھنؤ ۱۸۸۱ء

۱۴۔ مدینۃ الاولیاء (اردو) صوفیہ کرام کا عام تذکرہ ہے۔ اس میں عموماً وہ تراجم شامل ہیں جو خزینۃ الاصفیاء میں

ہیں۔ لکھنؤ سے دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۱۵۔ تحفۃ الابرار: پند نامہ عطار کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۶۔ اقوال الآخرت: بزبان پنجابی (نظم)

۱۷۔ مخزن حکمت: (اردو نثر و نظم) ۱۲۸۸ھ میں پھر ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ اس میں حکمائے متقدمین و

متاخرین اور صوفیہ کے حالات شامل ہیں۔

۱۸۔ تحفہ سروری: (منکوم اردو) اخلاق و تصوف ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ نوکسور نے کئی مرتبہ شائع

کی۔

۱۹۔ انشائے یادگار اصغری: (اردو نثر و نظم) اپنے فرزند اصغر کے نام پر اس کا نام رکھا جو بارہ برس کی عمر میں

۱۲۸۸ھ میں وفات پا گیا۔ اس میں علمی و ادبی مضامین ہیں۔

۲۰۔ جامع اللغات: بسال ۱۸۹۰ء اس میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ و محاورات کے معنی تحریر کیے گئے ہیں۔

مغل صاحب کی تصانیف کی اس فہرست کی تہذیب کے سلسلے میں ہم نے

۱۔ Storey: Persian Literature Vol I part II pp 1044, London 1953 سے ماخوذ ہے۔

۲۔ محمود عالم: ذکر جمیل۔ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۱۱-۱۳۱

۳۔ مغل صاحب: روح المعانی، ص ۱۰۰ اور لکھنؤ، ص ۱۰۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۱۔ مفتاح الیقین و الایمان علی طریقۃ اہل العرفان (عربی)، خطی نسخہ بخط مؤلف مخزنہ کتابخانہ ملی، تہران (فہرستوار، دستنوشتہای ایران ۹ / ۱۰۷۹)

حدیقۃ الاولیاء

اس میں پنجاب کے ۲۴۴ صوفیہ کرام کے حالات شامل ہیں۔ اس کو سات چمن میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چمن اول، سلسلہ قادریہ کے صوفیہ کرام۔ (چمن دوم) در احوال مشائخ چشتیہ (چمن سوم) مشائخ نقشبندیہ (چمن چہارم) مشائخ سہروردیہ (چمن پنجم) مشائخ متفرق سلاسل (چمن ششم) مجاہدین و مجاہذین کے حالات (چمن ہفتم) عورات صالحات کے حالات۔

اس میں سلطان محمود غزنوی سے لے کر ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء تک کے پنجاب کے صوفیہ کرام کے حالات سادہ اور سلیس اردو زبان میں تحریر کیے گئے ہیں۔ لیکن اس میں بعض معروف صوفیہ کرام کے حالات بھی آگئے ہیں۔ جن کا پنجاب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

محاسن

پنجاب کے بعض مشائخ کے حالات صرف اسی ”حدیقۃ الاولیاء“ میں ملتے ہیں۔ مفتی صاحب سے پہلے کے مصنفین نے ان کے حالات نہیں لکھے۔ مثلاً سید کامل شاہ لاہوری، شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری، شیخ محمد صدیق لاہوری، شیخ محمد سلیم لاہوری، شیخ فیض بخش لاہوری، سید مٹھالاہوری، خواجہ ایوب قریشی لاہوری، شیخ فتح شاہ شطاری لاہوری، مولوی غلام فرید لاہوری، مفتی رحیم اللہ قریشی، شیخ نور احمد معروف بہ نور حسین قادری، میراں سید غلام محی الدین، مولوی غلام رسول لاہوری، مفتی غلام محمد (والد مؤلف) میراں سید غلام شاہ، سید غلام غوث، سائیں قطب شاہ لاہوری، معصوم شاہ مجدد لاہوری، مستقیم شاہ فیض پوری، فقیر تاج شاہ، نظام شاہ لاہوری، مائی بھاگی لاہوری، سید سر بلند، پیر ذکی، سید صوف، پیر بلخی، پیر سراج دین، پیر بھولا لاہوری، شیخ فتح شاہ امرتسری، شرف شاہ لاہوری، شاہ ضیاء الدین لاہوری، پیر برہان لاہوری، مخدوم شاہ عالم صدر جہان، شاہ عبدالرزاق مکی لاہوری، پیر زہدی لاہوری، پیر غازی لاہوری، شاہ رحمت اللہ قریشی ملتان ٹم لاہوری، شیخ موسیٰ کھوکھر، شیخ محترم، مفتی محمد مکرم قریشی، شیخ گھلن شاہ، شاہ حسن۔

بعد کے تذکرہ نویسوں نے ان صوفیہ کرام کے حالات فقط حدیقتہ الاولیاء سے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

۲۔ مفتی صاحب پہلے تذکرہ نویس ہیں، جن کے ہاں ہمیں مشائخ کے سنین وفات کے اندراج کا خاص اہتمام نظر آتا ہے۔ گویا اصول تذکرہ نویسی کی خشتِ اول سے مفتی صاحب نہ صرف شعوری بلکہ عملی طور پر بھی آگاہ تھے۔

۳۔ بہت سے معاصر مشائخ کے حالات مفتی صاحب نے محفوظ کر کے پنجاب پر بڑا احسان کیا ہے گویا ان کے حالات کے لیے حدیقتہ الاولیاء کو منفرد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

۴۔ حدیقتہ الاولیاء میں مفتی صاحب نے مشائخ کے حالات کے ضمن میں بعض اہم سیاسی واقعات بھی لکھ دیئے ہیں۔ مثلاً پنجاب کے اعیان کی سکھوں کے ہاتھوں بے عزتی اور مشائخ کے مقابر کی تباہی کے بعض حالات خود مؤلف نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے نقل کیے ہیں۔ خود مفتی صاحب کا خاندان سکھ گردی کا نشانہ بن چکا تھا۔ جس کی تفصیلات مفتی صاحب کی تالیفات میں ہی نظر آئیں گی۔ علاوہ ازیں بعض حالات ثقہ اصحاب کی زبانی بھی تحریر کیے ہیں۔

دوسرا رخ

۱۔ تذکرہ نویسی کے جملہ اصول و ضوابط ملحوظ نہیں رکھے گئے۔

۲۔ ایک نشست میں اکابر پنجاب کے جو اسمائے گرامی ذہن میں آئے۔ ان کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ محنت نہیں کی گئی۔ حالانکہ مفتی صاحب اس مضمون کو پھیلا سکتے تھے۔

۳۔ اکثر بزرگوں کے شجرہ نسب و طریقت (جن کا ہم نے معاصر ماخذ کی مدد سے تقابل کیا ہے) درست نقل نہیں کیے۔

۴۔ آج یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے مشائخ کے تاریخی حالات لکھنے کی طرف کم توجہ کی ہے اور سارا زور ان کی کرامات کے اندراج میں صرف کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں پروفیسر محمد صبیح نے لکھا ہے۔ اس سلسلہ (لنیزہ نامیہ) کا بڑا نقص یہ تھا کہ مصنف نے مقام کا سہارا لے کر ان تمام اصول و معیار کو بکسر نظر انداز کر دیا تھا جو طوائف اسلام کی نظر میں صدیوں تک علم و حکمت کی راہ تھے۔ پتہ ہے کہ جن پڑوسی کے محل مقام پر علم کی مدت قیہ کرے، کبھی نہیں دیکھا

۵۔ مفتی صاحب نے سماعی باتیں بھی شامل کتاب کی ہیں۔ جہاں کہیں مفتی صاحب اپنی تصانیف میں کوئی اہم نقطہ قلمبند کرتے ہوئے ”باقوال صحیحہ“ کی ترکیب سے کام لیں وہاں سمجھنا چاہیے کہ یہ اقوال محض سماعی ہیں۔ تحریری صورت میں موجود نہیں ہیں۔

۶۔ اخبار الاخبار کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال کرنے کے باوجود حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تذکرہ نویسی میں جس تبدل، تجدید، انقلاب اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اسے ملحوظ نہیں رکھا۔

۷۔ ہاں مفتی صاحب کی تصانیف میں ایک اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ انہیں متقدمین کے تذکروں میں ایک بڑی خامی مشائخ کے سنین ولادت و وفات کا فقدان نظر آیا تھا جسے انہوں نے ہر ممکن طریقے سے دور کرنے کی سعی کی ہے اور اس میں بھی بے شمار سنین قیاسی اور غلط ہو کر رہ گئے ہیں اور جن کے سنین وفات مفتی صاحب کو نہیں مل سکے۔ ان کا علیحدہ باب بنادیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء کے اب تک حسب ذیل ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ لاہور ۱۸۷۵ء ۲۔ کانپور ۱۸۷۷ء

۳۔ کانپور ۱۸۸۹ء ۴۔ منشی نوکسور لکھنؤ ۱۸۹۹ء

۵۔ منشی نوکسور کانپور ۱۹۰۶ء ۶۔ مرتبہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء

یہ متن موخر الذکر نسخہ ۱۹۰۶ء پر مبنی ہے۔ کتاب کے متن میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا۔ فقط سہو کتابت کی تصحیح کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے حواشی میں حسب ذیل امور پیش نظر رکھے ہیں:

۱۔ مصنف کے تصامحات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

..... صاحب فریادہ سنیاء نے اپنی کتب میں صوفیہ نام کی کتاب کی تصحیح کر دی ہے۔ جن کو پڑھ کر فضلی محل و مراد کو شرم آجاتی ہے۔ اس (محدث) نے
چشت، نقشبندیہ، مہنویہ، پیر صبیح نے یہ بات نکلوانا کر دی ہے کہ اس زمانے میں کرمانیہ کا ایک جرنیل ایک کچی ہائی جس کے ہاں کے مام کرمان
کے طور پر قریب کا کھانا کرتے تھے۔ پھر پاک وہند کے صوفیہ کرام کو تعلق اسلام کے سلسلہ میں یہاں کے ہندو جوگیاں اور شہداء ہندوں سے متعلق کرنا پڑا تھا۔ اگر مسلمان صوفیہ کرام
ان کے متعلق میں کرمان کا اعتراف کرتے تو کیا کرتے؟ اور اسی کھانے کے پیش نظر ان کا انداز بیان بھی وہ ہے جو مطلقاً سب سے پہلے پاک وہند کا کوئی تذکرہ بیان نہیں جس میں
کرمان سے رجوع ہوں۔ ایک مسلمان کا کہنا صرف کے ہم سے اس قدر کہ کاشی ہندو

۲۔ کسی شخصیت کے حالات کا کوئی ایسا پہلو جو بہت اہم تھا اور اصل متن میں اس کا ذکر نہ تھا تو اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۳۔ رجال کے حالات کے جو مزید مآخذ ہو سکتے تھے۔ ہم نے ان کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں معاصر اور مفرد (جو ایک شخصیت کے متعلق ہو) کو ترجیح دی گئی ہے اور متاخر مآخذ نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۲ دسمبر ۱۹۷۴ء)

حدیقۃ الاولیاء، مقدمہ

شیخ بدرالدین سمرقندی فردوسی

شیخ بدرالدین سمرقندی دہلوی آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور پاکستان و ہند میں سلسلہ فردوسیہ کے موسس تھے۔

شیخ بدرالدین سمرقندی کے اجداد ماوراء النہر سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف بخارا سے ہندوستان آئے اور شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کی صحبت اختیار کر لی۔ (کلمات الصادقین ۱۰۰) اس طرح دہلی میں رہنے لگے۔

شیخ بدرالدین سمرقندی کے مرشد خواجہ سیف الدین باخرزی (ف ۶۵۹ھ / ۱۳۶۱ء) شیخ نجم الدین کبریٰ (ف ۶۱۸ھ / ۱۲۲۶ء) کے خلیفہ تھے۔ شیخ باخرزی سنٹرل ایشیاء کے اکابر مشائخ میں سے تھے (اوراد الاحباب، مقدمہ ایرج افشار)

شیخ بدرالدین کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں ان کے شیخ خواجہ سیف الدین باخرزی کی خانقاہ بخارا میں تھی قیاس ہے کہ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کر کے خلافت یاب ہوئے ہوں گے اور بخارا ہی سے مرخص ہو کر دہلی آئے تھے (کلمات الصادقین ۱۰۰) انہوں نے طویل عمر پائی اور اپنے شیخ کے مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ سے بھی بیعت ہوئے تھے۔ (اخبار الاخبار ۱۱)

یہ غالباً غنواں شباب کی بات ہوگی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بدرالدین سمرقندی بیعت تو شیخ نجم الدین کبریٰ سے ہوئے لیکن تکمیل خواجہ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں کی۔ دہلی میں ان کا قیام سکولہ (Sankolah) میں تھا۔ دہلی کے معروف صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ برادرانہ مراسم تھے انہیں کی صحبت میں زیادہ وقت گزرتا تھا۔ دونوں بزرگوں کی محافل سماع میں شرکت بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ شیخ بدرالدین سمرقندی سماع کے بہت شائق تھے (خیر المجالس ۱۸۵، سیر الاولیاء ۵۲۳، سیر العارفین ۱۲۲)

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستانی معاشرے میں صوفیہ کی کرامات کو بہت مقبولیت حاصل تھی اور صاحب کرامت مشائخ ہی مشہور ہوتے تھے، شیخ بدر الدین سمرقندی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس ذہنیت کے خلاف عوام و خواص میں تبلیغ کی اور کرامت کی بجائے استقامت اور پابندی شرع شریف کی تلقین کی۔ (مناقب الاصفیاء ۱۲۲)

معاشر تذکروں میں شیخ بدر الدین سمرقندی کا سال وصال درج نہیں ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے ۱۳۱۶ھ / ۱۳۱۶ء لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۸۵) انتقال کے بعد موضع سکلہ (Sankolah) میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۴۹۴، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۲۳)

اس وقت شیخ بدر الدین سمرقندی کا مزار دہلی میں پہلوی شمال مشرقی کونلہ فیروز شاہ دروازہ شاہ جہان آباد میں ہے۔ مزار پر ایک کتبہ بھی نصب ہے (تعلیقہ بر ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۸۰)

پاکستان و ہند میں سلسلہ فردوسیہ کے موسس شیخ بدر الدین سمرقندی ہی تھے۔ (مرآۃ الاسرار ۲۷۰) خواجہ رکن الدین فردوسی (ف ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء) شیخ بدر الدین سمرقندی کے خلیفہ تھے۔ (اخبار الاخبار ۱۱۷، تاریخ سلسلہ فردوسیہ ۱۲۱-۱۲۶ء) جن کے جانشینوں میں خواجہ نجیب الدین فردوسی (ف ۷۳۳ھ / ۱۳۳۳ء) مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مرشد کی حیثیت سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

مآخذ

- ۱۔ ابو الفاخر یحییٰ باخیزی: اوراد الاحباب و فصوص الآداب مرتبہ ایرج افشار۔ تہران، ۱۳۳۵ش
- ۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء
- ۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و تعلیقات محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۷ء
- ۵۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء
- ۶۔ دردائی، معین الدین: تاریخ سلسلہ فردوسیہ، گیا، ۱۹۶۲ء
- ۷۔ شعیب فردوسی: مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ مطبوعہ جام شورو، سندھ، ۲۰۰۵ء

- ۸۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۹۔ عبدالرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فرائی، کوئٹہ
- ۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۱۱۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۵ جون ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبیر قارہ

شیخ رکن الدین فردوسی

شیخ رکن الدین بن شیخ عماد الدین فردوسی آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کے سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ میں سے قابل ذکر شیخ تھے۔

شیخ رکن الدین کا سلسلہ فردوسیہ سے تعلق تھا، شیخ نجم الدین کبریٰ (ف ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) اس کے موسس تھے، ان کے خلفاء میں سے شیخ سیف الدین باخزری (ف ۶۵۷ھ / ۱۲۶۰ء) کے خلیفہ شیخ بدر الدین سمرقندی نے اسے برصغیر پاکستان و ہند میں متعارف کروایا، انہی شیخ بدر الدین کے مرید و خلیفہ خاص شیخ رکن الدین فردوسی تھے، (اس سلسلہ کی تاسیس کے لیے دیکھیے لطائف اشرفی ۱ / ۳۵۱)

شیخ بدر الدین سمرقندی بڑے بزرگ تھے، انہیں شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت بھی میسر آئی تھی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجلس سماع میں بھی شریک ہوتے تھے (اخبار الاخیار ۲۲۹-۲۳۰)، انہی شیخ بدر الدین سمرقندی سے شیخ رکن الدین فردوسی کا تعلق خاطر تھا، جب سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶-۶۸۹ھ / ۱۲۸۷-۱۲۹۰ء) کیلو کھری (Kelukehri) نام کا شہر بسایا تو شیخ الدین فردوسی وہاں چلے گئے اور دریائے جون کے کنارے ایک خانقاہ بنوائی جہاں وہ دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۲۲۹-۲۳۰)، سید امیر خورد ساکن نوشاہشہ (Nahenshah) ان کے علاقائی تانا تھے۔ جن کے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں شیخ رکن الدین کی تعلیم و تربیت شیخ بدر الدین سمرقندی نے کی، شیخ عماد الدین فردوسی کے دولہ کے تھے، شیخ نظام الدین اور شیخ رکن الدین، سید امیر خورد نے اپنی بیٹی کا عقد انہی شیخ عماد الدین سے کیا جو اپنے بیٹے شیخ نظام الدین کو لے کر چلے گئے اور شیخ رکن الدین کو شیخ بدر الدین سمرقندی کے سپرد کر دیا جہاں انہوں نے کم سنی میں ان کے فرزندوں کے ساتھ پرورش پائی (تاریخ سلسلہ فردوسیہ ۱۲۲)

شیخ رکن الدین فردوسی کی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم و تربیت ہوئی تھی ان کے معاصر علماء ان سے حسد رکھتے تھے (مناقب الاصفیاء ۱۲۵)

قریب العہد ماخذ شامل الاتقیاء میں شیخ رکن الدین کے بہت سے مناقب درج ہیں جن سے ان کے دعوت و ارشاد اور اس عہد کی معاشرت پر ان کے گہرے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے ایک خلیفہ شیخ نجیب الدین محمد فردوسی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (ف ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) کے ذریعہ سلسلہ فردوسیہ کو بہت فروغ ہوا، انہوں نے اپنے مکتوبات اور تصانیف کے ذریعہ اس سلسلہ کی تعلیمات کو عام کیا جس کی بر عظیم پاکستان و ہند کی اسلامی تاریخ تصوف خاص اہمیت ہے۔

شیخ رکن الدین فردوسی کی تصانیف کا علم نہیں ہے عبدالصمد نے مناقب الاصفیاء (۱۲۶-۱۲۸) میں ان کا ایک مکتوب جو توحید کے موضوع پر نقل کیا ہے۔

شیخ رکن الدین کی قبر شیخ محمود بہاری (تربیت یافتہ خواجہ معین الدین چشتی اجیری) کے پہلو میں قصبہ کیلوکھری میں (کلمات الصادقین ۱۰۱) دریائے جون کے کنارے پر ہے (ذکر جمیع اولیاء دہلی ۲۳) اس وقت ان کا مزار مذکورہ قصبہ میں سکھوں کے گردوارہ کے نزدیک ہے (ایضاً تعلیقات ۱۸۲) یہ مقام بہت ہی پر فضا ہے روحانیت سے معمور (گلزار ابرار ۹۷) شیخ رکن الدین فردوسی کا وصال ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۸۶)

ماخذ

- ۱۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۲۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی، تحقیق و تعلیق شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء
- ۳۔ شاہ شعیب فردوسی: شامل الاتقیاء (احوال مشائخ سلسلہ فردوسیہ)، جام شورو، سندھ، ۲۰۰۵ء
- ۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ش
- ۵۔ عبدالصمد: اخبار الاصفیاء (مائیکرو فلم در کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران)
- ۶۔ غوثی مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، لاہور ۱۳۹۵ھ

- ۷۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء
- ۸۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
- ۹۔ معین الدین وردائی: تاریخ سلسلہ فردوسیہ، گیا، بہار ۱۹۶۲ء
- ۱۰۔ نظام غریب یحییٰ: لطائف اشرفی، دہلی، ۱۲۹۹ھ
- ۱۱۔ اسیر خورد: کبیر الاولیاء دہلی ۱۳۲۲ھ

۱۲ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

حضرت بابا اسحاق مغربی

بابا اسحاق مغربی صوفیہ کے سلسلہ مغربیہ کے اہم افراد میں سے تھے۔

بابا اسحاق کے افراد خاندان دہلی میں رہتے تھے۔ جہاں ان کے مکانات وغیرہ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے والدین سے رخصت ہوئے اور پیر طریقت کی جستجو میں نکل پڑے۔ مختلف طبقات کے چوالیس مشائخ سے ملاقات کی ان سب کی خدمت کی اور ان کے پاس رہ کر اپنے عادات و اطوار درست کیے ان سے خلافت نامے بھی حاصل کیے۔ عرصہ دراز کے بعد واپس دہلی پہنچے سلطان محمد تغلق نے بہت تعظیم و تکریم سے رکھا لیکن دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر آپ وہاں سے چلے گئے اور اجمیر جا کر قیام کیا۔ پھر وہاں سے روضہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی زیارت کے بعد موضع کھٹو (Khatto) ضلع ناگور میں مقیم ہو گئے جو اجمیر بنے قریب تیس کوس مغرب میں جو دھ پور کے علاقے میں ہے (گلزار ابرار ۱۳۵-۱۳۶)۔

بابا اسحاق، حاجی محمد کیسی مغربی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو مغربی سلسلہ طریقت کے ساتھ اس طرح داخل ہوتے ہیں: بابا اسحاق مغربی خلیفہ شیخ محمد مغربی خلیفہ ابو العباس احمد قرشی خلیفہ ابی محمد صالح دکاکی خلیفہ ابو مدین شعیب بن حسین اشبیلی اندلسی (نزہۃ الخواطر ۲ / ۱۰-۱۱) شیخ ابو مدین (ف ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳ء) سلسلہ مغربیہ کے موسس تھے، اکابر مشائخ نے ان سے اکتساب فیض کیا ان میں شیخ محی الدین ابن عربی بھی شامل ہیں، جنہوں نے اپنی تالیفات میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں (سیر اعلام النملاء ۲۱ / ۲۱۹، نفحات الانس ۵۲۸-۵۳۰) ان سے اس سلسلہ کی اشاعت اندلس، بجایہ (مغرب)، تلمسان اور مصر تک ہوئی۔ (Sufi Orders in Islam, p.47...)

بابا اسحاق، شیخ محمد کیسی مغربی کے خلیفہ تھے جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور چالیس مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ اس سلسلے کے سارے افراد معمر ہوئے تھے اس وجہ سے ان حضرات کے داخل ہونے میں واسطے بہت ہی کم ہیں چنانچہ بابا اسحاق مغربی صرف پانچ واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے داخل ہوتے ہیں (اخبار الانبیاء ۱۵، گلزار ابرار ۱۳۵)۔

بابا اسحاق مغربی چند سال سے زیادہ اپنے شیخ کی خدمت میں نہیں رہے (گلزار ابرار ۱۳۵-۱۳۶) طویل سیاحت اور مشائخ سے استفادے کے بعد اپنے وطن مالوف دہلی پہنچے (ہما نجا ۱۳۵) جہاں کچھ عرصہ دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ احمد کھٹو گجراتی مغربی، دہلی ہی میں ان سے منسلک ہوئے اور پھر ان کے ساتھ ہی کھٹو چلے گئے۔ (اخبار الاخبار ۱۵۷، یادایام ۸۷، گلزار ابرار ۱۳۶)

ابتداء میں بابا اسحاق مغربی نے بہت کم افراد کو حلقہ ارادت میں داخل کیا بلکہ اسے پوشیدہ رکھا لیکن جب سلطان تغلق نے نیاز مندی کا اظہار کیا تو طالبوں کا اتنا ہجوم رہنے لگا کہ آپ دلی سے اجمیر اور پھر آخر میں کھٹو میں آ کر بس گئے۔ اسی مقام پر ساری عمر گزار دی اور ۷۷۶ھ / ۱۳۷۳ء میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں۔ (مجمع الابرار بحوالہ نزہۃ الخواطر ۲ / ۱۱، خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۹۰) بابا اسحاق مغربی کا فارسی نثر میں علم سلوک پر ایک مختصر رسالہ رضالا بھریری رام پور نمبر ۸۶۵ میں محفوظ ہے (فہرست مخطوطات فارسی رضالا بھریری رام پور ص ۱۰۰)

مآخذ

- ۱۔ جامی، نور الدین عبدالرحمن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی۔ تہران ۱۳۷۰ ش
- ۲۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء مرتبہ بشار عواد معروف و محی ہلال سرعان۔ بیروت ۱۹۸۲ء
- ۳۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخبار دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۲ حیدر آباد دکن ۱۹۶۶ء
- ۵۔ ایضاً: یادایام (تاریخ گجرات) لکھنؤ ۱۹۸۳ء
- ۶۔ شائستہ خان: فہرست مخطوطات فارسی رضالا بھریری رام پور۔ پٹنہ ۱۹۹۵ء
- ۷۔ علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ مرتبہ نواب علی، بڑودہ ۱۹۳۰ء
- ۸۔ اردو ترجمہ باسم تاریخ اولیاء گجرات از ابو ظفر ندوی۔ احمد آباد، گجرات ۱۹۹۳ء
- ۹۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء
- ۱۰۔ غوثی مانندوی: اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ
- 9- Trimmingham, J.S: Sufi Orders in Islam, Oxford 1971.

۱۶ نومبر ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شیعہ قارہ

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند اس میں تقریباً ۲۱۰ علماء و مشائخ

کے تحقیقی احوال، ان کی تصانیف اور دعوت و عزیمت کی تاریخ میں ان کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں، ان کی کتابوں کا پہلی بار تعارف کروایا گیا ہے، تقریباً پانچ سو مخطوطات کے حوالے اور ان سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے اور ہزاروں نادر الوجود مطبوعات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ علماء کے علاوہ سلسلہ چشتیہ قادریہ، سہروردیہ، مغربیہ، رفاعیہ اور نقشبندی صوفیہ کے تحقیقی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی نایاب تحریرات کے عکس بھی شامل کتاب ہیں۔

اس کتاب کے مولف **پروفیسر محمد اقبال مجددی** ہیں تحقیقی کتابوں کے مولف و مرتب ہیں، جن میں سے مقامات مظہری، مقامات معصومی، حدیقتہ الاولیاء، لطائف المدینہ، حسنات الحرمین، احوال و آثار عبداللہ خویشگی، قصوری، ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی اور تذکرہ خواجہ حسام الدین احمد کو علمی دنیا میں شہرت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات دنیا کے موقر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔



پوسٹ باکس ۵۰ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

فون 042-37124354 فکس 042-37352795

پروکسٹوبکس